

اسلامی فتوحات کی عہد بہ عہد سنہری تاریخ

اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ

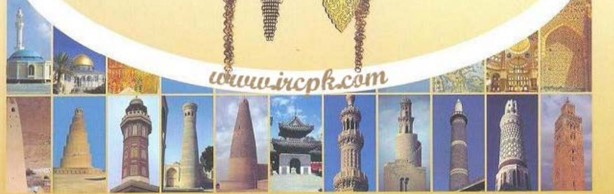
خلافتِ صدیقی سے خلافتِ عثمانیہ کے عروج تک   وسط ایشیا سے مراکش واندلس اور وسطِ یورپ تک



تالیف احمد عادل کمال

ترجمہ واضافہ محسن فارانی

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



اپنی تاریخ سے ناآشنا قومیں اپنے جغرافیے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں

خطاب بہ جوانانِ اسلام

علّامہ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تونے؟ — وہ کیا گردوں تھا، تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا؟
تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری — وہ صحرائے عرب، یعنی شُتربانوں کا گہوارا
سماں اَلفقرُ فخری کا رہا شانِ امارت میں — بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوئے زیبارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے — کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں — مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(بانگِ درا)



اسلامی فتوحات کی عہد بہ عہد سنہری تاریخ

اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ

خلافتِ صدیقی سے خلافتِ عثمانیہ کے عروج تک وسط ایشیا سے مراکش واندلس اور وسطِ یورپ تک

150 قدیم وجدید رنگین نقشے ■ تاریخی مقامات کی 300 نایاب تصاویر ■ نادر معلومات سے آراستہ

تالیف احمد عادل کمال ترجمہ واضافہ محسن فارانی

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4043432-4033962 1 00966 فیکس:4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔العلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945 • الملز فون:4735220 01 فیکس:4735221 • سویلم فون:2860422 01
- مندوب الریاض:موبائل: 0505196736-0503459695 • قصیم (بریدہ): فون/فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل:0506640175-0502839948 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس:8151121 موبائل:0503417155
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون:8692900 03 فیکس:8691551
- ینبع البحر فون/فیکس:3908027 04 موبائل:0500887341 • خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل:0500710328

شارجہ فون:5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون:7220419 713 001 • نیویارک فون:6255925 718 001

لندن فون:4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈآفس ومرکزی شوروم) • 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون :7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس:7354072

موبائل:4212174 0321-8484569 0322 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

کراچی طارق روڈ بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال فون:4393936 21 0092 فیکس:4393937

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس:2281513 51 0092 موبائل:5370378 0321

ⓒ مکتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

كمال، احمد عادل

اطلس الفتوحات الاسلامية باللغة الاردية - احمد عادل كمال - الرياض، ١٤٢٨ هـ

ص: ٤٩٤ مقاس: ٢٤×١٧ سم

ردمك: ٢-٤-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

١. الفتوحات الاسلامية ٢. التاريخ الاسلامي أ. العنوان

ديوي ٩٥٣ ١٤٢٨/٦٢٥٣

رقم الإيداع: ١٤٢٨/٦٢٥٣

ردمك: ٢-٤-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

انتساب

ہر اُس مسلمان مرد اور عورت کے نام جو اس پُرفتن دور میں، دنیا کے کسی بھی خطے میں، اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور اُمتِ مسلمہ کی ''نشاۃ ثانیہ'' اور عظمتِ رفتہ کی بحالی کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

مضامین

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم

عرضِ ناشر

اسلام آفاقی دین ہے۔ اس کی تعلیمات سچی، خالص اور عقیدۂ توحید پر استوار ہیں۔ اگرچہ سابق انبیاء علیہم السلام بھی اسلام ہی کی تبلیغ کرتے رہے، تاہم ان کے پیروکاروں نے اللہ کے دین میں تحریف کرتے ہوئے کفر وشرک کی راہ اپنالی۔ پھر نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے دین اسلام کی تکمیل ہوئی اور اب یہ دین قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔

نبی ﷺ کی سربراہی میں سن 1 ہجری/622ء میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی، وہ تاریخ انسانی کا ایک بے مثال تجربہ تھا۔ کفر وشرک کے علمبرداروں نے ریاست مدینہ کو ملیامیٹ کرنے کی اپنی سی کوششیں کیں اور بار بار اس شہر مقدس پر لشکر کشی کی مگر وہ اُلوہی وعدہ، جو بذریعہ وحی کیا گیا تھا، ایفا ہو کے رہا اور نبی ﷺ اور آپ کے سچے پیروکاروں کے لیے افزونیٔ ایمان کا باعث بنتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سے فرمایا تھا:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○﴾

’’وہ (کافر ومشرک) چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں جبکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کفار ناپسند کریں۔‘‘ [1]

خاتم النبیین ﷺ کی دس برسوں پر محیط مدنی زندگی کے پہلے پانچ سال کفار کی یورش کے مقابلے میں اسلام اور اہلِ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے گزرے اور آخری پانچ سال اسلام کے غلبے اور تفوق وشوکت کے سال ٹھہرے۔ اس دوران میں بدر (2ھ)، احد (3ھ) اور احزاب (5ھ) کے تاریخی معرکے پیش آئے۔ 6ھ میں یہودیوں کا گڑھ خیبر فتح ہوا اور ربیع الاول 8ھ میں موتہ (اردن) کے مقام پر مسیحی رومیوں اور ان کے باجگزار مسیحی غسانیوں کے خلاف تاریخی جنگ لڑی گئی کیونکہ شُرحبیل بن عمرو غسانی نے سفیر نبوت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز دو لاکھ کے لشکر جرار کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کمال دانائی سے لشکر اسلام کو لڑاتے ہوئے پیچھے لے آئے۔ اس ایمان افروز معرکے نے کفار پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ اس کے چار ماہ بعد عرب کا مرکز مکہ فتح ہو گیا اور پھر قبائل عرب یکے بعد دیگرے اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ اگلے سال 9ھ میں جب شمال کی طرف سے رومیوں کے حملے کا خطرہ درپیش تھا تو غزوۂ تبوک میں ایک بار پھر اسلامی شان وشوکت کا اظہار ہوا اور صلیبی رومی مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ربیع الاول 11ھ میں نبیٔ اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی تو خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جزیرہ نمائے عرب میں اٹھنے والے فتنۂ ارتداد کے استیصال کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس کے باوجود انھوں نے نبی ﷺ کے تیار کردہ لشکرِ اسامہ کو شام کی جانب رومیوں کے مقابلے میں روانہ فرمایا جو آپ ﷺ کے مرض کی شدت کے پیش نظر مدینہ کے باہر رک گیا تھا۔ یہ لشکر مظفر ومنصور ہو کر چالیس دن بعد خاصے مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حروب ارتداد سے فارغ ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عراق پر لشکر کشی کا حکم دیا (جو ان دنوں سلطنت

---

1 الصف 8:61.

فارس میں شامل تھا) کیونکہ مغرور حکمرانِ فارس خسرو پرویز نے چند سال پہلے نبی ﷺ کا دعوتی خط پھاڑ کر اسلامی سلطنت کو چیلنج کیا تھا۔ یوں فارس کے ساسانی اور قسطنطنیہ کے رومی حکمران اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے ہوئے نورِ اسلام کے فروغ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے، اس لیے ان دونوں باطل طاقتوں کے خلاف عساکرِ اسلام کی پیش قدمی کا جواز پیدا ہو گیا تھا۔

ایک بار جب اسلامی عساکر نے فارس (ایران) اور روم دو محاذوں کی طرف پیش قدمی کی تو پھر آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور ان کے قدم کہیں نہ رُکے۔ دریں اثناء یرموک اور قادسیہ کے فیصلہ کن معرکوں میں مسلمانوں کی فتوحات نے شام و فلسطین اور عراق و فارس کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔ پھر مسلمان ایک طرف سیستان و خراسان اور آرمینیا و آذربائیجان میں داخل ہوئے تو دوسری طرف مصر و نوبیہ، طرابلس اور افریقیہ فتح کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس کے ساحل (مراکش) تک جا پہنچے۔ اور پہلی صدی ہجری ختم ہونے میں ابھی سات آٹھ سال باقی تھے جب اسلام کے پرچم مشرق میں ماوراء النہر، سندھ اور ملتان سے لے کر مغرب میں جزیرہ نمائے آئی بیریا (اندلس و پرتگال) اور جنوبی فرانس تک لہرا رہے تھے حتی کہ وسطی فرانس میں جنگ تورز (114ھ/632ء) میں امیر عبدالرحمٰن غافقی کی شہادت سے مسلمانوں کے پیرس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے کہ اگر جنگ تورز میں مسلمان فتح یاب ہو جاتے تو آج پیرس اور لندن کے گرجوں میں گھنٹیاں بجنے کے بجائے اذانوں کی صدائیں بلند ہوتیں۔

پھر تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے جزیرے کریٹ، صقلیہ (سسلی)، جزائر بلیارک، سارڈینیا، مالٹا اور جنوبی اٹلی فتح کر لیے۔ اس طرح کم و بیش سارا بحیرۂ روم اسلامی بحری بیڑوں کی جولانگاہ بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں یورپی عیسائیوں نے بیت المقدس (یروشلم) کی بازیابی کے نام پر صلیبی جنگوں (1096ء-1291ء) کا آغاز کیا اور وہ ساحلِ شام اور فلسطین پر قابض ہو گئے، تاہم سلطان نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، ملک الکامل، رکن الدین بیبرس اور سیف الدین قلاوون نے انھیں بتدریج ان علاقوں سے نکال باہر کیا، بالخصوص سلطان صلاح الدین ایوبی کا جنگ حطین (583ھ/1187ء) میں شاندار فتح کے بعد بیت المقدس کو صلیبی قبضے سے چھڑانا ایک بے مثال کارنامہ تھا۔

فتوحات کا تیسرا دور ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں اناطولیہ (ترکی) میں سلطنت عثمانیہ کے قیام کے ساتھ شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے ترکانِ عثمانی درۂ دانیال پار کر کے یورپ میں دریائے ڈینیوب تک پہنچ گئے اور بلغاریہ، مقدونیہ، البانیہ، کوسوو، سربیا اور رومانیہ میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ نصف صدی بعد 857ھ/1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے ڈیڑھ ہزار سال سے قائم رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس جری سلطان نے کریمیا، ترابزون، یونان، ولاچیا (رومانیہ)، بوسنیا و ہرزیگووینا اور یونانی جزائر بھی فتح کر لیے۔ اور اگلی ایک صدی کے اندر اندر مالڈیویا، کروشیا، سلاوینیا، قبرص، روڈس، ہنگری، شام، فلسطین، اردن، مصر، حجاز، یمن، عراق، طرابلس الغرب (لیبیا)، بحرین، تیونس، الجزائر، مراکش، موریتانیہ، مالی، سوڈان، صومالیہ، بورنو (نائیجیریا)، باگیرمی (چاڈ) اور ممباسہ (مشرقی کینیا) سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو گئے۔ یوں خلافت عثمانیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بن گئی۔ اس سے پہلے ترائن کی دوسری جنگ (1192ء) میں پرتھوی راج کو شکست دے کر سلطان شہاب الدین غوری نے شمالی ہند میں اسلامی سلطنت قائم کر لی تھی جبکہ ایک صدی بعد جنوبی ہند میں اسلامی عساکر کی پیش قدمی سے وارنگل (دکن) تک اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا۔

اسلامی فتوحات کی یہ ایک ہزار سالہ تاریخ مسلمانوں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وہ ریکارڈ ہے جو عالم اسلام کے ہر فرد و بشر کے دل میں ولولہ پیدا کرتا ہے۔ امت مسلمہ کے ان ادوار کی تاریخ مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کی ہے مگر کچھ عرصہ پہلے تک اسے قدیم و جدید رنگین نقشوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوئی کوشش سامنے نہیں آئی تھی۔ یہ شرف سب سے پہلے شام کے فاضل دکتور شوقی ابوخلیل ﷾ کو حاصل ہوا جنھوں نے أطلس التاريخ العربي الإسلامي تیار کی جو دار الفکر (دمشق) کی طرف سے شائع کی گئی۔ اس کے بعد ان کی دو اور اٹلسیں منظر عام پر آئیں جو دار السلام (الریاض۔ لاہور) نے اردو میں اطلس القرآن اور اٹلس سیرت نبوی کے نام سے شائع کیں۔ ان میں فاضل محقق محسن فارانی کے قلم سے اضافی توضیحات و تشریحات خاصے کی چیز ہیں۔ دار السلام کی شائع کردہ ان دونوں اٹلسوں کو اردو خواں شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ اس ادارے کی بہت مقبول کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

رنگین نقشوں کے ساتھ تاریخ پیش کرنے کا دوسرا وقیع کام استاذ **احمد عادل کمال** ﷾ کی عربی تصنیف أطلس الفتوحات الإسلامیہ ہے جسے دار السلام (قاہرہ۔ اسکندریہ) نے 1425ھ/2005ء میں شائع کیا۔

استاذ احمد کمال قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کو اسلامی تاریخ سے شغف ہے۔ انھوں نے حکومت کے مختلف اعلیٰ مناصب پر کام کیا اور ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کے حوالے سے مسلسل کام کرتے رہے۔ سب سے پہلے انھوں نے قاہرہ کی اٹلس مرتب کی جس میں اس قدیم شہر کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کے مکمل نقشے شامل کیے اور اس کی خوبصورت تصاویر شائع کیں۔ یہ اٹلس بلاشبہ قاہرہ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑی مفید چیز ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اسلامی تاریخ کے حوالے سے مشہور کتابیں الطریق إلی المدائن، القادسیة، سقوط المدائن و نهاية الدولة الساسانية، الطريق إلى دمشق اور الفتح الإسلامي لمصر ہیں۔ انھوں نے بعض صحابۂ کرام ﷢ کے حالات زندگی پر بھی کتب تالیف کیں۔ میرے نزدیک ان کا سب سے اہم کام أطلس الفتوحات الإسلامیہ ہے۔ فاضل مؤلف کو ان کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف کے طور پر مصری حکومت کی جانب سے متعدد انعامات اور میڈلز سے نوازا گیا۔

راقم دنیا کے مختلف ممالک میں گھومتا رہتا ہے۔ میں کاروباری معاملات کے لیے مختلف بک سنٹرز یا مکتبات میں جاتا رہتا ہوں۔ وہاں میرا زیادہ تر کام نادر کتب کی تلاش ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نئی کون سی کتاب آئی ہے۔ دار السلام (قاہرہ) کے ساتھ میرا تعلق بڑا پرانا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں اداروں کے ناموں میں مکمل مماثلت پائی جاتی ہے مگر دار السلام (قاہرہ) کی تاریخ قدرے پرانی ہے۔ اس کے مالک محترم عبدالقادر محمود بکار میرے ذاتی دوست ہیں۔ کم و بیش دس سال سے قائم یہ دوستی وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوگئی ہے۔ اس مدت میں کتنی ہی باران سے ملاقات رہی۔ ''قاہرہ بک فیئر'' بلاشبہ مڈل ایسٹ کا سب سے بڑا کتاب میلہ ہوتا ہے۔ ہر سال جنوری کے آخر میں 14 دن کے لیے منعقد ہونے والا یہ بک سنٹر اتنے بڑے ایریا میں لگتا ہے کہ آدمی چلتے چلتے تھک جاتا ہے۔ کتابوں کی دنیا سے تعلق رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ مصری قوم بڑی کثرت سے کتابیں پڑھنے والی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اندازاً پانچ چھ لاکھ افراد اس کتاب میلے میں شرکت کے لیے روزانہ آتے ہیں۔ گویا 14 دنوں میں 70 سے 75 لاکھ تک شائقین اس میلے کو دیکھتے ہیں۔

دار السلام (قاہرہ) بھی اس کتاب میلے میں شرکت کرتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر سال اس موقع پر نئی نئی کتب پیش کی جائیں۔ اس میلے میں دار السلام کے تین سے چار بوتھ ہوتے ہیں جن میں سیلز مینوں کی تعداد سو سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب میلہ

کتنا بڑا ہے۔لوگ مہینوں اس میلے کا انتظار کرتے ہیں اور بلاشبہ سیکڑوں کی تعداد میں دنیا بھر کے ناشرین ہزاروں نئی کتابیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے جرمنی میں فرینکفرٹ کتاب میلے کے بعد قاہرہ کا کتاب میلہ سب سے بڑا دیکھا ہے۔استاذ عبدالقادر بکار ایک مدت سے کتابوں کے کاروبار سے منسلک ہیں۔ یہ اصل میں شام کے مشہور شہر حلب کے رہنے والے ہیں جو دمشق کے بعد شام کا دوسرا بڑا شہر ہے۔اس نسبت سے وہ حلبی ہیں۔حلب کے علماء خاصے مشہور ہیں۔خوبصورت، گورے چٹے رنگ کے عبدالقادر ہر چند 58 سال کے لگ بھگ ہوں گے مگر اپنی عمر سے کہیں کم دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے 1973ء میں نشر واشاعت کا آغاز حلب میں شروع کیا۔ان کے سامنے اسلامی کتب کی نشر واشاعت اور اسلامی عقیدے کا دفاع مقصود تھا۔1980ء میں سوریا (شام) میں دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے جینا دوبھر کر دیا گیا۔تب ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنا دین' مذہب اور عقیدہ بچا کر مختلف ممالک کو ہجرت کر گئے۔

بلاشبہ یہ دور نہایت مشکل تھا۔استاذ عبدالقادر بھی وہاں سے اپنا دین اور عقیدہ بچا کر قاہرہ چلے آئے اور اس شہر نے ان کے لیے اپنے بازو وا کر دیے۔یہاں اپنی ٹوٹی پھوٹی تجارت کو انھوں نے نئے سرے سے شروع کیا اور انتھک محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر چند برسوں میں ان کا شمار مصر کے ممتاز ناشرین میں ہونے لگا۔ پہلے مرحلے میں حلب میں شائع شدہ کتب کو دوبارہ شائع کیا گیا۔قاہرہ کی زمین علمی لحاظ سے بڑی زرخیز ہے۔ یہاں آپ کو بے شمار عالم ملیں گے۔جامعہ ازہر کا شمار بلاشبہ دنیا کی بڑی اور قدیم ترین جامعات میں ہوتا ہے۔یہاں ایک لاکھ سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔بدقسمتی سے وہاں کے حالات اور ظروف ایسے ہیں کہ بیشتر علماء کے چہرے سنت نبوی سے مزین نہیں ہیں۔نجی مجالس میں یہ لطیفہ مشہور ہے کہ مصر کے علماء کو تین چیزیں معاف ہیں: ڈاڑھی' سگریٹ اور ام کلثوم۔

اب الحمدللہ یہاں کتاب وسنت کی دعوت کے نتیجے میں بڑا انقلاب آ چکا ہے۔مذکورہ قباحتیں اب کم ہوگئی ہیں۔مشہور مغنیہ ام کلثوم کا سحر ٹوٹ چکا ہے۔پبلک مقامات پر سگریٹ پینا عیب سمجھا جاتا ہے۔اور علماء نے اب پوری ڈاڑھیاں رکھ لی ہیں۔دراصل جن حالات سے مصر کے عوام گزرے ہیں، واقف حال لوگ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی مجبوریاں کیا تھیں۔بہرحال آج کل بلکہ کئی برسوں سے یہاں امن وسکون ہے۔ہم دارالسلام (قاہرہ) کی بات کر رہے تھے کہ چند برسوں کے بعد اس ادارے نے بڑی بڑی کتابیں شائع کرنا شروع کر دیں جن میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کے رسائل شامل تھے۔2004ء میں اطلس القاہرہ بڑی شان وشوکت سے شائع ہوئی۔فاضل مؤلف نے اس کے ساتھ ساتھ أطلس الفتوحات الإ سلامیہ کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔

اس کام پر کم وبیش 6 سال لگ گئے۔جو حضرات اس کام کی باریکیوں سے آگاہ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ بہر حال 2005ء میں یہ خوبصورت کتاب شائع ہوکر قاہرہ کتاب میلے میں پیش کر دی گئی اور پھر جلد ہی میری نظر اس اٹلس پر پڑ گئی جبکہ میری حالت تو یہ ہے کہ میں خود کتابوں کا دیوانہ ہوں۔خوبصورت کتابیں میری کمزوری ہیں۔میری زندگی کا ایک اصول ہے کہ اگر میں کسی بھی بک سٹور میں داخل ہو جاؤں تو لازماً وہاں سے کوئی نہ کوئی کتاب خرید کر نکلتا ہوں۔میرے لیے ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے نفس پر قابو پاؤں اور کتاب نہ خریدوں۔کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ مجھے چین میں بک سٹورز میں جانے کا اتفاق ہوا۔وہاں کتب چینی زبان میں بکتی ہیں جن کا ایک لفظ بھی مجھے نہیں آتا مگر میری حالت یہ ہوتی ہے کہ چلیے اس کتاب کا خوبصورت لے آؤٹ ہے۔اس کا کاغذ بڑا اچھا ہے۔اس کی پرنٹنگ اور اس کی بائنڈنگ بڑی عمدہ ہے۔چلیے اپنے آرٹسٹوں کو دکھائیں گے۔اور پھر میں لازماً کتب خرید لیتا ہوں۔سفر سے واپسی پر میرے سامان میں سب سے زیادہ کتب ہوتی ہیں۔اطلس الفتوحات الاسلامیہ

کو دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے رات ہی اس کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھ ڈالا۔ نقشے دیکھتا چلا گیا۔ دراصل مجھے تاریخ سے محبت ہی نہیں عرف عام میں عشق ہے۔ میں تصور میں اپنے ان مجاہدین کو دیکھتا ہوں جنھوں نے اسلام کے پرچم کو سر بلند رکھا اور چہار سو فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے۔ میں مئی 1986ء میں پہلی مرتبہ ترکی اور شام گیا تھا۔ دمشق سے حلب اور حماہ کا راستہ طے کرتے ہوئے چشم تصور میں اسلامی لشکر کو مسلسل آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ میں تو ان راہوں کی تلاش میں تھا جہاں سے مجاہدین گزرے اور لوگوں کو امن و سلامتی کا پیغام دیتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے چلے گئے۔

محترم قارئین! میں افسانہ نہیں لکھ رہا ہوں۔ یہ میرے دل کی آواز ہے۔ میری اسلامی تاریخ بڑی خوبصورت ہے۔ میرے اسلاف نے دین محمدی کو پھیلانے کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔ انھوں نے اپنا آرام اور سکون تج کر طاغوت کو ملیا میٹ کر دیا۔ میں یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ میری اس دن سے خواہش تھی کہ میں فتوحات اسلامیہ پر اٹلس شائع کروں گا مگر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس رات سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو میں اس بات کا تہیہ کر چکا تھا کہ اردو جاننے والوں کے لیے اس کتاب کو اردو میں شائع کرنا میرے اوپر قرض ہے۔ میں اپنی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کی قربانیوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور پھر میں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنے بھائی اور عزیز عبدالقادر بکار سے کیا اور ان کے صدر دفتر میں بیٹھ کر بڑے لمبے مذاکرات کیے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ترجمے کا کام کوئی آسان نہیں ہے۔ بڑا محنت طلب اور صبر آزما کام ہوتا ہے۔ حقوق کے سلسلے میں میرے مطالبات بڑھتے چلے گئے۔ ادھر میرا اصرار تھا، ادھر ناشرین کی سرد مہری تھی۔ میرے دلائل ناکافی مگر قوی تھے۔ میں نے خطیر رقم کی پیشکش کر دی تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں۔ بالآخر طویل گفتگو کے بعد ایک معاہدہ طے پا گیا۔

دارالسلام (الریاض۔ لاہور) کے سامنے کچھ مقاصد ہیں، کچھ عزائم ہیں جن کی تکمیل کے لیے وہ دن رات کام کر رہا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ہم اپنی نسلوں کو کتاب و سنت پر مبنی لٹریچر فراہم کرنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اسلاف کے کیا کارنامے ہیں۔ میں ہر روز ایک دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے اچھی ٹیم عطا فرما۔ اچھے، مخلص ساتھی عطا فرما۔ میرے رب نے میری اکثر دعائیں قبول فرمائی ہیں۔ اور آج الحمد للہ پوری دنیا میں کم و بیش 250 سے زائد افراد ہماری ٹیم میں شامل ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے شخصی تعلقات مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے ہیں۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ دارالسلام قاہرہ کے مدیر اور مالک جناب عبدالقادر بکار انھی لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ میرے کاروباری ہی نہیں بلکہ ذاتی اور شخصی تعلقات ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔

ہم نے ایک معاہدے کے تحت اس کام کا آغاز کیا۔ علوم تاریخ و جغرافیہ اور لسانیات کے شناور اور دارالسلام ریسرچ سنٹر (لاہور) کے شعبہ سیرت و تاریخ کے انچارج جناب محسن فارانی نے اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ عربی نقشوں کو بھی اردو میں ڈھالا ہے۔ عربی کتاب کے متن اور نقشوں کی غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انھوں نے مقامات و اعلام اور بعض واقعات کے حوالے سے توضیحی حواشی بھی رقم کیے ہیں جن سے اٹلس کی افادیت دو چند ہوگئی ہے۔

اس کام کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ میرا محسن فارانی صاحب سے اس دوران میں مسلسل رابطہ رہا ہے۔ میں اس سلسلے میں جو مشورے دے سکتا تھا اپنے تجربات کی روشنی میں عرض کرتا رہا۔ ناشر کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب جلد از جلد مارکیٹ میں آئے۔ محققین کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ وہ جب تک پوری تحقیق نہ کر لیں اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے۔ بہر حال یہ ایک عظیم کام تھا جو اللہ کی توفیق سے مکمل ہوگیا ہے۔ اپنی کوشش

میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ تو قارئین کریں گے۔ بہر حال بشری کمزوریوں کا اعتراف ضروری ہے۔ دارالسلام کے کسی کام میں بھی اگر کوئی خوبی ہے تو یہ محض میرے رب کا فضل وکرم ہے۔ اور اگر کمزوری اور خامی ہے تو اس کی ذمہ دار انتظامیہ ہے۔ تاہم قارئین کی تجاویز اور مشوروں کا ہمیشہ سے احترام کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی مشورہ یا عمدہ تجویز میرے علم میں آ جائے میں اسے کم ہی بھولتا ہوں اور امکانی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس لیے قارئین سے درخواست ہے کہ ہمیں اپنے مشوروں اور تجاویز سے ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کی درستی اور عمدہ تجاویز پر عمل کیا جا سکے۔

جناب محسن فارانی نے اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) کے نقشوں میں پائی جانے والی متن اور پروف کی اغلاط کی تصحیح بھی کی ہے، مثلاً ان کی تحقیق کے مطابق:

① ایشیائی ترکی کا ایک شہر چناق قلعہ (Canakkale) ہے جسے عربی اطلس کے مختلف نقشوں میں دو مختلف طریقوں سے "جناق قلعہ" اور "شانکالا" لکھا گیا ہے مگر کتاب کے متن میں ''جنا قلعہ'' چھپا ہے جبکہ اول الذکر درست ہے۔

② اناطولیہ کی ایک ترک ریاست ''گرمیان'' تھی جس کا نام عربی اطلس کے نقشوں میں کرمیان، جرمان، قرمان اور جرمیان، یعنی چار مختلف طریقوں سے درج ہے جبکہ اول الذکر صحیح ہے۔ اسی طرح ''گرمیان'' کے مشرق میں واقع ترک ریاست ''قرہ مان'' یا ''قرامان'' تھی جس کا دارالحکومت قونیہ تھا مگر اس ریاست کا نام مختلف نقشوں میں تین طرح سے قرہ مان، قرمان اور کرمان چھپا ہے جبکہ اول الذکر درست ہے۔ (کرمان دراصل ایران میں ہے۔)

③ اناطولیہ کی ایک اور ترک ریاست ''ذوالقدر'' کا نام عربی اطلس کے بعض نقشوں میں غلط طور پر ''ذوالقادر'' اور ''ذوالفقار'' چھپا ہے۔

④ مغربی ایران کے ایک علاقہ ''لورستان'' کو عربی اطلس کے نقشوں میں ایک جگہ ''لارستان'' اور دوسری جگہ ''بلاداللور (کورستان)'' لکھا گیا ہے جبکہ لارستان جنوب مغربی ایران کے ایک علاقے کا نام ہے جس کا صدر مقام شہر ''لار'' ہے، اور ''لرستان'' یا ''لورستان'' شہر ''لُر'' یا ''لُور'' سے منسوب ہے۔

⑤ اطلس (عربی) میں بلغاریہ کے شہر روسچق کو زیادہ تر نقشوں میں ''روسجق'' اور ایک جگہ ''روسشک''، مشہور میدان جنگ نکوپولس کو ایک نقشے میں نیکو بولیس جبکہ دیگر نقشوں میں ''نیبولی''، ترکی کی جنوبی بندرگاہ علائیہ (موجودہ علانیہ) کو علاثیہ، شمالی ترکی کے شہر ''اسکلپ'' کو ''سکیب'' اور ''اسکیب'' اور رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ (Bucharest) کو ایک نقشے میں ''بوخارست'' اور دیگر نقشوں میں ''بکرش'' درج کیا گیا ہے۔

⑥ عربی اطلس کے نقشوں میں یونان کے شہر تریک قلعہ (Trikkala) کو دو طرح سے طیرھال اور ترھالا لکھا گیا ہے جبکہ شمالی یونان کا شہر کستوریہ (Kastoria) بگڑ کر ''کسریہ'' بن گیا ہے۔ یونانی شہر کفالا (Kavalla) کو کہیں ''قولہ'' اور کہیں ''کافیا'' لکھا ہے۔ بلغاریہ کے شہر قستندیل (Kystendil) کو ایک نقشے میں قسطویل اور دوسرے میں قستندیل درج کیا ہے۔ سربیا کا شہر ''نیش'' دوسرے نقشے میں ''نیشی'' بنا دیا گیا ہے۔ اناطولیہ کا شہر ابلستان (Arabissus) یا البستان بعض نقشوں میں قیصریہ (قیصری) کے مشرق میں درج ہے مگر اسے ایک نقشے میں ''عرب صون'' کے نام سے قیصریہ کے مغرب میں دکھایا گیا ہے۔

⑦ عربی اطلس کے نقشہ 50 میں عراق کے شہر ''دستجر د'' اور ''دسکرہ'' کو دو الگ الگ شہر دکھایا گیا ہے جبکہ یہ ایک ہی شہر ہے اور اس کا موجودہ نام دسکرہ ہے۔ اسی طرح عراقی شہر جلولاء اور قزل رُباط بھی دو شہروں کے طور پر دکھائے گئے ہیں جبکہ جلولاء ہی کا موجودہ نام قزل رُباط ہے۔ قزل رُباط پروف کی غلطی سے ''قزلوباط'' بن گیا ہے۔

⑧ اطلس (عربی) میں کریٹ کے کچھ حصے کی فتح ''ایام ولید'' میں بتائی گئی ہے۔ درحقیقت جنادہ کے ہاتھوں یہ فتح عہدِ یزید بن معاویہ (60ھ تا 64ھ) میں ہوئی تھی اور جنادہ 80ھ میں وفات پا گئے جبکہ ولید اول بن عبدالملک اور ولید ثانی بن یزید ثانی دونوں بعد میں برسرِ اقتدار آئے۔

⑨ عربی نسخے میں ''فتوح آرمینیا'' کے ضمن میں اَرزن اور قالیقلا (ارزن الروم) کو ایک شہر ''قالیقلا (ارزن)'' گردانتے ہوئے ان کی فتوحات کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے، حالانکہ ''ارزن'' (فتح 639ء) اور قالیقلا (فتح 46-645ء) دو الگ الگ شہر ہیں اور قالیقلا (ارزن الروم) اب ارضِ روم کے نام سے مشہور ہے۔

⑩ اطلس (عربی) میں اندلس کے اموی حکمران عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط (متوفی 300ھ) کا نام عبداللہ بن موسیٰ بن نُصیر دیا گیا ہے جو درست نہیں۔

⑪ عربی اطلس میں آذربائیجان کے شہر واسپراکان (Vaspurakan) کو تین طرح سے معرب کر کے پہلے ''بسفرجان (واسبراکان)'' اور پھر ''فاسبورکان'' لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ دو الگ الگ شہر نہیں بلکہ ایک ہی شہر ہے جو کہ واسپراکان ہے۔

یوں اماکن و اعلام کے ناموں کے تناقضات دُور کرنا اور درست ناموں کے اردو مترادفات ڈھونڈنا اور نقشوں میں مقامات کا ٹھیک ٹھیک تعین کارے دارد تھا۔ تاریخوں اور سنین کی غلطیاں اس پر مستزاد تھیں۔ یہ کام اس لیے بھی تحقیق طلب تھا کہ اطلس فتوحات اسلامیہ (اردو) کو بعد میں انگریزی میں بھی منتقل کرنا تھا۔ بہر حال محسن فارانی صاحب اور اُن کے ساتھی بڑی عرق ریزی سے اس مشکل کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں اور انھوں نے متن کے ساتھ قدیم و جدید تاریخ و جغرافیہ پر مبنی جو تحقیقی و توضیحی حواشی لکھے ہیں وہ انتہائی مفید ہیں۔ مختصر حواشی زرد رنگ میں دیے گئے ہیں اور طویل حواشی کا رنگ نیلا رکھا گیا ہے۔

''شخصیات و مشاہیر'' میں انھوں نے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ، طارق بن زیاد رحمہ اللہ اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے احوال بھی شامل کیے ہیں اور بنو عدنان اور بنو قحطان کے شجرے مکمل اور درست کیے ہیں۔

علاوہ ازیں انھوں نے اُنیس اضافی نقشے بھی شاملِ اطلس کیے ہیں جن سے فتوحات اسلامیہ کے متعلقہ ممالک کی موجودہ سرحدیں واضح ہوتی ہیں اور مختلف شہروں اور مقامات کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اب کس کس ملک میں واقع ہیں۔ فتح قسطنطنیہ کے حوالے سے دو اضافی نقشے بھی دیے ہیں۔ یوں انھوں نے شہروں، دریاؤں، جھیلوں اور دیار و امصار کے قدیم اور جدید نام اور مفید معلومات شامل کر کے اطلس کو ایک جامع انسائیکلوپیڈیا بنا دیا ہے۔

یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ٹیم نے اس کام میں حصہ لیا ہے ان کا بھی ذکر ہو جائے۔ اردو اطلس کی تیاری اور پروف خوانی میں فارانی صاحب کو حافظ قمر حسن، حافظ اقبال صدیق اور مولانا محمد عمران اقبال کا تعاون بھی حاصل رہا، بالخصوص حافظ قمر حسن نے عربی اطلس کے آخری حصے ''یومیات و حولیات'' کا شستہ اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ مشرف علی نے فارانی صاحب کی نگرانی میں کمپیوٹر پر اردو نقشے بڑی محنت سے ڈیزائن کیے،

افضال احمد نے کمپوزنگ کی ذمہ داری نبھائی۔ آرٹ ڈائریکٹر جناب زاہد سلیم چودھری اور اُن کی ٹیم کے ارکان حافظ کاشف ظہیر، محمد ندیم کامران، محمد نعیم اور عطاء الرحمٰن ثاقب نے باتصویر ڈیزائننگ سے کتاب کے حسن میں قابلِ قدر اضافہ کیا، بالخصوص زاہد سلیم صاحب نے اسلامی تاریخ کی نادر مساجد اور دیگر عمارات کی تصاویر کا انتخاب بڑی تندہی سے کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ اور حافظ عبدالعظیم اسد سلمہ مدیر دارالسلام لاہور کا میں بجاطور پر شکر گزار ہوں جن کی نگرانی میں اطلس فتوحات اسلامیہ (اردو) کا عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ یہ مقام شکر ہے کہ اس کتاب کے انگلش ترجمے پر کام جاری ہے اور وہ جلد ہی ان شاء اللہ مارکیٹ میں دستیاب ہوگا۔ اپنے مناسب وقت پر اس عظیم کام کو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی منتقل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

قارئین سے گزارش ہے کہ ہماری یہ کاوشیں پسند خاطر ہوں تو رب رحیم وکریم سے ہمارے حق میں قبولیت اور مغفرت کی دعا فرمائیں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، الریاض، لاہور

رمضان 1428ھ / ستمبر 2007ء

تقدیم

اللہ کے رسول ﷺ نے بعثت کے بعد کی تیئیس سالہ زندگی میں سے تیرہ سال مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو دعوت دینے میں گزارے۔ آپ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ لوگوں کے گھڑے ہوئے ان گنت جھوٹے خداؤں کے بجائے اس کائنات کے حقیقی مالک اللہ ذوالجلال والاکرام کی عبادت کرو۔ انسانوں سے شفقت و محبت کا سلوک کرو، ہر انسان کی عزت، جان اور مال کو قابلِ احترام سمجھو، اپنے رشتوں کو خوبصورتی سے نبھاؤ، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کا سلیقہ اپناؤ، کمزوروں اور ضرورت مندوں کے مددگار بنو، رذائل اخلاق، مثلاً: جھوٹ، فریب، غیبت اور چغل خوری سے دور رہو، گندی اور غلیظ چیزوں سے احتراز کرو۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس خوبصورت اور بے ضرر دعوت پر اکثر اہلِ مکہ آپ کے شدید دشمن ہو گئے اور اس دشمنی میں حد سے گزر گئے۔ اُنھوں نے آپ پر اور آپ کے بے ضرر اور کمزور ساتھیوں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ انھیں گھر چھوڑ کر بے وطن ہونا پڑا۔

ان تیرہ سالوں میں آپ ﷺ نے یک طرفہ طور پر ہر طرح کے ستم اٹھائے اور جواب میں ہر ایک سے شفقت اور خیر خواہی کا سلوک کیا، گالیاں کھائیں اور جواب میں دعائیں دیں، ظلم سہے اور احسان کیے، پھر بھی دشمنوں کی طرف سے کینہ اس قدر بڑھا کہ سازش کر کے قتل کے درپے ہوئے، آپ رات کو ان کے گھیرے سے نکلے اور وطن چھوڑ کر مدینے میں پناہ لی۔

قریش کی آتشِ عداوت پھر بھی ٹھنڈی نہ پڑی اور وہ مدینہ میں بھی آپ ﷺ کے درپئے آزار ہو گئے اور آپ کے خلاف وہاں کے یہودیوں اور منافقوں کے ساتھ مل کر سازشیں کرنے لگے۔ اس وقت جب کوئی اور چارہ نہ رہا تو اللہ کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اذنِ جہاد ملا:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾

’’جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلا شبہ خانقاہیں اور گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں ڈھا دی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ بہت قوت والا، خوب غالب ہے۔ (یہ) وہ لوگ

(ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ [1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اذنِ جہاد کا پس منظر بتایا، دنیا میں نیکی اور اچھائی کی بقا کے لیے اس کی ضرورت کو واضح کیا اور انسانیت کے لیے اس کے خوبصورت ثمرات کی خبر دی۔

اسلامی جہاد، جس طرح ان آیات میں بتایا گیا، ظلم وستم اور جارحیت کو روکنے کے لیے تھا، کسی جارحیت کے لیے نہ تھا۔ مدینہ کو دشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لیے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے مدینہ کی حدود کی حفاظت کا سلسلہ شروع کیا، ان سرایا کا بنیادی مقصد حدودِ مدینہ کی حفاظت کے لیے سکاؤٹنگ کرنا تھا۔ پھر جب یہ بات واضح ہوئی کہ اہلِ مکہ نے اپنے مالی وسائل یکجا کر کے اس غرض سے انھیں تجارت میں لگایا ہے کہ اس کی آمدنی سے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ہتھیار مہیا کریں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ کفار کی خود مدینہ کی حدود کے اندر سے گزر کر جارحیت کی مالی تیاری کے اس سلسلے کو روکا جائے۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنے دفاع کے اس حق کو استعمال کرنے کی کوشش، جو کامیاب بھی نہ ہو سکی تھی، اہل مکہ کی طرف سے ایک بڑے اور منظم حملے کا پیش خیمہ بن گئی۔

بدر میں مسلمانوں کی ایسی جمعیت کو، جو جنگ کے لیے مسلح تھی نہ تیار، ایک تین گنا بڑی منظم اور مسلح فوج کے جارحانہ حملے کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ستم اٹھانے والے بے سروسامان مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جمعیت کی طرف سے جان نثاری کے قرینے پر مبنی جو مدافعت سامنے آئی اور اللہ نے اس پر انھیں جیسی نصرت سے نوازا، اس سے آیندہ کی جدوجہد کا اسلوب متعین ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قیدی بننے والے قریشیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا اور اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو قتل کرنے کے بجائے انتہائی معمولی فدیے پر اور بعض نادار قیدیوں کو فدیے کے بغیر ہی آزاد کر دیا جبکہ مشرکین نے اس کے بعد بھی مسلمانوں کو دھوکے سے پکڑ پکڑ کر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کیا جنھوں نے میدانِ جنگ میں اپنے قتل ہونے والے عزیزوں کے بدلے ان مسلمانوں کو قتل کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انتہائی نرمی کے باوجود قریش مکہ کی یک طرفہ دشمنی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آپ کی ہر کوشش ناکام ہوئی اور اگلے سال مکی فوج پھر سے مدینہ پر حملہ آور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی شوریٰ کے فیصلے کی پابندی کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر احد میں حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش کی۔ اس بار مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن آپ مدینہ کے دفاع میں کامیاب رہے۔

قریش کو اب یقین ہو گیا کہ وہ مکہ اور اردگرد کے قبائل کی پوری طاقت استعمال کر کے بھی مدینہ پر غالب نہیں آ سکتے، اس لیے انھوں نے عرب کے بڑے بڑے جنگجو قبائل کا اتحاد قائم کر کے شوال 5 ہجری میں پھر مدینہ پر حملہ کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے لیے ایسی حکمت عملی اپنائی کہ فریقین کا جانی نقصان نہ ہو۔ مسلمانوں نے قحط اور انتہائی ناسازگار حالت میں جان لیوا مشقت سے کام لے کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی تاکہ حملہ آور مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ قریش مکہ اور خود مدینہ کے دفاع کے معاہدے میں شرکت کرنے والے یہودیوں نے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلمانوں نے مہینہ بھر بھوک کی شدت برداشت کی لیکن آخر کار فریقین میں خونریزی روکنے کی حکمت عملی کامیاب رہی جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمائی تھی۔

قریش اپنے اتحادیوں سمیت ناکام ہو گئے تو مدینہ کے دفاع کا تقاضا یہ تھا کہ آگے بڑھ کر قریش کی قوت توڑ دی جائے۔ لیکن اس کے برعکس

[1] الحج 22:39-41.

رسول اللہ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر قریش کو پرامن بقائے باہمی کا اصول قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جمعیت جو بہ آسانی مکہ فتح کر سکتی تھی، ہتھیار مدینے میں چھوڑ کر عمرے کے لیے مکہ روانہ ہوئی۔ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مسلمہ دستور کے مطابق حرم میں ایک دوسرے کی جانوں کا احترام کریں اور مسلمان عمرہ ادا کر کے تین دن کے اندر واپس آ جائیں تا کہ مشرکین کی یک طرفہ دشمنی اور اس کے تحت مدینہ پر حملوں کے بجائے پرامن بقائے باہمی کا سلسلہ شروع ہو۔

آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ سیدھے مکہ میں داخل ہونے کے بجائے قریش کے ساتھ پیغام رسانی کی تا کہ وہ جلد بازی کی بنا پر کوئی حماقت نہ کریں۔ قریش نے نارواضد سے کام لے کر مسلمانوں کو روکا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ عازمین عمرہ اور قربانی کے جو جانور بیت اللہ کی طرف لائے جا رہے ہوں، چاہے وہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے کیوں نہ ہوں، انھیں واپس کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی تحمل سے کام لیا اور ایسے معاہدے پر اکتفا کر لیا جس کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ جس طرح قرآن نے کہا یہ معاہدہ ہی مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھا کیونکہ اسلام کا حقیقی مقصد ہی دنیا اور آخرت میں انسانی جان کا تحفظ ہے۔ اس معاہدے سے دنیا میں خونریزی کا ایک سلسلہ رک گیا اور آخرت میں بھی زیادہ سے زیادہ جانوں کے تحفظ کے امکانات میں اضافہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے کی مکمل پابندی کی۔ قریش نے اپنی جہالت اور حماقت کی بنا پر اس معاہدے کو یک طرفہ طور پر توڑ دیا اور ان کی شہ پر آپ ﷺ کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کو، جن کی بڑی تعداد مسلمان ہو چکی تھی، عین حرم کے اندر رکوع وسجود کے عالم میں قتل کیا گیا۔ اس پر بھی رسول اللہ ﷺ نے قریش کو سزا دینے اور عہد شکنی اور خزاعہ کا بدلہ لینے کے بجائے خونریزی سے اجتناب اور انسانی جانوں کی، چاہے دشمنوں کی ہوں، سلامتی کے حوالے سے وہ اقدام کیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ آپ انتہائی رازداری سے مکہ کی طرف بڑھے اور قریش کے سر پر پہنچ کر ان کے سردار ابوسفیان کو بلوا کر مسلمانوں کی عظیم الشان فوج کا نظارہ کرایا جس کے مقابلے کی قریش میں طاقت تھی نہ وہ ایسا سوچ سکتے تھے۔ پھر ان پر کوئی شرط ٹھونسنے کے بجائے ان لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان فرما دیا جو حرم یا کسی چار دیواری کے اندر رہیں اور باہر آ کر کسی طرح شرارت نہ کریں۔ فتح مکہ دنیا اور آخرت میں انسانی جان کے تحفظ کے اسلامی مشن کی بہت بڑی فتح تھی۔

اس سے پہلے غزوۂ خیبر کے موقع پر جہاں یہودیوں کے آٹھ قلعوں کا ایک سلسلہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے مختلف قلعوں پر لشکر کشی کے لیے فوج کی قیادت کی ذمہ داری مختلف صحابہ کرام کے سپرد فرمائی۔ [1] اس طرح آیندہ کے لیے تربیت کا اہتمام ہو گیا۔ قلعہ ناعم کی مہم کی قیادت آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے جھنڈا وصول کرنے کے بعد سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا میں ان سے جنگ کرتا رہوں حتی کہ وہ ہم جیسے (مسلمان) ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: سیدھے جاؤ، ان کے سامنے کے میدان میں پہنچو، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو...... اللہ کی قسم! تمھارے ذریعے اللہ کسی ایک انسان کو ہدایت بخش دے تو یہ تمہارے لیے اعلیٰ درجے کے سرخ اونٹوں (اس زمانے میں عربوں کی نظر میں دنیا کا قیمتی ترین مال) سے بہتر ہے۔ [2] سازشوں اور مالی مدد کے ذریعے مشرکین کو مسلمانوں پر حملوں کے لیے اکسانے والے یہودیوں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا مشن یہی تھا کہ وہ دنیا اور آخرت میں بچ جائیں۔

---

[1] الرحیق المختوم عربی :371,368 و بعد.

[2] صحیح البخاري ،کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر.

7ھ میں سفیرِ نبوت حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو غسانی حکمران نے شہید کر دیا تھا جس پر تادیبی کارروائی کے طور پر غزوۂ مؤتہ کی نوبت آئی۔ دو سال بعد آپ ﷺ کو رومیوں کی طرف سے حملے کی تیاری کی خبر سن کر غزوۂ تبوک کے لیے جانا پڑا۔ آپ نے ان کی حدود سے باہر، عرب کے اندر ان کا انتظار کیا، حملے کا آغاز نہ فرمایا۔ جب رومی عرب کے صحرا میں آ کر مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے خود حملہ آور ہونے کے بجائے واپسی کا فیصلہ کیا۔

نبی ﷺ نے اپنے آخری ایام میں رومیوں کے خلاف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا جس نے عہدِ صدیقی میں اردن کے علاقے پر یلغار کی اور وہ لوگ کیفرِ کردار کو پہنچائے جنھوں نے غزوۂ مؤتہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سمیت تین مسلم سالاروں اور دیگر مجاہدین کو شہید کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان خطرات میں مزید اضافہ اس طرح ہوا کہ روم اور ایران کی سرحدوں کے قریب رہنے والوں نے بغاوت اور ارتداد کا راستہ اختیار کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سالاروں کو سب سے پہلے ان سے نپٹنا پڑا اور بعد میں وہ بیرونی دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

وہ ساری جنگیں جو اسلامی فتوحات پر منتج ہوئیں انھیں جنگوں کا تسلسل تھیں جو ابتدائی عہد میں مسلمانوں پر مسلط کی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے مغازی کا حال ان میں شریک ہونے والے صحابہ کی اپنی روایات سے محفوظ ہو کر آیندہ نسلوں تک منتقل ہوا۔ بہت سے شرکاء نے اپنے اپنے مشاہدات اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کیے اور اس طرح ان جنگوں کی تفصیلات یکجا ہوئیں۔ یہ کسی ایک سرکاری وقائع نویس کی جمع کردہ تفصیلات نہیں جن سے وہ اپنی مرضی کا نقشہ مرتب کر دیتا ہے۔ یہ مختلف شرکاء کی طرف سے اپنی اپنی آپ بیتیوں اور مشاہدات کا آزادانہ بیان ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ قابلِ اعتماد مواد اکٹھا ہونا ممکن ہی نہیں۔

مختلف بیان کرنے والوں نے فرصت کے مختلف مواقع پر مختلف لوگوں کے سامنے جو تفصیلات بیان کیں، وہ نہ صرف ایک دوسرے کی توثیق کرتی ہیں بلکہ واقعات اور ان کے پس منظر کی ایک مربوط تصویر پیش کرتی ہیں جس سے ہر پہلو اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ اسلام کے قابلِ فخر سلسلۂ اسناد کے ذریعے آگے منتقل ہوتا ہے۔

عہدِ رسالت کے بعد کی فتوحات کا زیادہ تر مواد اسی اسلوب کے مطابق بیان ہو کر جمع ہوا اور مؤرخین نے اس مواد کو بیان کرتے ہوئے وہی کڑے اصول سامنے رکھے جو محدثین کے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں تاریخ کے موضوع پر لکھنے والے مشہور مؤرخ ایچ اے آر گب نے یہ شہادت دی کہ ''چونکہ علم المغازی کا ارتباط علم حدیث سے تھا، اس لیے تاریخ نویسی کے اسلوب تالیف پر اسناد کے استعمال کی وجہ سے بڑا گہرا اثر پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت سے عربوں کی تاریخی معلومات کی اختصاصی صفات میں اور ان معلومات کی تنقیدی صحت میں عظیم الشان تبدیلی پیدا ہوگئی۔ یہاں پہنچ کر پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم مسلم تاریخ کے اعتبار سے ٹھوس زمین پر کھڑے ہیں۔''[1]

اس اسلوب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بیان کرنے والوں کا جائزہ لے کر غلط کو صحیح سے الگ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ایک کمی بھی موجود رہتی ہے کہ مختلف روایات کو یکجا کر کے ایک مفصل اور مکمل تصویر پیش کرنے کا کام کسی نہ کسی مؤلف کا منتظر رہتا ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں عراق، ایران، خراسان، ماوراء النہر، شام اور شمالی افریقہ کی فتوحات کے احوال انھیں قبائل کے راویوں کے ذریعے سامنے آئے جو ان جنگوں میں شریک تھے، مثلاً: مشرقی فتوحات کی تفصیلات قبیلہ ازد اور باہلہ کے راویوں کے ذریعے سے محفوظ ہوئیں۔ ان

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، مادہ ''تاریخ'' مقالہ سوم از ایچ اے آر گب

روایات کو امام شعبی (م 110ھ) جیسے لوگوں نے جمع کیا جو بنیادی طور پر محدث تھے اور رواۃ کی جرح وتعدیل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ ابن سعد، علی ابن مدینی، ان کے بعد بلاذری، ابوحنیفہ الدینوری، ابن قتیبہ، حمزہ الاصفہانی اور المسعودی سب نے محدثین ہی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی روایات جمع کیں۔ فتوحات سمیت تاریخی روایات کے سب سے بڑے جامع طبری، جن پر بعد کے تمام مؤرخین کا انحصار ہے، بھی سب سے پہلے محدث، پھر مفسر اور مؤرخ تھے۔ ان کی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں اسلامی دور کی تاریخ، خصوصاً فتوحات کی روایات نقطۂ عروج پر ہیں۔ اس لیے صدیوں بعد جب تنقید وتنقیح کا کام عروج پر تھا، اس زمانے میں زیادہ مرتب اور منقح انداز میں اسلامی تاریخ پیش کرنے والے ''المنتظم'' کے مؤلف امام ابن الجوزی، ''تاریخ الاسلام'' کے مؤلف حافظ ذہبی، ''الکامل'' کے مؤلف ابن الاثیر اور ''البدایہ والنہایہ'' کے مؤلف امام ابن کثیر کا زیادہ انحصار طبری کی کتاب پر ہے۔

محدثین کے اسلوب کی پابندی کرنے والے ان مؤرخوں کے درمیان الیعقوبی اور المسعودی کے نام اس اعتبار سے زیادہ نمایاں ہیں کہ وہ محدثانہ طرز کی عرب تاریخ نویسی کی روایات اپنانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے جغرافیہ دان بھی تھے اور یہ جغرافیائی معلومات انھوں نے خود اپنی طویل سیاحت سے حاصل کی تھیں۔ اسی طرح ابواسحاق اصطخری بنیادی طور پر سیاح اور جغرافیہ دان ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب المسالک والممالک میں اس زمانے کے اسلوب کے مطابق نقشے بھی دیے ہیں اور وہیں کی تاریخ کا بھی اختصار سے تذکرہ کیا ہے۔ ان کا ایک نقشہ اٹلس فتوحات اسلامیہ میں شامل ہے (دیکھیے صفحہ 101)

تاریخ اور جغرافیہ کا یہ اتصال تاریخ کو زیادہ واضح اور دلچسپ بنا دیتا ہے، اور جدید دور کی اطلسوں کا پیش رو ہے۔

ابتدائی دور کی اسلامی فتوحات جو پوری فتوحاتِ اسلامیہ کا غالب حصہ ہیں، صحابہ کے اپنے ہاتھوں مکمل ہوئیں۔ ان سب میں مشترک خصوصیت یہی ہے کہ غزوات نبوی کی طرح ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد مخالفین سے بہت کم رہی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں انتہائی تجربہ کار اور تربیت یافتہ افواج تھیں جنھیں اسلحے اور دیگر جنگی ساز وسامان کے حوالے سے بہت زیادہ برتری حاصل تھی۔ ایرانی افواج کے پاس ہاتھی تک موجود تھے جو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے بلکہ بعض اوقات ان کے ذریعے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ پھر مسلمانوں کی مشکلات اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھیں کہ یہ جنگیں ایران اور روم کے زیرنگیں علاقوں میں لڑی گئیں جو میدانوں، ندی نالوں، دریاؤں اور دلدلی علاقوں پر مشتمل تھے۔ مسلمان صحرائی علاقوں کے عادی تھے۔ مخالفوں کے پاس کشتیاں، پل بنانے کا سامان، مضبوط چھاؤنیاں اور قلعے اور ان کا باقاعدہ نظام موجود تھا جبکہ مسلمان ان سب سہولتوں سے عاری تھے۔

اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی فتح تاریخ کا انتہائی حیرت انگیز معاملہ ہے۔ آج کے مؤرخوں، خصوصاً مستشرقین نے ان فتوحات کے بہت سے مادی اسباب ڈھونڈنے اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً: یہ کہ مسلمان فوج زیادہ ساز وسامان نہ رکھنے کی وجہ سے سریع الحرکت تھی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ زیادہ بدیہی طور پر نہیں نکلتا کہ مسلمان خود کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن کو نقصان پہنچانے کے ساز وسامان سے محروم تھے۔ بعض لوگوں نے یہ سبب بھی بیان کیا کہ ساسانی اور رومی افواج زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ سست پڑ چکی تھیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل برسرِ پیکار رہی تھیں اور انتہائی تیار اور تجربہ کار ہو چکی تھیں۔

بعض لوگوں نے یہ سبب بھی بتایا کہ عربوں کے گھوڑے بہت تیز رفتار اور زیادہ سخت کوش تھے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عرب میں گھوڑے زیادہ تر باہر سے لائے جاتے تھے اور ان کی تعداد بھی کافی نہ تھی۔ مسلمانوں کو جنگوں کے دوران میں بھی خاصا کام اونٹوں سے لینا پڑتا تھا جو گھوڑوں کے

بالمقابل کم رفتار رکھتے تھے۔

ان مؤرخین نے کچھ ایسے اسباب بھی گنوائے ہیں جو کافی حد تک درست ہیں، مثلاً: یہ کہا گیا کہ مسلمان زیادہ انصاف پسند تھے اور انسانوں کا اس طرح استحصال نہ کرتے تھے جس طرح اس وقت کی بڑی سلطنتیں کرتی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام دینِ عدل ہے۔ مسلمان کسی کا استحصال کرتے تھے نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کے انصاف کا نظام بے داغ تھا لیکن یہ سب عوامل فتوحات کے بعد اسلامی سلطنت کے لیے تو معاون تھے، جنگیں جیتنے میں یہ بنیادی عوامل نہ تھے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہتر نظامِ عدل کی وجہ سے ایک مسلمان فوجی کسی غیر فطری معاشرتی دباؤ کا شکار نہ ہوتا تھا جبکہ اس کے بالمقابل رومی اور ایرانی فوجی قومی تفاخر کے جذبے سے سرشار ہوتے تھے، بلکہ جب تک انھیں مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا سامنا نہ ہوا وہ خود کو دنیا کی ایک بڑی طاقت کی بنیادی اکائی سمجھتے ہوئے برتری کے زعم میں مبتلا تھے اور عربوں کو بے حیثیت خیال کرتے تھے۔

ان کے سالار تو جاہلی عربوں کی نظر میں بادشاہوں کی طرح تھے اور وہ مسلمانوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جنگوں کے ابتدائی مرحلوں میں ان کی خود اعتمادی آسمان کو چھو رہی تھی۔ لیکن ان کے بالمقابل وہی عرب جو جاہلی دور میں ان سے مرعوب تھے، اب ایک بالکل مختلف ذہنی کیفیت کے ساتھ مدمقابل تھے جس میں کسی مرعوبیت کا شائبہ تک نہ تھا۔

مسلمانوں کے اعتقاد کی اساس زندگی کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر تھا، جو محض نقطۂ نظر نہیں، پختہ ایمان تھا کہ دنیا کی زندگی عمل اور جدوجہد کی فرصت ہے جس کا ثمر موت کے بعد حاصل ہوگا۔ اس دنیا کی جدوجہد میں قتال پر مبنی جہاد بہت اونچے درجے کا عمل ہے، ایسا عمل جس میں فنا ہو جانے سے آدمی کو سب سے عمدہ اور سب سے زیادہ ثمر ملتا ہے۔ اس راستے سے موت کی دہلیز عبور کرنے والا انتہائی خوبصورت اور عظیم الشان زندگی حاصل کرتا ہے جس کو دوام حاصل ہے۔ اپنی فوج کے بارے میں یہی وہ بنیادی بات تھی جسے اسلام کے کامیاب ترین سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دوسروں کی کئی گنا بڑی اور طاقتور فوج کے مقابل اپنی فتح کی ضمانت سمجھتے تھے۔ اور جو مدمقابل تھے ان میں سے بہت سوں کو بھی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اس بات پر یقین تھا۔

طبری اور ان کے بعد آنے والے مؤرخین ابن الجوزی نے المنتظم اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں کسریٰ کی طرف سے حیرہ کے حاکم قبیصہ بن ایاس بن حیہ الطائی سے خالد کی گفتگو نقل کی ہے۔ آپ نے قبیصہ سے کہا: ''میں تمھیں اللہ اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم قبول کر لو تو تم مسلمانوں کا حصہ ہو گے، جو ان کے حقوق وہی تمھارے، جو ان کے فرائض وہی تمھارے، اگر تم اس دعوت کو قبول نہ کرو تو پھر جزیہ دینا پڑے گا، اگر وہ بھی قبول نہ ہو تو میں تمھارے سامنے ایسے لوگ لے کر آیا ہوں جو موت کے اس سے بڑھ کر حریص ہیں جتنے تم زندگی کے ہو۔'' اور جواب میں قبیصہ نے کہا: ''تم سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، ہم جزیہ دیں گے اور جان محفوظ رکھیں گے۔'' [1]

اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کائنات کی سب سے بنیادی اور سب سے بڑی سچائی ہے، اس کی شہادت زبان سے، عمل سے اور پھر جان دے کر ہو، یہ ایک بہت بڑا روحانی تجربہ ہے جس کی لذتوں سے وہی آشنا ہوتا ہے جو اس تجربے سے گزرتا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا وہ اس سے مختلف نہ تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے آخری مرکز یمامہ کی فتح سے فراغت کے بعد خالد کو لکھ بھیجا تھا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ ایران کے باجگزار عراق کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اُبلّہ کے مقام سے آغاز کرتے ہوئے اوپر کی طرف سے اُن پر حملہ آور ہوں۔ آپ نے ہدایت کی کہ خالد ''عراق کے لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت پر مبنی تعلق استوار کرے اور انھیں اللہ کی

[1] البدایہ والنہایہ، دارالریّان للتراث: 347/6.

طرف بلائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو جزیہ لے تا کہ وہ اسلامی حکومت کا حصہ بن جائیں، بصورتِ دیگر ان کے ساتھ جنگ کرے۔ اور اس جنگ کا طریق کار یہ ہے کہ کسی کو جہاد کے لیے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرے (لوگ اس روحانی تجربے کی لذتوں سے آشنا ہیں، وہ فوراً آگے بڑھیں گے)، جو ایک بار مرتد ہوئے، وہ خود لوٹ کر بھی آجائیں تو ان سے جہاد میں کوئی مدد نہ لے (کیونکہ وہ اس عظیم روحانی تجربے کے اہل ہی نہیں) اور جو بھی مسلمان اپنی مرضی سے شامل ہونا چاہے اسے ساتھ لے لے۔ [1]

یہ بات حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت خالد ؓ تک محدود نہ تھی کہ جہاد جیسے روحانی تجربے کے تقدس اور حرمت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور یہ ایسا عمل ہے کہ اس کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کا میل ممکن نہیں اور نہ اس کا انحصار تعداد اور ساز و سامان پر ہے۔ عمر ؓ نے جب سعد بن ابی وقاص ؓ کو اسلامی عساکر کا سالار بنایا تو ان سے کہا: ”سعد! اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ قرابت داری تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے، واللہ! ہمیں کافروں پر تعداد یا ساز و سامان کے سبب سے فتح نہیں ملی بلکہ فتح اس لیے ملی کہ ہم نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور انھوں نے نافرمانی۔ اگر نافرمانی میں ہم ان جیسے ہو گئے تو وہ اپنی تعداد اور ساز و سامان کے بل بوتے پر ہمیں شکست دے دیں گے۔“ [2]

یہ خوبصورت روحانی تجربہ یک طرفہ نہ تھا۔ جہاں یہ فاتحین کے لیے ایک انوکھی لذت اور اعزاز کا سبب تھا وہاں مفتوحین کے لیے بھی ایسی برکت، روحانی اور مادی ارتقا اور زندگی کے ایک نئے اسلوب کا باعث بنا جس کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ ہر بار یہی ہوتا ہے کہ مفتوحین فتح کرنے والوں کے خلاف بغض اور کینہ اپنے دلوں میں پالتے ہیں۔ اپنی بساط کے مطابق ان کے خلاف سازش کرتے ہیں، ان کی تہذیب سے نفرت کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاہے وہ ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اکثر ان محکوموں کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔

اسلامی فتوحات اس اعتبار سے انوکھی فتوحات تھیں کہ ان میں فاتحین نے مفتوحوں کی نسل کشی یا ان کو مستقل طور پر غلام بنا لینے کے بجائے ان کو علم، کاروبار، سیاسی مناصب غرض ہر میدان میں آگے بڑھنے کے مساوی مواقع فراہم کیے اور مفتوحین کی دوسری یا تیسری نسل ہی اسلامی تہذیب کی ترجمان، قائد اور محافظ بن گئی۔ ان میں سے اسلامی دنیا کے عظیم الشان محدث، مؤرخ، ادیب، شاعر، فکری قائد، فلسفی، طبیب، تاجر، جج، منتظم حتیٰ کہ سالار بنے، غرض عزت وعظمت کے ہر منصب پر انھی غیر عرب مفتوحین کی اولاد نظر آتی ہے حتیٰ کہ خود عربی زبان کی دل و جان سے جس طرح کی خدمت ان نئے عرب بننے والے عجمیوں نے کی اتنی خود عرب نہ کر سکے۔

ان فتوحات کا مطالعہ علم افروز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی جسے أطلس الفتوحات الإسلامیہ دوآتشہ کر دیتی ہے۔ اس میں صرف ان علاقوں کے نقشوں پر اکتفا نہیں کیا گیا جہاں یہ واقعات ہوئے بلکہ اسلامی اور مدمقابل عساکر کی نقل و حرکت، راستوں کی تفصیلات اور مشکلات، میدان جنگ اور ان کو انتخاب کرنے کی حکمت عملی، جغرافیائی حالات کے جنگوں کے نتائج پر اثرات، غرض اتنی متنوع جہات مطالعہ کرنے والوں کے سامنے واضح ہو جاتی ہیں جو محض تاریخ کی کتابوں کے ذریعے ممکن نہیں۔

أطلس الفتوحات الإسلامیہ مصری مؤلف احمد عادل کمال کی بہترین کوشش ہے۔ انھوں نے مختلف النوع قدیم و جدید مصادر و مراجع سے اپنا مواد حاصل کیا ہے۔ منظر نامہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے تقاضوں کو نبھانا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ وہ یقیناً ایک بڑے کام پر زیادہ سے زیادہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فروغ علم کے سلسلے میں ان کی کوششوں کو قبولیت سے نوازے اور اس پر انھیں اجر عظیم عطا کرے۔

[1] البداية والنهاية، دار الرّبّان للتراث: 347/6. [2] مختصر تاريخ دمشق لابن منظور: 180/4.

انسانی بساط کے مطابق ان کی شدید محنت کے باوجود ان کی کتاب کی ترتیب وتشکیل سے لے کر تاریخی مواد کے بیان، تاریخ میں بیان کردہ علاقوں، شہروں، بستیوں، پہاڑوں اور میدانوں کا حالیہ نقشوں میں تعین اور نئے اسماء کی نشاندہی اتنا بڑا کام ہے کہ لامحالہ اس میں کمال کا حصول ممکن نہیں۔ بہت سے معاملات میں کافی تشنگی رہ جاتی ہے۔ ہمارے مایۂ ناز محقق محسن فارانی صاحب نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہناتے ہوئے ایک بار پھر تحقیق مزید کا بیڑا اٹھایا اور زیادہ سے زیادہ مراجع کے ساتھ تقابل کر کے تصحیح، تنقیح اور تفصیل کے لیے کمر کس لی۔ ان کا کام اصل مصنف کے کام سے کم اہم نہیں نہ ہی فارانی صاحب نے محنت میں کوئی کمی چھوڑی ہے۔ ان کی اس لگن اور محنتِ شاقہ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ انھیں خود احساس ہے کہ اس ایک کتاب کے ذریعے فتوحاتِ اسلامی کے موضوع سے انصاف کرنا ممکن نہیں اور برصغیر کی فتوحات، ایشیائے کوچک میں سلجوقی فتوحات اور صلیبیوں کے خلاف عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور ممالیک کی فتوحات سمیت موجودہ کتاب میں جو کام ادھورا رہ گیا ہے، اس کی تکمیل کے لیے وہ کتاب کا تکملہ حصہ دوم کی صورت میں خود پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ کتاب کے اردو ایڈیشن میں جو عظیم الشان اضافے کیے، ان کے پیش نظر ہم منتظر ہیں کہ حصہ دوم کی صورت میں ان کی کاوش جلد از جلد سامنے آئے تا کہ طالبانِ علم کی تشنگی دور ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے اور بہت سے کاموں کی تکمیل کے لیے ان کی اور ان کے ساتھیوں حافظ قمر حسن، حافظ اقبال صدیق اور مولانا محمد عمران اقبال کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

پروفیسر محمد یحیٰی
سینئر ریسرچ سکالر
دار السلام، لاہور

ستمبر 2007ء

پیش لفظ

ساری حمد اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے، ایسی حمد جو اس کی بے شمار نعمتوں کا بدلہ ہو سکے۔ اللہ رحمت کرے اُس شخصیت پر جسے جہانوں کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا گیا، اُس کی آل پر اور اُس کے طیب و طاہر اصحاب پر اور اُس کے بھائی بند انبیاء اور رسولوں پر۔

استاذ احمد عادل کے ساتھ میرے پرانے تعلقات ہیں۔ ہم عہدِ شباب سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ کاش جوانی کے دن لوٹ آئیں! اُن دنوں میں کتابوں اور جرائد کی تاک میں رہتا تھا جو قاہرہ میں مؤسسة الشعب، الهيئة العامة للكتاب اور دار المعارف کی طرف سے شائع ہوتے تھے۔ اس دوران میں دو نہایت عمدہ کتابیں میرے ہاتھ لگیں۔ ایک کتاب کا نام القادسیہ اور دوسری کا نام الطريق إلى المدائن تھا۔

یہ دونوں کتابیں دار النفائس بیروت سے طبع ہوئی تھیں۔ اسی دن سے مجھے شوق ہوا کہ میں ان کتابوں کے مؤلف سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ اس کا باعث مؤلف کا نہایت آسان اور دلکش اسلوبِ تحریر ہے جو قاری کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اُن کے اسلوبِ تحریر کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کتاب کے موضوعات کو نہایت مربوط طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ قاری پوری کتاب کو بغیر کسی اکتاہٹ اور پریشانی کے، جو عام تاریخی کتابوں کا لازمہ ہیں، پڑھتا جاتا ہے۔ جب ہمارے ادارے کو أطلس الفتوحات الإسلامية اور أطلس تاريخ القاهرة شائع کرنے کی پیشکش کی گئی تو مجھے اپنا عہدِ شباب شدت سے یاد آیا۔ میں نے چاہا کہ عہدِ شباب کو دورِ کہولت سے اور ماضی کو حال سے جوڑ دوں۔ اس صورت حال کا نتیجہ زیر نظر اٹلس کی اشاعت کی صورت میں نکلا۔ جوں جوں میں اور میرے بااعتماد ساتھی مسودے کو پڑھتے رہے، ہمارا اعتقاد اس امر پر پختہ ہوتا گیا کہ اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد کام دارالسلام (قاہرہ) کے خاص طریقۂ کار کے مطابق نشر و اشاعت کی دنیا میں پیش کیا جانا چاہیے، چنانچہ میں نے اللہ پر بھروسا کر کے اس کام کی پذیرائی اور عوام الناس کی طلب کو مدنظر رکھتے ہوئے موضوع کے شایانِ شان صورت میں کتاب کی اشاعت کے متعلق منصوبہ بندی کر لی۔ آج کے دور میں تمام قومیں اپنے بہادروں کی سرگزشت اور اپنی تاریخ کی جستجو میں ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی زندگی کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے جو قطب نما کے مانند صحیح سمت کی طرف اُن کی رہنمائی کریں۔

ان اہداف کے پیشِ نظر ہمارے اس کام میں رجالِ کار کی تاریخ اور رُوئے زمین پر ان کی تُرکتازیوں کی رُوداد جمع کر دی گئی ہے تاکہ اُن کی فتوحات ہماری موجودہ نسل کے سامنے مجسم صورت میں پیش کی جا سکیں۔

بنابریں یہ کام تحریکِ فتوحات کی زندہ تصویروں کا مرقع ہے جو قاری کو فتوحات اور معرکوں میں لمحہ بہ لمحہ اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ یہ فتوحات گویا اُس کے روبرو ایک منظر نامہ پیش کرتی ہیں جس میں میدانوں، پہاڑوں، وادیوں، دریاؤں اور صحراؤں کے رنگا رنگ مناظر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ گویا یہ تصویریں ہم سے کہہ رہی ہوں: عزت و وقار اور نیک نامی کے تحفظ کا تقاضا ہے کہ ہم ہمیشہ بہادر لوگوں کا کردار ادا کریں اور جب زمانے کی چکی ہمارے خلاف چل پڑے تو تاریخ کی اس گردش سے مایوس نہ ہوں کیونکہ یہ زندگی کا چلن ہے کہ ''ایک دن تمھارے حق میں اور ایک

دن تمھارے خلاف۔'' جب فتح ہمارا مقدر بنے تو ہم تکبر اور غرور کا شکار نہ ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ تکبر، آسودہ و پُرآسائش اور تعیشات سے بھرپور زندگی پر راضی ہو کر بیٹھ رہنا اور نفسانی خواہشات کی پیروی، یہ سب اشیاء بالآخر اخلاقی و مادی گراوٹ پر منتج ہوتی ہیں۔ اندلس کے مسلمانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، چنانچہ جو عبرت حاصل کرنا چاہے، اُس کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے اور سعادت مند وہی ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

ہاں، اگر فتح ہمارا ساتھ نہ دے تو تاریخ نے ہمارے سامنے پے بہ پے ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شکست ابدی نہیں ہوتی، اور یہ کہ شکست اور اسے وجود میں لانے والے اسباب پر غلبہ پانا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر جب سقوطِ بغداد ہوا تو اس کے دو برس بعد عین جالوت کا معرکہ پیش آیا جس میں تاتاریوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ اسی طرح صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا تو بیت المقدس سمیت فلسطین اور شام کے علاقے صلیبیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ نتیجتاً امتِ مسلمہ متحد ہو گئی اور اس کی ساری قوتیں اس ظلم و زیادتی کے خلاف مجتمع ہو گئیں۔ آخر کار صلیبی ذلت آمیز شکست کھا کر اپنے اپنے ممالک کو بھاگ گئے۔

یوں فتح کے اسباب اپنے حق میں استوار کرنے کے لیے درست سمت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امت کی عظمتِ رفتہ لوٹانے کے لیے صحیح راستہ کیا ہے جس پر گامزن رہ کر وہ دنیا کے ساتھ اپنے معاملات مثبت انداز سے طے کرنے کے قابل ہو اور دنیا کو اپنے معارف کے نور سے روشن کرے۔ اس راہ پر چل کر امت اپنے لیے وہ اسباب مہیا کرے جو اُسے اُس کی جہد و جہد میں فائدہ پہنچائیں اور جن کے ذریعے سے اُس کے قدم سیدھے رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے زمین کی خلافت کا جو وعدہ کیا ہے اور اس کا بار اٹھانے کے لیے اسے لوگوں کے درمیان سب سے بہتر امت ہونے کا جو اعزاز بخشا ہے، تاکہ وہ دوسروں پر گواہ ہو، اُس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق فائز ہونے کے قابل ہو۔ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت بنایا جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ یہ نیکی کا حکم دیتی، برائی سے روکتی اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ اس امر میں شک نہیں کہ اللہ پر ہمارا ایمان ہی ہماری عظمت کا راز تھا، ہے اور رہے گا، چنانچہ ہمیں اپنے دین اور اپنی اقدار کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایک ایسی امت ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔ اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی اور مذہب، نظام یا دین میں عزت تلاش کی تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا، لہٰذا ہمیں اپنے دینِ حنیف کی پیروی پر شرمسار نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے دور میں بھی اس کی بیشتر مثالیں سامنے آ چکی ہیں۔ کمیونزم بری طرح شکست کھانے کے بعد اُن ممالک سے مدد طلب کر رہا ہے جو کل تک اُس کے دشمن تھے۔ اس کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور ان لوگوں سے نہایت بُرا سلوک کیا جو اللہ پر ایمان لائے۔ اللہ سے جنگ کرنے کی طاقت کس میں ہے؟! امریکہ جو اِن دنوں فاتح ہے، اپنی سطوت اور غلبے کے باوجود اس نے اپنی کرنسی پر، جسے ہر چھوٹا بڑا صبح شام دیکھتا ہے، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اللہ کا باغی نہیں، لکھا ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں (IN GOD WE TRUST)۔ کاش! امریکہ اس ایمان کے مطابق عمل بھی کرتا۔ کوئی تعجب نہیں کہ وہ ایک عرصہ غالب رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایرانیوں پر رومیوں کی فتح کا اعلان کیا تھا کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور آگ کے پجاریوں کے مقابلے میں دینِ سماوی کے زیادہ قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی محکم آیات میں فرمایا:

﴿ الٓمٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ○ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ هُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ○ ﴾

''الٓمٓ، رومی مغلوب ہو گئے، قریب ترین زمین میں۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد جلد ہی غالب آئیں گے۔''[1]

---

[1] الروم 30:1-3۔

لیکن امریکہ کا یہ غلبہ بھی اللہ کے حکم سے ایک خاص وقت تک رہے گا کیونکہ اُس نے دنیا میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اسے اپنے لیے جائز سمجھتا ہے۔ یہ زمین میں جاری اللہ کے قوانین کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا:

«يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُّحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

''اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام ہی رکھا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' [1]

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری اٹلس کبھی الفاظ کے ذریعے سے بولتی ہے، کبھی نقشوں کی مدد سے سمجھاتی اور کبھی تصویری منظر سے واقعات ذہن نشین کراتی ہے۔ کبھی اس کا اندازِ تفہیم بین السطور ہوتا ہے۔ اس کا اسلوب بے حد ممتاز ہے جس میں واقعات کی تفصیل، محل وقوع، آثار اور تصاویر کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اسی پر بس نہیں، ہماری اٹلس اللہ کے فضل و کرم سے اپنی نوعیت کی اولین کاوش ہے۔ اس کے تمام یا زیادہ تر نقشے نئے ہیں جو مؤلفِ کتاب نے درست سائنسی طریقۂ کار کے مطابق خود تیار کیے ہیں۔ اس دوران میں انھوں نے ایسی بیشتر اغلاط کی تصحیح کی جن کا شکار اُن سے پہلے مؤرخین ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کام کے منظرِ عام پر آنے کی بے پناہ خوشی ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ کام اسلامی تہذیب کے ایک نہایت اہم پہلو کے حوالے سے امت کی ضرورت پوری کرے گا۔ ہوسکتا ہے اوروں کی رائے اس باب میں مختلف ہو۔ انھیں یہ حق حاصل ہے۔ اشیاء کے متعلق رائے دینے میں اختلاف رہنما زندگی کا چلن ہے، تاہم میں دوبارہ اس کارنامے کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں کماحقہ قبولیت حاصل کرے گا۔ قارئین سے امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ طباعتوں میں اسے بہتر سے بہترین بنانے کے متعلق اپنی آراء سے استفادے کا موقع دیں گے۔ آخر ناشر بھی تو ایک کسان ہی کے مانند ہے جو عمدہ بیج کا چناؤ کرتا، اُس کے لیے بہتر زمین کا انتخاب کرتا، اسے بوتا اور اُس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر اُس کے اُگنے اور بار آور ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ اگر بیج نہ اُگے تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کے باوجود مجھے امید ہے کہ میں نے عمدہ زمین میں ایک اچھا دانہ ڈالا ہے۔ ہوسکتا ہے میں اس سے بہت جلد فائدہ نہ اٹھا سکوں لیکن عنقریب دوسرے اس سے استفادہ کریں گے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے ایک اچھی شے کاشت کی۔ ان شاء اللہ۔ پہلے اور بعد کا معاملہ سارے کا سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

میں یہاں ان اصحاب کو فراموش نہیں کروں گا جنھوں نے اس کام میں مدد دی۔ اس سلسلے میں، میں خاص طور سے ذکر کرنا چاہوں گا استاذ احمد عادل کمال کا جو اس اٹلس کے مؤلف ہیں۔ وہ بڑی اچھی طبیعت کے مالک ہیں۔ انھوں نے کتاب کے سارے مواد کی چھان پھٹک میں خطاطوں، مصوروں اور نظر ثانی کرنے والوں پر مشتمل کمیٹی سے احسن طور پر کام لیا۔ غلطی تسلیم کرنے اور دوسروں کی رائے قبول کرنے میں وہ بڑے منصف مزاج اور وسیع دل کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ میں استاذ دکتور عبدالشافی محمد عبداللطیف کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جو جامعہ ازہر میں تاریخ اسلامی کے استاذ ہیں۔ انھوں نے باریک بینی سے تمام اٹلس کو ازاول تا آخر ملاحظہ کیا اور بعض مقامات پر اہم نکات کی نشاندہی کی جس سے ہم نے خاطر خواہ استفادہ کیا۔ اسی طرح دکتور احمد محمود خولی ﷫ جنھوں نے اٹلس پر نظر ثانی میں بڑی محنت صرف کی اور استاذ دکتور جمال عبدالہادی جنھوں نے سلطنت عثمانیہ کے عہد میں ہونے والی فتوحات پر نظر ثانی میں اپنی مقدور بھر کوشش کی اور استاذہ فاضلہ دکتورہ ماجدہ مخلوف کا شکر گزار ہوں جنھوں نے

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2577.

سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں ہونے والی فتوحات کے نقشوں کو ترکی زبان سے نقل کرنے میں ہماری مدد کی۔ ان کے علاوہ میں استاذ دکتور عبدالحمید مدکور کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

آخر میں ہم جناب استاذ دکتور علی جمعہ محمد ﷾ کے شکر گزار ہیں کہ مؤلف سے ہمارا تعارف کرانے کا سہرا ان کے سر ہے۔ اس اٹلس کی تیاری اور اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کرانے میں جناب محمود عبدالقادر بکار کی کوششیں بھی قابلِ تحسین ہیں۔

دارالسلام (قاہرہ) کے شعبۂ تالیف وتصحیح کا بھی اس اٹلس کی اشاعت میں ایک نمایاں کردار ہے، بالخصوص استاذ احمد عبدالرزاق البکری کا جنھوں نے اٹلس کو اس کی بہترین صورت میں منظرِ عام پر لانے میں غیر معمولی محنت کی۔

میں ڈیزائننگ اور گرافک سکیننگ کے شعبے میں کام کرنے والے ملازمین کو بھی نہیں بھولوں گا۔ انھوں نے اس کام کو شایانِ شان طریقے سے تیار کرنے میں جس صبر، لگاؤ اور مہارت کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دراصل فضل وکرم سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اُس ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اُس نے اس کام کی تیاری میں ہماری مدد کی۔ سب سے آخر میں، میں اپنی بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں: ''یہ کام دارالسلام کی اشاعتی پیشرفت میں ایک نیا سنگِ میل ہے۔ اگر ہم نے اسے بہتر طور پر انجام دیا ہے تو یہ اول وآخر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو ہم اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہم سے رعایت برتیں گے اور ہماری خیر خواہی کریں گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اُن کے مشوروں پر، اگر واقعی اُن کی کوئی علمی حیثیت ہوئی اور اُن سے مقصود اللہ کی رضا ہو، ضرور عمل کریں گے۔

اللہ ہی سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والا اور اُس کی توفیق دینے والا ہے۔

ناشر

عبدالقادر محمود بکار

دارالسلام (قاہرہ)

مقدمہ

تاریخی اٹلس کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہوتی۔ یہ تاریخی واقعات کے مُصوّر نقشوں پر مشتمل ہوتی ہے جو عام تاریخ یا کسی مخصوص تاریخ کی تدریس وتعلیم میں مدد دیتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخی اٹلس کی اہمیت تاریخی کتاب سے کم ہے بلکہ اپنے مواد اور اس کی پیشکش کے لحاظ سے اس کی اہمیت فزوں تر ہے، تاہم کتابِ تاریخ اور اٹلسِ تاریخ کا اپنا اپنا میدان ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہے۔

کتابِ تاریخ اور اٹلس میں ایک فرق بھی ہے۔ کتاب تاریخی مواد پیش کرتی ہے جس کی تشریح نقشوں سے کی جاتی ہے۔ اور اٹلس نقشوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی مختصر عبارات سے شرح کی جاتی ہے، اس میں تفصیلات مطلوب نہیں ہوتیں۔

دنیا تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں ترقی کے طویل مراحل طے کر کے مُصوّر اٹلسوں تک پہنچی ہے۔ مصوّر نقشہ کشی کا جب آغاز ہوا تو اس وقت جدید دور کی نقشہ کشی میں کام آنے والے بیشتر وسائل میسر نہیں تھے، چنانچہ ابتدائی نقشہ کشی موجودہ دور کی نقشہ کشی میں پائے جانے والے کئی امتیازات سے خالی تھی۔ مسلمان جغرافیہ دانوں نے نقشوں کی تیاری میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا بلکہ وہ مسلمان ہی تھے، جنھوں نے نقشہ کشی کی بنیاد رکھی جیسا کہ ڈاکٹر حسین مونس کی عظیم الشان تصنیف ''اطلس تاریخ الاسلام'' میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے کرۂ ارض اور سمندروں اور شہروں کی خصوصیات قلمبند کرنے کا جو عظیم الشان کام کیا اور اپنی تصانیف میں نہایت باریک بینی سے شہر وممالک کے فاصلے درج کیے، یہ کام نقشہ کشی کے علاوہ ہے۔

جوں جوں زمینی سروے کیے گیے، ٹوپوگرافی نقشے (شہروں اور اضلاع کے تفصیلی نقشے) تیار ہوئے، فضائی پیمائشیں کی گئیں اور مصنوعی سیاروں سے تصویریں لی گئیں اور اس سے پہلے کاغذ سازی اور روشنائی کی صنعت کو ترقی ملی اور طباعت وجلد بندی کے جدید اسالیب وجود میں آئے، اٹلسوں کی تیاری کا کام بھی ترقی کے مراحل طے کرتا گیا۔ پھر نقشہ کشی کے پیمانے مقرر کیے گئے اور اس سلسلے میں اصطلاحات وضع ہوئیں اور رنگوں سے کام لیا گیا۔ سمتوں کے درجے متعین ہوئے اور خطوط طول بلد وعرض بلد بروئے کار لائے گئے، پھر خطوط کنٹور (Contours) [1] ایجاد ہوئے جن سے نقشوں میں زمین کے نشیب وفراز دکھائے جانے لگے۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے اور عالم اسلام کا جغرافیہ بحر اوقیانوس سے لے کر بحر الکاہل تک محیط ہے۔ ظہور اسلام کے بعد بازنطینی بادشاہ (قیاصرۂ روم) اور ساسانی حکمران (اکاسرۂ فارس) اپنی رعایا کو نئے دین اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی رعایا ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، لہٰذا ضروری تھا کہ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں حائل رکاوٹیں دور کی جائیں۔ اس کے نتیجے میں فتوحات اسلامی کا آغاز ہوا۔ ہم نے تحریک فتوحات اسلامی کا تزویری (Strategic) اور تدبیری (Tactic) نقطۂ نظر

---

[1] خطوط کنٹور: یہ سطح سمندر سے مساوی بلندیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ ایک خط کنٹور یکساں ارتفاعات والے مقامات کو باہم ملاتا ہے، مثلاً: خط کنٹور 100 میٹر سے مراد وہ خط ہے جو ان تمام مقامات کے نقاط کو باہم ملاتا ہے جو سطح سمندر سے 100 میٹر کی بلندی پر ہوں۔ ایسے تمام خطوط کا مجموعہ کنٹوری نقشہ کہلاتا ہے۔

سے مطالعہ کیا۔اس میں عراق اور پوری ساسانی سلطنت فارس کا احاطہ کیا گیا جس میں فارس [1]، اہواز [2]، بجستان [3]، مکران، خراسان، آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ کے صوبے شامل تھے، پھر ماوراء النہر (ترکستان) اور سندھ کی فتوحات زیر بحث آئیں، پھر بلاد شام، یعنی سوریا، لبنان، اردن اور فلسطین اور پھر مصر، شمالی افریقہ، اندلس، بحیرۂ روم کے جزائر اور اٹلی اور فرانس کے جنوبی ساحلوں حتی کہ سوئٹزر لینڈ تک کی فتوحات کا جائزہ لیا گیا۔ یہ موضوعات ہم درج ذیل کتب میں پہلے پیش کر چکے ہیں:

* الطريق إلى المدائن (مدائن کی طرف پیش قدمی)
* القادسية (جنگ قادسیہ)
* سقوط المدائن و نهاية الدولة السّاسانية (سقوط مدائن اور ساسانی سلطنت کا خاتمہ)
* الطريق إلى دمشق (دمشق کی طرف پیش قدمی)
* الفتح الإسلامي لمصر (مصر کی فتح اسلامی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مطالعے نے اس اٹلس کی تیاری میں ہمیں بہت فائدہ پہنچایا۔ چونکہ ہمارا مطالعہ سارے تاریخی مواد کا احاطہ کیے ہوئے تھا، لہٰذا یہ لازم تھا کہ اس تاریخی مواد کے حوالے سے ایک اٹلس تیار کی جائے جو تاریخ کی تشریح کرے اور جس سے محققین کے لیے تاریخ سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے۔

یہ اٹلس اس منفرد تاریخ کو نقشوں کے ذریعے سے پیش کرتی ہے۔ اس میں عبارات کم سے کم ہیں جبکہ 134 نقشے شامل کیے گئے ہیں۔ ان کی تیاری میں ہم نے بڑی کاوش اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ لشکروں کی پیشرفت، دشمن سے ٹکراؤ اور مختلف جنگی معرکوں کی تفصیل اور فتوحات کے مختلف مراحل

---

1 فارس: ماضی کا فارس (Persia) ایک وسیع سلطنت تھا جس کی حدود اکثر و بیشتر موجودہ ایران سے کہیں وسیع تھیں۔ شاہ رضا خان پہلوی نے 1935ء میں سلطنت فارس کا نام ''ایران'' رکھا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ المنجد فی الاعلام (ص:402) کے مطابق ان دنوں ''فارس ایران کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت شیراز ہے۔ فارس میں ہخامنشی اور ساسانی سلطنتیں پروان چڑھیں۔ یہیں (شیراز کے شمال مشرق میں) تخت جمشید (Persipolis) کے آثار پائے جاتے ہیں۔''

تخت جمشید ہخامنشیوں کا دارالحکومت تھا۔ اس کے کھنڈروں سے بعد میں اصطخر تعمیر کیا گیا جو مدائن سے پہلے ساسانیوں کا اصل دارالحکومت تھا۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

2 اہواز: یہ فارسی لفظ ''ہوز'' کی جمع ہے یا ''اخواز'' (واحد ''خوز'') کی تعریب ہے جس کی اصل عربی لفظ حوز (احاطہ) ہے۔ قبل از اسلام اس کا نام خوزستان تھا اور اس میں ہر موضع خوز کہلاتا تھا جیسے خوز بنی اسد۔ عہد اسلام میں کثرتِ استعمال سے اسے الاہواز کہا جانے لگا۔ اہواز صوبے (کورہ) کا نام بھی ہے جو بصرہ اور فارس کے مابین ہے۔ عوام کے نزدیک شہر اہواز کا اطلاق سوق الاہواز (بازار اہواز) پر ہوتا ہے۔ ابوزید کے بقول اس کا پہلا نام ''ہرمزشہر'' ہے اور ایک قول کے مطابق ''ہرمزداد شاپور'' ہے، یعنی ''شاپور (بادشاہ) کو اللہ کا عطا کیا ہوا'' (معجم البلدان: 285,284/1)۔ جنوب مغربی ایران کا شہر اہواز صوبہ خوزستان کا دارالحکومت ہے۔ یہ دریائے کارون پر واقع ساڑھے تین لاکھ آبادی کا شہر ہے۔ (المنجد في الأعلام: 80)

3 بجستان: بجستان یا سیستان کا قدیم نام سکستانہ ہے۔ یہ افغانستان اور ایران کے درمیان سرحدی علاقہ ہے۔ اس کا رقبہ کم و بیش 7006 مربع میل ہے جس میں سے 2847 مربع میل ایرانی علاقے میں اور 4159 مربع میل افغانی علاقے میں شامل ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2,05,000 ہے۔ یہ سرزمین 1872ء کے ''سیستانی مشن'' کی مجوزہ کاغذی حد بندی کی وجہ سے دو ملکوں میں منقسم ہے۔ اس مشن کے صدر F.J.Goldsimid نے سیستان خاص اور بیرونی سیستان میں امتیاز قائم کیا۔ سیستان خاص وہ حصہ ہو سکتا ہے جو ایران سے تعلق رکھتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 518,517/11)

بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں تاریخیں قمری اور شمسی دونوں تقویموں کے حساب سے دی گئی ہیں اور اکثر نقشے ہمارے اپنے تیار کردہ ہیں کسی اور جگہ سے نقل نہیں کیے گئے۔ ہم نے یہ کام 1376ھ/1956ء میں شروع کیا تھا جبکہ یہ فتوحات ہمارے زیرِ مطالعہ تھیں اور ہمیں اس اٹلس کی تیاری کا شوق چرایا تھا۔ اب میں اس کی طباعت، نشرواشاعت اور تراجم کی ذمہ داری صاحب دارالسلام (قاہرہ) [1] جناب عبدالقادر محمود البکار کو تفویض کرتے ہوئے اسے اپنی سعادت خیال کرتا ہوں۔

اس اٹلس میں جن فتوحات کا تذکرہ ہے وہ تاریخ عالم میں منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی مثال تاریخ میں پہلے ملتی ہے نہ بعد میں۔ ان فتوحات کی انفرادیت ان کا تیزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچنا ہے۔ ان کا زمانی دور بیس برس [2] سے زیادہ نہیں اور ان فتوحات نے دو مرحلوں میں تکمیل پائی:

پہلا مرحلہ: یہ مرحلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کے اختتام سے لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے تک محیط ہے، یعنی 12-23ھ/633-643ء۔ اس مرحلے میں عراق، تمام بلادِ فارس (ایران) اور مصر کی فتوحات مکمل ہوگئیں۔

دوسرا مرحلہ: یہ ولید بن عبدالملک بن مروان کا دورِ خلافت (86-96ھ/705-714ء) ہے۔ اس مرحلے میں مغرب میں تمام شمالی افریقہ اور یورپ میں اندلس کی فتوحات کی تکمیل ہوئی۔ پھر مشرق کی طرف وسطی ایشیا اور سندھ کی فتوحات عمل میں آئیں۔ یہ تمام علاقے خطوط طول بلد کے 70 سے زائد درجوں پر محیط ہیں۔ [3]

یہ عظیم فتوحات دائمی اور گہرے اثرات کی حامل ثابت ہوئیں جن کی بدولت امتِ مسلمہ کو بحراوقیانوس سے بحرالکاہل تک اقتدار حاصل ہوگیا۔ مسلمان جس سرزمین میں داخل ہوئے، وہ انھی کی سرزمین ہوگئی سوائے جزائر بحیرۂ روم، بعض یورپی ساحلوں اور جزیرہ نمائے اندلس کے، جہاں آج اسلامی تہذیب کے محض آثار جابجا موجود ہیں جو اس امر کے شاہد ہیں کہ اندلس (اسپین) اور صقلیہ (سسلی) وغیرہ سے مسلمانوں کے انخلا کے ساتھ ہی وہاں کی تہذیب الٹے پاؤں واپس ہوئی اور پستی میں اتر گئی۔

یہ فتوحات یوں بھی منفرد حیثیت کی حامل ہیں کہ یہ قرآن کریم کی اس پیش گوئی کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور وہ ان کے لیے ان کا دین جما دے گا جو اس نے ان کے لیے چُنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف بدل کر انھیں ضرور امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد

[1] یہ ایک مصری ادارہ ہے جو دارالسلام انٹرنیشنل (الریاض، لاہور) سے الگ ایک مستقل ادارہ ہے۔

[2] بیس برس سے مصنف کی مراد عہد فاروقی کے ساڑھے دس برس اور پھر خلافت ولید کے دس برس ہیں جو کل ملا کر تقریباً بیس برس بنتے ہیں۔

[3] دراصل فتوحات اسلامیہ کے ان دو مرحلوں کی وسعت طول بلد کے 85 درجوں پر محیط ہے۔ طول بلد کے 75 درجے الجزائر کی مغربی حدود سے ملتان اور ماوراء النہر (ترکستان) کی مشرقی حدود تک پورے ہو جاتے ہیں جبکہ نصف النہار اعظم (prime meridian) کے مغرب میں طول بلد کے 10 درجوں کے اندر مراکش اور اندلس آجاتے ہیں۔

(أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، نقشہ: 50 و 54)

کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“[1]

ہم اپنی اس کاوش کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں لغزشوں سے محفوظ رکھے اور اسے ہمارے لیے نفع بخش بنائے اور ان سب کو ان کی کوشش اور نیت کے مطابق جزائے خیر دے، جنھوں نے اس مصوّر اٹلس کی تیاری میں حصہ لیا۔

والحمدللہ رب العلمین

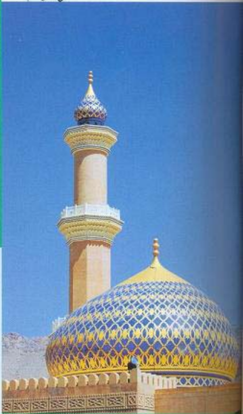
احمد عادل کمال

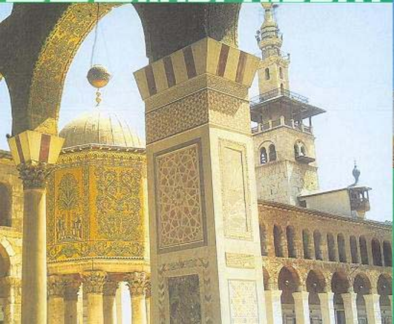
[1] النور 55:24۔

حصہ اوّل

- باب اول — فتوحات اسلامیہ کا پس منظر اوران کی پیش رفت
- باب دوم — فتوحاتِ اسلامیہ کا اجمالی جائزہ
- باب سوم — جزیرہ نمائے عرب









دارالحکومت	شاہراہ	امارات عمان سرحد
شہر	ریلوے لائن	یمن عمان سرحد
ایئرپورٹ رفضائی اڈا	1967ء کی جنگ بندی لائن (فلسطین)	بین الاقوامی سرحد
تیل کی پائپ لائن	1949ء کی سرحد	صوبائی حدود

نقشہ 1

جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک

فتوحات اسلامیہ کا پس منظر اور ان کی پیش رفت

اسلام مسلمانوں سے یہ تقاضا نہیں کرتا کہ وہ دوسروں پر اپنا دین جبر اور قوت سے مسلّط کریں، تاہم وہ ان پر فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اس دین کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اسلام نے ان کے لیے دعوت کا یہ اسلوب پیش کیا ہے کہ وہ لوگوں کو حکمت اور اچھے وعظ و نصیحت سے دین کی طرف بلائیں۔ اس کے بعد تمام لوگ آزاد ہیں کہ وہ دین حق قبول کریں یا نہ کریں۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی ہمسایہ سلطنتیں فارس اور روم، جن کے حکمرانوں نے خود کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا، وہ اس دعوتِ دین کے فروغ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھیں۔



یزد (ایران) میں زرتشتیوں کا برج سکوت جہاں مردوں کی لاشیں کھلی رکھ دی جاتی تھیں۔

فارس (ایران) میں مجوسی، یعنی آتش پرست، فکری گمراہی میں مبتلا تھے۔ ان کے ہاں بہنوں اور ماؤں سے شادی جائز تھی۔ اس سلسلے میں ان کے ہاں محرم کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ وہ مُردوں کو دفن کرنے کے قائل تھے۔ وہ انسانی لاشوں کو کھلی جگہ رکھ دیتے تھے تاکہ مُردار خور پرندے کھا جائیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک ان کے مُوبدان [1]، یعنی مذہبی رہنما، قبول نہ کرلیں۔ ان کا مذہب کبھی اسلام کی ہمسری کرسکتا تھا نہ اس کے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ وہاں طبقاتی نظام بڑا شدید تھا۔ ان کے حُکّام میں خود پسندی اس قدر راسخ تھی جیسے وہ بادشاہ ہوں اور عوام ان کے غلام ہوں۔

اس کے برعکس اسلام لوگوں کے درمیان مساوات کا دین ہے جو اعلان کرتا ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ ان حالات میں فارس اور اس کے ماتحت ممالک میں دعوتِ اسلام کا دروازہ کھل جاتا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے کیسے حیرت انگیز اثرات مرتب ہونے والے تھے!

یہی وجہ تھی کہ ایرانی بادشاہوں نے اپنے ہاں دعوتِ اسلام کا دروازہ بند کر رکھا تھا اور اس سلسلے میں مکمل طور پر عدم تعاون کی روش اختیار کی ہوئی تھی۔ اور اس کی ابتدا اس روز ہوئی تھی جب شاہِ فارس خسرو پرویز (کسریٰ) نے نبیِ کریم ﷺ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا تھا اور اپنے سپاہی بھیجے تھے

[1] فارسی میں "مُوبَد" (عربی میں مُوبِذ یا مَوبِذ) کے معنی ہیں زرتشتی آتش پرستوں (مجوسیوں) کا پیشوا، دانش مند یا عالم۔ اور مُوبِذِ مُوبدان زرتشتیوں کے سب سے بڑے دینی پیشوا کو کہتے ہیں۔ (حسن اللغات، فارسی، ص: 867)

کہ آپ ﷺ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کریں۔ [1] اس دوران میں خسرو پرویز کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد بھی اسلام کے بارے میں اہلِ فارس کا رویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔

اُدھر روم، یعنی بازنطینی سلطنت میں مسیحیت رائج تھی جو گوناگوں عوارض کے سبب ضعف کا شکار ہو چکی تھی۔ اس کے پادریوں اور اُسقفوں نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ مسیحیت فکری اور مذہبی طور پر کئی فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جب ایک ہی دین سے منسلک فرقوں میں اس حد تک دشمنی تھی کہ مخالفین کی گردنیں اڑانا، زندہ جلانا یا کھال اتار دینا، پانی میں ڈبونا اور قتل کر کے لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ان کا عام وتیرہ تھا تو اس ماحول میں نئے دین اسلام کی دعوت کیونکر پھیل سکتی تھی؟ یہ بھی ہوا کہ بُصریٰ الشام [2] کا غسانی حکمران جو روم کا باجگزار تھا، اُسے نبی ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ مکتوب نبوی پہنچانے گئے تو رُومی حکام نے ان کو گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ [3]



بصریٰ الشام کی مسیحی خانقاہ، جہاں بحیریٰ راہب سے نبی ﷺ کی ملاقات ہوئی

ان اسباب کی بنا پر اہل اسلام کے لیے فارس و شام اور مشرق و مغرب میں ان سے ملحقہ علاقے فتح کرنے کا شرعی جواز حاصل ہو گیا تھا، چنانچہ مسلمان اس آیت قرآنی کے زمزمے بلند کرتے ہوئے ان ملکوں کی طرف بڑھے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝﴾

”وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔“ (الفتح 28:48)

[1] خسرو پرویز نے براہ راست اپنے سپاہی مدینہ نہیں بھیجے تھے بلکہ اس نے گورنر یمن باذان کو لکھا تھا کہ دو فوجی بھیجو جو اس آدمی کو گرفتار کر کے میرے حضور میں پیش کریں، چنانچہ باذان کے دو فوجی افسر خرخسرہ اور بابویہ مدینہ پہنچے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”میرے رب نے آج رات تمھارے رب (بادشاہ) کو مار دیا ہے۔“ دونوں فوجی باذان کے پاس لوٹ گئے اور خسرو پرویز کے قتل کی خبر سچی نکلی جسے اس کے سوتیلے بیٹے شیرویہ نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر گورنر باذان اور یمن کے فارسی لوگ مسلمان ہو گئے۔ (اٹلس سیرت نبوی، (اردو) دارالسلام، ص: 341,340، الرحيق المختوم (عربی)، ص: 354)

[2] بُصریٰ الشام: شام کا یہ شہر دمشق کے جنوب میں ضلع حُوران میں واقع ہے۔ عُکبراء کے نزدیک بغداد کا ایک قصبہ بھی بُصریٰ کہلاتا ہے (معجم البلدان: 441/1)۔ بُصریٰ الشام کو بالعموم بُصریٰ کہتے ہیں۔ المنجد فی الاعلام میں اس کا نام ”بُصریٰ اِسکی شام“ دیا گیا ہے۔ یہ اردن کی سرحد سے 19 میل (30 کلومیٹر) شمال کی جانب ہے۔ تورات میں اس کا نام بصورہ بیان کیا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 585/4)

[3] نبی ﷺ نے حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر شام کی طرف بھیجا۔ مؤتہ (اردن) کے مقام پر اُنھوں نے مکتوب نبوی پیش کیا تو شُرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر لیا اور باندھ کر شہید کر دیا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے اس کا قصاص لینے کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر بھیجا جس کے نتیجے میں غزوۂ مؤتہ پیش آیا۔ (اٹلس سیرت نبوی، (اردو) دارالسلام، ص: 337 بحوالہ أسد الغابة: 628/1)

اس نصِ قرآنی کی روشنی میں عزمِ صمیم سے سرشار مسلمان صحرائے عرب سے نکل پڑے، جس نے ان پر صدق وصفا کا خوب رنگ چڑھا دیا تھا، اور اللہ کے داعی بن کر اکنافِ عالم میں پھیل گئے۔

فتوحات کا آغاز اوائل 12ھ/633ء سے ہوا جب خالد رضی اللہ عنہ عراق میں داخل ہوئے اور اسی سال ماہ رجب میں اسلامی لشکر شام کی طرف بڑھے۔ اس طرح مشرق ومغرب میں بکثرت فتوحات حاصل ہوئیں جیسا کہ ہم نے اس اٹلس میں انھیں بیان کیا ہے۔

اسلامی فتوحات کا سَیل بیک وقت دوسمتوں میں آگے بڑھا:

① مشرق میں عراق، الجزیرہ، اہواز، فارس اوران سے آگے کے علاقے۔
② شمال میں شام وفلسطین اوراس کے بعد مغرب کی طرف مصر، شمالی افریقہ اوراندلس (اورمشرقی یورپ۔)

اگلے صفحات میں ہم ان دونوں محاذوں پر اسلامی فتوحات کا جائزہ لیں گے۔



الحمراء (غرناطہ) کی دیواروں پر نقشِ قرآنی

﴿نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾

''اللہ نے اس کی مدد کی'' (التوبۃ 9:40)

فتوحاتِ اسلامیہ کا اجمالی جائزہ

1

مشرقی فتوحات

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یلغار

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو 18 ہزار کا لشکر دے کر عراق روانہ کیا۔ انھوں نے آتش پرست ایرانیوں اور حیرہ اور الجزیرہ میں ان کے زیرِ نگیں عرب حاکموں کو شکست دی۔ ان کے ہاتھوں حیرہ کا سقوط عمل میں آیا، پھر انھوں نے دریائے فرات کے مغرب میں ایرانی فوجوں کا صفایا کیا اور پندرہ معرکے سر کیے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مدائن کی طرف بڑھتے، ان کی عسکری صلاحیتوں کی شام میں ضرورت پڑ گئی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ وہ اپنی آدھی فوج لے کر شام پہنچیں اور آدھی مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کے پاس عراق میں چھوڑ جائیں (صفر 13ھ / اپریل 634ء)۔ ان کے پیچھے مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے اواخر ربیع الاوّل 13ھ / اواخر مئی 634ء میں بابل کے مقام پر 10 ہزار ایرانیوں کو شکست دی۔



بابل (عراق) کے کھنڈر

ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا حملہ

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا جنھوں نے ایرانیوں کو درج ذیل جنگوں میں شکست دی:

* نمارِق: (8 شعبان 13ھ / 7 اکتوبر 634ء) [1]

[1] نمارِق: یہ کوفہ (عراق) کے نزدیک ایک مقام ہے۔ اسلامی لشکر کی یہاں آمد اور فتح نمارق کا ذکر حضرت مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں کیا:

غَلَبْنَا عَلٰى خَفَّانَ بَيْدًا مُشِيحَةً
إِلَى النَّخَلَاتِ السُّمْرِ فَوْقَ النَّمَارِقِ

''ہم نے خفان کے علاقے پر غلبہ پالیا جہاں شیح نامی گھاس کا میدان ہے اور جو نمارق کے بالائی جانب کھجور کے گھنے باغات تک پھیلا ہوا ہے۔''

(معجم البلدان: 304/5)

* سقاطیہ:[1] (12 شعبان 13ھ/11 اکتوبر 634ء)
* باقُسیاثا:[2] (17 شعبان 13ھ/16 اکتوبر 634ء)

پھر معرکۂ جسر پیش آیا (23 شعبان 13ھ/22 اکتوبر 634ء) جس میں ایرانیوں نے ابوعبید رضی اللہ عنہ کی فوج کو شکست دی۔ ابوعبید ایرانی ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے جانے سے شہید ہوگئے اور ان کے ہمراہ چار ہزار مسلمانوں نے شہادت پائی اور اتنے ہی دریائے فرات میں ڈوب کر شہید ہوگئے۔ مثنّٰی رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج بچا کر پیچھے لے آئے اور اگلے روز معرکۂ الّیس میں انھیں ایرانیوں پر مختصر فتح حاصل ہوئی۔ پھر مثنّٰی رضی اللہ عنہ کے پاس کمک آ پہنچی اور رمضان 13ھ/نومبر 634ء میں معرکۂ بُوَیب برپا ہوا جس میں انھوں نے ایک بڑے ایرانی لشکر کو تباہی سے دوچار کر کے یومِ جسر کا انتقام لیا۔ اس کے بعد انھوں نے عراق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بڑی سرعت سے چھاپہ مار کارروائیاں کیں حتی کہ مدائن کے قریب دریائے دجلہ عبور کر کے سُوق بغداد پر ہلّہ بول دیا (شوال 13ھ/دسمبر 634ء)۔ مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کارروائیوں سے دشمن کو مرعوب کر دیا اور اس میں مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ رہی۔ اس دوران میں اہل فارس نے یزدگرد سوم کو اپنا بادشاہ بنالیا اور ایک لشکرِ عظیم جمع کر لیا۔ اس صورت حال میں مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ صحرا کی طرف پلٹ آئے۔



بغداد کی مسجد مواب

بغداد: عہد صحابہ میں بغداد کو عربی میں ذال کے ساتھ ''بغداذ'' بولا اور پڑھا جاتا تھا، تاہم یاقوت حموی (متوفی 626ھ) اسے ''بغداذ'' لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہاں ہر ماہ ایک بڑا میلہ (سوق) لگتا تھا۔ اس کے بقول بغداد کے معنی ہیں: ''باغ داذ'' یا ''داذ نامی شخص کا باغ۔'' اور بعض کہتے ہیں: ''بغ ایک بت کا نام تھا۔ کسریٰ نے ایک ہیجڑے کو زمین کا یہ ٹکڑا دیا تھا۔ وہ ہیجڑا اپنے شہر میں بتوں کا پجاری تھا، چنانچہ اس نے کہا: ''بغ داذ'' یعنی ''بغ نے (یہ قطعۂ زمین) دیا۔'' سب سے پہلے خلیفہ ابوجعفر منصور نے 145ھ میں بغداد آباد کرنا شروع کیا اور 149ھ میں دارالخلافہ ہاشمیہ سے یہاں منتقل کر لیا۔ اس نے اسے وادی السلام، یعنی دریائے دجلہ کی نسبت سے مدینۃ السلام کا نام دیا۔ اسے ''ام الدنیا'' اور ''سیدۃ البلاد'' بھی کہا جاتا ہے (معجم البلدان: 457,456/1)۔ بغداد کی جگہ سامرّاء 836ء تا 892ء دارالخلافہ رہا۔ بغداد کو 656ھ/1258ء میں ہلاکو خان نے اور 1401ء میں امیر تیمور نے تباہ کیا۔ 1638ء میں عثمانی خلیفہ مراد رابع نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اب یہ عراق کا ملکی اور صوبائی دارالحکومت ہے۔ صوبہ بغداد میں بغداد، اعظمیہ، کاظمیہ، محمودیہ اور مدائن کے اضلاع شامل ہیں۔ آبادی 32 لاکھ سے زائد ہے۔ (المنجد في الأعلام)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ میدانِ قادسیہ میں

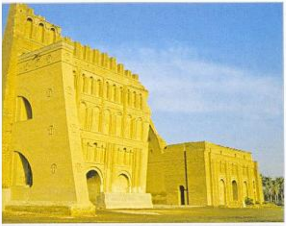
اب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کی قیادت سونپی، چنانچہ انھوں نے 33 ہزار کی فوج کے ساتھ تیسرے حملے کا آغاز کیا۔ 15 شعبان 15ھ/22 ستمبر 636ء کو قادسیہ کا معرکہ پیش آیا جس میں ایران کے لشکرِ عظیم (2 لاکھ افراد) کو شکست ہوئی اور حرب وسیاست میں طاق بڑے بڑے ایرانی سالار مارے گئے۔ صفر 16ھ/مارچ 637ء میں مدائن کا سقوط ہوا اور یزدگرد شاہ حلوان کی طرف فرار ہوگیا۔ اس کے لشکر کو جلولاء میں ایک اور شکست ہوئی (اول ذی قعدہ 16ھ/24 نومبر 637ء)۔ پھر یزدگرد کو رَے کی طرف راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس دوران میں حلوان فتح ہوگیا اور مسلمانوں نے

[1] **سقاطیہ:** یہ ارضِ واسط (سواد) میں کسکر کے پاس واقع ہے۔ یہاں ابوعُبید ثقفی رضی اللہ عنہ اور ایرانی سپہ سالار نرسیان کے لشکروں میں جنگ ہوئی تھی جس میں ایرانیوں نے بُری طرح شکست کھائی۔ (معجم البلدان: 226/3)

[2] **باقُسیاثا:** یہ ارضِ سواد میں بارُسما کی ایک تحصیل ہے۔ یہاں ابوعُبید ثقفی رضی اللہ عنہ نے جالینوس کی فوج کو شکست دی۔ (معجم البلدان: 327/1)

200 کلومیٹر کا نصف دائرہ دشمن سے خالی کرا لیا۔

ادھر عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول 16ھ/مئی 637ء میں شط العرب [1] کی طرف پیش قدمی کی اور رجب، شعبان 16ھ/اگست، ستمبر 637ء میں قدیم شہر اُبلّہ پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے شہر بصرہ کی بنیاد رکھی جبکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان دونوں شہروں سے لشکروں کی روانگی کے نتیجے میں مشرق اور شمال کی طرف کثیر فتوحات حاصل ہوئیں اور ساسانی سلطنت کا اہواز اور الجزیرہ کا ورثہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔



مدائن کے بحال شدہ کھنڈر

مسلمانوں نے اہواز میں ایرانی سپہ سالار ہُرمزان پر فتح حاصل کی اور اسے گرفتار کر کے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔ عبداللہ بن مالک بن معتم رضی اللہ عنہ شمال میں تکریت [2] کی طرف بڑھے اور اسے جمادی الاولیٰ 16ھ/جون 637ء میں فتح کر لیا۔ پھر انھوں نے موصل اور نینویٰ [3] فتح کیے۔ ادھر عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہیت [4] اور قرقیسیاء [5] کی طرف پیش قدمی کی اور دونوں فتح کر لیے۔ پھر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے الجزیرہ کی فتح کی تکمیل کی (ذی الحجہ 16ھ/

[1] **شط العرب**: دجلہ اور فرات، قرنہ کے نزدیک باہم ملتے ہیں تو شط العرب کا دریا بنتا ہے جو بصرہ کے جنوب میں عراق اور ایران کے مابین سرحد بناتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ شط العرب کی لمبائی 185 کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 1200 میٹر ہے۔ اس پر بصرہ کی مشہور بندرگاہ واقع ہے۔ شط العرب کے آس پاس کھجوروں کے باغات دنیا میں سب سے بڑے ہیں۔ خرم شہر کے قریب (ایران سے آنے والا دریا) کارون، شط العرب سے ملتا ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[2] **تکریت**: عراق کا یہ شہر سامراء کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ یہ صوبہ (محافظہ) تکریت کا صدر مقام ہے۔ تکریت شہر میں صلاح الدین ایوبی پیدا ہوئے تھے۔ 1394ء میں تیمور لنگ نے اسے تباہ کر دیا (المنجد في الأعلام)۔ عراق کے مرحوم صدر صدام حسین کی جائے پیدائش تکریت کے پاس ایک قصبہ ہے۔

[3] **نینویٰ**: اسے نینوہ یا نینواہ بھی کہتے ہیں (جغرافیہ خلافت مشرقی)۔ اشوریوں نے اسے گیارہویں صدی ق م میں دارالحکومت بنایا تھا۔ شاہ سنحارب (704-681 ق م) کے عہد میں اس نے بہت شہرت پائی۔ 612 ق م میں بابل اور ماد (فارس) کی متحدہ افواج نے اسے تباہ کر دیا۔ فرانسیسی ماہرین نے 1820ء میں دریائے دجلہ کے مشرق میں ''تل قویونجیق'' کے مقام پر اس کے کھنڈر دریافت کیے۔ یہاں سنحارب اور اشور بنی پال کے محلات قابل دید ہیں۔ نینویٰ شمالی عراق کا ایک صوبہ بھی ہے جس کا دارالحکومت موصل ہے جو نینویٰ کے بالمقابل دجلہ کے مغربی کنارے پر ہے۔ ایک روایت کے مطابق قوم نوح یہاں آباد تھی۔ حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام بھی شہر نینویٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ کوفہ کے مضافات میں بھی ایک قصبہ نینویٰ کہلاتا ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 49)

[4] **ہِیت یا ہیت**: بالائی فرات پر واقع عراق کا شہر ہیت صوبہ انبار کا صدر مقام ہے۔ یہاں تیل کا بڑا ذخیرہ ہے (المنجد في الأعلام)۔ ہیت میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مرقد ہے۔ ہیت، حَوران (شام) کا ایک قصبہ بھی ہے۔ (معجم البلدان: 420/5)

[5] **قرقیسیاء**: شام کے قدیم شہر قرقیسیہ کے کھنڈر صوبہ حسکہ میں دریائے خابور اور دریائے فرات کے سنگم پر واقع ہیں (المنجد في الأعلام)۔ قَرقیسیاء، کرکیسیا کا معرب ہے جبکہ کرکیس گھوڑوں کے دستے کو کہتے ہیں۔ قصبہ قرقیسیاء دریائے فرات اور خابور کی مثلث میں واقع ہے۔ (معجم البلدان: 328/4)

دسمبر 637ء) اور نصیبین، الرّہا اور حران [1] وغیرہ فتح کر لیے۔

جنگِ نہاوند اور اس کے نتائج

پھر نہاوند کی جنگ ہوئی جو قادسیہ کے بعد دوسری فیصلہ کن جنگ تھی جسے مؤرخین فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں 15 ہزار مسلمانوں نے نعمان بن مُقرِن مُزنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ مجوسی ایرانیوں کے جمِ غفیر کو شکست دی۔ اتنا بڑا لشکر اہلِ فارس اس کے بعد کبھی اکٹھا نہ کر سکے۔ مسلمان جلد ہی سرزمینِ فارس کے طول وعرض میں پھیل گئے اور ان کی فتوحات کا دائرہ آذربائیجان، آرمینیا، موقان [2]، باب الابواب (دربند)، طبس [3]، خراسان، بجستان (سیستان)، کرمان اور مکران وغیرہ تک پھیل گیا۔



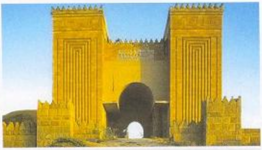
شط العرب کا دلکش منظر



مشرقی ترکی میں آرمینیا کی سرحد پر کوہِ جودی (ارارات) جہاں کشتیِ نوح اتری



دشتِ موقان، آذربائیجان (ایران)



نینویٰ میں اشوری محل کے دروازے کی نئی تعمیر

[1] نَصِیبِین، الرُّہا (ایڈیسا) اور حران آج کل ترکی میں شامل ہیں۔

[2] **موقان**: یہ آذربائیجان (ایران) کا ایک حصہ ہے۔ یہاں اردبیل سے تبریز تک پہاڑ ہیں جہاں ترکمان اپنے ریوڑ چراتے ہیں۔ اہل موقان اسے ''موغان'' کہتے ہیں (معجم البلدان: 225/5)۔ موغان یا مُغان، مُغ (آتشکدے کا پروہت) کی جمع ہے۔

[3] **طبس**: یہ نیشاپور، اصفہان اور کرمان کے درمیان واقع ہے۔ طبس نامی دو مقامات ہیں: طبس عناب اور طبس تمر۔ انھیں ملا کر طبسان کہا جاتا ہے۔ عرب اسے باب خراسان کا نام دیتے ہیں (معجم البلدان: 20/4)۔ ان دنوں طبس صوبہ خراسان کا اہم شہر ہے۔ یہاں سے مشرق میں فردوس اور قاین (خراسان) اور مغرب میں پشت بادام (صوبہ یزد) کو سڑکیں جاتی ہیں۔ (أطلس العالم)

2

شمال اور مغرب کی فتوحات

شام کی فتوحات

ارتداد کے خلاف جنگوں کے دوران میں جب خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا لشکر بلقاء[1] کے مقام پر خیمہ زن تھا تو رومیوں نے اچانک چھاپہ مارا جس سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔[2] اس سے خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نتیجے تک پہنچے کہ رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کا تہیہ کر لیا ہے، لہٰذا انھوں نے پیش قدمی میں پہل کرنے کا فیصلہ کیا اور چار سالاروں کو پرچم اور افواج دے کر بھیجا۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ[3] (ہمراہ 7 ہزار فوج) دمشق کی طرف، شُرَحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ (ہمراہ 7 ہزار فوج) اُردن کی طرف، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (ہمراہ 7 ہزار فوج) حمص کی طرف اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (ہمراہ 3 ہزار فوج) فلسطین کی طرف بڑھے، چنانچہ شام کی پہلی لڑائیاں عربہ[4] اور داثن[5] کے مقام پر ہوئیں (24 ذی الحجہ 12ھ/2 مارچ 634ء) جن میں یزید رضی اللہ عنہ نے رومی فوجوں کو شکست دی۔



وادیٔ اردن اور بحیرۂ مردار

ان چاروں اسلامی لشکروں کے مقابلے میں ہر بار رومیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور مسلمان الگ الگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا انھوں نے ایک قیادت کے تحت

1 **بلقاء**: عرب جغرافیہ دانوں نے یہ نام یا تو شرق اردن کے ان تمام علاقوں کے لیے استعمال کیا ہے جو قدیم عمون مآب (مواب) یا جلیاد (Gilead) کے برابر ہے یا اس کے وسطی حصے کے لیے جس کا مرکزی شہر مختلف وقتوں میں عمان، حسبان (Esbus) یا السلط رہا ہے۔ یہ شمال میں وادیٔ زرقا اور جنوب میں وادی الموجب (ارنون Arnon) کے مابین واقع ہے۔ سقوطِ دمشق اور عمان کی سپر اندازی کے کچھ ہی عرصے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس علاقے کو فتح کیا۔ اس میں عجلون کے شہر مثلاً اَربد (اربد) اور مؤتہ کے مانند مآب شامل تھے۔ یہیں 835 میٹر اونچا کوہ نیبو ہے (جہاں موسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی تھی۔) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 822/4)

2 اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں بلقاء کی جگہ تیماء درج ہے جبکہ اسلامی لشکر اور رومیوں میں یہ لڑائی تیماء کے مقام پر نہیں بلکہ بلقاء (شرقِ اُردن) میں ہوئی تھی جیسا کہ کتاب مذکور کے باب ''فتح الشام'' میں درج ہے۔

3 صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اور اُموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے چچا تھے۔ (أسد الغابة)

4 **عَرَبہ**: یہ مقام ارض فلسطین میں ہے جہاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے کمانڈر ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی رومیوں سے جھڑپ ہوئی تھی۔ نیز بلادِ عرب کو عَرَبہ (یا عُرُبہ) کہتے ہیں جس کی جمع عَرَبات ہے۔ ابوالفصاحت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد عربہ میں پلی بڑھی جو تہامہ (عرب) میں واقع ہے (معجم البلدان: 96/4)۔ عربۂ فلسطین بحیرۂ مردار کے جنوب میں واقع موجودہ اردنی شہر غور الصافی کے جنوب میں پڑتا تھا۔

5 **داثن**: یہ فلسطین میں غزہ کے قریب ایک بستی ہے۔ عہد صدیقی میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین پہلی لڑائی داثن میں ہوئی۔ (معجم البلدان: 417/2)

لڑنے کا فیصلہ کیا اور ابو عبیدہ بن جراح ؓ کو اپنا سپہ سالار بنایا جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے مدد طلب کی، چنانچہ ابوبکر صدیق ؓ نے خالد بن ولید ؓ کو حکم بھیجا کہ محاذِ عراق سے نصف فوج لے کر شام پہنچیں اور متحدہ لشکر کی قیادت سنبھالیں۔ اس طرح جیوشِ شام کی کل تعداد 33 ہزار ہوگئی۔ خالد بن ولید ؓ نے شام آ کر بُصریٰ فتح کر لیا (25 ربیع الاول 13ھ/ مئی 634ء)، پھر دمشق کا رُخ کیا۔ ابو عبیدہ ؓ بھی ان کے ہمراہ تھے جبکہ عمرو بن عاص ؓ فلسطین میں اور شرحبیل ؓ بُصریٰ کے انتظامات میں مصروف رہے۔ دریں اثناء ایک رومی فوج نے حمص سے پیش قدمی کی تاکہ شرحبیل ؓ سے بُصریٰ واپس لے لیں۔ اسی طرح ایک رومی لشکر فلسطین کی طرف بڑھا۔ خالد بن ولید ؓ نے اسلامی عساکر اجنادین کے مقام پر جمع کیے اور ایک لاکھ رومیوں اور ان کے عرب حلیفوں کو شکست دی (27 جمادی الاولیٰ 13ھ/ 30 جولائی 634ء)۔ اس جنگ میں دشمن کے 3 ہزار فوجی مارے گئے اور باقیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت خالد ؓ نے اس مہم سے فارغ ہو کر پھر دمشق کا جا محاصرہ کیا۔



عربہ (فلسطین) کی وادی

رومیوں کا دوسرا لشکر دمشق کے جنوب میں مرج الصفر کے مقام پر جمع ہوا جسے حضرت خالد بن ولید ؓ نے شکست دی اور لوٹ کر پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے 21 جمادی الآخرہ 13ھ/ 23 اگست 634ء کو رحلت فرمائی اور امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے خلافت سنبھالی۔ انھوں نے خالد بن ولید ؓ کو معزول کر کے ابو عبیدہ بن جراح ؓ کو اسلامی عساکر کا امیر مقرر کیا۔



بعلبک میں رومی مندر باکوس (Bacchus) کے کھنڈر

جنگِ بیسان

اس دوران میں شاہ ہرقل نے 60 ہزار کا لشکر مرج ابن عامر کی طرف سے بیسان روانہ کیا جو طبریہ کے جنوب میں واقع ہے۔ دریں اثناء 20 ہزار رومی انطاکیہ سے بعلبک [1] کے راستے بیسان آ پہنچے۔ یوں رومی افواج کی تعداد 80 ہزار ہوگئی جن کا سپہ سالار سکلاریوس تھا۔ اسلامی افواج فِحل [2] میں جمع ہوئیں اور انھوں نے دریائے اُردن پار کر کے رومیوں کو شکست فاش دی (28

1 **بعلبک**: لبنان کا یہ شہر آثارِ قدیمہ کے لیے مشہور ہے۔ یہ سطحِ سمندر سے 1150 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ سلیوکی (یونانی) بادشاہوں کے عہد میں یہ ہیلیو پولس (مدينة الشمس) کے نام سے مشہور تھا۔ رومی عہد میں یہاں جوپیٹر (مشتری دیوتا) کا معبد بنا (المنجد في الأعلام)۔ کہا جاتا ہے کہ بعلبک ملکہ بلقیس کو بطور حق مہر دیا گیا۔ یہاں قصرِ سلیمان بھی تھا۔ بَعل حضرت الیاس ؑ کی قوم کا بت تھا جس کے نام سے بعلبک موسوم ہوا۔ یونانی اس بت کو پوجتے تھے۔ یہاں حضرت الیاس ؑ اور حفصہ (معاذ بن جبل ؓ کی بہن) کی قبریں ہیں (معجم البلدان: 454/1)۔ 361ھ/ 972ء میں بعلبک پر فاطمی اور 2 سال بعد رومی قابض ہو گئے۔ 416ھ/ 1025ء میں والیٔ حلب صالح ابن مرداس نے اسے عیسائیوں سے واپس لیا۔ 549ھ/ 1154ء میں نور الدین زنگی نے اسے فتح کیا۔ پھر 565ھ/ 1170ء کے شدید زلزلے سے یہ تباہ و برباد ہوا تو اسے از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 634/4)

2 **فِحل**: اُردن کا شہر فِحل یا پیلا (Pela) بیسان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ پیلا اُن دس (10) شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جنھیں یونانیوں نے 310 ق م میں آباد کیا تھا (المنجد في الأعلام، ص: 407)۔ فِحل اور بیسان کے درمیان دریائے اردن حائل ہے۔

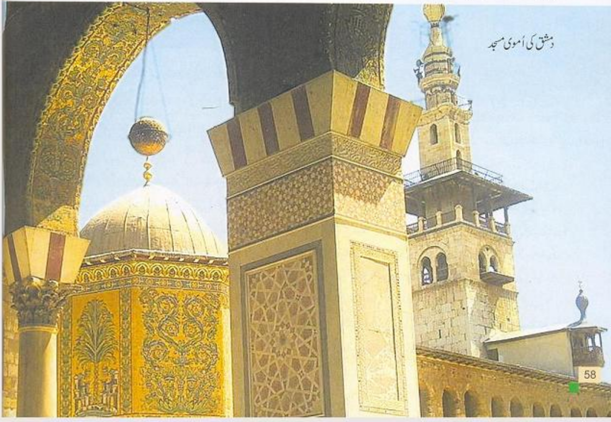
ذی قعدہ 13ھ / 3 جنوری 635ء)۔ یوں اُردن کا تمام علاقہ مسلمانوں کے زیرِ تسلط آ گیا اور اہلِ اُردن نے ان سے مصالحت کر لی۔ مسلمان پھر دمشق کی طرف لوٹ گئے اور چار ماہ اس کا محاصرہ کیے رکھا۔

سقوطِ دمشق

محاصرۂ دمشق کے دوران میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہر کے مشرق میں تھے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شُرحبیل رضی اللہ عنہ شمال میں، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مغرب میں اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جنوب میں تھے۔ انھوں نے جب محاصرہ سخت کر دیا اور محصور رومی لشکر کے قائد نسطاس بن نسطورس کو کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کی۔ اِدھر دمشق کے رومی گورنر نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی جو انھوں نے دے دی۔ اس دوران میں نسطاس کے نومولود بیٹے کے جشنِ ولادت کی وجہ سے اس کا لشکر غفلت میں پڑ گیا جس سے خالد رضی اللہ عنہ کو مشرقی دروازہ بزورِ فتح کرنے کا موقع مل گیا۔ اُدھر مغربی دروازے کے رومیوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یوں اتوار 15 رجب 14ھ / 3 ستمبر 635ء کو دمشق کا سقوط عمل میں آیا۔

بعلبک اور حمص کی فتح

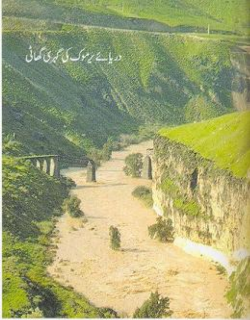
سردیوں میں مسلمان دمشق میں مقیم رہے، پھر بعلبک کے راستے حمص کی طرف بڑھے۔ پیچھے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دمشق میں رہے، شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اُردن میں اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین میں ٹھہرے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بعلبک والوں کی صلح کی درخواست منظور کر لی (25 ربیع الاول 15ھ / 6 مئی 636ء) اور مسلمانوں کا شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد 21 ربیع الآخر 15ھ / یکم جون 636ء کو مسلمان حمص میں داخل ہو گئے جبکہ شہریوں نے کوئی خاص مزاحمت نہ کی۔



دمشق کی اُموی مسجد



بقاع (لبنان) کی خوبصورت وادی



دریائے یرموک کی گہری گھاٹی

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

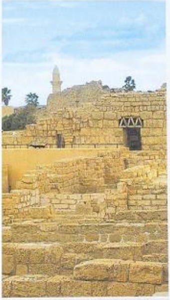
اب ہرقل نے جوابی حملے کے طور پر 2 لاکھ کا انبوہِ کثیر باہان کی سپہ سالاری میں روانہ کیا۔ ابوعبیدہ ؓ مصلحت کے تحت حمص سے دمشق کی طرف لوٹ آئے۔ تب رومی لشکر حمص میں داخل ہوا، پھر بقاع [1] اور بعلبک سے ہوتے ہوئے انھوں نے جابیہ [2] کے جنوب میں مسلمانوں کو گھیرنا چاہا لیکن مسلمان پسپا ہو کر پہلے جابیہ، پھر اذرعات چلے آئے۔ رومی لشکر ان کے برابر چلا آ رہا تھا حتی کہ وہ دریائے یرموک [3] کے کنارے آن ٹھہرا۔ ابوعبیدہ ؓ نے سپہ سالاری خالد بن ولید ؓ کے سپرد کی۔ جنگ یرموک میں رومیوں نے شکست کھائی اور واقوصہ کے قریب مفرور مسیحی مسلمانوں کے دباؤ کی تاب نہ لا کر یرموک کے بلند کنارے سے نشیب میں ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ یہ جنگ سوموار 5 رجب 15ھ / 12 اگست 636ء کو لڑی گئی۔ اس کے نتیجے میں شام کے تمام دروازے مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔

1 **بقاع:** ان دنوں بقاع لبنان میں شامل ہے۔ محافظۃ (صوبہ) بقاع کا دارالحکومت زحلہ ہے۔ بعلبک اور ہرمل بھی اسی صوبے میں ہیں (المنجد في الأعلام)۔ سہل البقاع، یعنی میدانِ بقاع کے مشرق میں شامی سرحد پر جبال لبنان الشرقیہ اور جبل الشیخ واقع ہیں اور مغرب میں جبال لبنان پھیلے ہوئے ہیں (أطلس العالم)۔ دمشق کے پاس ایک مقام بقاع کلب کہلاتا ہے جبکہ البقاع ایک وسیع سرزمین ہے جو بعلبک، حمص اور دمشق کے مابین واقع ہے۔ (معجم البلدان: 470/1)

2 **جابیہ:** یہ شمالی حوران (شام) میں مرج الصفر کے قریب جولان کے نواح میں ایک بستی ہے۔ اسے جابیۃ الجولان بھی کہتے ہیں۔ یہاں امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے مشہور خطبہ دیا تھا (معجم البلدان: 91/2)۔ جابیہ، غسانی حکمرانوں کی مرکزی قیام گاہ تھا، اس لیے جابیۃ الملوک کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ جولان میں دمشق سے تقریباً 80 کلومیٹر جنوب میں ہے اور ''نَوَا'' سے زیادہ دور نہیں۔ آج کل یہ مقام ایک بہت بڑے چشمے اور چراگاہوں پر مشتمل ہے۔ دمشق کے جنوب مغربی دروازے باب الجابیہ سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ یہ بہت عرصہ جُندِ دمشق کا صدر مقام (چھاؤنی) رہا۔ طاعون عمواس میں جب فلسطین کا آدھا اسلامی لشکر تباہ ہو گیا تو لوگ یہیں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ 64ھ / 684ء میں یہیں مروان بن حکم کی خلافت کا اعلان ہوا۔ اب جابیہ کا نام ابن عباس ؓ سے مروی حدیث کی بدولت زندہ ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کی رُوحیں جابیہ میں جمع ہوں گی اور کفار کی حضر موت میں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 13،12/7)

3 **دریائے یرموک:** شام کا یہ دریا سطح مرتفع حوران سے نکلتا ہے اور شام اور اُردن کی سرحد پر بہتا ہوا جھیل طبریہ کے جنوب میں دریائے اُردن (The Jordan) سے جا ملتا ہے (المنجد في الأعلام)۔ یرموک جسر الجامع کے مقام پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ آج کل یہ دریا بدوی قبیلہ مناضرہ کے نام پر شریعۃ المناضرہ کہلاتا ہے۔ یرموک کا میدان جنگ نہر الرقاد اور یرموک کے سنگم کے قریب واقع تھا اور یہ جگہ واقوصہ (جدید یاقوصہ) سے زیادہ دور نہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 286/23)



قیساریہ (فلسطین) کے آثار

مصر کی فتوحات

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قیساریہ [1] سے روانہ ہوئے اور 4 ہزار فوج کے ساتھ مصر میں داخل ہوگئے۔ وہ شمالی سیناء سے گزرتے آگے بڑھے۔ عیسائیوں سے اولین معرکے قلعہ فرما اور بلبیس میں پیش آئے۔ اس دوران میں عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے کمک آ پہنچی اور ان کا لشکر 12 ہزار ہوگیا۔ عین الشمس (ہیلیو پولس) [2] میں ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں رومیوں نے شکست فاش کھائی، پھر قلعہ بابلیون [3] اور الفیوم یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے دارالحکومت اسکندریہ کی طرف بڑھے اور ذی قعدہ 21ھ / ستمبر 642ء میں شدید لڑائی کے بعد اسکندریہ کے رومیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی طرح ڈیلٹا (نیل) کے شہر ایک ایک کر کے مسلمانوں کے تسلط میں آگئے، پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے مغرب کا رُخ کیا۔

[1] **قیساریہ:** اسے قیساریۂ فلسطین یا قیصریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اب یہ کھنڈروں کی شکل میں ہے (المنجد في الأعلام)۔ رومی دور میں اس نام سے 17 شہر بسائے گئے تھے، چنانچہ یہودی حکمران ہیرود اعظم نے 22 ق م میں قیصر اغسطس کے نام پر حیفا اور یافا کے درمیان قیساریہ کی بنیاد رکھی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 19ھ / 640ء میں اسے فتح کر لیا۔ یورپی صلیبیوں نے 1104ء، 1191ء اور 1251ء میں اس پر قبضہ کیا اور 1187ء، 1220ء اور 1265ء میں مسلمان اس پر قابض ہوئے حتی کہ سلطان قلاوون نے اسے فتح کر کے قلعہ قیساریہ تباہ کر دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-2/561,560)

[2] **ہیلیو پولس:** قاہرہ کے مشرق میں سات آٹھ کلومیٹر پر عین الشمس یا ہیلیو پولس واقع تھا جسے اب مصر الجدیدہ کہا جاتا ہے۔ یونانی نام ہیلیو پولس کے معنی ہیں ''سورج کا شہر'' کیونکہ یہاں سورج دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ اسی جگہ وہ دو ستون تھے جنھیں قلوپطرہ کی سوئیاں کہا جاتا ہے۔ سنگ خارا کے یہ ستون فرعون تھتموسس سوم نے 1475 ق م کے لگ بھگ نصب کیے تھے۔ 12 ق م میں رومیوں نے انھیں اسکندریہ میں لے جا گاڑا۔ 1878ء میں ایک بار پھر انھیں اکھاڑا گیا اور اب ان میں سے ایک لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے ایستادہ ہے اور دوسرا نیو یارک میں۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 119)

''عین الشمس'' کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''یہ مصر میں فرعون موسیٰ کا شہر تھا۔ فسطاط اور عین الشمس کے مابین 3 فرسخ (9 میل) کا فاصلہ ہے۔ شام کی طرف سے آئیں تو یہ بلبیس اور فسطاط کے مابین مَطَرِیّہ کے قریب واقع ہے (جبکہ مطریہ، عین الشمس کے جنوب میں ہے) اور یہ نیل کے کنارے واقع نہیں۔ یہیں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی قمیص چاک کی تھی۔'' (معجم البلدان: 4/178) گویا یاقوت کے بقول عین الشمس حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے زمانے میں مصر کا دارالحکومت تھا مگر عرب محقق شوقی ابوخلیل کی تحقیق کے مطابق یوسف علیہ السلام کے زمانے میں شاہ مصر کا دارالحکومت نیل کے ڈیلٹا میں تانیس (صان الحجر) نامی شہر تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے دارالحکومت بالائی مصر میں تھیبس یا طیبہ کے مقام پر منتقل ہوگیا جسے اب الاَقصُر (Luxor) کہا جاتا ہے۔

(اطلس القرآن (اردو)، ص: 120,119)

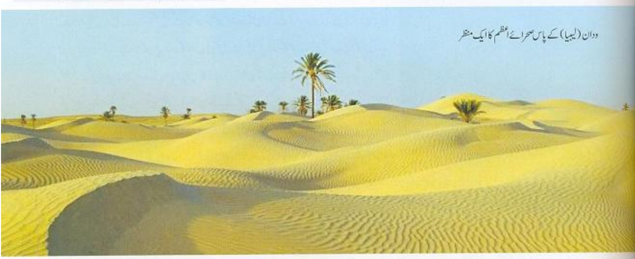
[3] **بابلیون:** حضرت ادریس علیہ السلام بابل سے مصر پہنچے تو انھوں نے دریائے نیل کو دیکھ کر کہا: ''بابلیون'' یعنی ''بابل (دریائے فرات) کی طرح بڑا دریا۔'' اس پر اس سرزمین کا نام ہی بابلیون پڑ گیا جسے عربوں نے مصر بن حام بن نوح کے نام پر ''مصر'' کہا (قصص القرآن: 1/74,73)۔ قاہرہ کے میدان کے شمال میں ہیلیو پولس کا قدیم شہر تھا جسے عرب عین الشمس کہتے ہیں۔ اس میدان کے جنوب میں بابلیون کا حصار تھا۔ لفظ بابلیون قدیم مصری Pi-Hapi-n-On کی یونانی شکل ہے۔ اس وقت قدیم قلعے کے چند بچے کھچے حصے قصر الشمع میں موجود ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا فوجی کیمپ تھا جو بعد میں ترقی کر کے ''فسطاط مصر'' کے نام سے ایک شہر بن گیا۔ لاطینی تحریروں میں قاہرہ کے بجائے بھی بابلیون درج ہے جیسے صلاح الدین ایوبی کو ان میں Saladino Di Babilonia یعنی ''بابلیون کا صلاح الدین'' لکھا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/829 اور 16-1/180)



لیبیا کے شہر طرابلس (ٹریپولی) میں مسجد احمد پاشا

لیبیا اور مغرب کی فتوحات

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 21ھ یا 22ھ/642ء یا 643ء میں برقہ فتح کر لیا۔ انھوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو ایک جیش کے ساتھ بھیجا جن کے ہاتھوں 22ھ/642ء میں زویلہ [1] فتح ہوا۔ خود عمرو رضی اللہ عنہ نے طرابلس [2] کو جا گھیرا اور 22ھ میں اس پر قبضہ کر لیا۔ مزید برآں انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مامور کیا جن کے ہاتھوں سبراطہ اور زواغہ فتح ہوئے اور بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے 23ھ/643ء میں ودان فتح کر لیا۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل لیبیا نے بغاوت کی روش اختیار کی، چنانچہ 28ھ/648ء میں عہد عثمانی میں لیبیا دوبارہ فتح ہوا اور وہاں کے رومی حاکم جرجیر نے جزیے پر صلح کر لی۔ اس نے پھر بغاوت کی تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے 29ھ/649ء میں حملہ کر کے جرجیر کو قتل کیا اور اس کا لشکر تتر بتر کر دیا۔



ودان (لیبیا) کے پاس صحرائے اعظم کا ایک منظر

1 **زویلہ**: زَوِیلۃ السُّودان (بقول ادریسی ''زاویلہ'') فزان (لیبیا کا جنوبی صوبہ) کے دارالحکومت ودّآن سے جانب شمال بلادِ سوداں کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں کے مسلمان اباضی (خوارج) تھے۔ چمڑا اور غلام یہاں سے دساور کو بھیجے جاتے تھے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 516/10)۔ زویلۃ السودان، اجدابیہ کے بالمقابل بلادِ سودان اور افریقیہ کے مابین واقع ہے (معجم البلدان: 159/3)۔ اجدابیہ، بن غازی کے جنوب میں 150 کلومیٹر پر ساحل سے کچھ پرے ہے۔

2 **طرابلس الغرب (ٹریپولی)**: فنیقیوں نے ٹریپولی (Tripoli) کے نام سے دو شہر بسائے تھے۔ پہلا ٹریپولی ساحل شام پر 800 ق م میں بسایا گیا تھا جو دراصل تین (Tri) شہروں (Poli) کا مجموعہ تھا۔ اس پر 1109ء تا 1289ء صلیبی قابض رہے اور سلطان قلاوون نے اسے واپس لیا (المنجد في الأعلام)۔ ان دنوں طرابلس لبنان کی اہم بندرگاہ اور دوسرا بڑا شہر ہے۔ دوسرا ٹریپولی فنیقیوں نے شمالی افریقہ کے ساحل پر آباد کیا تھا۔ عربوں نے ٹریپولی کو معرّب کر کے ''طرابلس'' کہنا شروع کر دیا، چنانچہ امتیاز کے لیے اول الذکر کو طرابلس الشام اور آخر الذکر کو طرابلس الغرب لکھا جاتا تھا۔ طرابلس الغرب یا صرف ''طرابلس'' ان دنوں لیبیا کا دارالحکومت ہے۔ اس کے نام پر ماضی قریب تک لیبیا کا ملک بھی طرابلس کہلاتا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب

1

طبعی جغرافیہ

عراق پر اولین حملوں کا ذکر کرنے سے پہلے ہم جزیرہ نمائے عرب کا کچھ حال بیان کیے دیتے ہیں جہاں سے ان حملوں کا آغاز ہوا۔ جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب کو درج ذیل طبعی حصوں میں بانٹا ہے:


تہامہ کی وادی

① تہامہ: یہ بحیرۂ احمر کے کنارے کا ساحلی میدان ہے جو بحیرۂ احمر اور پہاڑی سلسلے (حجاز) کے درمیان واقع ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں مونگے (مرجان) کی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی لیے ساحل پر بندرگاہوں کی کمی ہے، چنانچہ قدیم عرب زیرِ آب چٹانوں کے خطرات کی وجہ سے سمندری جہاز رانی کا زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس اہل بحرین جہاز رانی میں طاق تھے۔ وہ اس علاقے کو "تہامہ" اس وجہ سے کہتے تھے کہ یہ لفظ التَّهَم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: "حبس، یعنی ہوا کے ٹھہراؤ کے ساتھ شدید گرمی۔"

② حجاز: یہ جبال سراۃ کا سلسلہ ہے جو شام اور یمن کے درمیان پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس کا عرض تقریباً 175 کلومیٹر ہے۔ اسے حجاز کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ تہامہ کے نشیب اور اندرون ملک نجد کے مابین حاجز (حائل) ہے۔ ماہرین جغرافیہ نے حجاز کو 12 حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی: مدینہ، خیبر، فدک [1]، ذومروہ، دار بَلِیّ، دارِ اشجع، دار مُزینہ، دار جُہینہ، ہوازن کا ایک گروہ اور سُلیم اور ہلال کا بڑا حصہ، حرۂ لیلیٰ کا اگلا حصہ، شام سے متصل شِعب [2] کا علاقہ اور بَدا۔ [3] حجاز صنعاء (یمن) کی حد سے لے کر شام کی حد تک پھیلا ہوا ہے۔ مکہ

[1] فدک: حجاز کا یہ قصبہ مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے۔ فتح خیبر کی خبر سن کر اہل فدک نے نبی ﷺ کے پاس قاصد بھیج کر اپنے پھلوں اور اموال کا نصف دینے پر صلح کر لی (معجم البلدان: 238/4)۔ فدک، خیبر کے مشرق میں ایک بستی تھی جو آج کل "حائل" میں "حائط" کے نام سے معروف ہے۔ نبی ﷺ نے خیبر پہنچ کر مُحیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو "یہود فدک" کے پاس بھیجا کہ انھیں اسلام کی دعوت دیں، مگر انھوں نے تاخیر کی لیکن جب خیبر کی فتح کا حال سنا تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور انھوں نے پیغام دیا کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ نبی ﷺ نے اسے منظور فرما لیا، چنانچہ فدک کی زمین صرف نبی ﷺ کے لیے مخصوص تھی (اس میں سے آپ اپنے اوپر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی عیالداری کرتے تھے اور ان میں سے غیر شادی شدہ ضرورت مندوں کی شادی فرماتے تھے۔)
(السيرة النبوية لابن هشام: 368/3)

[2] شِعب: یہ عقبہ (اُردن) سے تین میل دور عقبہ اور قاع کے درمیان مکہ کے راستے پر ایک تالاب ہے۔ (معجم البلدان: 347/3)

[3] بَدا: یہ اَیلہ کے قریب ایک وادی ہے۔ بعض نے اسے وادی القریٰ میں اور بعض نے شام کے قریب وادیٔ عذرہ میں شامل قرار دیا ہے (معجم البلدان: 356/1)۔ اَیلہ (اَیلات) خلیج عقبہ کے سرے پر واقع فلسطینی بندرگاہ ہے جس پر اسرائیل قابض ہے۔

مکرمہ تہامہ میں ہے اور مدینہ منورہ حجاز میں۔

③ **نجد**: یہ جنوب میں یمن سے لے کر شمال میں صحرائے سماوہ (عراق) اور مشرق میں عروض تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے نجد کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کی زمین بلند (سطح مرتفع) ہے۔

④ **یمن**: یہ نجد کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحل (ساحل بحیرۂ عرب) کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔



نقشہ 2

جزیرہ نمائے عرب کی طبعی تقسیم (632ء میں)

⑤ **عروض**: اس کا نام عروض اس لیے ہے کہ یہ یمن، نجد اور عراق کے درمیان (عرض میں) ساحل خلیج کے ساتھ مستطیل شکل میں واقع ہے۔ اس میں سطح مرتفع بھی ہے اور نشیب بھی، پہاڑ بھی ہیں اور وادیاں بھی اور اس میں بلاد یمامہ اور بحرین [1] شامل ہیں۔

جغرافیۂ عرب کا انسانی زندگی پر اثر

جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیہ کا بھی اسلامی فتوحات کی رفتار پر اثر پڑا۔ گرمیوں میں خشک اور سخت گرم اور سردیوں میں سرد آب وہوا کا یہ وسیع و عریض خطہ ان لوگوں کے لیے انجانا تھا جو اس کے چشموں، کنووں اور موسموں سے آگاہ نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر لشکر جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اردگرد کے ممالک کو فتح کرتے چلے گئے اور باہر سے کبھی کوئی فوج جزیرہ نمائے عرب کو فتح کرنے نہیں آئی۔ یہاں انسانوں کی بودوباش ایسی تھی کہ خوراک کی قلت، کھردرا لباس اور رہائش اور سفر میں سادگی اُس کے نمایاں پہلو تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے جانور بھی سخت کوش تھے۔ یوں جب فتوحات اسلامیہ کا آغاز ہوا اور اطراف میں لشکر بھیجے گئے تو ان کا سازوسامان بہت قلیل ہوتا تھا۔ عرب اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے اور تلواروں اور نیزوں سے لڑتے اور کمان سے تیر چلاتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ فطری جنگجو تھے اور ہر عربی کے لیے ضروری تھا کہ وہ پانی اور سبزے کی تلاش میں نقل مکانی کرے، چنانچہ قبیلے کی شکل میں رہنا اجتماعی ضرورت بن گیا تھا۔ ہر شخص قبیلے کے ساتھ نقل مکانی کرتا تھا اور اسے اپنے قبیلے کی حمایت حاصل رہتی تھی۔ اس طرح قبائلی معاشرت پروان چڑھتی رہی تھی حتی کہ اردگرد کی دوسری تہذیبوں میں بھی قبائلی معاشرت عنقا نہیں تھی، تاہم اسلامی فتوحات کے بعد وہ بتدریج اس جدید تہذیب میں ڈھل گئی جو کوفہ، بصرہ اور فسطاط وغیرہ میں پروان چڑھی اور ہر شہر میں ہر عرب قبیلے کے نام پر ایک محلّہ آباد ہو گیا۔



قدیم بحرین اور موجودہ الاحساء (سعودی عرب) کا ایک

یہ قبائلی نظام کا خاصہ تھا کہ تجارتی قافلے یمن، شام، حیرہ، مصر اور عرب کے بازاروں کے مابین سفر کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے راستوں سے واقف بدرقہ کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور یوں مختلف علاقوں میں باقاعدہ ماہر فن رہنمایانِ سفر موجود ہوتے تھے۔

عربوں کی اہم غذائیں یہ تھیں: کھجور، دودھ، اونٹ کا گوشت اور بعض اناج۔ ان میں سے بعض لوگوں میں رذیل عادات نے گھر کر لیا تھا، مثلاً: وہ حریف قبائل اور قافلوں پر دھاوا بول دیتے اور انھیں لوٹ لیتے تھے۔ ان میں اچھی عادات بھی تھیں، مثلاً: سخاوت، عالی ظرفی اور شجاعت۔ بعض عربوں میں بدوی شدّت اور اکھڑ پن بہت راسخ تھا اور بعض شائستگی اور نرمی کے لیے مشہور تھے۔

[1] **بحرین**: قدیم تاریخی اصطلاح میں "بحرین" بصرہ اور عمان کے درمیان ساحل خلیج کے علاقوں پر مشتمل ہے (معجم البلدان: 4/112)۔ عہد نبوی میں سعودی عرب کا مشرقی ساحل بحرین کہلاتا تھا جس میں موجودہ جزائر بحرین اور قطر بھی شامل تھے۔ اس کا دارالحکومت ان دنوں دارین تھا جو موجودہ ظہران کے جنوب میں ساحل کے نزدیک واقع تھا۔ ان دنوں دارین، تاروت کہلاتا ہے جبکہ موجودہ امارت بحرین، جو خلیج فارس کے اندر ہے، سعودی عرب اور قطر کے مابین چند جزیروں کے مجموعے کا نام ہے جس کا دارالحکومت منامہ ہے۔ ماضی کا بحرین اب الاحساء (سعودی عرب کا مشرقی علاقہ) کہلاتا ہے۔
(اٹلس سیرت نبوی (اردو)، ص:30)

2

فتنۂ اِرتداد کی جنگیں

نبی کریم ﷺ 12 ربیع الاول 11ھ / 9 مئی 632ء کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔[1] آپ نے وفات سے پہلے ایک لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں سرحد شام کی طرف بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو انھوں نے لشکر اسامہ کو روانگی کا حکم دیا۔ اس دوران میں بعض قبائل نے زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اسی طرح کئی اور قبائل مرتد ہوگئے اور ان میں سے بعض افراد نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، مثلاً: اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ بن حبیب کذّاب نے بنی حنیفہ (یمامہ) میں، طُلَیحہ بن خُوَیلد نے بنواسد میں اور سجاح نامی عورت نے بنوتغلب میں دعوائے نبوت کر ڈالا۔ اُدھر مدینہ منورہ کے اردگرد کے قبائل نے جب یہ دیکھا کہ شہر کے اکثر لوگ لشکرِ مجاہدین میں شامل ہوکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ہمراہ گئے ہوئے ہیں تو عبس اور ذُبیان قبائل نے پیش قدمی کی۔ وہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک رات انھیں شہر سے باہر اچانک جا لیا اور ان کو شکست دے کر تتر بتر کر دیا (جمادی الآخرہ 11ھ / اگست 632ء)۔ اس دوران میں اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر فتح یاب ہوکر لوٹ آیا۔

پھر فتنۂ اِرتداد کے استیصال کے لیے مدینہ منورہ سے لشکر بھیجے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گیارہ پرچم دے کر گیارہ جیش روانہ کیے تاکہ اس فتنے کا سدّ باب ہو اور جزیرہ نمائے عرب کی وحدت بحال ہو جائے۔

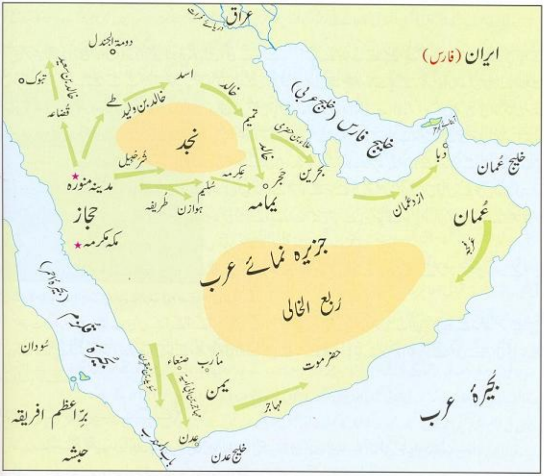
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیوش کے آگے آگے تمام قبائل کے نام یہ اعلان ارسال کیا کہ انھوں نے ان ہدایات کے ساتھ لشکر بھیجے ہیں کہ جنگ سے پہلے قبائل کو اللہ کی دعوت دی جائے، پھر جو کوئی دعوت مان لے، اسے چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کرے، اس سے لڑائی کی جائے اور بدلہ لیا جائے۔

فتنۂ ارتداد کے سدّ باب کے لیے بھیجے گئے لشکر

مدینہ سے مختلف لشکر مختلف کمانداروں کی قیادت میں شعبان 11ھ / اکتوبر 632ء میں روانہ ہوئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

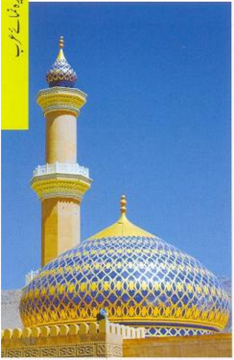
① خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہلے بنو اسد کی طرف، پھر بنوتمیم اور پھر بنوحنیفہ کی طرف
② عِکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ کی طرف
③ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ کی طرف
④ طریف بن حاجز رضی اللہ عنہ بنوسُلیم اور ان کے حلیف بنوہوازن کے لوگوں کی طرف

[1] تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) از عبدالقدوس ہاشمی، ص: 3 (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یوم وفات بحساب شمسی تقویم 28 مئی 632ء ہے۔



نقشہ 3

فتنۂ ارتداد کی جنگیں



نزوہ (عُمان) میں ایک مسجد

⑤ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قضاعہ، ودیعہ اور حارث کی طرف

⑥ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اطرافِ شام میں تیماء کی طرف

⑦ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین کی طرف

⑧ حذیفہ بن محصن غطفانی رضی اللہ عنہ عُمان [1] میں دَبَا کی طرف

⑨ عَرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ مہرہ (ساحل بحیرۂ عرب) کی طرف

⑩ سُوید بن مُقرن مزنی رضی اللہ عنہ تہامۂ یمن کی طرف

⑪ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ پہلے صنعاء اور پھر حضر موت کی طرف

ان لشکروں نے اپنی مہمات چار ماہ کے اندر اور 11 ھ کے ختم ہونے سے پہلے سر کرلیں اور تمام جزیرہ نمائے عرب واپس اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔

فتنۂ ارتداد کے خلاف جنگوں کے نتائج

① حروب ردّہ (ارتداد کے خلاف جنگوں) نے عقیدۂ اسلام اور خلافت کے زیرِ سایہ جزیرہ نمائے عرب کی وحدت برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

② بلاشبہ ان جنگوں سے مسلمانوں کی تربیت ہوئی اور یہ اپنی وسعت کے اعتبار سے غزوات رسول اور عہدِ خلافت کی فتوحات کا درمیانی مرحلہ ثابت ہوئیں۔

③ ان جنگوں کے نتیجے میں جنگی مہارت رکھنے والے قائدین سامنے آئے۔ حروب ردّہ میں ان کی صلاحیتیں چمک اُٹھیں اور پھر خلافت راشدہ میں انھیں فتوحات کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

④ حروب ردّہ میں مسلمانوں کی کامیابیوں اور فتوحات نے انھیں یہ اعتماد عطا کیا کہ وہ نظام حکومت سنبھالنے کی بے پناہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں اور تمکن فی الارض کے اُلوہی وعدے کے ایفا کا ذریعہ بننے کے قابل ہیں۔

⑤ ان جنگوں کے خاتمے پر ان میں شریک اسلامی لشکروں نے فارس اور روم کا رُخ کیا جو اسلام کو جزیرہ نمائے عرب تک محدود رکھنے اور مسلمانوں کو اس امر سے روکنے کا تہیّہ کیے ہوئے تھے کہ وہ عرب سے نکل کر آزادانہ لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دیں۔

ان لشکروں کے ذریعے سے فارس وروم کے علاقوں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں، انھی کی تفصیلات ہم اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں:

[1] عُمان: یہ بحریمن و ہند (بحیرۂ عرب) کے ساحل پر واقع عرب کا علاقہ ہے اور یہاں کے اکثر باشندے اباضی خوارج ہیں۔ اس کا اہم شہر صُحار ہے (معجم البلدان: 150/4)۔ سلطنت عمان جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ یہ ملک متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، ربع الخالی، یمن اور خلیج عمان و بحیرۂ عرب میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا دارالحکومت مسقط ہے۔ 1508ء میں اس پر پرتگالیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ 1741ء میں احمد بن سعید نے عمان میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ (المنجد في الأعلام)

3

جزیرہ نمائے عرب کی قبائلی تشکیل

یہ قبائل عرب کی جنگی اکائیاں ہی تھیں جن سے فارس وروم کی طرف نکلنے والے جیوش تشکیل پائے، لہٰذا قبائل کی تقسیم وتشکیل کا تذکرہ ضروری ہے۔ عرب قبائل دراصل دو بنیادی شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں: قحطان اور عدنان۔ انھی دو میں سے مختلف قبائل اور ان کی شاخیں وجود میں آئیں۔

یمن، قحطان اور ان کی اولاد کا وطن رہا حتی کہ 120 ق م میں سدّ مأرب ٹوٹنے سے ایسا سیلاب آیا کہ قحطانی قبائل یہاں سے نکل کر جزیرہ نمائے عرب کے اندر نئے علاقوں میں جا بسے۔ ان میں اوس اور خزرج بھی تھے جو یثرب (مدینہ) میں آباد ہوئے۔ غسانی شام چلے گئے اور بنولخم نے حیرہ (عراق) جا بسایا۔ طے نے دو پہاڑوں اَجا اور سَلمٰی کے مابین اپنا مسکن بنایا اور کلب بن وبرہ قبیلہ، ساوہ [1] میں جا آباد ہوا۔ اُدھر عدنان اور ان کی اولاد اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ [2]

قبائل عرب اور ان کے ذیلی قبیلے کثرت سے ہیں اور یہ بات بڑی اہم ہے کہ ان میں سے بیشتر قبیلے جزیرہ نمائے عرب سے جہاد کے لیے نکلے اور فتوحات اسلامیہ میں جا بجا اُن کا ذکر آتا ہے۔ یہاں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ عراق وفارس اور مشرقی ممالک کے اکثر فاتحین کا تعلق بنوعدنان سے تھا جبکہ شام اور مصر کے اکثر فاتحین بنوقحطان سے تھے۔

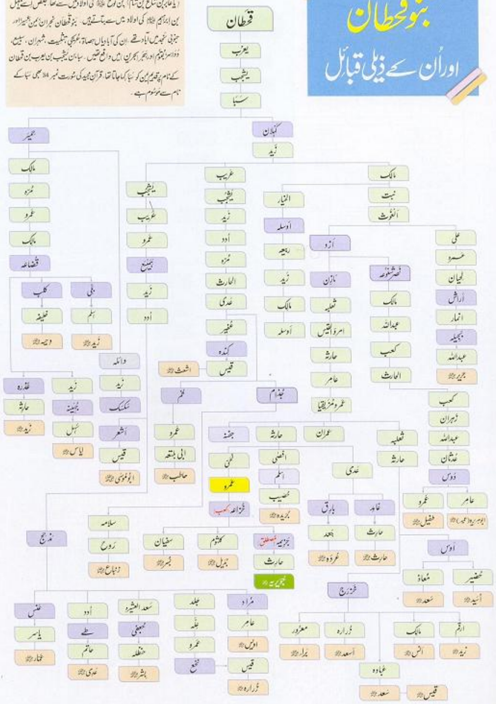
بنوقحطان اور بنوعدنان کے مکمل اور تفصیلی شجرے اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے!

1 ساوہ: صحرائے ساوہ کوفہ (عراق) اور شام کے درمیان ایک بیابان ہے۔ اس کا نام ساوہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ ہموار سرزمین ہے جس میں سنگلاخ چٹانیں نہیں۔ ساوہ بنوکلب کے ایک چشمے کا نام بھی ہے (معجم البلدان: 245/3)۔ ساوہ شہر جنوبی عراق میں دریائے فرات کے دائیں کنارے سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ناصریہ اور قادسیہ کے وسط میں ہے اور ان دونوں سے ساوہ کا فاصلہ تقریباً 90 کلومیٹر ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)

2 بنوعدنان: یہ قبائل نجد، تہامہ اور حجاز میں آباد تھے۔ (معجم قبائل العرب: 761/2)

بنو قحطان
اور اُن کے ذیلی قبائل

عرب کے قدیم ترین قبائل میں سے ۔ بنو قحطان کا جدِ امجد قحطان ارم بن سام (یا عابر بن شالخ بن شام) بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ بعض اسے اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ بنو قحطان نجران، یمن، عسیر اور جنوبی نجد میں آباد تھے۔ ان کی آبادیاں حصاۃ، طریجی، تثلیث، شہران، سبیع، دواسر، قیوم اور ہجر (بحرین) میں واقع تھیں۔ سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان کے نام پر قدیم یمن کو سبا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید کی سورت نمبر 34 بھی سبا کے نام سے موسوم ہے۔



بنو قحطان میں سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ■ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ■ قبیلے کا جدِ امجد ← جدِ امجد کی بلاواسطہ اولاد ■ عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی کو رواج دیا

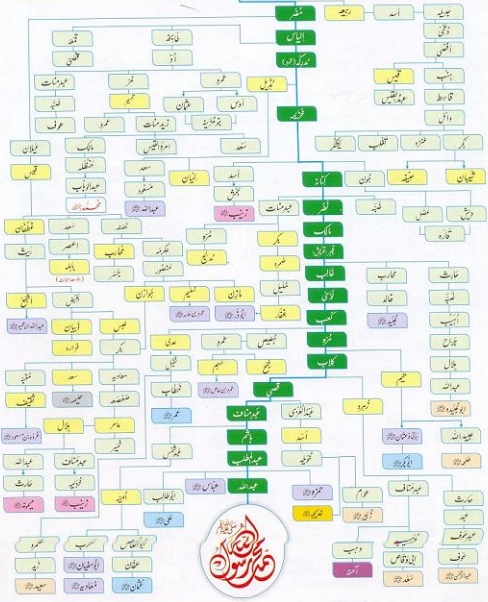
ماخذ: اطلس التاریخی لسیرۃ الرسول ★ معجم القبائل العرب ★ أسد الغابۃ ★ معجم ما استعجم ★ کتاب الشجرۃ النبویۃ

بنُوعَدنان

اوراُن کے ذیلی قبائل

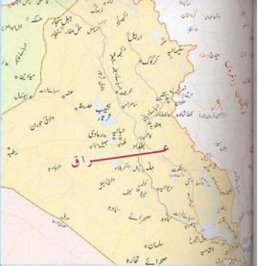
بنُوعَدنان : عَربِ مُستعربہ

بنوعدنان عربِ مُستعربہ یعنی باہر سے عربوں میں شامل ہونے والے لوگ ہیں۔ ان کی نسبت سے متفق اتفاق ہے کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ عدنان اور اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان واسطے غیر معروف ہیں تاہم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لے کر عدنان تک چالیس پشتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ ان کی آبادیاں نجد، تہامہ اور حجاز میں تھیں، پھر وہ عراق، الجزیرہ اور دیگر علاقوں میں پہنچے۔



خلفائے راشدین ■ جنت کی بشارت پانے والے دس صحابہ ■ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ■ اہم قبائلی سربراہ ■ جدِ امجد کی اولاد میں سے ← محمد بن عبدالوہاب □

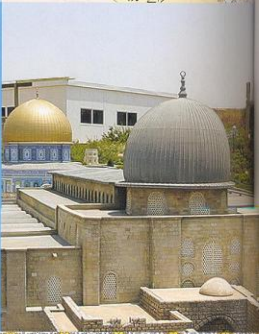
عدنان تک حضرت محمد ﷺ کا سلسلۂ نسب ■ نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ ■ نبی کریم ﷺ کی رضاعی والدہ ■ نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ ■ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ■



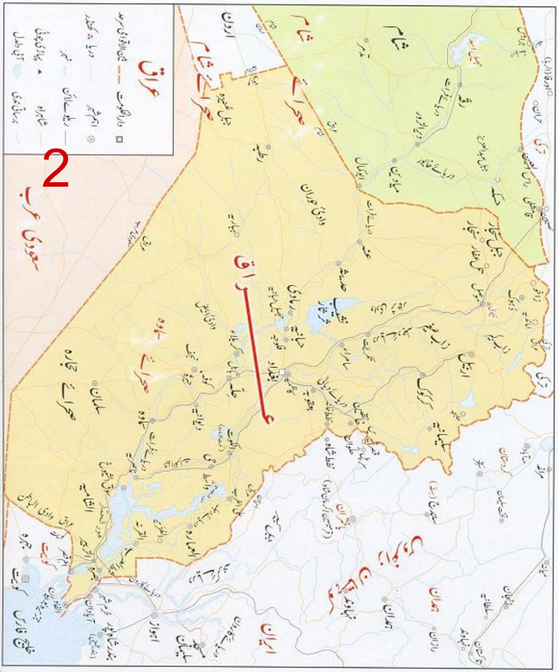
حصّہ دوم

عہدِ صدیقی سے عہدِ فاروقی وعثمانی تک

2






عراق
دارالحکومت
بین الاقوامی سرحد
اہم شہر
دریا
کھنڈر
ریلوے لائن
نہر
شاہراہ
پہاڑی چوٹی
برساتی ندی
آبی دلدل
2
شام
ترکی
اردن
سعودی عرب
ایران
کویت
خلیج فارس
صحرائے شام
صحرائے حجارہ
کوہستان زاغروس
بغداد
موصل
اربیل
کرکوک
سلیمانیہ
سامراء
تکریت
رمادی
فلوجہ
حلّہ
کربلاء
نجف
کوفہ
دیوانیہ
سماوہ
ناصریہ
العمارہ
بصرہ
الزبیر
سلمان
رطبہ
عنہ
حدیثہ
ابوکمال
میادین
دیرالزور
رقّہ
حسکہ
تدمر
اہواز
ہمدان
دریائے فرات
دریائے دجلہ

نقشہ 4

فتوحات کا پہلا مرحلہ (خلافت راشدہ)

1

2

عراق پر ابتدائی حملے

عراق کا طبعی جغرافیہ

عراق کو اپنے وقوع کی بنا پر تزویراتی اور حربی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مابین پُل کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ برّاعظم ایشیا اور افریقہ کے ان ممالک میں شامل ہے جو بحرِ ہند اور بحیرۂ روم کے درمیان واقع ہیں۔

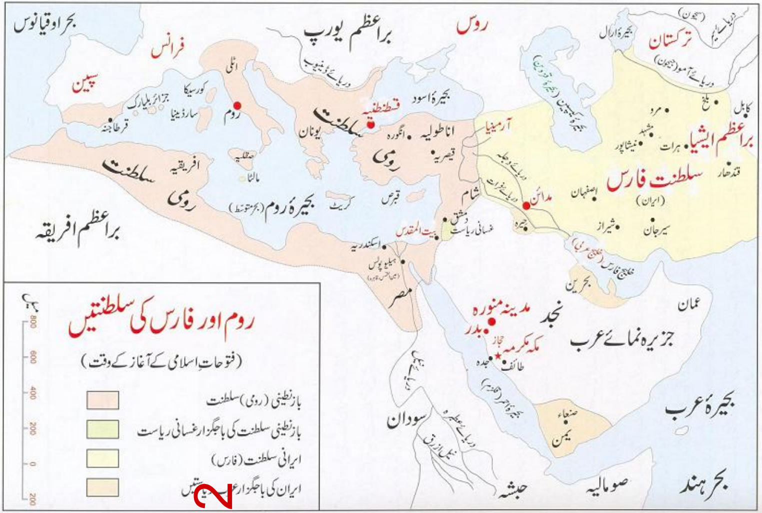
عراق ایک نشیبی میدان ہے جو مشرق میں جبالِ فارس (زاغروس)، شمال میں آرمینیا و آذربائیجان کے پہاڑوں، مغرب میں صحرائے سماوہ اور جنوب میں نجد و عروض اور خلیج کے مابین گھرا ہوا ہے۔ یہ ملک دو تاریخی دریاؤں دجلہ اور فرات کی وادیوں پر مشتمل ہے اور یہی دو دریا اس کی سرسبزی و شادابی اور زرخیزی کا باعث ہیں۔ دریائے دجلہ [1] ترکی کی جنوب مشرقی سطح مرتفع سے نکلتا ہے۔ اس میں کئی ندیاں آ کر ملتی ہیں۔

دریائے فرات [2] شمال مشرقی ترکی کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ اس میں سے بعض شاخیں نکل کر دریائے دجلہ میں گرتی ہیں حتی کہ دجلہ اور فرات دونوں مل کر شط العرب بناتے ہیں [3] جو خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ (مذکورہ شاخیں کتاب ہذا کے نقشہ نمبر 20 اور 26 میں دیکھیے)

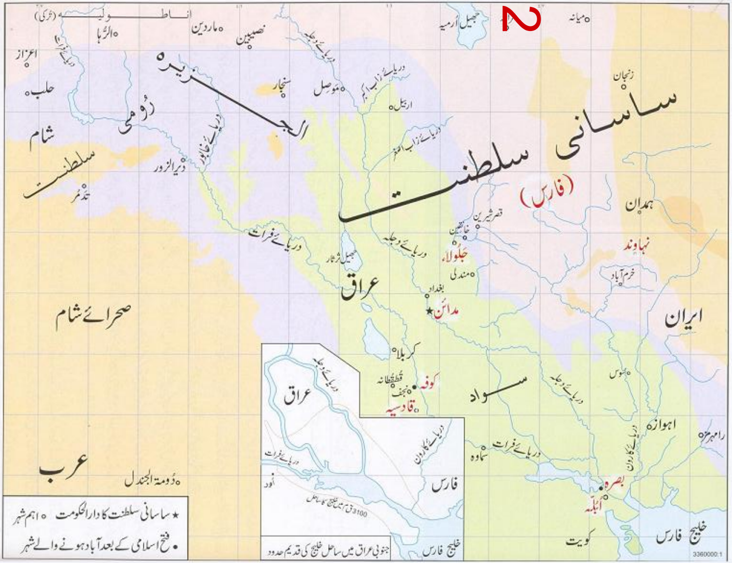
[1] دریائے دجلہ: دجلہ مشرقی ترکی کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب مشرق میں شط العرب کی طرف بہتا ہے۔ دجلہ کے معاون دریا زاب کبیر، زاب صغیر اور دیالا ہیں۔ مُوصل، تکریت، سامراء اور بغداد کے تاریخی شہر اور ساسانی دارالحکومت مدائن کے آثار اسی دریا کے کنارے واقع ہیں۔ المنجد فی الاعلام کے مطابق مدائن ان دنوں سلمان پاک کہلاتا ہے۔

[2] دریائے فرات: یہ ترکی سے جنوب کی طرف بہتا ہوا شام میں داخل ہوتا ہے۔ شمال مشرقی شام میں سے گزر کر فرات جنوب مشرق کا رُخ کرتا ہے۔ شام کا تاریخی شہر رقّہ اس کے کنارے آباد ہے۔ ابوکمال کے مقام سے فرات عراق کی سرزمین میں بہتا ہے۔ حدیثہ، رمادی، حبانیہ، فلوجہ، حِلہ، دیوانیہ اور ناصریہ کے شہر اور بابل کے کھنڈر فرات کے کنارے واقع ہیں۔ کربلا، نجف اور کوفہ دریائے فرات کی مغربی شاخ کے مغرب میں آباد ہیں۔ قرنہ کے مقام پر دجلہ اور فرات مل کر شط العرب بناتے ہیں۔ بصرہ کا تاریخی شہر شط العرب ہی کے کنارے آباد ہے۔ بصرہ سے آگے ایران سے آنے والا دریائے کارون شط العرب میں آ ملتا ہے، پھر شط العرب کا پانی خلیج عربی (خلیج فارس) میں جا گرتا ہے۔ بصرہ کے تھوڑا جنوب میں ماضی کا شہر اُبُلّہ ہے جبکہ فرات کے شمالی کنارے پر آباد ناصریہ کے بالمقابل دریا پار قدیم تاریخی شہر ''اُر'' یا ''اُور'' کے کھنڈر ہیں جو ان دنوں تل المقیّر کہلاتا ہے۔

[3] دریائے فرات سے تین شاخیں جنوب مشرق کو بہتی ہوئی دریائے دجلہ میں جا گرتی ہیں۔ اُن کے نام نہر الملک، نہر کُوثٰی اور نہر النیل ہیں۔ نہر کُوثٰی کے کنارے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کُوثٰی واقع ہے۔

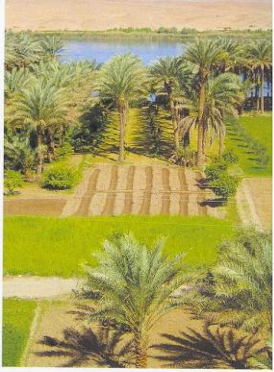

روم اور فارس کی سلطنتیں
(فتوحاتِ اسلامی کے آغاز کے وقت)
بازنطینی (رومی) سلطنت
بازنطینی سلطنت کی باجگزار غسانی ریاست
ایرانی سلطنت (فارس)
ایران کی باجگزار عرب ریاستیں
میل
800
600
400
200
0
200
بحر اوقیانوس
براعظم یورپ
روس
فرانس
سپین
اٹلی
روم
کورسیکا
جزائر بلیارک
سارڈینیا
قرطاجنہ
دریائے ڈینیوب
قسطنطنیہ
بحیرۂ اسود
سلطنت
یونان
انگورہ
اناطولیہ
رومی
قیصریہ
آرمینیا
افریقیہ
صقلیہ
مالٹا
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
کریٹ
قبرص
شام
دمشق
غسانی ریاست
بیت المقدس
اسکندریہ
ہیلیو پولس
مصر
براعظم افریقہ
ترکستان
بحیرۂ ارال
دریائے آمو (جیحون)
بلخ
کابل
مرو
مشہد
ہرات
نیشاپور
براعظم ایشیا
قندھار
سلطنت فارس
(ایران)
اصفہان
مدائن
دریائے دجلہ
دریائے فرات
حیرہ
شیراز
سیرجان
خلیج فارس
بحرین
عمان
نجد
مدینہ منورہ
بدر
حجاز
مکہ مکرمہ
طائف
جدہ
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ احمر
صنعاء
یمن
بحیرۂ عرب
سوڈان
نیل ازرق
حبشہ
صومالیہ
بحر ہند
2

نقشہ 5

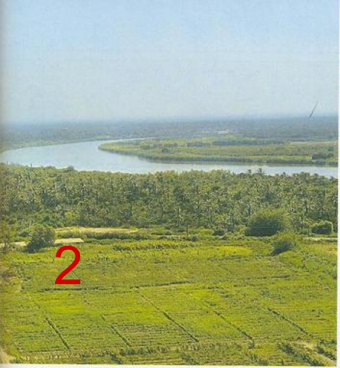


نقشہ 6

فتح اسلامی کے وقت عراق



دریائے فرات کے کنارے کھجوروں کا باغ



دریائے دجلہ کی وادی کا ایک حسین منظر

دریائے فرات جنوب میں دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔[1] مغربی بڑا دھارا حیرہ (موجودہ نجف) کے پاس سے بہتا ہے۔ فرات اور دجلہ دونوں کے دھاروں سے کئی وادیاں وجود میں آئی ہیں جو اس سرزمین کے ایک بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ سب سے بڑی وادی پچاس میل چوڑی اور دو سو میل لمبی ہے۔ یہاں سلطنت ساسانیہ کے عہد اواخر میں کئی دلدل نما جھیلیں بن گئی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ نے جنگ قادسیہ کا محلِ وقوع بیان کرتے ہوئے حضرت عمر بن خطاب ﷛ کو جو خط لکھا اس میں ان وادیوں اور جھیلوں کا ذکر کیا ہے۔ (نقشہ 4)

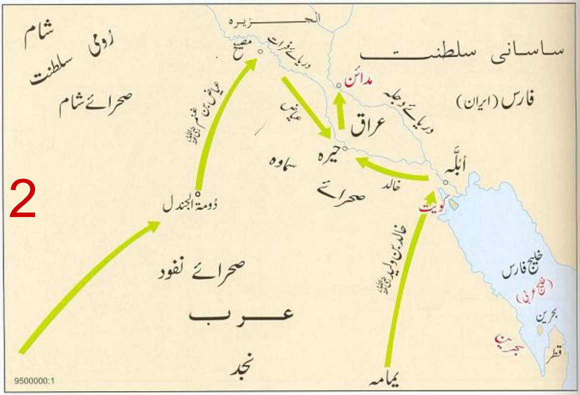
فتح عراق کے لیے خلیفۂ اول ابوبکر صدیق ﷛ کے اقدامات

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے دریائے فرات کے مغرب میں دو لشکر بھیجنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ پہلا لشکر یمامہ سے خالد بن ولید ﷛ کی قیادت میں اُبلّہ[2] کی طرف بھیجا گیا جو شط العرب کے کنارے آباد تھا۔ وہاں سے انھیں حیرہ کا رخ کرنا تھا۔ دوسرا لشکر عیاض بن غنم ﷛ کی سپہ سالاری میں عراض سے بھیجا گیا جو نِباج اور حجاز کے مابین واقع تھا۔ اس لشکر کی منزل مُصَیَّخ (عراق) تھا اور انھیں پہلے دومۃ الجندل اور پھر حیرہ پہنچنا تھا۔ ان میں سے جو پہلے حیرہ پہنچتا، اُسی کو متحدہ لشکر کا سربراہ ہونا تھا، پھر ان میں سے ایک کو حیرہ کو مرکز بنا کر وہیں ٹھہرنا اور دوسرے کو مدائن کا رخ کرنا تھا۔

خالد ﷛ نے 18 ہزار کے لشکر کے ساتھ یلغار کی اور چالیس دنوں کے اندر حیرہ فتح کر لیا۔ اور عیاض ﷛ دومۃ الجندل میں ٹھہرے رہے حتی کہ خالد ﷛ وہاں پہنچ گئے اور اس کی فتح عمل میں آئی۔ (نقشہ 7)

1 فرات مسیّب شہر کے قریب دو شاخوں میں بٹتا ہے۔ مشرقی شاخ ''شط الحلّہ'' بابل اور حلّہ کے نزدیک سے بہتی ہے اور رُمیثہ کے جنوب میں بڑے دھارے سے جا ملتی ہے۔ مسیّب عراق میں وسطی فرات پر واقع ہے اور صوبہ بابل کا دارالحکومت ہے۔ (المنجد في الأعلام: 533، مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

2 اُبلّہ: یہ شہر دریائے دجلہ (شط العرب) کے کنارے بصرۂ عظمٰی سے خلیج کی جانب واقع ہے۔ کسرٰی کے دور میں یہ ایک فوجی چوکی تھا جہاں سپہ سالار اپنی سپاہ کے ساتھ مقیم تھا۔ اُبلّہ کے معنی کھجور کی ڈھیری یا ٹوکری کے ہیں۔ (معجم البلدان: 77/1)



2

نقشہ 7

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے لشکروں کی عراق پر یلغار

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جنوبی عراق پر حملہ

خالد رضی اللہ عنہ نے مقدمۃ الجیش پر مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کو مامور کیا تھا۔ میمنہ پر عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ تعینات ہوئے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ پہنچنے سے پہلے پانچ معرکے سر کیے:

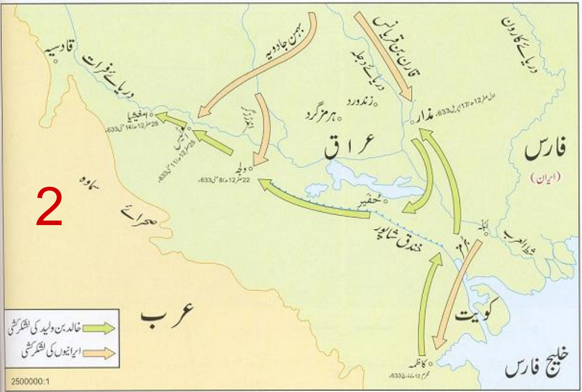
① ذات السلاسل (محرم 12ھ / مارچ اپریل 633ء)

یہ جنگ کاظمہ [1] کے مقام پر لڑی گئی اور ہرمز کی قیادت میں ایرانیوں نے شکست کھائی۔ ہرمز حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ شاہِ فارس شیرویہ (پسر خسرو پرویز) نے اس کی مدد کے لیے ایک لشکر بھیجا تھا مگر وہ لشکر ابھی مذار ہی پہنچا تھا کہ اسے ذات السلاسل کی شکست کی خبر مل گئی۔

② مذار (اول صفر 12ھ / 17 اپریل 633ء)

اس جنگ میں ایرانی سپہ سالار قارن بن قریانس تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ایرانی فوج کے 30 ہزار سپاہی میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔

[1] کاظمہ: یہ قصبہ بحرین سے بصرہ جاتے ہوئے ساحل سمندر پر آتا ہے اور بصرہ سے دو مرحلوں پر واقع ہے (معجم البلدان: 431/4)۔ اس کی جائے وقوع خلیج کویت پر موجودہ کویتی قصبوں الدوحۃ اور الجھراء کے مابین تھی۔



نقشہ 8

خالد بن ولید ؓ کی جنوبی عراق میں لشکرکشی

③ اب حکومت مدائن نے ایک اور لشکر اندرزگر کی سپہ سالاری میں بھیجا اور اس کے پیچھے بہمن جادوَیہ کی قیادت میں ایک اور لشکر روانہ ہوا۔ اندرزگر وَلَجہ تک چلا آیا اور بہمن نے وسطی عراق سے یلغار کی تاکہ وہ دونوں خالد ؓ کو مذار سے واپسی پر آ گھیریں۔ لیکن خالد تیزی سے زیریں دجلہ اور پھر صحرا کی طرف نکل آئے اور چھاپاؤ کی جنگی حکمتِ عملی استعمال کی، پھر انھوں نے پلٹ کر اندرزگر کے لشکر پر چھاپہ مارا اور اسے شکست دی۔ اس جنگ میں عرب قبیلے بکر بن وائل کے لوگوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا۔

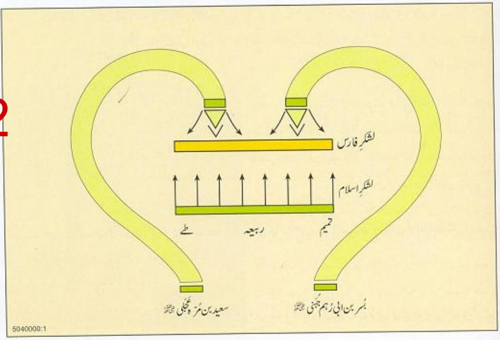
④ دریں اثناء بہمن جادویہ نے اپنا مقدمۃ الجیش اُلَّیس روانہ کیا جس کی قیادت جابان کر رہا تھا۔ خالد ؓ نے ان پر اس وقت حملہ کیا جب وہ کھانا کھا رہے تھے اور لشکر کا صفایا کر دیا۔ یہ معرکہ 25 صفر 12ھ / 11 مئی 633ء کو پیش آیا۔

⑤ پھر خالد بن ولید ؓ امغیشیا کی طرف بڑھے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کے لوگوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی۔ حضرت خالد ؓ نے 28 صفر 12ھ / 14 مئی 633ء کو اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ (نقشہ 8)

وَلَجہ کا معرکۂ کارزار

اس جنگ میں خالد بن ولید ؓ نے اپنے لشکر کی اس طرح صف بندی کی کہ دو دستے عقب میں رکھے۔ ایک دستہ بُسر بن ابی رُہم کی قیادت میں میمنہ کے پیچھے اور دوسرا سعید بن مُرّہ عجلی کے زیرِ قیادت میسرہ کے پیچھے۔ شدید لڑائی ہوئی جس میں مسلمان ثابت قدم رہے۔ اس دوران میں

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دونوں عقبی دستوں کو حرکت میں آنے کی ہدایت کی اور وہ چکر کاٹ کر ایرانیوں کے پیچھے جا پہنچے۔ انھوں نے مجوسیوں کی صفیں تتر بتر کردیں اور وہ بھاگ نکلے۔ ان کا سپہ سالار اندرزگر صحرا کی طرف فرار ہوا اور وہاں پیاس سے مرگیا۔ (نقشہ 9)



نقشہ 9

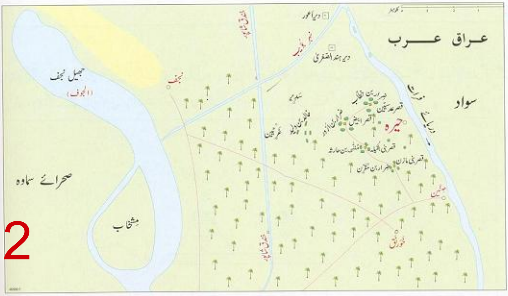
وَلَجہ (عراق) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی

فتح حیرہ

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لیے دریا اور خشکی کے راستے امغیشیا سے روانہ ہوئے اور ان کے خَوَرْنَق پہنچنے سے پہلے تمام اسلامی دستے اکٹھے ہوگئے۔ اِدھر حیرہ [1] کا مرزبان (گورنر) آزادبہ، غریّین اور قصرابیض کے درمیان ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ جب اسے خالد رضی اللہ عنہ کے قریب آ پہنچنے کی خبر ملی تو وہ پسپا ہوکر دریائے فرات کے پار چلا گیا اور حیرہ کے عربوں کو وہیں چھوڑ گیا کہ اگر ہمت ہو تو ازخود اپنا بچاؤ کریں۔ ان لوگوں کے چار بڑے قلعے تھے:

① ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حصن عدسیّین کا محاصرہ کرلیا۔
② ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ نے قصرابیض کو جا گھیرا۔
③ مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قصر بنی بقیلہ کو حصار میں لے لیا۔
④ ضرار بن مقرن رضی اللہ عنہ نے قصر بنی مازن کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

[1] حیرہ: یہ لخمی بادشاہوں کا دارالحکومت تھا جس کے آثار عراق میں کوفہ اور نجف کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ (آغاز اسلام کے وقت) یہاں نسطوری عیسائی آباد تھے۔ (نعمان بن منذر کے نام پر) اس کا نام حیرۃ النعمان پڑ گیا۔ طرفہ اور نابغہ ذبیانی جیسے شعراء دربار حیرہ سے وابستہ رہے۔ (المنجد في الأعلام)

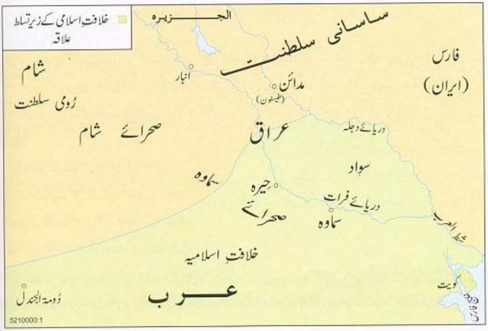


نقشہ 10 فتح حیرہ (ربیع الاول 12ھ / مئی / جون 633ء)

ان قلعوں کے اردگرد جنگ جاری رہی اور ان پر ہر طرف سے یورش کی گئی حتی کہ انھوں نے جزیے اور مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی شرط پر صلح کر لی۔ یہ واقعہ ربیع الاول 12ھ / مئی جون 633ء میں پیش آیا۔

فتح حیرہ کے نتائج

① حیرہ ساسانیوں کے صدر مقامات میں سے پہلا صدر مقام تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس سے اہلِ فارس کی ہیبت جاتی رہی اور قریبی علاقوں کے سردار مسلمانوں سے صلح کرنے لگے۔



نقشہ 11 جنوبی عراق میں خلافتِ اسلامیہ کی توسیع (ربیع الاول 12ھ تک)

② عراق میں حیرہ مسلمانوں کا پہلا جنگی مرکز بنا اور یہیں سے انھوں نے ساسانی دارالحکومت مدائن [1] کی طرف پیش قدمی کی۔

③ حیرہ مسلم عساکر کے لیے مرکزِ رسد بن گیا۔ یہاں سے انھیں گوشت، دودھ، کھجور، اناج اور چارہ فراہم ہونے لگا۔

④ حیرہ مسلمانوں کے لیے سوادِ عراق (جنوبی میسوپوٹیمیا، یعنی دوابے کا جنوبی حصہ) اور کنارِ صحرا کے مابین نقل و حرکت کا مرکز بھی ثابت ہوا۔ مناسب ہوتا تو وہ سواد میں پیش قدمی کرتے اور اگر پیچھے ہٹنے کا تقاضا ہوتا تو صحرا کی پہنائی میں آ پناہ لیتے۔ (نقشہ 9)

انبار کی فتح

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کے سامنے ٹھہرے رہے کہ ان کے پاس اسے فتح کرنے کے لیے مناسب فوجی قوت نہ تھی۔ پھر انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مدد مانگی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کو جانے کا فیصلہ کیا مگر اس سے پہلے انھوں نے شمال کے ایرانی قلعوں کا صفایا کرنے پر توجہ دی جن میں اہم ترین حصن انبار [2] تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور دُبلے اونٹوں کو ذبح کرا کر خندق میں ڈلوا دیا۔ خندق پٹ گئی اور مسلمانوں نے ہلّہ بولا تو ایرانی سپہ سالار شیرزاد نے اس شرط پر قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا کہ اسے پُرامن طور پر لشکر سمیت انخلا کی اجازت دی جائے۔ یہ فتح 4 رجب 12ھ/14 ستمبر 633ء کو حاصل ہوئی۔



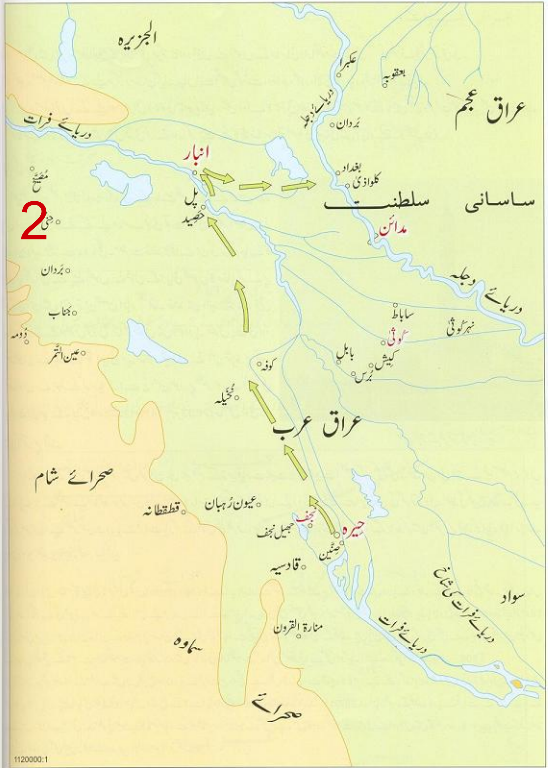
صوبہ انبار کے شہر فلوجہ کی ایک مسجد

عین التمر پر قبضہ

ایرانیوں نے حصن عین التمر میں مہران بن بہرام کے زیرِ قیادت بہت بڑی جمعیت اکٹھی کر رکھی تھی۔ عقہ بن ابی عقہ نے غیر مسلم عربوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا راستہ روکا مگر مسلمانوں نے زوردار حملے سے ایرانیوں کی کمر توڑ دی۔ عقہ کی فوج بھاگ نکلی۔ یہ دیکھ کر مہران اپنے لشکر سمیت دریائے فرات پار کر کے شمال کی طرف چلا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عین التمر پر قبضہ کر لیا۔ (11 رجب 12ھ/21 ستمبر 633ء)

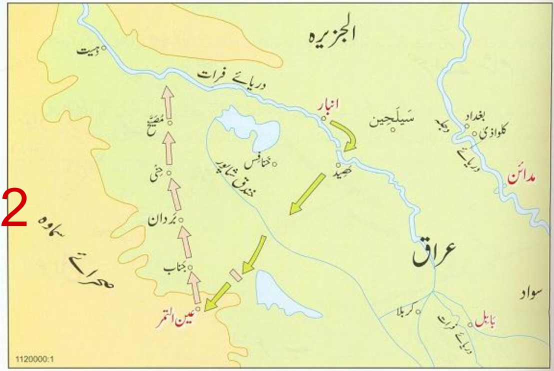
[1] مدائن: اس مقام کا یونانی نام ٹیسی فون (Ctesiphon) ہے۔ یہ بغداد سے تھوڑے فاصلے پر جنوبی سمت میں دریائے دجلہ کے قریب واقع تھا۔ چونکہ یہاں یکے بعد دیگرے کئی شہر آباد ہوئے تھے، اس لیے عربوں نے اسے مدائن (مدینہ کی جمع بمعنی شہر) کہنا شروع کر دیا (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 5/1، حاشیہ از مولانا غلام رسول مہر)۔ ان دنوں مدائن کے مقام پر سلمان پاک نامی شہر آباد ہے جہاں قدیم قطسیفون کے کھنڈر ہیں جن میں طاق کسریٰ بھی ہے۔ یونانی حکمران سلیوکس نے یہاں سلوقیہ کے نام سے دارالحکومت بنایا تھا۔ بعد میں ساسانی دارالحکومت "مدائن" سلوقیہ سے ملحق ہو گیا۔ (المنجد في الأعلام، ص: 306)

[2] انبار: یہ شہر بغداد کے مغرب میں دس فرسخ دور دریائے فرات پر واقع ہے۔ اہل فارس اسے شاپور کا نام دیتے تھے۔ گندم اور جو وغیرہ کے ڈھیروں کے باعث اس کا یہ نام پڑا۔ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اسے اپنا دارالحکومت بنایا (معجم البلدان: 257/1)۔ انبار شہر کے کھنڈر دریائے فرات کے کنارے پائے جاتے ہیں، نیز اب عراق کے مغربی صوبے کا نام انبار ہے جو شام اور اردن سے ملحق ہے۔ اس کا دارالحکومت رمادی ہے اور اس میں قائم، حدیثہ، ہیت، فلوجہ، رُطبہ اور عنہ کے اضلاع بھی ہیں۔ (المنجد في الأعلام) (نقشہ 10)



نقشہ 12

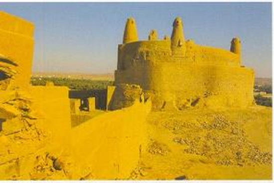
فتح انبار (4 رجب 12ھ / 14 ستمبر 633ء)



فتح عین التَّمر (11 رجب 12ھ/21ستمبر 633ء) نقشہ 13

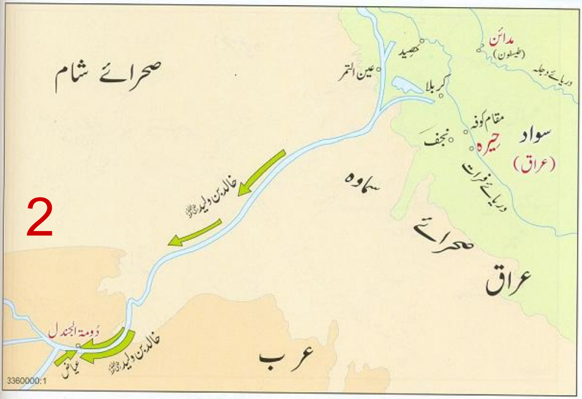
دُومۃ الجندل کی فتح

عیاض ؓ دومۃ الجندل فتح نہیں کر سکے تھے۔ یہاں قبائل کلب، بہراء، ضجاعم، غسان اور تنوخ نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ خالد بن ولید ؓ عین التمر سے عیاض کی مدد کو پہنچے اور دومۃ الجندل فتح ہوگیا۔(24 رجب 12ھ/4 اکتوبر 633ء)(نقشہ 14)


دومۃ الجندل میں قصر مارد کا منظر

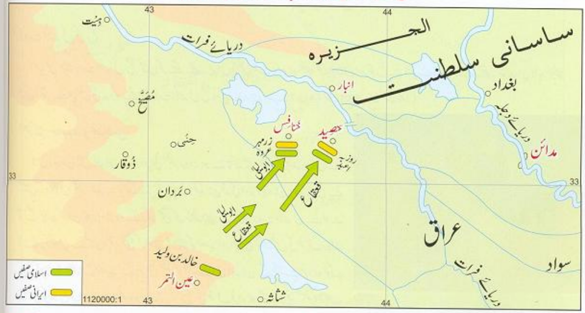
معرکۂ حَصِید وخَنافِس

اس دوران میں بغداد سے دو ایرانی لشکر روانہ ہوئے تا کہ عین التمر کا قبضہ واپس لے سکیں۔ دونوں لشکر حَصِید و خَنافِس آ پہنچے۔ اعبد بن فدکی اور عروہ بن جعد بارقی نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روکے رکھا حتی کہ خالد بن ولید ؓ دومۃ الجندل سے لوٹ آئے۔ انھوں نے عین التمر پہنچ کر قعقاع ؓ کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع ؓ نے حصید کے ایرانی لشکر کو شکست دی اور ان کے شکست خوردہ لوگ خنافس کی فوج سے جا ملے، پھر وہ سب مل کر مُصَیَّخ کی طرف فرار ہوگئے اور غیر مسلم اعراب



نقشہ 14

فتح دُومۃ الجندل (24 رجب 12ھ / 5 اکتوبر 633ء)



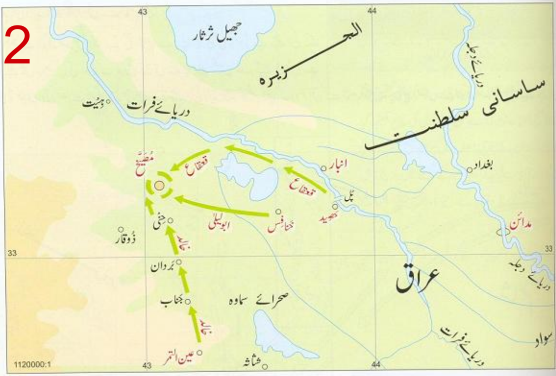
نقشہ 15

معرکۂ حصید وخنافس (10 اور 11 شعبان 12ھ / 20 اور 21 اکتوبر 633ء)

میں جا شامل ہوئے جو وہاں جمع ہو چکے تھے۔ یہ واقعہ 10 اور 11 شعبان 12ھ/20 اور 21 اکتوبر 633ء کو پیش آیا۔ (نقشہ 15)

جنگِ مُصَیَّخ

اب قعقاع ؓ نے حصید سے، ابو لیلیٰ نے خنافس سے اور خالد بن ولید ؓ نے عین التمر سے پیش قدمی کی اور مصیخ پہنچ کر تین اطراف سے اس کا محاصرہ کر لیا، پھر انھوں نے دھاوا بول کر ایرانیوں کی جمعیت فنا کر دی۔ (19 شعبان 12ھ/29 اکتوبر 633ء)(نقشہ 16)



نقشہ 16

معرکۂ مُصَیَّخ (19 شعبان 12ھ/29 اکتوبر 663ء)

ثِنَیّ و زُمَیل کے معرکے

خالد بن ولید ؓ تیز رفتاری سے شمال کی طرف بڑھے اور رات کے وقت ثِنَیّ کو جا گھیرا۔ انھوں نے دشمن کا صفایا کر دیا اور اس کے فوراً بعد زُمیل پہنچ کر بدوی عربوں کے خلاف چھاپہ مار کارروائی کی۔ ان سے نپٹنے کے بعد خالد بن ولید ؓ نے رُضاب [1] سے واپسی کی راہ اختیار کی۔ (23 شعبان 12ھ/ نومبر 633ء)(نقشہ 17)

[1] رُضاب: زمیل (بشر) والوں سے جھڑپ کے بعد حضرت خالد ؓ رضاب پہنچے تھے۔ رُضاب ہی کی جگہ بعد میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے رُصافہ آباد کیا۔ (معجم البلدان: 50/3)



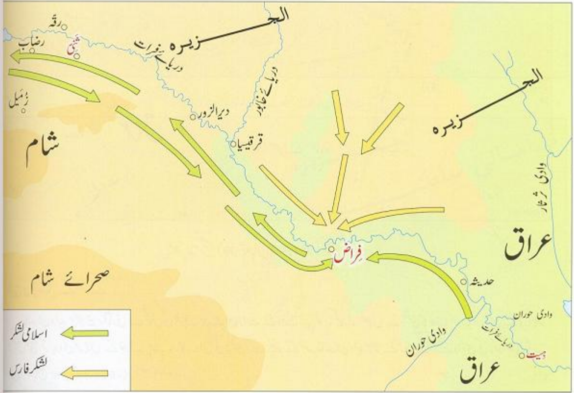
رصافہ (شام) کے کھنڈر

معرکۂ فِراض

اس دوران میں ایرانی اور ملحقہ علاقے کے رومی اور مقامی عرب اس راستے پر جمع ہو چکے تھے جدھر سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ حیرہ کو واپسی کا سفر کر رہے تھے۔ انھیں شکست دے کر خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کی راہ لی اور پھر راستے ہی سے مکہ کا رُخ کیا۔ حج ادا کرنے کے بعد وہ اپنے لشکر سے جا ملے جو اس وقت حیرہ پہنچ گیا تھا۔ (نقشہ 17)

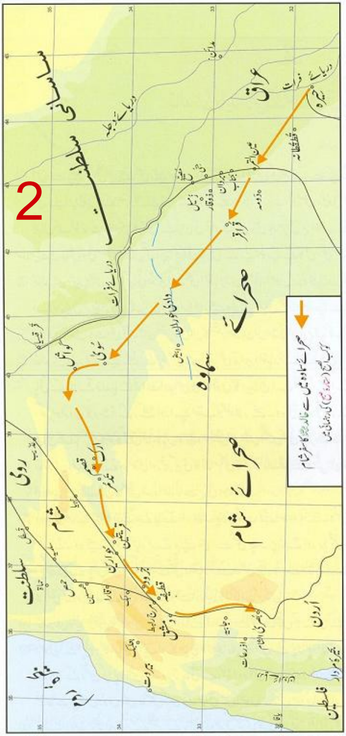
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عراق سے شام پہنچنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتح شام کے لیے جو جیوش مامور کیے تھے ان کے مقابلے میں رومیوں کی ہولناک عددی برتری کے باعث انھیں کمک بھیجنے کی ضرورت پڑی تو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ عراق سے شام پہنچیں، چنانچہ انھوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے



ثِنَیٰ اور فِراض کے معرکے

احکامات کے مطابق نصف فوج عراق میں مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑی اور شام کا رُخ کیا۔ راستے میں انھوں نے صحرائے ساوہ عبور کیا جو کمال درجے کی جسارت تھی۔ ہم نے اپنی کتاب: الطريق إلى المدائن (مدائن کی راہ پر) میں خالد رضی اللہ عنہ کے صحرائے ساوہ کو عبور کرنے کی تاریخ اور ان کے راستے کے متعلق اپنی تحقیق درج کی ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دس ہزار کا لشکر لے کر صفر 13ھ/ اپریل 634ء میں عراق سے شام روانہ ہوئے تھے۔ یہاں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس سفر کو ہم نے سبز رنگ سے ظاہر کیا ہے۔ یہ خطِ سفر تاریخی روایات، جغرافیائی تحقیق اور ستارۂ صبح (سیارہ زہرہ) سے فلکی استدلال کی بنا پر کھینچا گیا ہے جیسا کہ ان کے سفری احوال میں ستارۂ صبح سے رہنمائی لینے کا ذکر آتا ہے۔ یہ راستہ ہم نے نقشے میں درج ذیل مقامات سے گزرتا دکھایا ہے: حیرہ، عین التمر، دومہ، قُراقِر، سُوی، کواثِل، اَرک، قُصَم، تدمُر، قَرْیَتَین، حُوّارین، مرج راہط، غُوطہ دمشق، جابیہ اور بُصریٰ الشام۔



نقشہ نمبر 15 — خالد رضی اللہ عنہ کا عراق سے شام تک سفر



بصریٰ الشام کی ایک خوبصورت مسجد

2

خالد بن ولید ؓ کے حملۂ عراق کے اہم پہلو

① اس سے پہلے عراق پر جتنے بھی حملے ہوئے وہ شمال میں الجزیرہ کی طرف سے کیے گئے، مثلاً: اسکندرِ اعظم کا حملہ اور بازنطینیوں کی یلغاریں۔ اسی لیے ایرانیوں کے مضبوط قلعے شمال میں واقع تھے، مثلاً: تکریت، مَوصِل، نینویٰ اور قرقیسیاء۔

جہاں تک فتوحاتِ خالدی کا تعلق ہے، ان کی قیادت میں پہلی بار عراق پر جنوب سے حملے ہوئے۔ اسلام سے پہلے عراق کے جنوب میں جنگی صلاحیت کی حامل کوئی سلطنت نہیں تھی، چنانچہ اہلِ فارس کے لیے جنوب سے کامل جنگی حکمت عملی پر مبنی حملہ اچانک اور حیران کن تھا۔

② خالد بن ولید ؓ نے ناگہانی تدبیرات بھی اختیار کیں، مثلاً: انھوں نے ایرانیوں کو خبر ہونے سے پہلے اپنے دستے دشمن کے عقب میں پہنچا دیے اور یوں حریف کو اچانک تہس نہس کر ڈالا، جیسے ولجہ میں ایرانی لشکر پر عقب سے ناگہانی حملہ کیا گیا۔ معرکۂ انبار میں دبلے اونٹ ذبح کر کے ان سے خندق پاٹ دی گئی۔ عین التمر میں ان کا لشکر عقہ بن ابی عقہ کی فوج پر اچانک ٹوٹ پڑا اور مصیخ اور زمیل پر انھوں نے شب خون مارا۔

③ خالد بن ولید ؓ اپنے حملے کے دوران میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ وہ ایرانیوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ پانی کے علاقے (دریائے فرات اور اس کی شاخوں کا میدان) سے نکل کر صحرا کے کنارے آ کر ان سے جنگ لڑیں۔ وہ قوی اور تیز رفتار گھڑسواروں کا دستہ آگے رکھتے اور اپنے عقب کو محفوظ رکھتے۔ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے دائیں جانب دشمن کا صفایا کرتے جاتے۔ جہاں تک بائیں پہلو کا تعلق تھا، وہاں وسیع و عریض صحرا میں انھیں کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔

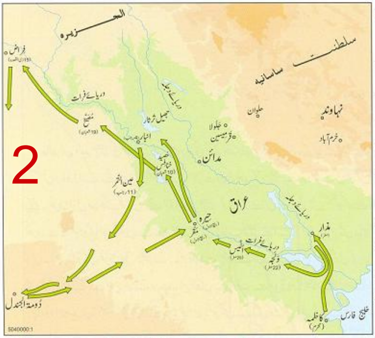
④ خالد بن ولید ؓ نے جاسوسی اور خبر گیری کا نظام بھی قائم کر رکھا تھا جسے مثنّٰی بن حارثہ ؓ نے منظم کیا تھا۔ اُن کا طریقِ کار سابقہ معلومات اور میدانِ جنگ میں حاصل شدہ اطلاعات پر مبنی ہوتا تھا۔

⑤ وہ پہل کرنے میں سبقت لے جاتے اور ہمیشہ پوری قوت سے دھاوا بولتے۔ دشمن پر ضرب لگانے کے لیے اس کے کمزور پہلوؤں کا انتخاب کرتے۔ وہ جیسے منصوبہ تیار کرتے ویسے ہی اسے عملی جامہ پہناتے اور ردِ عمل اپنے حیران و پریشان دشمن کے لیے چھوڑ دیتے۔ یوں ایرانیوں کے پاس کمزور جنگی حکمت عملی اختیار کرنے، یعنی براہِ راست مقابلہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ ان میں اتنی صلاحیت بھی باقی نہ رہتی کہ وہ جنگ کے لیے مناسب وقت اور جگہ کا انتخاب کر لیں۔

⑥ خالد بن ولید ؓ اپنا لشکر جمع کرنے اور اسے آسانی سے حرکت میں لانے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے تھے۔

⑦ انھوں نے اپنی ہر کامیابی کو ایک اور کامیابی کا زینہ بنایا اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی ہر کامیابی انھیں تحفظ دیتی ہے اور ان کے دشمن کی پوزیشن کو کمزور تر بناتی ہے، لہٰذا وہ اس سے فائدہ اٹھانے میں جلدی کرتے تھے۔ انھوں نے کاظمہ سے حیرہ تک کی فتوحات چالیس دنوں میں حاصل کیں جبکہ عراق میں انھوں نے کل چودہ ماہ گزارے۔

⑧ خالد بن ولید ؓ اور ان کے لشکر کے مابین دو طرفہ گہری محبت اور قدر افزائی تھی۔ ان کے لشکری ان کے ماتحت لڑنا پسند کرتے اور ان کی اطاعت کرتے تھے اور وہ بھی ان پر اعتماد کرتے اور ان کی صلاحیتوں کو سراہتے۔ وہ قائدین کی دوسری صف تیار کرنے کا اہتمام کرتے،



نقشہ 19 عراق میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معرکے

انھیں ذمہ داریاں سونپتے اور ان کو اختیارات سے نوازتے تھے۔

⑨ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج کے تیز رفتار حملے کے سامنے ایرانی انٹیلی جنس ناکام رہتی تھی کیونکہ اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کی خبریں ایرانیوں تک پہنچانے کے لیے جو لوگ مامور ہوتے ان کے خبریں پہنچانے سے پہلے خالد رضی اللہ عنہ سرعت کے ساتھ دشمن کے سر پر جا پہنچتے تھے۔

⑩ ایرانی فوجی کیمپوں میں سالاروں اور سپاہیوں دونوں میں روحانی اور اخلاقی زوال در آیا تھا اور ان کا مورال پست ہو گیا تھا جس کا مظاہرہ سقوط حیرہ، سقوط انبار اور عین التمر [1] سے ایرانیوں کے انخلا کے وقت دیکھنے میں آیا۔

ہم جانتے ہیں کہ دشمن کا نفسیاتی اور مادی توازن درہم برہم ہو جانا اس کی مکمل ہلاکت کا پیش خیمہ ہوتا ہے مگر اسلامی کیمپ کی صورت حال اس کے برعکس تھی۔ عموماً جنگ کا نتیجہ میدانِ جنگ میں طے ہونے سے پہلے فریقین کے عددی تفاوت ہی سے معلوم ہو جاتا تھا لیکن مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی برتری نے اس تصور کو پلٹ دیا تھا۔

⑪ ایرانیوں میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ ان میں لشکر فارس، لشکر اہواز، لشکر گیلان، اہل سواد اور اہل حیرہ الگ الگ تھے اور ان میں باہمی ربط عنقا تھا۔ ان کی بولیاں بھی مختلف تھیں۔ ایرانی اپنے عرب حلیفوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان میں سے بعض بہت منہ زور تھے، اسی طرح ان کی تربیت بھی ناقص تھی۔

⑫ ایرانیوں کی آبادی زیادہ تھی اور وہ میدان جنگ میں بھی زیادہ نفری لاتے تھے۔ ان کے لشکر میں جنگی ہاتھی بھی ہوتے تھے۔ انھیں یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ اپنی سرزمین اور اپنے علاقے میں لڑتے تھے۔ ان کی سرزمین اپنی دفاعی حیثیت اور آبی رکاوٹوں کی بدولت سازگار تھی اور سرسبز و شاداب وادیوں میں وہ پانی کی قلت سے دوچار نہیں ہوتے تھے مگر وہ لوگ کمزور، بزدل اور غیر تربیت یافتہ تھے اور ان کے سالار فکر سے عاری اور شجاعت سے خالی تھے۔ اس کے برعکس مسلمان تعداد میں کم تھے لیکن وہ نہایت طاقتور، مضبوط ایمان والے اور اعلیٰ تربیت یافتہ تھے اور اللہ کی راہ میں شہادت پانے کی آرزو رکھتے تھے۔

[1] عین التمر: یہ کوفے کے مغرب میں انبار کے قریب ایک قصبہ ہے۔ فتح عین التمر (12ھ) کے موقع پر جو قیدی بنا لیے گئے، ان میں امام محمد بن سیرین کی والدہ "سیرین" اور حمران بن ابان مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ (معجم البلدان: 176/4)

3

معرکۂ جسر

(23 شعبان 13ھ / 22 اکتوبر 634ء)

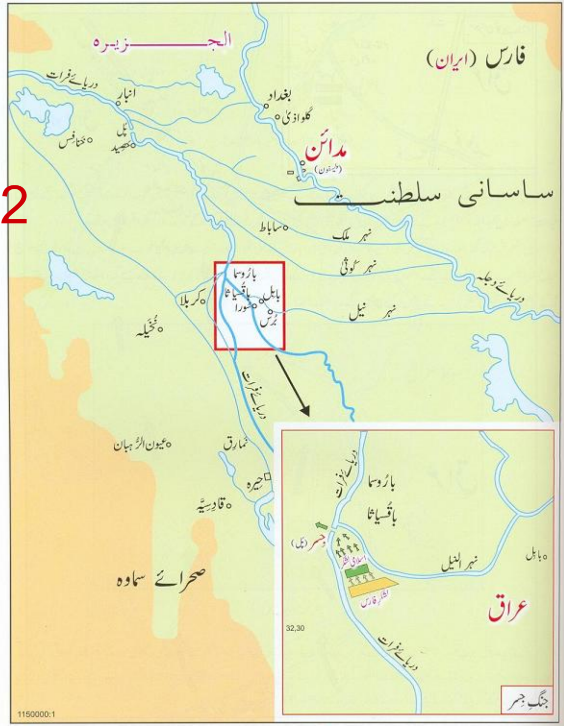
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عراق سے شام روانگی کے بعد محاذِ عراق پر ان کے جانشین مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس پر ایرانی شیر ہو گئے اور مثنّٰی پر مسلسل دباؤ ڈالنے لگے، چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی مگر ان کی طرف سے تاخیر ہوئی تو مثنّٰی رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس مدینہ پہنچے۔ خلیفۂ اول صاحبِ فراش تھے، لہٰذا مثنّٰی رضی اللہ عنہ کو ان سے اس معاملے میں گفتگو کرنے کا موقع نہ ملا، تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد اور ضرورت کا علم ہوگیا اور انھوں نے نئے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اپنے آخری کلام میں یہ تاکید کی کہ وہ ایک لشکر تیار کر کے مثنّٰی کے ساتھ روانہ کر دیں۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد یہی کیا اور لوگوں کو جہادِ عراق میں شرکت کی دعوت دی۔ لوگ تین دن لشکر میں شامل ہونے سے گریز کرتے رہے۔ ایرانیوں کے خوف سے وہ تردد کا شکار تھے۔ سب سے پہلے جس شخص نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہا، وہ ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ امیر المومنین نے انھی کو عراق جانے والے لشکر کا سالار بنا دیا اور وہ عراق روانہ ہو گئے۔[1]

اُدھر مدائن سے بہمن جادویہ لشکر لے کر نکلا، اس کے ساتھ جنگی ہاتھی بھی تھے۔ ابوعبید ثقفی رضی اللہ عنہ نے حیرہ سے پیش قدمی کی۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف دریائے فرات حائل تھا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ، مثنّٰی رضی اللہ عنہ اور عسکری معلومات رکھنے والے دیگر افراد کی نصیحت نظر انداز کر کے اسلامی جیش کو دریا پار لے گئے۔ بہمن نے ان کے لیے میدانِ جنگ میں تنگ جگہ چھوڑی تھی جہاں مسلمان آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں اور گھڑ سواروں سے مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ اس سے مسلمان گھڑ سواروں کی لڑنے کی صلاحیت متاثر ہوئی تو وہ سب پیدل لڑنے لگے۔ اس دوران میں ایک ہاتھی نے ابوعبید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس پر لشکر کی قیادت کا بار مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے شانوں پر آ پڑا۔ اس اثناء میں عبداللہ بن مرثد ثقفی نے پیچھے سے پل توڑ دیا تاکہ وہ مجاہدین کو ثابت قدم رکھ سکیں۔ اِدھر ایرانیوں نے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا جس سے بعض مسلمان دریا میں گر پڑے، تاہم مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دلیر مجاہدین کو جمع کیا اور ایرانیوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے حتی کہ نیا پل تیار ہوا اور مسلمان پسپا ہو کر دریا پار آ گئے۔

اس معرکے میں چھ ہزار ایرانی مارے گئے اور چار ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ میدان جنگ سے چار ہزار مسلمانوں نے راہِ فرار اختیار کی تھی اور چار ہزار وہ تھے جو مثنّٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ غروبِ آفتاب کے ساتھ لڑائی ختم ہوگئی تھی۔ مسلمان دریا پار کر کے اُلّیس کے بالمقابل صحرا کی طرف پلٹ آئے لیکن ایرانیوں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا تعاقب کر سکیں۔

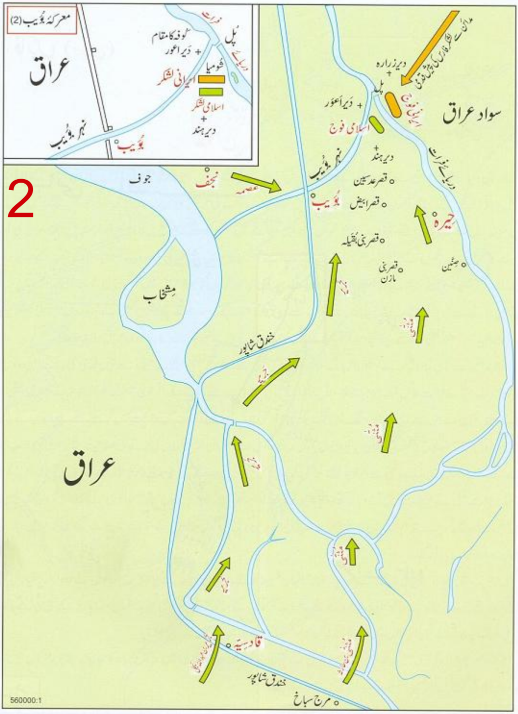
معرکۂ جسر پہلا اور آخری معرکہ تھا جس میں مسلمانوں نے نقصان اٹھایا اور سابقہ جنگوں میں حاصل کردہ کامیابیاں بظاہر رائیگاں گئیں۔ اس جنگ کو مروحہ، قرقس، قس اور قس الناطف کے نام بھی دیے جاتے ہیں۔

1 ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ مشہور فتنہ انگیز مختار ثقفی اور صفیہ زوجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے والد تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 13ھ میں انھیں بھاری لشکر دے کر عراق بھیجا جس میں اہل بدر کا ایک گروہ بھی شامل تھا۔ (أسد الغابة: 201/6)



نقشہ 20

ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا حملہ (جنگِ جسر)



نقشہ 21

معرکۂ بُویب (1) (رمضان 13ھ / نومبر 634ء)

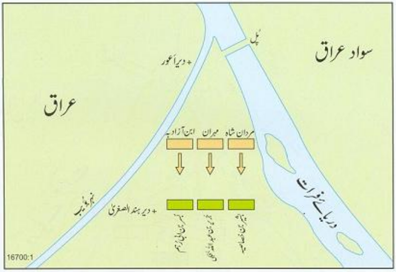
4

معرکۂ بُوَیب

(رمضان 13ھ / نومبر 634ء)

جسر کی خونریز جنگ کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجی جس میں قبیلہ الرباب [1] کے لوگ تھے جن کی قیادت عصمہ بن عبداللہ الضبی کر رہے تھے اور جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قبیلہ بَجیلہ [2] کے لوگ اور دیگر افراد بھی تھے۔

ایرانی لشکر تمام تر گھڑ سواروں پر مشتمل تھا جن کا سالار مہران بن باذان ہمدانی تھا۔ وہ مدائن سے حیرہ کی طرف چلا۔ مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ مرج سباخ میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ انھوں نے کوفہ کی طرف تیزی سے پیش قدمی کی۔ عصمہ اور جریر کو پیغامات بھیجے کہ وہ فلاں فلاں راستے سے آگے بڑھیں اور تینوں لشکر بویب کے پاس اکٹھے ہوں گے۔ (نقشہ 21)



نقشہ 22

معرکۂ بُوَیب (3)

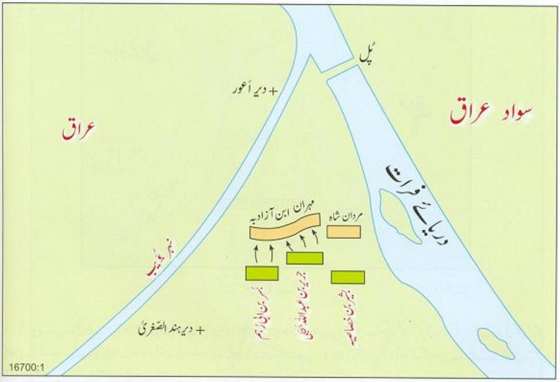
[1] **الرباب:** یہ عدنانی عرب قبیلہ بنو مضر سے تھا اور اسے تَیم بن عبد مناۃ بن اُد بن طابخہ بن الیاس بن مضر سے نسبت تھی۔ تَیم کی اولاد تیم الرباب کہلاتی تھی کیونکہ انھوں نے بنو سعد بن زید بن مناۃ سے حلیفانہ تعلقات استوار کیے تھے (الأنساب للسمعاني: 39/3، واللباب: 19/1)۔ تیم الرباب اکٹھے رہے تھے جیسے ترکش کے اکٹھے تیر ہوں جو کہ "ربابہ" کہلاتے ہیں۔ (معجم قبائل العرب: 415/2 بحوالہ ابن درید)

[2] **بَجیلہ:** اس عرب قبیلے کو بَجیلہ بن صعب بن سعد العشیرہ سے نسبت تھی۔ یہ اسلام سے پہلے حجاز اور بحرین میں آباد تھے۔ فتوحات اسلامیہ کے دوران میں وہ دنیا بھر میں پھیل گئے اور پیچھے وطن میں بس قلیل تعداد میں رہ گئے۔ (جمهرة الأنساب، ص: 365، والأعلام للزركلي: 44/2)

بویب ایک نہر کا نام تھا جو دریائے فرات سے نکل کر الجوف میں جا گرتی تھی۔ یہ ایک سیلابی نہر تھی جو آس پاس کی زمین کو زیرِ آب آنے سے بچانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ مسلمان شومیا میں آن جمع ہوئے جبکہ ایرانی بسوسیہ میں ڈیرے ڈال چکے تھے۔ ان دونوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ حضرت مثنٰی رضی اللہ عنہ کو معرکۂ جسر سے ملنے والا سبق یاد تھا، لہٰذا انھوں نے دریا پار کرنے سے انکار کر دیا اور ایرانیوں کو اس طرف آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ فرات کے پار چلے آئے۔ (نقشہ 21)

حضرت مثنٰی رضی اللہ عنہ نے میمنہ پر بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کو مامور کیا اور میسرہ پر بُسر بن ابی رُہم جُہنی رحمہ اللہ کا تعین کیا۔ قلب میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو رکھا۔ مہران کے میمنہ پر ابن آزادبہ اور میسرہ پر مردان شاہ تھے جبکہ قلب کی قیادت خود مہران کے پاس تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا مگر مسلمانوں نے جنگ کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تھا۔ انھوں نے پہل کی اور فوراً ہی ایرانیوں پر دھاوا بول دیا۔ (نقشہ 22)

دونوں فوجوں کی اگلی صفیں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور دیکھتے دیکھتے کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ اس دوران میں حضرت مثنٰی رضی اللہ عنہ مہران پر حملہ آور ہوئے اور اسے ایرانی میمنہ کی طرف پچھاڑ دیا۔ مسلمان ایرانی جیش کے قلب میں گھس گئے، دشمن کی صفیں فنا کر دیں اور انھیں پیچھے دھکیل دیا۔



نقشہ 23

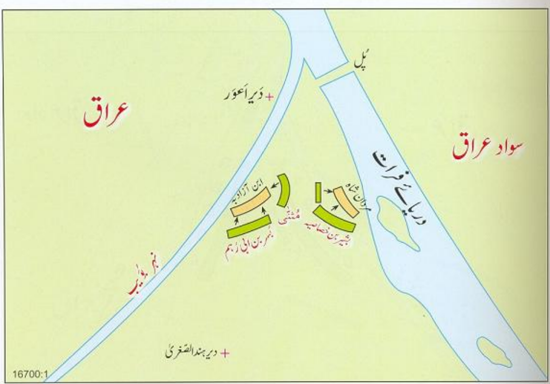
معرکۂ بُویب (4)

مہران مارا گیا اور اُس کا لشکر دو حصوں میں بٹ گیا۔ مسلمان اطراف سے بڑھ بڑھ کر ان پر حملہ آور ہوتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے ایرانیوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔

ایرانیوں نے راہِ فرار اختیار کی لیکن حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دستے کے ساتھ پیش قدمی کی اور دریا کا پل توڑ کر دشمن کے فرار کا راستہ مسدود کر دیا۔ ایرانی دائیں بائیں بکھر گئے اور مسلم گھڑ سوار انھیں موت کے گھاٹ اُتارتے رہے۔ اس جنگ میں ایرانی مقتولین کا اندازہ ایک لاکھ لگایا گیا ہے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ جسر میں حصہ لینے والے 4 ہزار مجاہدین اور قبیلہ بجیلہ کے 2 ہزار افراد کو بھاگتے ہوئے ایرانیوں کے تعاقب کا حکم دیا۔ انھوں نے ساباط تک دشمن کا پیچھا کیا اور انھیں کثیر مال غنیمت حاصل ہوا۔ معرکۂ جسر کے بعد ایک ہی ماہ کے اندر معرکۂ بویب نے مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار بحال کر دیا۔ (نقشہ 25,24,23)

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب درج ذیل تھے:

① مسلمانوں نے جنگ کے لیے وہ مقام منتخب کیا جو اُن کے لیے کھلا تھا جبکہ ایرانیوں کے لیے تنگ تھا۔



نقشہ 24
معرکۂ بُویب (5)

② حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا جنگی منصوبہ بہت کار آمد ثابت ہوا اور ایرانی ''بوتل کی گردن'' میں اس طرح پھنس گئے کہ ان کے لیے راہِ فرار نہ رہی۔

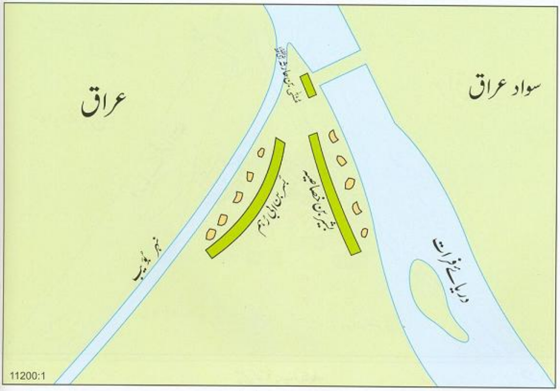
③ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے معرکۂ جسر سے سبق حاصل کیا اور ایرانیوں کو اس کے برعکس اس اقدام پر آمادہ کیا جس سے مسلمان نقصان اٹھا چکے تھے۔ اس طرح یہ جنگ پچھلی جنگ کی تکرار تھی مگر اس میں فاتح اور مفتوح بدل گئے تھے۔

④ مسلمان ایمان والے تھے اور اُن کے جذبے بلند تھے۔

اس جنگ سے حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے جو سبق حاصل کیا، جنگ کے بعد، اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر مجاہدین سے تبادلۂ خیال کیا۔ یہ انھی کا فیصلہ تھا کہ انھوں نے ایرانیوں کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا تھا اور یہ انھی کا کام تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کو مرنے مارنے پر آمادہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنگ کے شدید نقصانات سے محفوظ رکھا۔

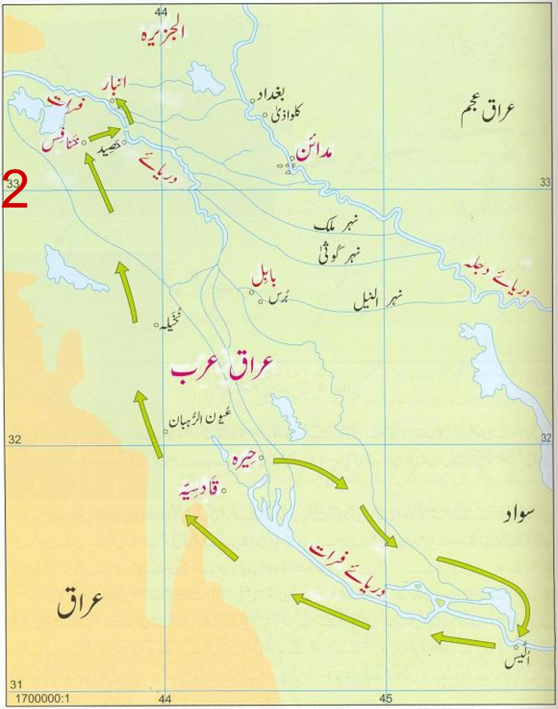
اس جنگ نے مسلمانوں کے لیے سرزمین عراق کے دروازے اس طرح کھول دیے کہ ان کی افواج جنوب سے شمال تک پے بہ پے فتوحات حاصل کرتی چلی گئیں۔

معرکۂ بویب میں ایرانیوں کا مورال بہت گر گیا۔ ادھر ہر سال ان کے میلے (سُوق) منعقد ہوتے تھے۔ بعض میلے گزر چکے تھے جبکہ خنافس اور بغداد کے میلے ابھی منعقد ہونے تھے اور ان کی تاریخیں قریب آ گئی تھیں۔ ان دونوں میلوں میں اموال کی فراوانی ہوتی تھی۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے



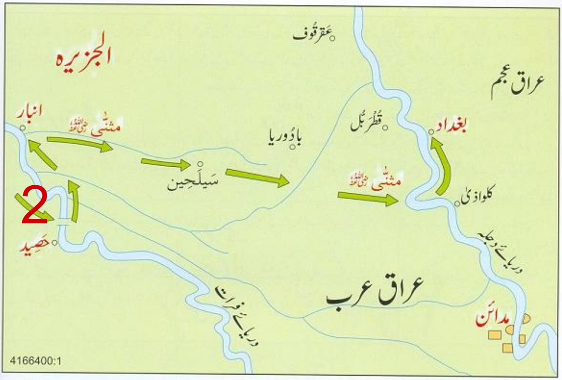
نقشہ 25

معرکۂ بُوَیب (6)



نقشہ 26

سُوق خنافس پر مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی یلغار



نقشہ 27

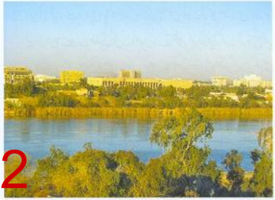
سُوق بغداد پر مثنّی رضی اللہ عنہ کا دھاوا

راستوں کا جائزہ لیا اوران دونوں مقامات اور مدائن کے مابین فاصلوں کا اندازہ کر کے مسافتوں کے وقت کا حساب لگایا، پھر انھوں نے سوادعراق [1] کے گردونواح میں وہ فوجی دستے بھیجے جنھیں معرکۂ بویب کے بعد دشمن کے تعاقب کا کام سونپا گیا تھا۔ سوادِ عراق میں اس کارروائی کا مقصد دشمن کو غلط فہمی میں ڈالنا بھی تھا۔

اب حضرت مثنّی رضی اللہ عنہ بنی شیبان اور بنی عجل قبائل کی طرف نکلے اور ان کی یہ پیش قدمی بھی ایرانیوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ انھوں نے حیرہ سے نکل کر جنوب مشرق کی طرف اُلّیس کا رُخ کیا، پھر وہاں سے مغرب کو چل دیے اور صحرا کے اندر غائب ہوگئے، پھر شمال کی راہ لی حتی کہ خنافُس میں عین میلے کے دن صبح ہوتے ہی جا چھاپہ مارا۔ (نقشہ 26)

ایرانیوں کا میلہ لوٹ کر مثنّی رضی اللہ عنہ نے تیزی سے انبار کا رُخ کیا (شوال 13ھ / دسمبر 634ء)۔ انبار سے سامان رسد اور گائیڈ لے کر انھوں نے بغداد کی طرف نصف مسافت، یعنی بیس کلومیٹر طے کر کے قیام کیا تا کہ سب اکٹھے ہو جائیں، کھا پی لیں اور نہا دھو لیں۔ اس دوران میں راستوں پر پہرے بٹھا دیے تا کہ ان کے بارے میں دشمن کو کوئی خبر نہ لگے، پھر رات کے آخری پہر اٹھ کر انھوں نے دجلہ پار کیا اور سوق بغداد جا پہنچے جبکہ سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے خوب تلوار چلائی اور سونا چاندی لوٹ کر واپس ہوئے۔ وہ لوٹ کر انبار آئے اور

[1] سواد: اس سے مراد عراق کا آباد مزروعہ علاقہ ہے۔ اس کا نام سرسبز زرعی فصلوں، کھجوروں اور درختوں کی کثرت کے باعث سواد (سیاہ) رکھ دیا گیا۔ سواد کی حدود طول میں حدیثۃ الموصل سے عبّادان (ایران) تک اور عرض میں عُذیب نزد قادسیہ سے حلوان (ایران) تک ہیں۔ (معجم البلدان: 272/3)

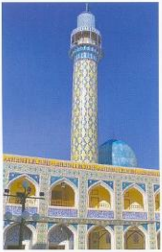


بغداد میں دریائے دجلہ کا ایک منظر

وہاں سے کباث [1]، صفین [2]، قصرِ شاپور اور مسکن [3] اور قطربل [4] کی طرف چھاپہ مار کارروائیاں کیں۔

معرکۂ بُویب کے اثرات ونتائج

① یہ چھاپہ مار کارروائیاں فتح بویب کا شاندار اور نفع بخش نتیجہ تھیں۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ اس قابل ہوگئے کہ چار سو کلومیٹر شمال تک دھاوا بول سکیں جبکہ جنوب میں انھوں نے نواحِ سواد تک چھاپے مارے۔ ان سے مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا اور دشمن اس سے محروم ہوگیا۔ اسلامی دستوں کی ان کارروائیوں نے دشمن کا بے پناہ خون بہا کر اسے کمزور کر دیا۔



صفین کی مسجد عمار بن یاسر

② مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دشمن کو منتشر اور پریشان کر دیا اور ایرانی حکمرانوں کی اپنی رعایا کے سامنے کوئی وقعت نہ رہی اور دُور دُور تک لوگوں کو یقین ہوگیا کہ ساسانی سلطنت اب انھیں تحفظ فراہم نہیں کر سکتی۔

③ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے جنگی منصوبوں کی اساس مکمل راز داری کے ساتھ ناگہانی حملوں پر رکھی تھی۔ یوں وہ ساسانی دارالحکومت مدائن کے بے حد قریب پہنچ گئے۔ وہ وقت کے تعین کے ساتھ پیش قدمی کرتے، دشمن پر اچانک ٹوٹ پڑتے، پھر پلٹ آتے اور اس اثناء میں آرام کرتے اور سامان رسد کا بندوبست کر لیتے تھے۔

④ مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں بیٹھتے اور انھیں لیکچر دیتے اور جنگی امور کی وضاحت کرتے۔ یقیناً یہ مثالی جرأت جان کی بازی لگانے کے مترادف ہے اور مثنّٰی جدید مفہوم کے اعتبار سے چھاپہ مار جنگ کا اسلوب اپناتے تھے۔

[1] کباث: الجزیرہ کی یہ بستی بنوتغلب نے آباد کر رکھی تھی۔ (معجم البلدان: 433/4)

[2] صِفّین: شام کا یہ مقام دریائے فرات کے دائیں کنارے پر رقّہ کے بالمقابل واقع ہے۔ یہاں 37ھ/657ء میں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکروں میں جنگ ہوئی تھی جس کے آخر میں واقعۂ تحکیم پیش آیا۔ اس کے بعد خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی (المنجد في الأعلام)۔ یہ رقّہ اور بالس کے درمیان ایک موضع ہے۔ یہاں صفر 37ھ میں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ ہوئی جس میں 70 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ (معجم البلدان: 414/3)

[3] مَسکِن: یہ دیر الجاثلیق کے پاس نہرِ دُجَیل کے کنارے (اوانا کے قریب) ایک قصبہ ہے جہاں عبدالملک بن مروان اور مصعب بن زبیر میں جنگ ہوئی جس میں مصعب نے شہادت پائی اور یہیں مدفون ہوئے (معجم البلدان: 127/5)۔ نہرِ دُجَیل، بغداد اور تکریت کے مابین دریائے دجلہ سے نکلتی تھی۔ (معجم البلدان: 443/2)

[4] قُطرُبُّل: یہ قصبہ بغداد کے شمال میں بغداد اور عکبرا کے درمیان واقع ہے۔ (معجم البلدان: 371/4)

⑤ ایرانی قیادت کو اپنی پالیسیوں کے ناقص ہونے کا احساس ہوا تو انھوں نے اتفاق رائے سے یزدگرد سوم کو تاج وتخت پیش کیا اور رستم اور فیروزان سے مدد طلب کی۔ انھوں نے لشکرِ جرار تیار کرنا شروع کیا اور ان کے اکسانے پر اہل سواد نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا۔

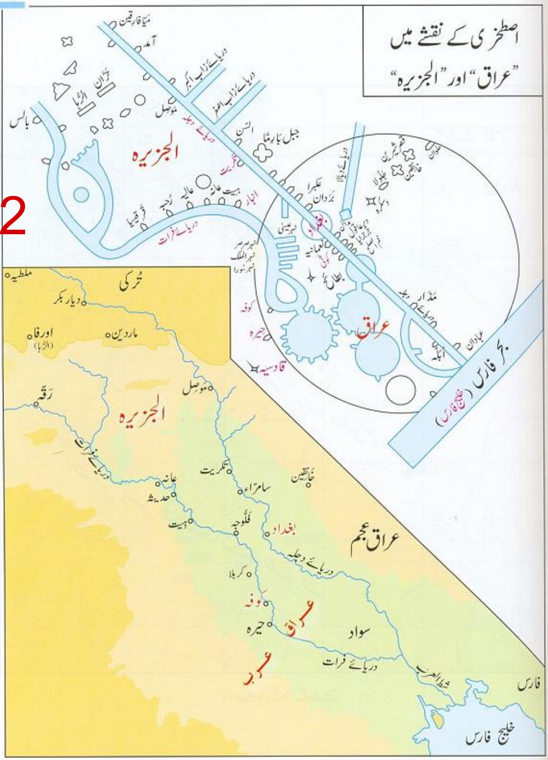
⑥ ایرانیوں کے مقابلے میں مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا آٹھ ہزار کا لشکر بہت کم تھا، لہٰذا انھوں نے صحرا کی طرف پسپائی مناسب جانی، چنانچہ مسلمان پلٹ کر صحرا میں دور دور تک پھیل گئے۔

یہ واقعات ذی قعدہ 13ھ / جنوری 635ء میں پیش آئے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھ کر انھیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ تب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پیش آمدہ معرکۂ قادسیہ [1] کے لیے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔

2

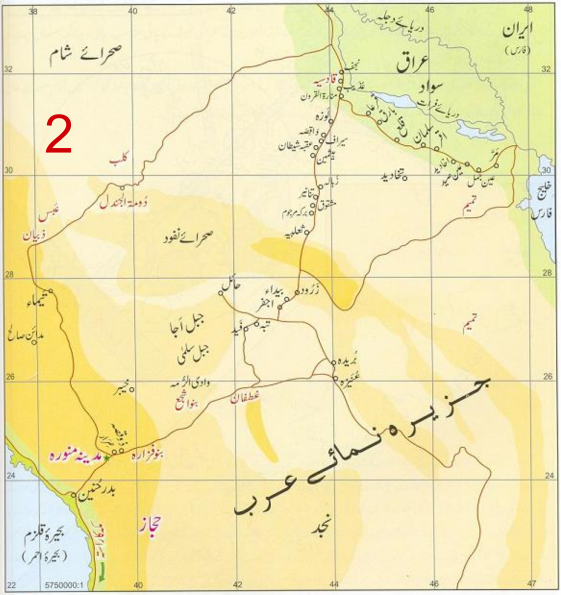
[1] قادسیہ: یہ کوفہ سے 15 فرسخ پر واقع ہے۔ قادسیہ کا عذیب سے فاصلہ 4 میل ہے۔ مدائنی کے بقول قادسیہ کو پہلے قدیسیا کہا جاتا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عذیب کے پاس واقع قدیس نامی محل کی نسبت سے قادسیہ رکھا گیا۔ قادسیہ کوفے کے جنوب مغرب میں شاہراہِ حُجاج پر ایک منزل پر تھا۔ صحرا میں داخل ہونے سے پہلے طَف (دریا کا کنارہ) کا آخری گاؤں عذیب تھا۔ قادسیہ کے مضافات میں ایک گاؤں قُدَیس (قادس خُرد) تھا۔ شعراء قادسیہ کے گرد ونواح کے سارے علاقے کو القوادس کے نام سے پکارتے تھے۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حاران جاتے ہوئے قادسیہ سے گزرے۔ یہاں انھیں ایک بڑھیا ملی جس نے آپ کا سر دھویا۔ آپ نے اسے دعا دی کہ تو اس زمین میں مقدس ٹھہری ہے۔ اسی وجہ سے اس قصبے کا نام قادسیہ پڑ گیا (معجم البلدان: 291/4)۔ قادسیہ، نجف کے جنوب میں واقع ہے۔ ان دنوں قادسیہ عراق کا ایک صوبہ ہے جس کا صدر مقام دیوانیہ ہے (المنجد في الأعلام)۔ قادسیہ (کے جنوب مغرب) میں نہر العتیق عبور کرنے کے لیے ایک پل بنا ہوا تھا جسے جسر العتیق یا جسر القادسیہ کہتے تھے۔ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر سامراء سے 8 میل جنوب مشرق میں بھی قادسیہ واقع ہے۔ یہ شاید وہی شہر قاطول ہے جسے ہارون یا معتصم نے سامراء کی بنیاد رکھنے سے پہلے بسایا تھا۔ ان کے علاوہ یاقوت حموی موصل اور اربل کے درمیان واقع قادسیہ نامی دو دیہات اور جزیرہ ابن عمر کے قریب موجود قادسیہ سے بھی آگاہ تھا۔ (ماخوذ از اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-18/1-22) موجودہ قصبہ قادسیہ فرات کی مغربی شاخ کے کنارے ابوصخیر سے تقریباً 20 کلومیٹر جنوب میں ہے (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 145)

2



نقشہ 28

عراق اور الجزیرہ

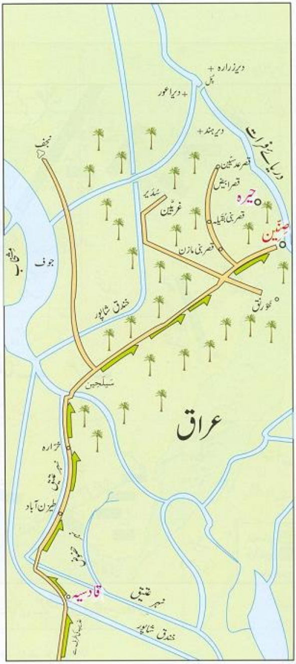


نقشہ 29

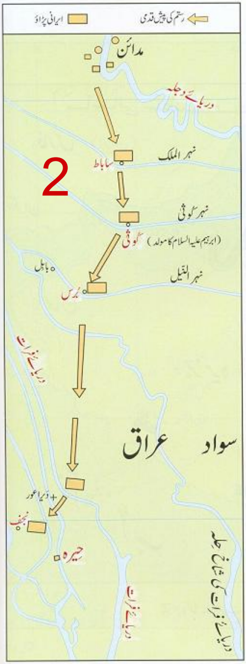
قادسیہ کو جانے والے راستے



نقشہ 30 جزیرہ نمائے عرب سے قبائل کے لشکروں کی قادسیہ روانگی



مسلمانوں کی صنّین کی طرف پیش قدمی — نقشہ 31



رستم کی پیش قدمی مدائن سے قادسیہ کی طرف — نقشہ 32

حصہ دوم

باب دوم

قادسیہ اور مدائن کے فیصلہ کن معرکے

1

جنگ قادسیہ

معرکۂ قادسیہ کا آغاز فریقین کی لام بندی، تنظیم اور جنگی تیاریوں سے ہوا۔ مادی و رُوحانی ذرائع اور راستوں کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور طرفین کی فوجی قوت اور زمینی احوال کے حوالے سے ممکنہ تدابیر اختیار کر لی گئیں۔

ایرانیوں کی فوج میں 60 ہزار گھڑ سوار، 60 ہزار پیدل، 30 ہاتھی اور 80 ہزار ان کے خدمت گزار تھے۔ یوں ایرانیوں کی کل تعداد 2 لاکھ تھی۔ وہ بہترین اسلحے سے لیس تھے۔ سپہ سالار رستم بن فرخ زاد تھا جسے جنگی اور سیاسی حوالے سے ایران میں بہت شہرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ ہرمزان، جالینوس، بہمن جادویہ، برزان، مہران اور کناری وغیرہ ایرانی دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ سلطنت کے داخلی حالات مستحکم تھے کیونکہ انھیں اپنے شہروں کے قریب ہی لڑائی درپیش تھی۔



دربند (الباب) کا قلعہ اور شہر

مسلمانوں کی قیادت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ان کا مقدمۃ الجیش زُہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں قادسیہ پہنچ گیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اسی رات تیس گھڑ سواروں کا دستہ بُکیر بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کی سالاری میں حیرہ کی طرف بھیجا۔ انھوں نے سَیلَحِین کا پل عبور کر کے کھجوروں کے جھنڈ میں گھات لگائی۔ وہاں انھیں حاکم حیرہ آزادبہ کی بیٹی عرس ملی جو والیٔ صِنّین کی طرف جا رہی تھی۔ بکیر نے اسے حراست میں لے کر اس کے محافظوں کو تتر بتر کر دیا اور اس کے خدم و حشم گرفتار کر لیے اور عُذیب الہجانات کے مقام پر سعد رضی اللہ عنہ سے آ ملے (نقشہ 32)۔ سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر 16 صفر 15ھ / 30 مارچ 636ء کو قادسیہ پہنچ گیا۔

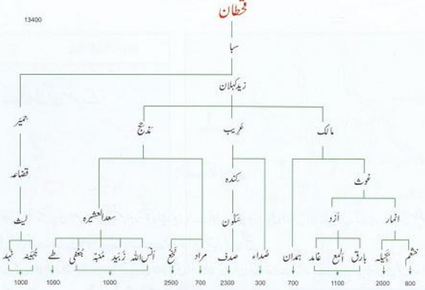
ادھر رستم نے مدائن سے نکل کر ساباط میں ڈیرے ڈالے۔ اس نے فوج کی صف بندی اس طرح کی:

★ مقدمۃ الجیش میں 40 ہزار سپاہی رکھے۔ یہ الباب [1] کا لشکر تھا جس کا سالار جالینوس تھا۔

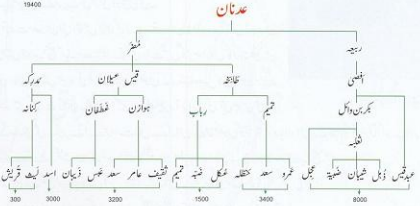
[1] الباب: اس کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں: باب الابواب کو ''الباب'' اور ''دربند'' یا ''دربند شروان'' بھی کہتے ہیں۔ یہ بُحیرۂ طبرستان (بُحیرۂ خزر) پر واقع ہے۔ یہاں نوشیروان نے پتھر اور سیسے کی دیوار پہاڑوں سے سمندر تک تعمیر کرائی تھی (معجم البلدان 304,303/1)۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ''دربند اور داریال کے درمیان وحشی اقوام کے حملے روکنے کے لیے 50 میل لمبی، 290 فٹ بلند اور 10 فٹ چوڑی دیوار بنائی گئی۔ مسلمان مؤرخین اور جغرافیہ دان اسی کو سد ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔'' وہ مزید لکھتے ہیں ''ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوار چین ہے، حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریال کے درمیان بنائی گئی تھی'' (تفہیم القرآن: 771/3، ضمیمہ: 2)۔ ان دنوں دربند روسی مقبوضہ داغستان کی بندرگاہ ہے جو بُحیرۂ کیسپین (بحیرۂ خزر) کے ساحل پر واقع ہے۔ خلیفہ ہشام (105ھ تا 125ھ) کے بھائی مَسلمہ نے دربند فتح کیا تھا۔ روس نے 1806ء میں دربند پر مستقل تسلط جما لیا۔ داغستان آذربائیجان کے شمال میں ہے۔ دونوں کے درمیان قفقاز (کوہ قاف) واقع ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 229)

اسلامی لشکرِ قادسیہ میں شامل قحطانی دستے

2



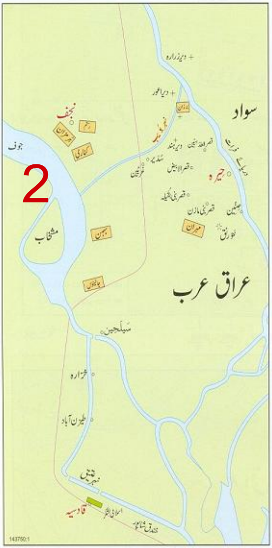
اسلامی لشکرِ قادسیہ میں شامل عدنانی دستے





کوثی: ابراہیم ؑ کی جائے پیدائش
نقشہ 33

- ★ میمنہ میں 30 ہزار فوجی تھے۔ اہواز کا یہ لشکر ہرمزان کے زیر قیادت تھا۔
- ★ میسرہ کے 30 ہزار فوجی رَے اور جبال سے آئے تھے اور ان کا سالار مہران بن بہرام تھا۔
- ★ 20 ہزار سپاہی عقب میں رکھے۔ نہاوند اور سیستان کے اس لشکر کی قیادت برزان کر رہا تھا۔
- ★ 80 ہزار سپاہی پورے لشکر کی خدمات بجالانے پر مامور تھے۔



نقشہ 34

سعد ؓ اور رستم کے لشکر جنگ سے پہلے

رستم پیش قدمی کرنے سے ہچکچا رہا تھا مگر یزدگرد شاہ نے سختی سے اُسے آگے بڑھنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ ساباط سے لاؤ لشکر کے ساتھ نکلا۔ اس نے جالینوس کو ست روی سے حیرہ کے نواح میں پہنچنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ نجف میں آن اُترا۔ خود رستم نے پہلے کوثی [1] میں آکر ڈیرے ڈالے جو کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم ؑ کی جائے پیدائش ہے، پھر بابل کے بالمقابل بُرس نامی جگہ قیام کیا (نقشہ 31)۔ وہاں سے ایرانی لشکر چلا تو ملطاط میں آٹھہرا جو نجف [2]، خورنق، اور دیر اعور کے مابین واقع تھا۔

رستم پیش قدمی کرکے اب نجف پہنچ گیا تھا۔ لشکرِ فارس کے میمنہ پر ہرمزان اور میسرہ پر مہران مامور تھا۔ مقدمۃ الجیش کا سالار جالینوس نجف اور سَیلحین کے مابین ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ بہمن کا دستہ رستم اور جالینوس کے درمیان تھا اور برزان لشکر کے عقب میں تھا (نقشہ 34)۔ دریں اثناء رستم نے نجف سے پیش قدمی کی اور بہمن کی جگہ پر آن خیمہ زن ہوا جبکہ بہمن آگے جالینوس کے مقام پر چلا آیا اور جالینوس نے مزید آگے طیزن آباد میں آن ڈیرے ڈالے۔ اس کے گھڑ سوار طیزن آباد اور قادسیہ کے مابین پہنچ گئے۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص ؓ مختلف سمتوں میں اپنے دستے پھیلا رہے تھے۔

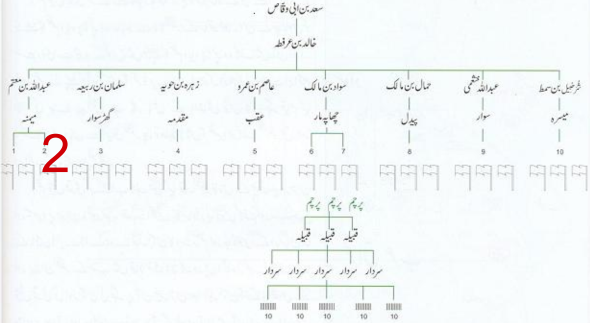
اس دوران میں رستم سَیلحین میں آمقیم ہوا، جالینوس آگے قادسیہ کے پل کی طرف بڑھا اور زہرہ بن حویہ کے بالمقابل آن رُکا۔ بہمن نے جالینوس کی جگہ لے لی۔ رستم، ہرمزان، مہران اور برزان بہمن جادویہ کی جگہ خرارہ آپہنچے جبکہ بہمن جادویہ پہلے نہر عتیق [3] پر اور پھر دائیں طرف کا رخ کرکے ''قدیس'' کے بالمقابل آٹھہرا جو کہ ایک قلعہ نما مکان تھا جس میں سعد ؓ مقیم تھے (10 شعبان 15ھ / 17 ستمبر 636ء)۔ اس طرح ایرانی لشکر تسلسل سے آتے رہے اور رستم

[1] کوثی: عراق کے قصبہ کوثی میں سُمیری عہد کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ اس کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے۔ (المنجد في الأعلام)۔ حضرت علی ؓ اور عبداللہ بن عباس ؓ کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم ؑ کوثی میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ (معجم البلدان: 488,487/4)

[2] نجف: یہاں امیر المومنین علی ؓ کی قبر ہے (معجم البلدان: 271/5)۔ نجف صوبہ کوفہ کا دارالحکومت اور ضلعی صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ 30 ہزار ہے (المنجد في الأعلام)۔ ''نجف، کوفہ کے ساتھ ہی ہے، سات آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔'' (''عروس البلاد بغداد میں'' از عمر فاروق قدوسی، ص: 115)

[3] نہر العتیق: دریائے فرات کی ایک بڑی شاخ کبھی حیرہ کی جانب بہتی تھی، اسے العتیق، یعنی پُرانا دریا کہتے تھے۔ یہ گزرگاہ شمال مشرق میں القادسیہ اور جنوب مغرب میں العذیب کے درمیان واقع تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-21/1 بذیل ''القادسیہ'')

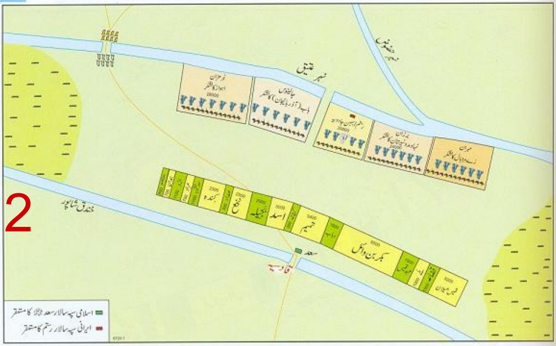
اسلامی لشکر قادسیہ کے دستے اور ان کے کمانڈر



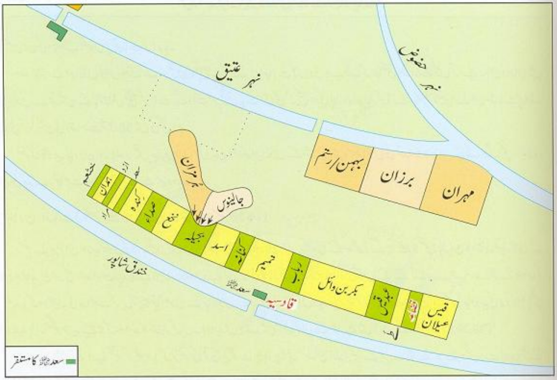


نقشہ 35

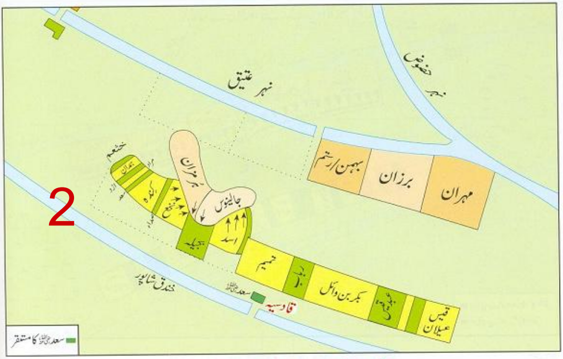
لشکرِ رستم کی قادسیہ آمد



نقشہ 36 قادسیہ کے میدان میں مسلمان اور ایرانی آمنے سامنے



نقشہ 37 بُجیلہ کے دستے پر ایرانیوں کا ہجوم (قادسیہ 2)



نقشہ 38

قبیلہ اسد قبیلہ بجیلہ کا دفاع کرتا ہے (قادسیہ 3)

انھیں اُن کی مناسب جگہوں پر تعینات کرتا رہا۔

سعد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کو اس وقت تک نہر عتیق کا پل پار کرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ حفاظتی اقدامات نہیں کر لیے۔ اس دوران میں ایرانیوں نے قدلیس کے بالمقابل پہنچ کر رات کے وقت نہر عتیق پاٹ دی حتی کہ صبح ہوگئی اور وہ نہر پار کر آئے، پھر فریقین نے ان مقامات پر صف بندی کر لی جن کی وضاحت نقشہ 36 میں کی گئی ہے۔

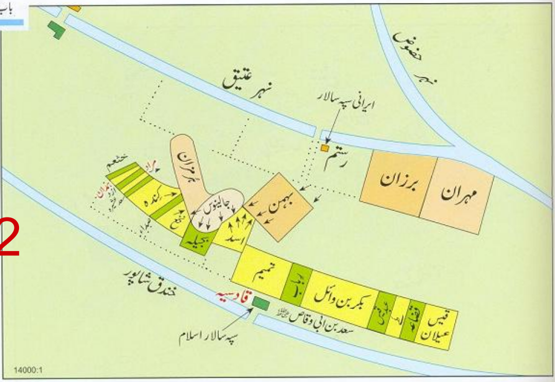
معرکۂ قادسیہ چار دن اور چند راتیں جاری رہا۔ اس میں 2 لاکھ ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد 33 ہزار کے لگ بھگ تھی، البتہ وہ ایمانی جذبے، شجاعت اور اعلیٰ تربیت سے بہرہ ور تھے۔

پہلا دن: اَرماث (جمعرات 13 شعبان 15ھ/20 ستمبر 636ء)

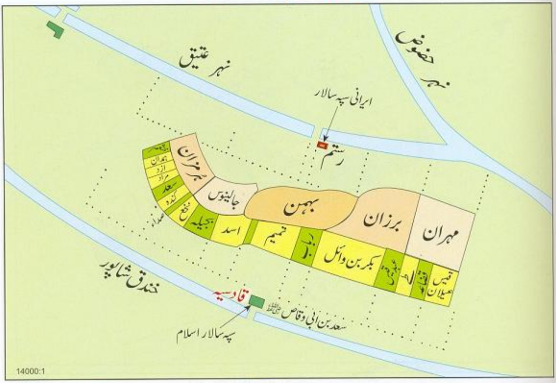
رستم نے ہرمزان اور جالینوس کو 13 ہاتھیوں، 26 ہزار گھڑ سواروں اور 26 ہزار پیادوں کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ان کا مقابلہ قبیلہ بجیلہ کے 2 ہزار مجاہدین اور نخع، صداء اور کندہ کے 5 ہزار جوانوں نے کیا۔ لڑائی کا بازار خوب گرم ہوا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ تب سعد رضی اللہ عنہ نے بنو اسد کو حکم دیا کہ وہ بجیلہ کی مدافعت کریں، چنانچہ انھوں نے جالینوس کے دستے پر ہلہ بول دیا۔ یہ دیکھ کر رستم نے جالینوس اور بہمن جادویہ کی مدد کو 11 ہاتھی اور 44 ہزار جنگجو مزید بھیجے تا کہ بنو اسد کا مقابلہ کریں۔ وہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ (نقشہ 39,38,37)

تب سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ رستم کی فوج پر ٹوٹ پڑو، چنانچہ مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دشمن سے دوبدو لڑنے لگے (نقشہ 40)۔ یہ معرکہ ظہر کے وقت شروع ہوا تھا۔ اس دوران میں بنو تمیم جان کی بازی لگا کر ہاتھیوں کو میدانِ جنگ سے نکال باہر کرنے میں

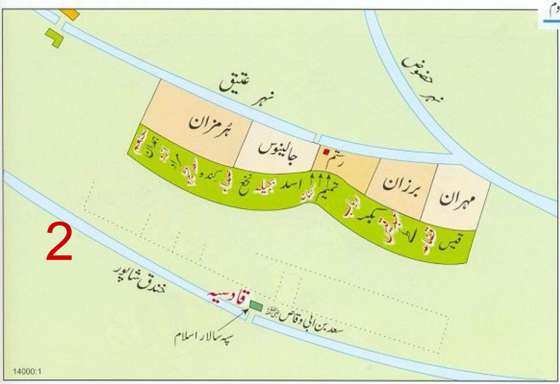
2



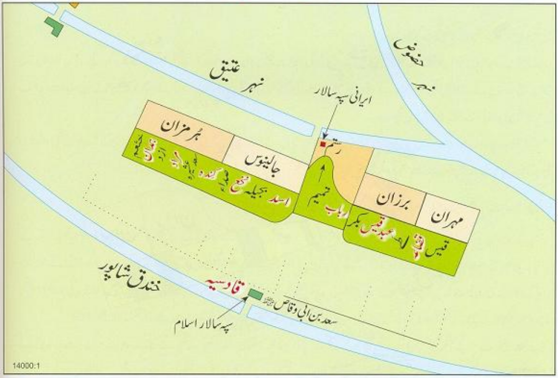
نقشہ 39 — بہمن جادویہ کا بنو اسد پر حملہ .... قادسیہ (4)



نقشہ 40 — یوم ارماث...... قادسیہ (5)

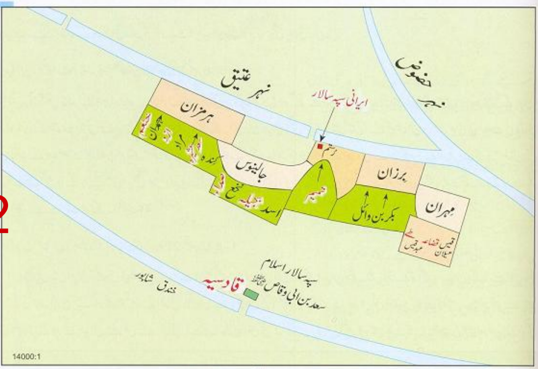


نقشہ 41 یوم اغواث............قادسیہ (6)

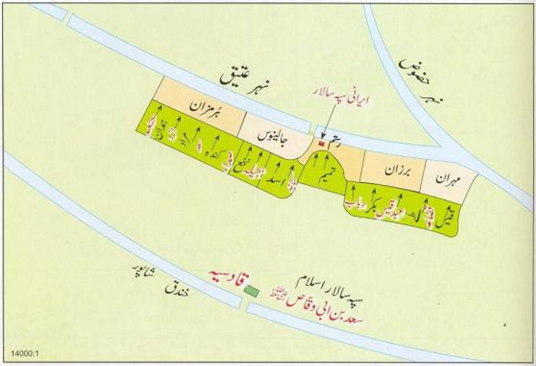


نقشہ 42 یوم عماس......قادسیہ (7) لشکرِ اسلام کا ایرانیوں پر جارحانہ حملہ

2



نقشہ 43 یومِ قادسیہ......بنو تمیم کا حملہ (قادسیہ 8)



نقشہ 44 یوم قادسیہ.........جالینوس کی پسپائی (قادسیہ 9)

کامیاب رہے۔عشاء کے بعد لڑائی رک گئی اور رات بھر میدانِ جنگ پر خاموشی چھائی رہی۔

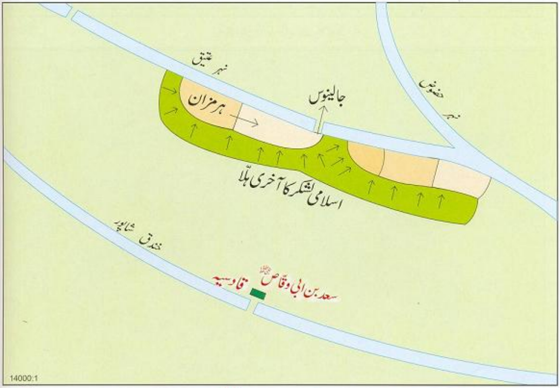
دوسرا دن: اَغواث (جمعہ 14 شعبان 15ھ / 21 ستمبر 636ء)

اس روز جیشِ خالد کے 6 ہزار مجاہدین شام سے محاذِ عراق پر پہنچنا شروع ہو گئے تھے جن کے سپہ سالار عتبہ بن ابی وقاص (سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی) تھے اور ان کے مقدمۃ الجیش کے سالار قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔اس دن ایرانی ہاتھی میدان میں نہیں آئے کیونکہ ان کی عماریوں کی مرمت کی جا رہی تھی۔ظہر کے بعد معرکۂ کارزار گرم ہوا۔مسلمانوں نے ایرانی قلب پر شدید حملہ کیا اور اُن کے گھوڑوں کے منہ پھیر دیے اور قریب تھا کہ مسلمان رستم کے تخت تک پہنچ جاتے، اتنے میں ایرانی گھڑ سوار پلٹ آئے اور دوبارہ اپنی اپنی پوزیشنوں پر ڈٹ گئے۔فریقین آدھی رات تک لڑتے رہے، پھر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔(نقشہ 41)

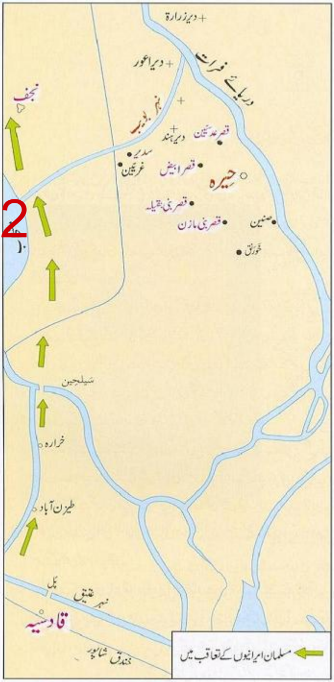
2

تیسرا دن: عُماس (ہفتہ 15 شعبان 15ھ / 22 ستمبر 636ء)

اس دوران میں ایرانی ہاتھیوں کی عماریاں درست ہو چکی تھیں، لہٰذا ہاتھی اس روز پھر میدانِ جنگ میں اُترے۔انھیں میدانِ جنگ سے نکال باہر کرنے کی ذمہ داری ایک بار پھر بنو تمیم نے اٹھائی۔انھوں نے ہاتھیوں کی آنکھوں کو نشانہ بنایا اور ان کی سونڈیں کاٹ ڈالیں، چنانچہ ظہر سے پہلے ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے میدان سے نکل گئے۔لڑائی رات تک جاری رہی حتیٰ کہ فریقین اپنی اپنی لشکر گاہ میں پلٹ آئے۔قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی



نقشہ 45 معرکۂ قادسیہ کا آخری مرحلہ............(قادسیہ 10) - رستم قتل اور جالینوس کا اور ہُرمزان کا فرار



نقشہ 46 معرکۂ قادسیہ کے بعد دشمن کا تعاقب

جو تھک چکے تھے، وہ بھی لوٹ آئے۔ یہ لیلة الھریر تھی۔ اس میں تلواروں کی جھنکار کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ (نقشہ 42)

چوتھا دن: یوم القادسیہ (اتوار 16 شعبان 15ھ / 23 ستمبر 636ء)

لڑائی شروع ہوتے ہی قعقاع ؓ نے نیزہ اوپر اٹھایا اور رستم کی طرف سیدھا کرلیا۔ انھوں نے کمال ہمت دکھائی اور رستم کی سیدھ میں ایرانی صفوں میں گھستے چلے گئے (نقشہ 44,43)۔ ظہر کے وقت ہرمزان کا دستہ نہر عتیق تک پیچھے ہٹ گیا اور بزان نے بھی ایسا ہی کیا۔ اتنے میں تیز ہوا چلی جس نے رستم کا سائبان اکھاڑ دیا اور وہ ہوا کے ساتھ نہر عتیق میں جا گرا۔ اس دوران میں رستم کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ مسلمان دشمن کو رگیدتے ہوئے نہر عتیق تک جا پہنچے اور ایرانی لشکر میں گھس کر اُسے دو حصوں میں بانٹ دیا (نقشہ 45)۔ جالینوس بھی اسی طرح نہر کا پاٹ عبور کرکے پسپا ہوگیا جیسے ہرمزان نے کیا تھا۔ اب ایرانیوں کے میسرہ کے لیے پسپائی محال تھی، چنانچہ مسلمانوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور بے شمار ایرانی نہر عتیق میں غرق ہوگئے۔ عصر سے پہلے کام تمام ہوگیا۔ سعد ؓ نے کچھ دستے ایرانیوں کے تعاقب میں بھیجے جنھوں نے نجف تک ان کا پیچھا کیا (نقشہ 46)۔ اس دوران میں جالینوس تعاقب کرنے والے مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوگیا اور ہرمزان نے راہِ فرار اختیار کی۔

یوم ارماث اور یوم اغواث کو اڑھائی ہزار مسلمانوں نے شہادت پائی اور لیلة الھریر اور یوم القادسیہ کو بھی اڑھائی ہزار شہید ہوئے، نیز یوم عُماس کے شہدائے اسلام کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی جبکہ صرف آخری دو دنوں اور لیلة الھریر کے ایرانی مقتولین 10 ہزار تھے۔ ادھر تیس ہزار ایرانی نہر عتیق میں غرق ہوئے یا اس سے پہلے مارے گئے۔ مسلمانوں نے رات کو محفل مشاعرہ منعقد کی اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس دوران میں سعد ؓ نے امیر المومنین عمر فاروق ؓ کے نام قادسیہ کی فتح کا مکتوب روانہ کردیا۔

2

معرکۂ قادسیہ کے اہم پہلو

① میدانِ قادسیہ کی جائے وقوع بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ یہ حدودِ صحرا پر واقع تھا اور پاس ہی ارض سواد تھی جسے نہروں کے پانی اور زرعی فصلوں نے سرسبز و شاداب بنا رکھا تھا۔ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹتا تو وہ صحرا کی طرف پسپا ہو سکتے تھے تاکہ جنگی چال چل سکیں یا اپنے لشکر سے جا ملیں حتی کہ ان کے لیے جوابی حملہ ممکن ہو۔ اور اگر جنگ کا پانسہ ایرانیوں کے خلاف پلٹتا تو ان کے پیچھے آبی دلدلیں تھیں جہاں ان کے لیے نقل و حرکت دشوار تھی۔

② یہ میدانِ جنگ خندق شاپور [1] اور نہر عتیق کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف اور شمال میں پانی کے دھارے تھے۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کر کے حصن قدیس پر قبضہ کر لیا تھا جہاں ان کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ مسلمان اس زمینی پٹی پر قابض ہو کر اپنی ضروریات حسبِ خواہش پوری کر سکتے تھے اور انھوں نے ایرانیوں کے لیے تنگ سی جگہ چھوڑی تھی جس سے ان کی عددی برتری بے فائدہ ہو کے رہ گئی تھی۔ اس تنگ محاذ پر ایرانیوں کے لشکرِ جرار کے لیے آسانی سے نقل و حرکت ممکن نہیں تھی، پھر اس جگہ سورج ایرانیوں کے سامنے تھا اور ہوا کا رُخ بھی ان کے مخالف تھا۔

③ رستم نے جنگ سے پہلے مسلمانوں کو اس پوزیشن سے ہٹانے کی کوشش کی تھی لیکن سعد رضی اللہ عنہ دشمن کے اس ارادے سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے سواد کے علاقے میں ایرانی لشکر کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں کر کے رستم کو اپنے سامنے آنے پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ اس کے ساتھی چیخ اُٹھے مگر ان کے لیے کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ یوں معرکۂ قادسیہ میں مسلمانوں کی کامیابی ایک سوچی سمجھی جنگی اسکیم کا نتیجہ تھی۔

④ مسلمان مجاہدین اعلیٰ جسمانی و تربیتی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ فتنۂ ارتداد اور عراق میں اوّلین لڑائیوں سے انھیں جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ اس معرکے میں کام آیا تھا۔

⑤ مسلمانوں کا ایمان پختہ تھا اور وہ ہر آن شہادت کی طلب رکھتے تھے جیسے کہ ایک روایت میں ہے کہ عساکر اسلام میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو لوٹ کر اپنے اہل و عیال کے پاس جانا چاہتا ہو۔ انھیں اس آیت قرآنی پر پورا پورا یقین تھا:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾

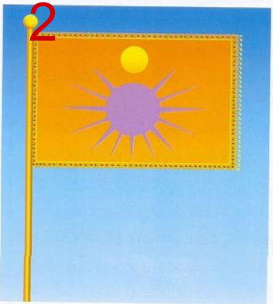
”کتنے ہی قلیل گروہ اللہ کے حکم سے کثیر گروہوں پر غالب آئے۔“ (البقرۃ 2:249)

[1] خندق شاپور: یہ خندق شاہ فارس شاپور (عربی میں ”سابور“) سے منسوب تھی۔ تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں شاپور نام کے تین حکمران ہوئے۔ یہ خندق غالباً شاپور اول (240ء تا 271ء) نے کھدوائی تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 129,128/2)

3

دَرَفْش کاویانی

یہ اہلِ فارس کا معروف جھنڈا تھا جو سلطنت ساسانیہ کے آغاز سے سرکاری جھنڈا چلا آ رہا تھا۔ اس کی چوڑائی 8 ذراع اور لمبائی 12 ذراع تھی۔ گویا اس کا پھیلاؤ تقریباً چار ضرب چھ میٹر تھا۔



فارس (ایران) کے ساسانی بادشاہوں کا پرچم "دِرَفش کاویانی"

بلعمی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ایرانی تمام جنگوں میں کامیاب رہے تھے جن میں دِرَفش کاویانی لہرا رہا ہوتا تھا۔ یہ پرچم معرکۂ جسر میں بہمن جادوَیہ کے پاس بھی تھا۔ وہ لوگ ہر فتح کے بعد اس پر جواہر نچھاور کرتے تھے۔ اسے سونے، چاندی، جواہرات اور موتیوں سے سجایا جاتا تھا۔ انھوں نے علمِ نجوم کے حساب سے اس پر ایک طلسم بھی نقش کر رکھا تھا۔ وہ لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے اور مبالغے کے ساتھ اس کی خوبیاں بیان کی جاتی تھیں حتی کہ اس نایاب اور اچھوتے جھنڈے کے لیے پانچ موبدان (مجوسی پروہت) مقرر تھے جو اسے اٹھائے لشکر کے آگے آگے چلتے تھے۔

فردوسی طوسی لکھتا ہے: "اس پرچم پر سورج کی بنفشی رنگ کی شبیہ تھی جس کے اوپر سنہری چاند نمایاں تھا۔" اور مسعودی کہتے ہیں: "قادسیہ کے دن وہ (دِرَفش کاویانی) ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ لگا۔" لیکن ثعالبی کا کہنا ہے کہ یہ جھنڈا قبیلہ نخع کے ایک آدمی نے اُٹھایا تھا، پھر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُسے شاہ یزدگرد کی اشیائے گراں مایہ کے ساتھ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ لے آئے تھے۔

دِرَفش کاویانی کا شمار عجائب کسریٰ میں ہوتا تھا جو قصر مدائن سے حاصل ہوئے تھے۔ ان میں یزدگرد کی ملکہ شیریں، بادشاہ کا سیاہ گھوڑا شبدیز، اس کا سفید ہاتھی اور کسریٰ کا "بہار" نامی فرش شامل تھے جو نوے گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول پتیاں، درخت، نہریں، تصویریں اور غنچے سب سونے، چاندی اور جواہرات سے بنائے گئے تھے اور موسم بہار گزر نے پر اس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر بادشاہ اور اعیان حکومت شراب نوشی کرتے تھے۔ [1]

[1] دِرَفش کاویانی: "کاوہ" لوہار کا بنایا ہوا جھنڈا تھا جس کے باعث مبینہ طور پر فریدوں (ظالم بادشاہ) نے ضحاک پر فتح حاصل کی تھی۔ (حسن اللغات (فارسی)، ص:383)

4

قادسیہ سے مدائن تک

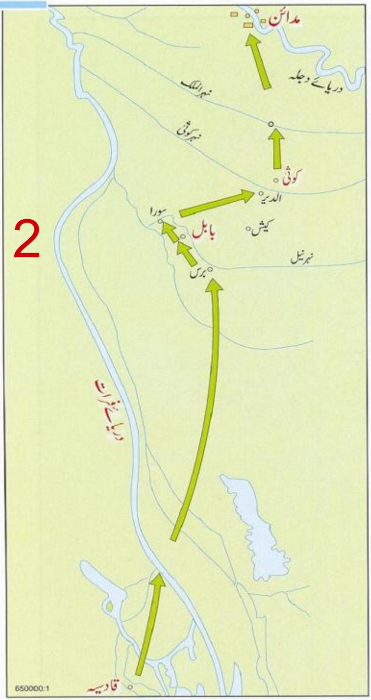
فتح قادسیہ کے بعد سپہ سالارِ اعلیٰ سعد بن ابی وقاص ؓ نے زُہرہ بن حویہ کی قیادت میں مقدمۃ الجیش حیرہ اور کوفہ کی طرف بھیجا جہاں نخرجان [1] کے زیرِ کمان ایک ایرانی لشکر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ نخرجان نے راہِ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت جانی۔ پھر لشکرِ اسلام نے پیش قدمی کی۔ اس کے میمنہ کے سالار عبداللہ بن معتم ؓ تھے جبکہ شرحبیل بن سمط ان کے پیچھے میسرہ کی قیادت کر رہے تھے۔ پھر سپہ سالار ہاشم بن عتبہ تھے جنھیں حضرت سعد ؓ نے اپنا نائب بنایا تھا۔ آخر میں عقب کے سالار خالد بن عُرفُطہ ؓ تھے (شوال 15ھ/ نومبر 636ء)۔ اسلامی لشکر ایرانیوں کا مالِ غنیمت ملنے کے بعد اب تمام تر گھڑ سواروں پر مشتمل تھا۔

عبداللہ بن معتم ؓ نے کوفہ جا کر قیام کیا اور زہرہ نے ''بُرس'' پہنچ کر دشمن کی ایک جمعیت کو شکست دی جس کی قیادت بُصبہری کر رہا تھا۔ ایرانی بابل کی طرف فرار ہوگئے۔ زہرہ نے وہاں تک ان کا پیچھا کیا جہاں نخرجان، بُصبہری، مہران اور ہرمزان وغیرہ اکٹھے ہو چکے تھے۔ سعد ؓ نے بھی ''بُرس'' کی طرف پیش قدمی کی، پھر تمام اسلامی لشکر بابل کی جانب بڑھا اور ایرانی دیکھتے دیکھتے تتر بتر ہوگئے۔ (نقشہ 47)

اس دوران میں امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے عتبہ بن غزوان کو ایک دستے کے ساتھ اُبلہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ایرانیوں کو مصروف رکھیں اور ان کی جنگی کوششوں میں رکاوٹ ڈالیں۔ اتنے میں ہرمزان پیچھے ہٹ کر اپنے وطن اہواز چلا گیا، فرزان نے اپنے مستقر نہاوند [2] کی راہ لی اور نخرجان اور مہران پسپا ہو کر مدائن میں ڈٹ گئے۔ وہ شہریار کو ایک بڑی فوج کے ساتھ پیچھے چھوڑ گئے جس میں الباب (دربند، آذربائیجان) کے لشکر شامل تھے۔ ہرمزان کے باقی دستے کوثٰی اور دَیرِ کعب کے درمیان خیمہ زن تھے۔

[1] **نخرجان (نخارجان):** پسپا ہوتے ایرانیوں کے خلاف لڑائیوں کے دوران میں نخارجان (صحیح نخوریگان) کا خزانہ بھی عربوں کے ہاتھ آ گیا جو عورتوں کے نہایت قیمتی زیورات پر مشتمل تھا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-21/1)

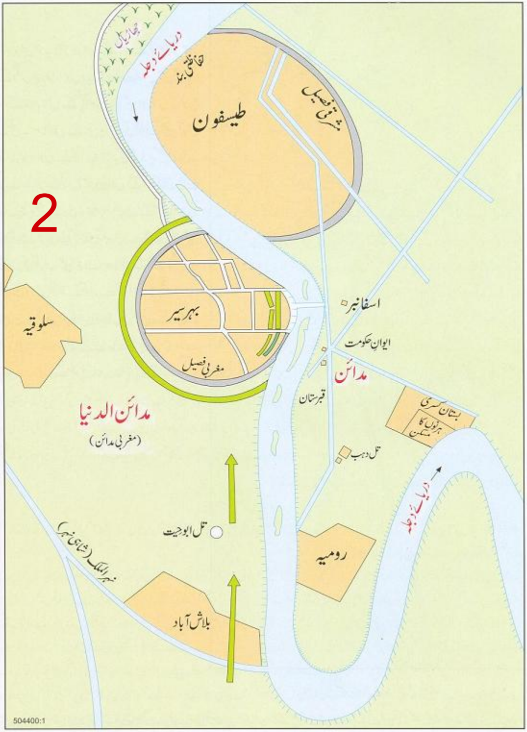
[2] **نہاوند:** ایران کا یہ شہر کرمانشاہ (موجودہ باختران) کے مشرق میں واقع ہے۔ آبادی 25 ہزار ہے (المنجد في الأعلام)۔ نہاوند صوبہ ہمدان میں اس کے دارالحکومت ہمدان سے تقریباً 70 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ نہاوند کے جنوب مشرق میں تقریباً 40 کلومیٹر دور مشہور شہر بُروجرد واقع ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ، ص: 148) نہاوند کرمان شاہ سے اصفہان جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ بقول ابن فقیہ یہ شہر طوفان نوح سے پہلے موجود تھا۔ بطلیموس اس شہر سے واقف تھا۔ ساسانی دور میں یہاں ایک آتشکدہ بھی تھا۔ عہد فاروقی میں جنگ نہاوند کی تاریخ کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں، یعنی سیف بن عمر: اواخر 18ھ/639ء یا اوائل 19ھ (640ء) اور ابن اسحٰق، ابو معشر، واقدی اور کیتانی (Caetani) 21ھ/643ء۔ نہاوند کا علاقہ پہلے بہراذان (بہذان) یا ماہِ دینار کہلاتا تھا۔ بالآخر اسے بصریوں کے مقبوضات میں شامل کر دیا گیا۔ 998ھ/1589ء میں عہد عباس اول صفوی میں یہاں چغالہ زادہ نے ایک قلعہ تعمیر کیا (پھر اس پر عثمانی قابض ہوگئے۔) خلیفہ مراد رابع کے انتقال کے بعد نہاوند کی قلعہ دار فوج میں بغاوت ہوگئی اور عثمانیوں کو یہاں سے نکال دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں 1012ھ/1603ء میں ترکیہ سے دوبارہ لڑائی چھڑ گئی۔ 1146ھ/1730ء میں نادر شاہ نے ترکوں سے نہاوند ایک بار پھر چھین لیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 528/22)



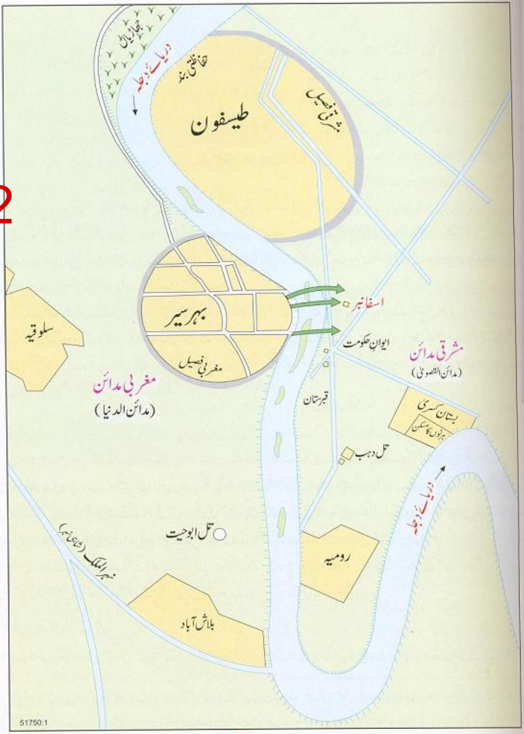
نقشہ 47
لشکرِ اسلام کی مدائن پر یلغار

زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر نے نہر صراۃ عبور کر کے دشمن پر دھاوا بول دیا۔ زبردست لڑائی میں شہریار بنو تمیم کے غلام نائل کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کی فوج بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے بہرسیر [1] کی طرف پیش قدمی کی تو ساباط والوں نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ زہرہ نے ساباط کے نواح میں بوران کے زیرِ کمان شاہی محافظ دستے کو شکست دی۔ ادھر ایرانیوں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے بستانِ کسریٰ سے ایک پالتو شیر مسلمانوں کی طرف چھوڑا جسے سعد رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تلوار سے مار ڈالا، پھر لشکرِ اسلام نے بہرسیر کی طرف کوچ کیا اور اس کی فصیل کے سامنے جا پڑاؤ ڈالا۔ بہرسیر، مدائن کی سات بستیوں میں سے ایک تھا اور یہ دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔

[1] بہرسیر: عربی میں اسے بَهُرَسِیر کہا جاتا ہے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''یہ اُن سات بستیوں میں سے ایک ہے جن کے مجموعے کا نام مدائن ہے۔ یہ دِہ اَرْد شیر یا بہ اَرْدشیر کا معرب ہے جس کے معنی ہیں: ''اردشیر کا گاؤں'' یا ''اردشیر کا بہترین شہر''۔ (معجم البلدان: 515/1)



نقشہ 48 مسلمانوں کے ہاتھوں بہرسیر (مغربی مدائن) کی فتح



نقشہ 49 دجلہ پار اسفانبر اور طیسفون (مشرقی مدائن) پر یلغار

5

سقوطِ مدائن

(صفر 16ھ / مارچ 637ء)

مدائن ایک بڑے شہر کا عربی نام تھا۔ یہ جن سات بستیوں پر مشتمل تھا، ان کے نام یہ تھے:

دجلہ کے مشرقی ساحل پر طیسفون، اسفانبر (شاہی محلات) اور رومیہ آباد تھے۔ انھیں مدائن القصوی (پرے والا مدائن) کہتے تھے۔

دجلہ کے مغربی کنارے پر بہرسیر، بلاس آباد، سلوقیہ [1] اور ساباط نامی بستیاں تھیں۔ انھیں مدائن الدنیا (قریبی مدائن) کہا جاتا تھا۔ دریا کے دونوں کناروں پر یہ بستیاں متصل یا قریب قریب واقع تھیں۔

عراق کے محکمۂ آثارِ قدیمہ کے تیار کردہ قدیم نقشے میں بہرسیر کو دجلہ کے جنوبی کنارے پر رومیہ اور اسفانبر کے بالمقابل دریا کے موڑ کے اندر دکھایا گیا ہے۔ لیکن مجلّہ ''سومر'' شمارہ 27 (1971ء) میں درج ہے کہ آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے ثابت ہوا ہے کہ بہرسیر دجلہ کے مغرب کی طرف مدوّر فصیل کے اندر واقع تھا جس کے بارے میں پہلے خیال تھا کہ یہ سلوقیہ کے گرداگرد تھی جبکہ سلوقیہ کی جائے وقوع بہرسیر کے مغرب کی طرف بتائی جاتی ہے۔ ہم نے 48 اور 49 نمبر نقشوں میں یہی دکھایا ہے۔

بہرسیر کی فتح

سپہ سالارِ اسلام سعد رضی اللہ عنہ نے بیس منجنیقیں بنوا کر بہرسیر کے اردگرد نصب کرادیں۔ ان کے ذریعے سے فصیل پر سنگباری کی جاتی رہی اور یہ محاصرہ دو ماہ جاری رہا۔ اس کے نتیجے میں ایرانی دجلہ پار کر کے اسفانبر اور طیسفون کی طرف چلے گئے۔ انھوں نے دریا کا پل جلا دیا اور تمام کشتیاں اپنی طرف جمع کرلیں۔ مسلمان رات کی تاریکی میں بہرسیر کی فصیل پر چڑھے اور شہر کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے دریا تک جا پہنچے جہاں سامنے شاہانِ فارس کا مستقر اسفانبر دکھائی دیتا تھا (صفر 16ھ / مارچ 637ء)۔ انھیں رات کے اندھیرے میں ایوانِ کسریٰ کا سفید بلند و بالا گنبد نظر آتا تھا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھ کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے شروع کیے حتی کہ صبح ہوگئی۔ یزدگرد شاہ نے گھبرا کر اپنے خزانے پیچھے منتقل کرنے شروع کردیے۔ اس وقت دجلہ طغیانی میں تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں پر تیرتے ہوئے دجلہ عبور کرنے کی تدبیر اختیار کی۔

مسلمان دجلہ عبور کرتے ہیں

600 مسلمان گھڑسواروں کا دستہ کَتِیبَۃُ الأھوَال نیزوں کی اَنیاں بلند کیے آگے بڑھا، ان کی قیادت عاصم بن عمرو تمیمی کر رہے تھے۔ اِدھر سے

[1] سلوقیہ یا سلیوکیہ: سلیوکی بادشاہوں نے اس نام کے کئی شہر بسائے جن میں سب سے مشہور شہر (سلیوکیہ) دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے جسے سلیوکس اول (جانشینِ سکندرِ اعظم) نے آباد کر کے مملکت سوریا کا دارالحکومت بنایا تھا اگرچہ بعد میں اس نے انطاکیہ کو دارالحکومت بنالیا۔ 140 ق م میں اس پر پارتھی (قدیم پارسی) قابض ہوگئے۔ بعد میں سلوقیہ اور طیسی فون کے کھنڈروں پر مدائن آباد ہوا۔ (المنجد في الأعلام)

دشمن کے ساحلی محافظین نے پیش قدمی کی اور دجلہ کے اندر ان کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کے گھوڑوں کو نیزوں سے کچوکے دے کر ان کے منہ پھیر دیے اور وہ سواروں سمیت اسفانبر کی طرف پلٹ گئے۔ مسلمانوں نے دریا کے اونچے کنارے پر چڑھ کر ایرانیوں پر بے پناہ تیراندازی کی۔ اکثر ایرانی مارے گئے۔ اس دوران میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پورا لشکر گھوڑوں کی پشت پر دریا میں اُتر گیا۔ مسلمانوں کا چھ سو مجاہدوں پر مشتمل ہراول دستہ آگے آگے تھا جس کی قیادت قعقاع بن عمرو تمیمی کر رہے تھے۔ اس دستے کا نام ''خرساء'' [1] تھا۔ دریا پار کرتے مجاہدینِ اسلام سے دجلہ بھر گیا اور اس کا پانی چھپ گیا۔ دیکھتے دیکھتے وہ دریا پار کر کے عاصم بن عمرو کے دستے سے جا ملے جبکہ دریا کی طغیانی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

''دیواں آمدند!'': عبورِ دجلہ کا حیرت انگیز واقعہ

بہر سیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک لی تھیں، اس لیے جب مسلمان دجلہ کے کنارے پہنچے تو اسے عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ انھیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان سے باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے۔ جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی ''دیواں آمدند، دیواں آمدند'' (دیو آگئے! دیو آگئے!) کہتے ہوئے بھاگ نکلے۔ ایک افسر خرزاد نے معمولی مزاحمت کی مگر مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا۔ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر 16ھ میں مدائن میں داخل ہوگئے۔'' (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی حصہ اول/ دوم، ص: 153` 154)

علامہ اقبال نے مشہور نظم ''شکوہ'' میں جو شعر کہا

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اس کے پہلے مصرع میں عبورِ دجلہ کے اس حیرت انگیز واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایوانِ کسریٰ کا سقوط

ان حالات میں کسریٰ یزدگرد شاہ پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت حلوان [2] کی طرف فرار ہوگیا۔ مسلمانوں نے اس طرح اچانک دریا پار کر لیا تھا کہ ایرانیوں کو اس کی توقع ہی نہ تھی، لہٰذا وہ فرار ہوتے وقت اپنے بیشتر اموال پیچھے چھوڑ گئے۔ اسلامی لشکر مدائن کی خالی گلیوں اور بازاروں میں سے پیش قدمی کرتے ہوئے قصرِ ابیض پہنچ گیا۔ وہیں ایوانِ کسریٰ تھا جس کے بارے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں فتح ہونے کی خبر دی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ لڑائی میں قصرِ ابیض تباہ و برباد ہو جائے، لہٰذا انھوں نے محصورین کو تین دن کی مہلت دی حتی کہ وہ ادائے جزیہ پر

[1] ''خرساء'' اَخرس کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں: ''گونگا''۔ علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی (متوفی 817ھ) لکھتے ہیں: ''اس دستے کو خرساء اس لیے کہا گیا کہ یہ باوقار انداز سے جنگ لڑتے تھے، چنانچہ ان کی کوئی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دستے میں سپاہیوں کے پاس زیادہ تر ڈھالیں ہوا کرتی تھیں اور ہتھیار اکادکا ہی تھے، چنانچہ ان کی طرف سے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی نہیں دیتی تھی، اس لیے ان کو خرساء کا نام دیا گیا۔'' (القاموس المحیط، مادۃ: خرس)

[2] حلوان: عراق کا ایک شہر ہے۔ بغداد کی طرف سے جائیں تو یہ حدودِ سواد کے آخر میں آتا ہے جو کہ صوبہ جبال سے متصل ہے۔ مصر میں اور نیشاپور کے پاس بھی اس نام کے شہر واقع ہیں (معجم البلدان: 290/2، ومعجم ما استعجم: 62/2)۔ آج کل حلوان ایران میں واقع ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق بہت قدیم شہر حلوان کوہستان زاگروس میں عقبۂ حلوان پر واقع ہے اور اب بالکل غیر آباد ہے۔ شہر کی جائے وقوع سرپل شہر کے جنوب میں ''حلوان چائے'' نامی ندی کے بائیں کنارے پر ہے۔ خلمانو (Khalmanu) کے نام سے یہ آشوری دور میں بھی موجود تھا۔ 437ھ/1046ء میں سلجوقیوں نے ابراہیم اینال کی سرکردگی میں حلوان کو جلا دیا۔ چند سال بعد زلزلے سے بھی اسے نقصان پہنچا۔ حلوان کا انجیر ''شاہ انجیر'' کہلاتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 551،550/8)

رضا مند ہو گئے۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہ مسلمان قصر ابیض میں داخل ہوئے اور اس فتحِ مبین پر اللہ کے حضور میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔ اس وقت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ آیات تلاوت کیں:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۣ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝﴾

”وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور شاندار محل، اور آرام کی چیزیں جن میں وہ عیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔“[1]

اسی قصر ابیض میں خسرو پرویز دوم نے نبی ﷺ کا نامۂ مبارک چاک کیا تھا اور پھر وہ نبی ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق یہیں قتل ہوا تھا، اور یہیں یزدگرد سوم اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قاصدوں کے مابین مکالمہ ہوا تھا۔ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا:

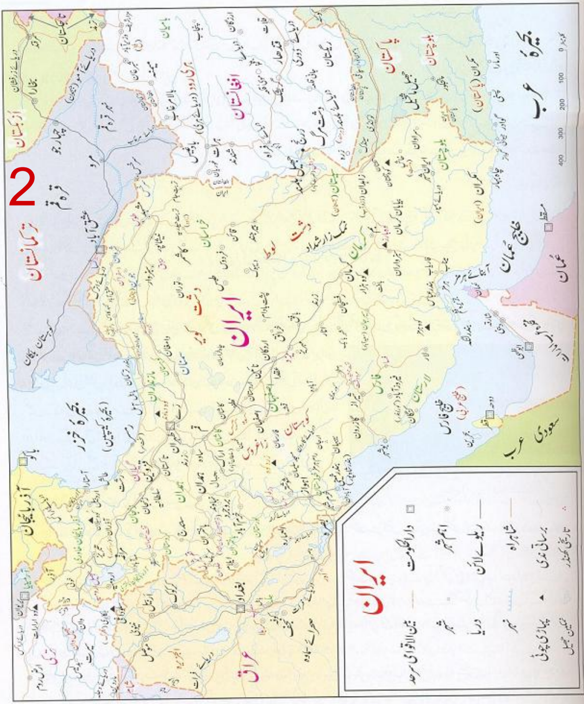
﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

”کہہ دیجیے: اے اللہ! اے تمام بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے، اور تو ہی جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہیں ایک سلام سے نمازِ فتح کی آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ قصرِ ابیض میں جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا، وہیں منبر رکھا گیا اور اسی قصر میں نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو اس سرزمین میں ادا کیا گیا۔ اس روز صفر 16 ھ کی 26 اور مارچ 637ء کی 29 تاریخ تھی۔

1 الدخان 44:25-28.

2 آل عمران 3:26.


ایران
ایران
عراق
افغانستان
ترکمانستان
ازبکستان
پاکستان
آذربائیجان
بحیرۂ خزر
خلیج فارس
خلیج عمان
بحیرۂ عرب
عمان
سعودی عرب
بغداد
دارالحکومت
اہم شہر
ریلوے لائن
شاہراہ
برساتی ندی
تاریخی کھنڈر
بین الاقوامی سرحد
شہر
دریا
نہر
پہاڑی چوٹی
نمکین جھیل

نقشہ 50

مسلمان بلادِ فارس میں داخل ہوتے ہیں

1

2

معرکۂ جلُولاء

(اول ذی قعدہ 16ھ / 24 نومبر 637ء)

اہلِ فارس کا نیا اجتماع

مدائن اور ہمدان [1] کے درمیان حربی شاہراہ تھی جو جلولاء [2] اور حلوان سے گزرتی تھی جبکہ یزدگرد نے سقوطِ مدائن کے بعد حلوان کو عارضی دارالحکومت بنالیا تھا۔ جلولاء، مدائن سے 150 کلومیٹر شمال مشرق میں تھا اور مہران بن بہرام رازی یہیں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہو کر خندقیں کھدوا رکھی تھیں۔ مدائن سے پسپا ہونے والا لشکر اور الباب، آذربائیجان اور کوہستان (جبال) اور اہواز کے مشرق میں واقع اندرون فارس کے علاقوں سے آنے والے امدادی لشکر اس کے زیرکمان جمع ہو چکے تھے۔ یوں ایرانیوں کو ہر روز نئی کمک پہنچتی رہی تھی۔



ہمدان (ایران) کا خوبصورت نظارہ

ہاشم بن عتبہ ؓ جنگ کی کمان کرتے ہیں

سپہ سالار سعد ؓ نے ہاشم بن عتبہ ؓ کی قیادت میں 12 ہزار مجاہدین روانہ کیے۔ مقدمۃ الجیش کی قیادت قعقاع بن عمرو ؓ کر رہے تھے۔

[1] **ہمدان:** ایران کا یہ شہر طہران کے جنوب مغرب میں (کوہ الوند کے دامن میں) واقع ہے۔ مملکت ماد (میڈیا) کے عہد (قبل مسیح) میں یہ اکبتانہ کہلاتا تھا۔ یہاں سلجوقی دور کے آثار ملتے ہیں۔ اس کی آبادی ایک لاکھ 75 ہزار ہے (المنجد في الأعلام)۔ یہ صوبہ ہمدان کا دارالحکومت ہے۔ منگولوں (تاتاریوں) نے 617ھ/1220ء میں ہمدان کو تاخت و تاراج کیا۔ 1789ء میں محمد خاں قاچار نے قلعہ ہمدان مسمار کرا دیا اور اس کے کھنڈر، جواب المصلیٰ کہلاتے ہیں، بیرونِ شہر موجود ہیں۔ یہاں مشہور طبیب بوعلی سینا کا مقبرہ بھی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 167,166/23)

[2] **جلُولاء:** عراق کا یہ شہر خانقین کے جنوب میں دجلۃ الایمن (دریائے دیالا) کے کنارے واقع ہے۔ ان دنوں اسے قزل رُباط کہتے ہیں (المنجد في الأعلام)۔ جلولاء دراصل ایک بڑی ندی ہے جو بعقوبا کی طرف بہتی ہے۔ اس کا نام جلولاء اس لیے رکھا گیا کہ یہ میدان مقتول ایرانیوں کی لاشوں سے بھر گیا تھا۔ جلولاء افریقیہ (تونس) کا ایک شہر بھی ہے جو قیروان سے 24 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (معجم البلدان: 156/2)

یہ لشکر چار دنوں میں جلولاء پہنچ گیا۔ سات ماہ میں ان کی ایرانیوں سے اسّی (80) لڑائیاں ہوئیں جن میں ہمیشہ مسلمان غالب رہے اور ہر بار ایرانیوں نے بھاگ کر خندقوں کے پیچھے پناہ لی۔

جلولاء، دجلہ کے معاون دریائے دیالا کے کنارے واقع تھا۔ اس کے دائیں جانب دفاعی استحکامات دریائے دیالا کی بدولت بہت مضبوط تھے۔ اور اس کے سامنے ایک بڑی وسیع اور گہری خندق حائل تھی جس سے کچھ فاصلے پر لکڑی کی شاخ دار رکاوٹیں نصب کی گئی تھیں تاکہ گھڑ سواروں کا حملہ روکا جا سکے۔ خندق کے درمیان آنے جانے کے لیے راستے چھوڑے ہوئے تھے۔

سقوطِ جلولاء

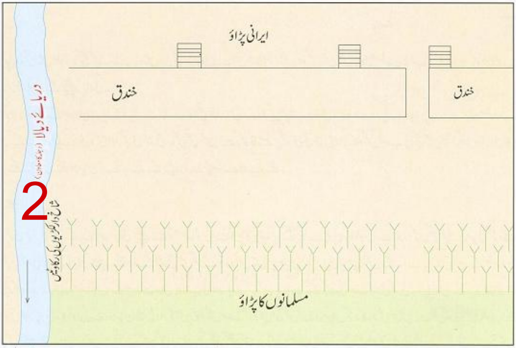
آخری خونریز معرکے کے بعد ایرانی پیچھے ہٹے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا کرتے ہوئے چوبی رکاوٹوں کے اندر انھیں گھیر لیا۔ درمیانی گزرگاہوں میں خونریز لڑائی ہوئی۔ ایرانی پیچھے ہٹتے ہوئے خندق میں گرے تو وہ اس میں سیڑھیاں بنا کر اپنی جانب نکل گئے۔ اب یہ خندق ان کے مضبوط دفاع کے لیے کارآمد نہ رہی۔ مسلمانوں نے صورتِ حال بھانپ لی اور پلٹ کر دشمن پر رات کے حملے کی صف بندی کر لی۔ ایرانیوں نے یہ دیکھا تو انھوں نے خندق اور چوبی رکاوٹوں کے درمیان شاخ دار آہنی رکاوٹیں نصب کر دیں اور ان کے درمیان گزرگاہ رکھی جہاں سے نکل کر وہ مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر سکتے تھے۔ اس دوران میں رات چھا گئی اور دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ مسلمان یورش کر کے خندق میں داخل ہونے کے راستے تک پہنچ گئے اور ایرانیوں کو پسپا ہو کر خندق میں چلے جانے سے روک دیا۔ ایرانی دائیں اور بائیں جانب ہٹے تو اپنی ہی نصب کردہ آہنی رکاوٹوں میں پھنستے چلے گئے۔ مسلمانوں نے انھیں چن چن کر قتل کیا۔ اس معرکے میں ایک لاکھ ایرانی ہلاک ہوئے۔ سقوطِ جلولاء فتح مدائن کے آٹھ ماہ بعد اول ذی قعدہ 16ھ/24 نومبر 637ء کو عمل میں آیا۔

سقوطِ حلوان

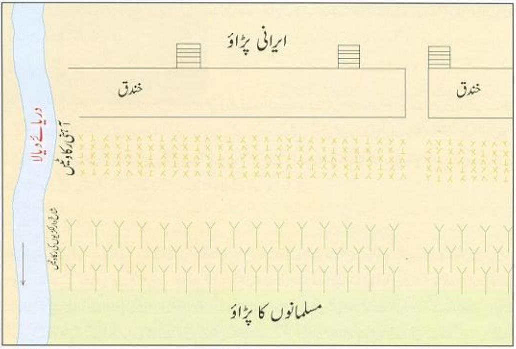
سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 3 ہزار مسلمان حلوان کی طرف روانہ کیے۔ راستے میں جلولاء اور حلوان کے درمیان خانقین کے مقام پر مہران کے لشکر سے تصادم ہوا جس میں مہران مارا گیا۔ اس دوران میں یزدگرد نے شمال مشرق میں رَے کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ حلوان کا سقوط قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ یہاں سے مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت ملا۔ یہ مالِ غنیمت مدینہ پہنچا تو اسے دیکھ کر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ کہیں اس سے مسلمان فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

جلولاء کے ارد گرد کی فتوحات

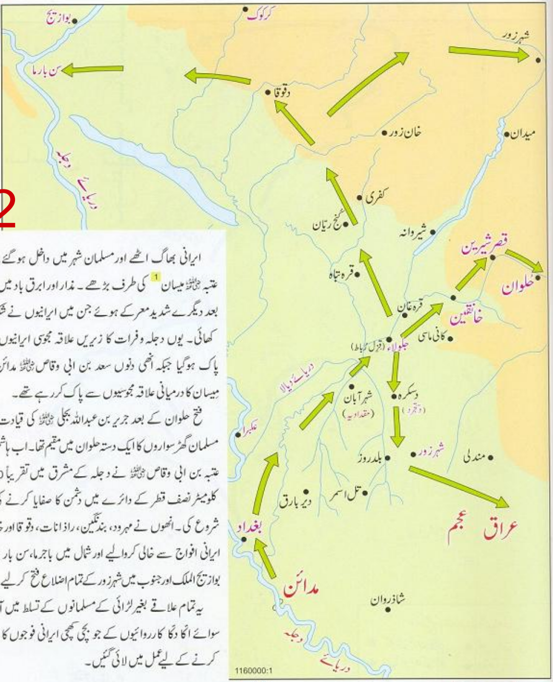
سعد رضی اللہ عنہ جب فتح بابل سے فارغ ہوئے تھے (ذی قعدہ 15ھ/ دسمبر 636ء) اس وقت سے قطبہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے نواح میں چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے سے ایرانیوں کو مصروف رکھا تھا۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اب عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو مامور کیا کہ وہ فارس کے دوسرے محاذ پر شریکِ جہاد ہوں اور وہاں کی ایرانی فوجوں کو روکے رکھیں تاکہ وہ معرکۂ مدائن میں حصہ نہ لے سکیں، اور جب مذکورہ محاذ پر ایرانیوں کا دفاع کمزور پڑے تو عتبہ آگے بڑھ کر اس علاقے کو فتح کر لیں۔ عتبہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ 500 تا 800 مجاہدین تھے۔ ان کے مقابلے میں نکلنے والے ایرانیوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس کے باوجود لشکرِ اسلام نے ایرانی فوج تباہ و برباد کر دی۔ پھر انھوں نے اُبلّہ کے دفاع پر مامور دستے کو شکست دی۔



نقشہ 51 معرکۂ جلولاء(1) اسلامی اور ایرانی لشکر آمنے سامنے



نقشہ 52 معرکۂ جلولاء(2)



ایرانی بھاگ اٹھے اور مسلمان شہر میں داخل ہوگئے۔ پھر عتبہ ؓ میسان [1] کی طرف بڑھے۔ مذار اور ابرق باد میں یکے بعد دیگرے شدید معرکے ہوئے جن میں ایرانیوں نے شکست کھائی۔ یوں دجلہ و فرات کا زیریں علاقہ مجوسی ایرانیوں سے پاک ہوگیا جبکہ انھی دنوں سعد بن ابی وقاص ؓ مدائن اور میسان کا درمیانی علاقہ مجوسیوں سے پاک کررہے تھے۔

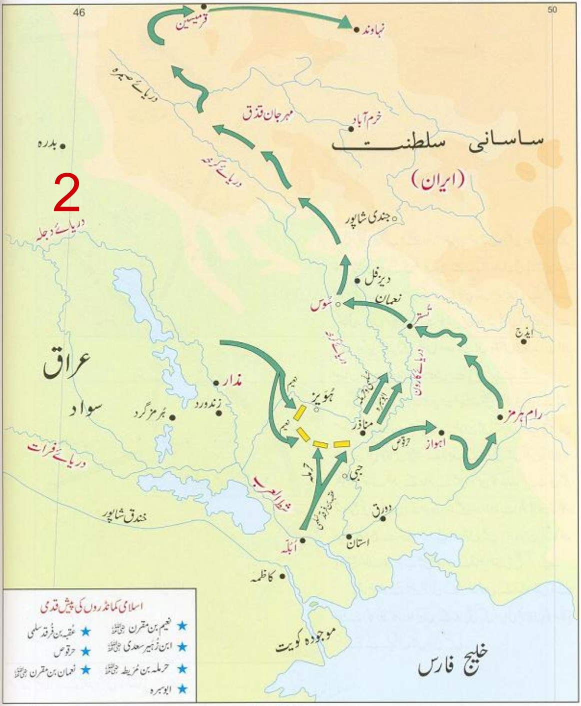
فتح حلوان کے بعد جریر بن عبداللہ بجلی ؓ کی قیادت میں مسلمان گھڑسواروں کا ایک دستہ حلوان میں مقیم تھا۔ اب ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ؓ نے دجلہ کے مشرق میں تقریباً 200 کلومیٹر نصف قطر کے دائرے میں دشمن کا صفایا کرنے کی مہم شروع کی۔ انھوں نے مہرود، بندنگین، راذانات، دقوقا اور خانگار ایرانی افواج سے خالی کروالیے اور شمال میں باجرما، سن بارما اور بوازیج الملک اور جنوب میں شہرزور کے تمام اضلاع فتح کرلیے۔

یہ تمام علاقے بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے تسلط میں آگئے سوائے اکا دکا کارروائیوں کے جو بچی کھچی ایرانی فوجوں کا صفایا کرنے کے لیے عمل میں لائی گئیں۔

نقشہ 53

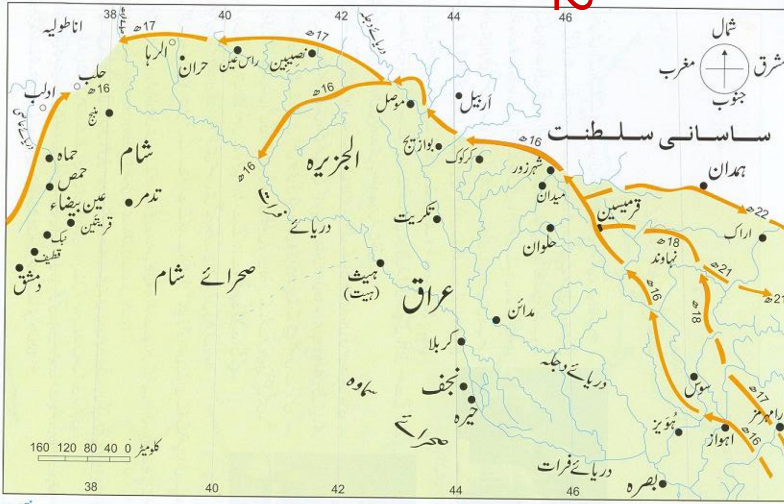
معرکۂ جلولاء کے بعد دشمن کا صفایا

[1] میسان: یہ مشرقی عراق کا ایک صوبہ ہے جو ایران کی حدود سے ملتا ہے۔ اس کا دارالحکومت العَمّارہ ہے (جو دریائے دجلہ پر واقع ہے۔) میسان کے اضلاع عمارہ، علی الغربی، میمونہ، قلعہ صالح اور المجرّ الکبیر ہیں۔ (المنجد في الأعلام)



نقشہ 54

اہواز اور کسکر کی فتح



نقشہ 55

22ھ تک اسلامی فتوحات کی توسیع (فارس اور شام کے محاذوں پر)

2

الجزیرہ اور آرمینیا کی فتوحات



موصل میں صدام مسجد

مدائن میں داخل ہونے کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر فتح کی بشارت دی، اموالِ غنیمت دربارِ خلافت میں ارسال کیے اور بقیہ بلادِ فارس فتح کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت نہ دی کیونکہ یہ بات بلاوجہ فتوحات کا دائرہ بڑھانے کی پالیسی کے خلاف تھی، تاہم انھوں نے مدائن کے اِردگرد جلولاء اور حلوان میں ایرانی جمگھٹوں کا صفایا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اسی دوران میں جب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک یہ خبریں پہنچیں کہ ایرانی مسلمانوں سے جنگ کے لیے نہاوند میں جمع ہو رہے ہیں تو انھوں نے اس خطرے کے سدّباب کے لیے جنگ کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کی اجازت عطا فرمائی، چنانچہ جیش سعد کے دستوں نے مختلف سمتوں میں پیش قدمی کی اور پوری ساسانی سلطنت فتح کرتے چلے گئے۔ درج ذیل سالاروں کی قیادت میں یہ واقعات اس طرح پیش آئے:



رقہ شہر کی فصیل

① عبداللہ بن معتم رضی اللہ عنہ: انھوں نے بکر بن وائل اور عنز بن وائل کے پانچ ہزار بہادروں کی معیت میں مدائن سے تقریباً 220 کلومیٹر شمال میں واقع تکریت فتح کیا۔ یہ واقعہ جمادی الاولیٰ 16ھ / جون 637ء میں پیش آیا۔ پھر عبداللہ بن معتم رضی اللہ عنہ نے ربعی بن افکل عنزی کی قیادت میں 4 ہزار مجاہدین آگے بھیجے جنھوں نے موصل [1] اور نینویٰ فتح کر لیے۔ یہاں دشمن کی فوجیں ایرانی اور رومی حلیفوں اور ان دونوں کے ماتحت عربوں پر مشتمل تھیں۔ [2]

② عمرو بن مالک بن عتبہ رضی اللہ عنہ: انھوں نے قرقیسیاء اور فرات کے کنارے واقع ہیت (ہیت) فتح کیے۔

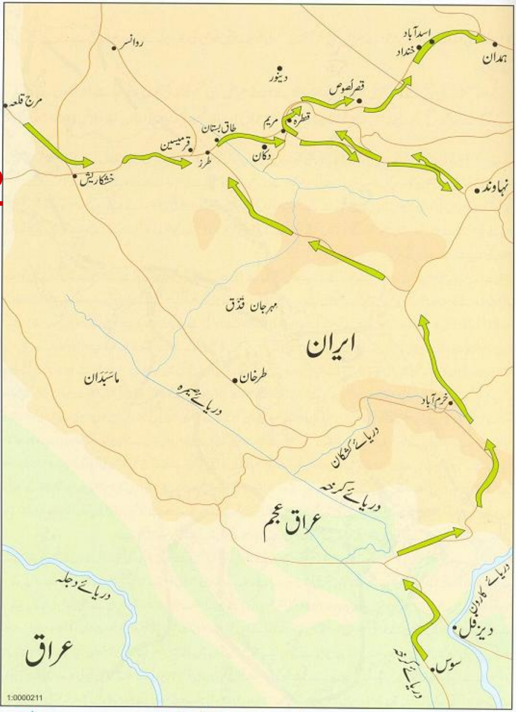
③ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ: ان کا 5 ہزار کا لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو کر درج ذیل علاقوں کی طرف بڑھا:

(ل) سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کا دستہ فِراض کے راستے فُرات کے کنارے واقع رَقّہ [3] پہنچا تو شہر والوں نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

[1] مُوصَل یا مَوصِل: یہ شہر شمالی عراق میں دجلہ کے کنارے واقع ہے اور صوبہ نینویٰ کا دارالحکومت ہے۔ اس کے قریب اشوری دارالحکومت نینویٰ کے کھنڈر ہیں۔ یہیں سے اتابکی زنگی خاندان (1127ء تا 1259ء) کی حکمرانی کا آغاز ہوا تھا۔ (المنجد في الأعلام)

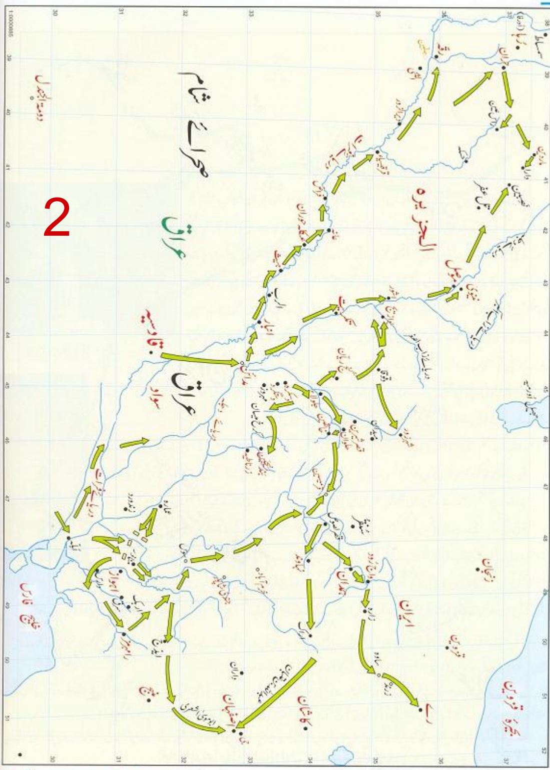
[2] اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل باطل کی اسلام سے دشمنی عہد قدیم سے چلی آ رہی ہے، چنانچہ اس وقت ایرانی اور رومی اپنے اختلافات اور باہمی دشمنی بھلا کر سب مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ اسی طرح آج بھی دشمنانِ اسلام نے مل کر اسلام کے خلاف صف آرائی کر رکھی ہے۔

[3] رقّہ: یہ شمالی شام میں ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ سلیوکیوں (یونانیوں) نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ ہارون الرشید نے اسے اپنا گرمائی دارالخلافہ بنایا تھا، اس لیے یہ مدینۃ الرشید کہلانے لگا۔ تاتاریوں نے اسے تیرھویں صدی عیسوی میں برباد کر دیا تھا۔ (المنجد في الأعلام)



نقشہ 56

نہاوند اور ہمدان کی طرف اسلامی عساکر کی پیش قدمی



نقشہ 57

اسلامی عساکر کی قادسیہ سے مدائن، اہواز، رے، اصفہان اور الجزیرہ کی طرف پیش قدمی

(ب) عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ نے موصل پہنچ کر نصیبین [1] کی طرف پیش قدمی کی جو دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ ان کی آمد پر اہلِ شہر نے صلح کر لی۔

(ج) رَقہ اور نصیبین کی فتح کے بعد سہیل رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دستے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی فوج سے جا ملے اور انھوں نے "رُہا" [2] اور حران [3] صلح کے ساتھ فتح کر لیے۔ اس کے بعد سمیساط، سنجار [4] (عراق)، میافارقین [5]، سروج، راس کیفا، ارض بیضاء، جسر منبج (شام)،

[1] نَصِیبِین: الجزیرہ (دجلہ وفرات کا درمیانی علاقہ) کا یہ تاریخی شہر جنوبی ترکی میں شامی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل سرحد پار شام کا شہر القامشلی ہے۔ شمالی عراق کے شہر موصل اور نصیبین کا درمیانی فاصلہ تقریباً اڑھائی سو کلو میٹر ہے۔ ماضی میں موصل سے شام جانے والے قافلے نصیبین سے گزرتے تھے۔ معجم البلدان کے مطابق نصیبین اور اس کی نواحی بستیوں میں 40 ہزار باغات تھے۔ شہنشاہ فارس نوشیروان ساسانی (متوفی 579ء) نے جب اس کا محاصرہ کیا تو شہر فتح نہیں ہوا تھا۔ اس نے طیرانشاہ سے بڑی تعداد میں بچھو منگوائے اور انھیں شیشے کی بوتلوں میں بھر بھر کر عرّادہ (منجنیق کی طرح کا آلہ) کے ذریعے سے شہر میں پھینکا تو اہل شہر ان بوتل بموں کی تاب نہ لا سکے اور شہر فتح ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے۔ جب عامل نصیبین نے شکایت کی کہ اہل شہر بچھوؤں کی کثرت سے مصیبت میں گرفتار ہیں تو معاویہ کے حسب الحکم بچھو مارنے کا معاوضہ مقرر کر دیا گیا، چنانچہ لوگ بچھوؤں کے درپے ہو گئے حتی کہ ان موذیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ (معجم البلدان: 289,288/5)

[2] اورفا (الرُّہا): ترکی کا یہ شہر سرحد شام کی طرف (فرات کی معاون ندی کے کنارے) واقع ہے۔ آبادی 2 لاکھ سے اوپر ہے، صوبائی صدر مقام ہے۔ اس کا قدیم عربی نام الرُّہا ہے۔ اس کا یونانی نام ایڈیسا ہے۔ 12 ویں صدی عیسوی میں اس پر صلیبی قابض رہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 406/10، المنجد في الأعلام)

[3] حَرّان (Carrhae): ماضی میں حران یا حاران ملک شام کی حدود میں شامل تھا۔ آج کل یہ ترکی میں اورفا کے جنوب میں ہے اور دریائے بلیخ کی معاون ندی جُلّاب پر واقع ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُور سے ہجرت کر کے حران پہنچے تھے۔ حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ اہل کلیسا نے اسے ہیلنو پولس (بت پرست شہر) کا نام دیا۔ عہد فاروقی میں عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں حران فتح ہوا۔ مروان ثانی اموی نے حران کو دار الخلافہ بنا لیا تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پوتے اور خلیفہ السفاح اور خلیفہ ابوجعفر منصور کے والد امام محمد بن علی کو خلیفہ مروان ثانی نے یہیں قید رکھا تھا اور وہ دو ماہ بعد طاعون سے وفات پا گئے تھے۔ مشہور طبیب ثابت بن قرہ اور ریاضی دان اور ماہر فلکیات ابوجعفر الخازن کا تعلق حران سے تھا۔ آج کل حران کی آبادی دس بارہ ہزار ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے حران، الجزیرہ (دیارِ مُضر) میں واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 62/8) اس کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران (حاران) کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے جو شہر بسا وہ حران تھا۔ (معجم البلدان: 235/2)

[4] سنجار: یہ اسی نام کے پہاڑ کے دامن میں شام کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ سنجار صوبہ نینویٰ میں ایک ضلعی صدر مقام ہے۔

[5] مَیّافارقین: یہ دیار بکر (ترکی) کا مشہور شہر ہے۔ اس کا نام ملکہ میّا بنت کے نام پر رکھا گیا جس نے شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ اہل فارس فارقین کو بارجین کہتے تھے (معجم البلدان: 235/5)۔ میّافارقین، دیار بکر کے شمال مشرق میں اور دریائے دجلہ کے معاون بطمان صُو سے 12 میل مغرب میں واقع ہے۔ اس کے دیگر نام مَفارقین اور فارقین ہیں۔ یونانی نام مارٹیرو پولس (Martyropolis یعنی شہر شہیداں) ہے کیونکہ اُسقف مروثا 410ء میں ایران کے مسیحی شہداء کی لاشیں لے کر یہاں پہنچا تھا۔ 362ھ/973ء میں یہاں کے حمدانی حکمران عبداللہ بن ناصر الدولہ نے اس شہر کے مضافات میں بازنطینیوں کو شکست دی۔ 581ھ/1185ء تا 658ھ/1260ء اس پر ایوبی سلاطین قابض رہے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی جس میں بازنطینی قصر کے ستون استعمال کیے گئے۔ 658ھ میں تاتاری شہزادہ یشموت نے میافارقین کا محاصرہ کر لیا۔ قحط پڑ جانے کے باعث شہر کو اطاعت قبول کرنی پڑی تو تاتاریوں نے ملک الکامل ایوبی کو بے رحمی سے قتل کر کے سر نیزے پر چڑھا کر دمشق کے بازاروں میں پھرایا۔ ایرانی صفویوں کے خلاف 921ھ/1515ء کی جنگ کوچ حصار کے بعد میافارقین کا علاقہ عثمانی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 982/21)



ماردین (ترکی) کے ایک مدرسہ کی چھت سے لیا گیا منظر

کفرتوثا، طور عبدین، ماردِین [1] (ترکی)، راس العین [2] (شام)، دارا، قُردیٰ، یازبدیٰ، زوزان، ارزن، بدلیس، خلاط (ترکی) اور عین حامضہ (آرمینیا) کی فتح عمل میں آئی۔ یہ فتوحات سن 17ھ/638ء میں عمل میں آئیں۔ یوں دیگر علاقوں کی نسبت الجزیرہ [3] کی فتوحات سب سے آسان تھیں۔

اس دوران میں یزدگرد شاہ نے اپنی سلطنت بچانے کے لیے آخری لشکر تیار کیا۔ نہاوند میں جمع ہونے والے اس لشکر کی نفری ڈیڑھ لاکھ تھی۔ اُدھر مسلمان کوفہ اور بصرہ سے روانہ ہوکر قرمیسین [4] میں اکٹھے ہوئے۔ ان کے سالار نعمان بن مُقرن مُزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ قرمیسین سے اسلامی فوج اب نہاوند کی طرف بڑھی۔ یہ پہاڑی پر واقع ایک قلعہ تھا جس تک پہنچنے کا راستہ اس کے پیچھے سے ہوکر جاتا تھا اور بظاہر اس قلعے کے ٹوٹنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی۔ ایرانی قلعے سے نکلتے، مسلمانوں سے لڑائی کرتے اور شکست کھا کر قلعے میں لوٹ جاتے تھے۔ اس دوران میں سردیاں شروع ہوگئیں اور مسلمانوں کی پوزیشن خطرے میں پڑ گئی۔ وہ قلعہ بند ایرانیوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے، لہٰذا انھوں نے یہ چال چلی کہ ایرانیوں سے جھڑپ کے بعد بظاہر ہزیمت اختیار کی جائے اور ان کے سامنے پسپا ہوتے ہوئے پیچھے کمین گاہ میں چلے آئیں۔ یہ چال طلیحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ کے فکر کا نتیجہ تھی، چنانچہ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ ایرانیوں کے مقابلے میں نکلے، خوب لڑائی کی، پھر انھوں نے بظاہر پسپائی اختیار کی اور کھلے میدان کی طرف لوٹ آئے۔ ایرانی دیکھ رہے

[1] ماردِین: یہ جبل الجزیرہ کی چوٹی پر مشہور قلعہ ہے۔ ماردین دراصل مَارِدٌ (سرکش) کی جمع ہے۔ عیاض رضی اللہ عنہ نے طور عبدین، حصن ماردین اور دارا صلح جوئی سے فتح کیے۔ (معجم البلدان:39/5)

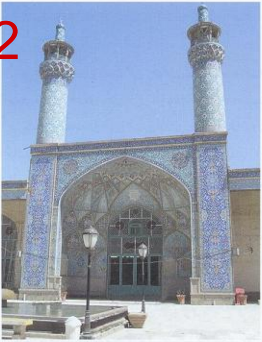
[2] راس العین: الجزیرہ کا یہ بڑا مشہور شہر حران، نصیبین اور ڈیسر کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان:13/3)۔ ان دنوں راس العین شام میں ترکی کی سرحد کے قریب ہے اور دریائے خابور اس سے کچھ دور بہتا ہے۔ (أطلس العالم)

[3] الجزیرہ: دجلہ اور فرات دو دریاؤں کے مابین واقع سرزمین کو یونانیوں نے میسوپوٹیمیا (Mesopotamia) کا نام دیا تھا جسے عربی میں مابین النہرین یا الجزیرہ کہا جاتا ہے۔ ماضی میں اس کا جنوبی حصہ سواد (عراق عرب) میں شامل تھا جبکہ وسیع تر شمالی حصے کو عراق سے الگ الجزیرہ کا نام دیا جاتا تھا۔ ان دنوں الجزیرہ عراق، شام اور ترکی تین ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک عام اصطلاح کے طور پر میسوپوٹیمیا سے وادئ دجلہ وفرات یا عراق مراد لیے جاتے ہیں۔ اسے عربی میں بلاد الرّافِدَین (دوآبی دھاروں یا دو دریاؤں کی سرزمین) بھی کہا جاتا ہے۔ یاقوت حموی لکھتا ہے: الجزیرہ عراق کا ایک معروف اور بڑا صوبہ ہے۔ دریائے دِجلہ اور فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ کہلایا۔ اس سرزمین میں کھجور بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے اہم شہروں میں حران، رُہا، رَقّہ اور نُصیبین شامل ہیں (معجم البلدان:134/2)۔ جاہلیت اور صدرِ اسلام میں الجزیرہ مشرق میں دیارِ ربیعہ، مغرب میں دیارِ مُضر اور شمال میں دیارِ بکر پر مشتمل تھا (المنجد في الأعلام)۔ موصل، سنجار، فلوجہ، حدیثہ، حبانیہ، تل عفار اور تکریت عراقی الجزیرہ کے مشہور شہر ہیں۔ دریائے نیل ازرق اور نیل ابیض کے درمیان واقع میدان بھی الجزیرہ کہلاتا ہے۔

[4] قَرمیسین (باختران): شمال مغربی ایران کا یہ شہر آج کل باختران کہلاتا ہے جبکہ ماضی میں اس کا نام قرمیسین (یا کرمانشاہ) تھا۔ یہاں معدنی تیل صاف کرنے کا کارخانہ ہے۔ باختران اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے (المنجد في الأعلام)۔ قرمیسین ''کرمان شاہان'' کا معرب ہے۔ یہ دِینَوَر کے قریب اور ہمدان سے 30 فرسخ پر ہے۔ شاہ قباذ بن فیروز نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ یہاں قصر شیریں اور ایک طاق تھا جس میں خسرو پرویز کے گھوڑے شبدیز اور ملکہ شیریں کے مجسمے نصب تھے۔ (معجم البلدان:330/4)

تھے، وہ مسلمانوں کی پسپائی سے دھوکا کھا گئے اور قلعے سے نکل آئے۔ جب وہ قلعے سے خاصے دور چلے آئے تو مسلمانوں نے کمین گاہ سے نکل کر اُن پر یکبارگی ہلا بول دیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ یوں ایرانیوں کے عظیم ترین لشکر کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا۔ نہاوند کا یہ سقوط جمعۃ المبارک 16 محرم 19ھ / 15 جنوری 640ء کو عمل میں آیا اور اس معرکے میں نعمان رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔

پھر مسلمانوں نے ہمدان کا رُخ کیا اور اس کے حکمران خسرو شُنُوم کو اپنا وہی حشر نظر آیا جو نہاوند کی سپاہ کا ہوا تھا۔ اس کے پاس اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ نہاوند کی سی ہزیمت سے بچ جاتا، لہٰذا اس نے فی الفور ہمدان اور دستبے مسلمانوں کے حوالے کر دیے، پھر ''ماہین'' والوں نے ان دونوں شہروں کی پیروی کی۔ اس طرح نہاوند کے بقیہ علاقے یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے۔


ہمدان کی ایک عالی شان مسجد


نصیبین (ترکی)


صوبہ باختران کا شہر ''روانسر''


ابراہیم خلیل اللہ مسجد (اُورفا، ترکی)

فتوحات کا دائرہ پھیلتا ہے

1

کوفہ سے طبرستان کی فتوحات

2

امیر المومنین عمر فاروق ؓ کے حکم پر مسلمانوں کے جیوش دور دور تک ایرانیوں کا تعاقب کرتے چلے گئے اور ایرانی ہر جگہ شکست سے دوچار ہوئے۔ یہ فتوحات دو محاذی خطوط میں حاصل ہوئیں۔ ایک کا مرکز کوفہ تھا اور دوسرے کا بصرہ۔



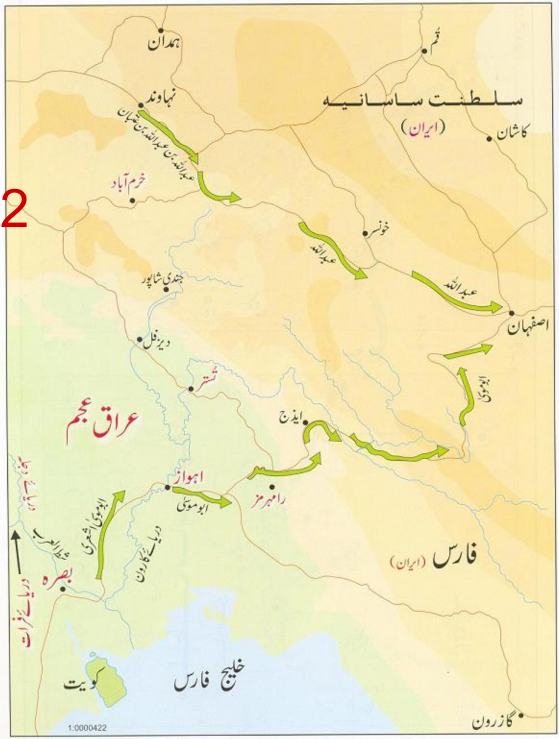
بصرہ کی ایک مسجد کا منظر

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری ؓ بڑے دلیر سردار اور کوفہ میں مقیم اشراف صحابہ میں سے تھے۔ وہ کوفہ سے مدائن ہوتے ہوئے نہاوند پہنچے تھے جہاں انھیں اہواز کے راستے آنے والی کمک مل گئی تھی جس کی قیادت ابوموسیٰ اشعری ؓ کر رہے تھے۔ نہاوند سے ان سب نے اصفہان کا رُخ کیا جو صوبہ جبال یا عراق عجم کا دارالحکومت تھا۔ اصفہان 21ھ/641ء میں فتح ہوا۔ (نقشہ 58) وہاں سے لشکر اسلام نے کرمان کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں سہیل بن عدی ؓ اپنے لشکر کے ہمراہ آن ملے۔

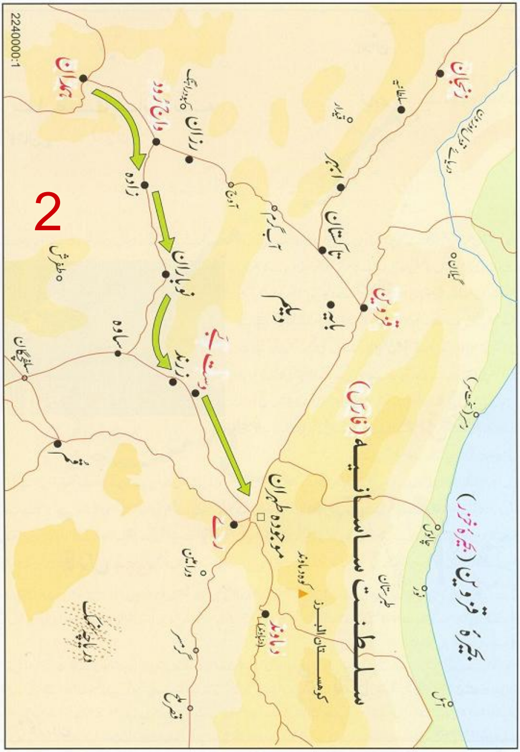
اس دوران میں ہمدان والوں نے عہد شکنی کی تو عمر ؓ نے نُعَیم بن مُقرِن کو ادھر روانہ کیا۔ اہل ہمدان نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیے تو انھوں نے واج رود کا رُخ کیا۔ پھر دستبے کی طرف بڑھے (نقشہ 59)۔ صوبہ فارس کے گورنر زنبدی نے نُعیم کی اطاعت کر لی اور وہ اسے ہمراہ لیے رَے [1] کی طرف گامزن ہوئے۔ جبالِ رے کے دامن میں خونریز معرکہ برپا ہوا۔ ایرانی لشکر کی قیادت سیاوش کر رہا تھا۔ زنبدی نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور انھوں نے رے میں داخل ہو کر اسے فتح کر لیا۔ پھر دنباوند [2] والوں نے مسلمانوں کے شہر میں داخل نہ ہونے اور جزیہ دینے کی شرائط پر نعیم بن

[1] رَے: یہ شمالی ایران کا تاریخی شہر ہے۔ طہران کے نواح میں اس قدیم شہر کے کھنڈر واقع ہیں جسے منگولوں (تاتاریوں) نے 1220ء میں برباد کر دیا تھا۔ ہارون الرشید رَے میں پیدا ہوا تھا۔ بہت سے علماء کا تعلق رَے سے تھا جن میں طبیب ابوبکر محمد رازی اور امام فخر الدین رازی شامل ہیں۔ رَے کی آبادی ان دنوں تقریباً ایک لاکھ ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[2] دُنباوند: رے کے نواح میں دو تین فرسخ پر ایک پہاڑ ہے۔ اسے دُباوند بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی گھاٹیوں میں ایرانی بادشاہوں کے محلات کے آثار ہیں۔ اس بلند و بالا پہاڑ کی برف گرمی اور سردی میں کبھی نہیں پگھلتی۔ اس کے دامن سے ایک نہر نکلتی ہے جس میں زرد گندھک کی آمیزش ہے۔ عجم کے جُہلاء کہتے ہیں کہ یہ ضحاک بیوراسف (بادشاہ) کا پیشاب ہے اور اس کے 70 دہانوں سے نکلنے والا گندھک آمیز دھواں اس کے سانس کا دُھواں ہے۔ حضرت عثمان ؓ کے عہد میں سعید بن عاص نے دنباوند اور رویان فتح کیے (معجم البلدان: 476/2)۔ آج کل اسے دماوند کہتے ہیں۔ اس کی بلندی 5599 میٹر ہے۔ اس کا جنوبی دامن اہلِ طہران کے لیے گرمائی مقام ہے۔ (المنجد في الأعلام)



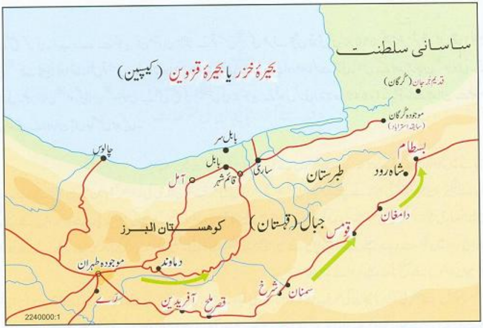
نقشہ 58 ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کے ہاتھوں اصفہان کی فتح



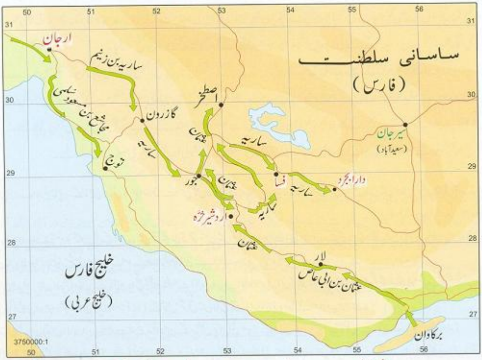
نقشہ 59

ہمدان سے رَے کی فتح

2



نقشہ 60
رے سے قومس، بسطام اور جرجان کی فتح



نقشہ 61
فتح اصطخر......ساریہ بن زنیم، عثمان بن ابی عاص اور مجاشع بن مسعود کی پیش قدمی

مقرن سے صلح کر لی۔ اب رے سے سُوَید بن مقرن رضی اللہ عنہ نے قومس [1] کی طرف پیش قدمی کی جو 350 کلومیٹر مشرق میں تھا (نقشہ 60) اور خراسان [2] تک پھیلا ہوا تھا۔ اہلِ قومس نے 22ھ/642ء میں ہتھیار ڈال دیے اور مصالحت کر لی۔ اس کے بعد جرجان [3] والوں نے صلح کی روش اختیار کی۔ طبرستان [4] اور گیلان [5] والوں نے بھی صلح کی پیشکش کی جو سُوَید نے قبول کر لی (22ھ/642ء)۔ یہ فتوحات ہمدان سے طبرستان کی طرف پیش قدمی کے دوران میں حاصل ہوئیں۔

2

1 قومس: رے اور نیشاپور کے مابین جبال کا نچلا علاقہ ہے جس میں دامغان، بسطام اور بیار کے شہر واقع ہیں۔ بعض اس میں سمنان کو بھی شامل کرتے ہیں۔ (معجم البلدان: 415,414/5)

2 خراسان: دریائے آمو (جیحون) کے جنوب میں قدیم علاقہ تھا جس میں نیشاپور، ہرات، بلخ اور مرو کے شہر واقع تھے۔ ان دنوں یہ خطہ ایران، افغانستان اور ترکمانستان میں بٹا ہوا ہے جبکہ مشرقی ایران کے صوبے کا نام خراسان ہے۔ (المنجد في الأعلام)

3 جُرجان: یہ طبرستان اور خراسان کے مابین واقع مشہور شہر ہے (المنجد في الأعلام)۔ اس کا قدیم نام ورکانا اور پھر گرگان تھا جو معرب ہو کر جُرجان بن گیا۔ قرونِ وسطیٰ کا گرگان موجودہ شہر گرگان (پرانا استرآباد) کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 537/2)

4 طبرستان: یہ ان دنوں مازندران کہلاتا ہے جو بحیرۂ قزوین کے ساحل پر ایرانی صوبہ ہے۔ اس کا دارالحکومت بابُل ہے۔ (المنجد في الأعلام)

5 گیلان (عربی میں ''جیلان''): یہ بحیرۂ قزوین (خزر) کے جنوب میں ایران کا ایک صوبہ ہے۔ اس کا دارالحکومت رشت ہے۔ اس کا پہاڑی علاقہ دیلم کہلاتا ہے۔ یہاں کا ریشم مشہور ہے (المنجد في الأعلام)۔ مشہور بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اسی شہر سے منسوب ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 924/12)

2

کوفہ سے آذربائیجان کی فتوحات

اسی زمانے میں دو اور عساکر آگے بڑھ رہے تھے جنھوں نے آذربائیجان کی فتوحات میں حصہ لیا۔

① حلوان سے بُکَیر بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ نے پہلے گرمیدان [1] اور پھر اردبیل کی طرف پیش قدمی کی۔ ادھر نُعَیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے رے سے سماک بن خَرشہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بکیر بن عبداللہ کی مدد کو بھیجا۔ راستے میں بکیر کا آمنا سامنا رستم کے بھائی اسفندیار سے ہوا۔ اس سے پہلے نُعیم رضی اللہ عنہ اسے واج رود میں شکست دے چکے تھے، اب اس نے بکیر رضی اللہ عنہ سے شکست کھائی۔ بکیر اسفندیار کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے اور اس نے آذربائیجان والوں سے صلح نامہ طے کروانے میں تعاون کیا۔

② دوسرا لشکر موصل سے مغربی آذربائیجان کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی قیادت عتبہ بن فرقد کر رہے تھے۔ عتبہ نے راستے میں بہرام بن فرخ زاد کو شکست دی۔ اس سے فارغ ہو کر عتبہ، اردبیل [2] میں بکیر سے جا ملے اور آذربائیجان ان دونوں کے آگے مطیع ہوتا چلا گیا۔

اس کے بعد بکیر بن عبداللہ، سراقہ بن عمرو انصاری اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے الباب، یعنی شہر دربند کا رُخ کیا جو بحیرۂ خزر (قزوین) کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ انھوں نے مل کر الباب فتح کیا اور اس کے حکمران شہر براز نے ان کی اطاعت کر لی (22ھ/642ء)۔ پھر سراقہ بن عمرو رحلت فرما گئے اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے لے لی۔ دریں اثناء بکیر بن عبداللہ نے آگے بڑھ کر موقان فتح کر لیا۔

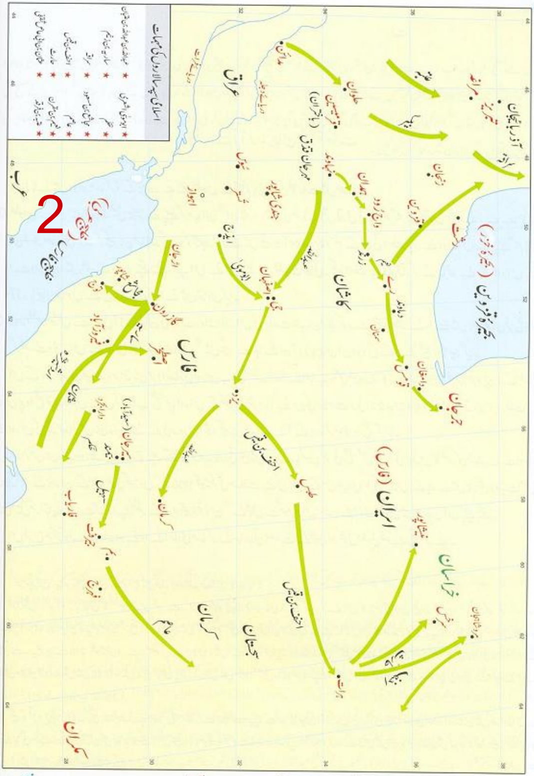
عبدالرحمٰن بن ربیعہ دور تک جہاد کرتے چلے گئے حتیٰ کہ عہدِ فاروقی ہی میں ان کے ہاتھوں بلنجر کی فتح عمل میں آئی جبکہ ان کا لشکر کسی خسارے سے دوچار نہ ہوا۔ بلنجر کے بعد ان کے سفید عربی گھوڑوں نے 1100 کلومیٹر کی مسافت طے کی۔ ان کے اس جہادی سفر کی تفصیل کے بارے میں تاریخی روایات ہمیں نہیں ملتیں مگر اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ بحیرۂ قزوین [3] کے شمال سے گھوم کر اس سمندر کے جنوب مشرق میں جرجان آن پہنچے تھے۔

اس طرح مرکز کوفہ سے روانہ ہونے والے اسلامی عساکر نے ساسانی سلطنت کے شمالی اور شمال مغربی صوبے فتح کر لیے۔

[1] گرمیدان: یہ شہر غالباً ہمدان کے نواح میں تھا۔ (معجم البلدان: 129/2)

[2] اردبیل: یہ آذربائیجان کا مشہور ترین شہر ہے۔ اسے شاہ فیروز (ساسانی) نے آباد کر کے اس کا نام آبادان فیروز (فیروز آباد) رکھا تھا (معجم البلدان: 145/1)۔ ایران کا یہ شہر صوبہ مشرقی آذربائیجان میں ''قرہ صو'' کی ایک معاون ندی پر آباد ہے۔ (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ) اردبیل ضلع شہرستان کا صدر مقام ہے۔ یہ تبریز سے 210 کلومیٹر دور ہے۔ مغلوں نے 1220ء میں اسے برباد کر دیا۔ 1499ء میں اسمٰعیل صفوی نے یہاں صفوی حکومت کی بنا ڈالی۔ نادر شاہ نے میدان مغان نزد اردبیل میں 1736ء میں تاجِ شاہی پہنا۔ اردبیل میں شاہ اسمٰعیل، شاہ طہماسپ، اسمٰعیل ثانی، شاہ محمد خدا بندہ اور عباس اول کے مقبرے ہیں۔ (اُردو دائرہ معارف اِسلامیہ: 318/2)

[3] بحیرۂ قزوین: یہ ایک خشکی بند سمندر ہے جو (سطحِ سمندر سے 92 فٹ نیچے ہے اور) ایران، آذربائیجان، روس، قازاقستان اور ترکمانستان میں گھرا ہوا ہے۔ اسے دنیا کی سب سے بڑی جھیل بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا پُرانا نام بحیرۂ خزر ہے (المنجد في الأعلام)۔ اسے ماضی میں بحیرۂ طبرستان بھی کہا جاتا تھا۔ بحیرۂ قزوین کو انگریزی میں کیسپین (Caspian) کہتے ہیں۔



نقشہ 62

فارس، کرمان، بجستان ومکران اور خراسان کی فتوحات

3

بصرہ سے فارس وکرمان کی فتوحات

مشرق، شمال مشرقی اور جنوبی ایران کی فتوحات بصرہ کے مرکز سے عمل میں لائی گئیں۔ فارس ساسانی سلطنت کا اصل علاقہ تھا۔ یہ سلطنت چار صدیوں کے اندر اہواز کے اردگرد ایک طرف عراق، الجزیرہ، آرمینیا اور آذربائیجان تک اور دوسری طرف کرمان، بجستان (سیستان) اور خراسان تک پھیل گئی تھی۔ نیز فارس کے کوہستانی محل وقوع کے باعث اس کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ اس کے طول وعرض میں بکثرت قلعے تھے حتی کہ اِصْطَخری نے ذکر کیا ہے کہ فارس میں 5 ہزار سے زیادہ قلعے تھے جن کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے دفتر درکار ہیں۔ فارس درج ذیل اقالیم میں منقسم تھا:

① اَرّجان [1]: یہ وسعت کے لحاظ سے فارس کی تیسری اقلیم تھی جو اہواز کے برابر واقع تھی۔

② اردشیر خرّہ: یہ اقلیم خلیج فارس کے ساحل پر تھی اور وسعت میں فارس کی دوسری بڑی اقلیم تھی۔ اس کا دارالحکومت "جور" (موجودہ فیروزآباد) تھا۔

③ دراب کرد (درابجرد) [2]: اس کا دارالحکومت دراب کرد شہر تھا۔ اس اقلیم میں سب سے بڑا شہر فسا [3] تھا۔

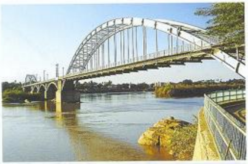
④ اصطخر [4]: یہ صوبہ فارس کی سب سے بڑی اقلیم تھی۔ اس میں بڑی تعداد میں شہر اور نواحی بستیاں تھیں۔

[1] اَرّجان: یہ ایک بڑا شہر ہے جو اہواز اور شیراز کے درمیان دونوں سے 60 فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بنیاد نوشیروان عادل کے باپ قباد بن فیروز نے رکھی تھی۔ اس نے رومیوں کے زیر قبضہ میا فارقین اور آمد فتح کر کے ان دونوں شہروں کے قیدیوں کو ایران لا کر ایک نیا شہر بسایا اور اس کا نام "ابرقُباذ" رکھا جو اب "ارّجان" کہلاتا ہے (معجم البلدان:142/1)۔ صوبہ فارس کے اس شہر کے کھنڈر بہبہان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی میں اسماعیلیوں کے خلاف جنگوں میں اَرّجان تباہ ہوگیا تھا۔ (المنجد في الأعلام)

[2] دراب کرد: یہ شیراز سے 50 فرسخ پر (جنوب مشرق میں) ہے۔ اسے دراب بن فارس نے آباد کیا تھا۔ (معجم البلدان:446/2)

[3] فسا: اس کا اصل عجمی نام "بسا" ہے جس کے معنی ہیں بادِ شمال۔ فسا ضلع دراب کرد کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ شیراز اور دراب کرد شہر کے درمیان شیراز سے 27 فرسخ پر ہے۔ (معجم البلدان:260/4)

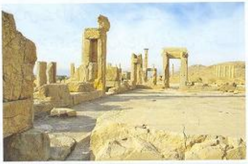
[4] اِصطخر (پارسہ گرد): ایران کا یہ قدیم شہر اس سے بھی قدیم شہر پرسی پولس کے کھنڈروں سے تعمیر کیا گیا تھا (المنجد في الأعلام)۔ یونانی نام پرسی پولس کو فارسی میں تختِ جمشید کہا جاتا ہے۔ اس کے کھنڈر صوبہ فارس میں شیراز کے شمال مشرق میں 66 کلومیٹر کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں (اطلس القرآن (اردو)، ص:174) اصطخر کا پہلوی نام سَتَخر یا اِسطَخُر ہے۔ غالبًا ہخامنشی دارالحکومت پرسی پولس کے زوال (سکندر اعظم کے حملے کے باعث) پر تھوڑے ہی دنوں بعد اس کی بنیاد رکھ دی گئی جس کے لیے پرسی پولس کے کھنڈر پتھروں کی کان بن گئے۔ ساسانی اصطخر کے علاقے ہی سے آئے تھے، چنانچہ اردشیر اول کا دادا ساسان اسی شہر کی دیوی اَناہید کے آتش کدہ کا نگران تھا۔ ساسانی بادشاہ مقتول دشمنوں کے سر، جن میں عیسائی شہداء بھی شامل تھے، اس شہر کی فصیل پر لٹکا دیتے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ:832/2) تخت جمشید پارسہ گرد (Pasargade) سے چالیس کلومیٹر دور ہے۔ پارسہ گرد (اصطخر) جو کہ تخت جمشید کے شمال میں ہے، دشت مرغاب میں واقع ہے۔ ہخامنشی حکمران داریوش اول نے 512 ق م کے لگ بھگ بیابان مرودشت میں ایک عظیم چٹان (کوہ رحمت) پر تخت جمشید تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں جشن نوروز بڑی شان وشوکت سے منایا جاتا تھا۔ اس کے نزدیک جو شہر کو چک (قصبہ) آباد ہوا اسے پارسہ (یا "پارسہ گرد") کہا جاتا تھا جسے یونانی زبان میں بہشت کے معنی میں Paradaisa کہا جاتا تھا۔ یورپی زبانوں میں اور انگریزی میں اسے Paradise کہا گیا اور عربی میں اس لفظ نے "فردوس" کی شکل اختیار کر لی۔
("تخت جمشید" از مہرداد بہار۔ "نشر چشمہ" خیابان کریم خاں زند، تہران)



دریائے کارون پر سفید پل (اہواز)



شیراز کا خوبصورت تاریخی دروازہ



ہفتۂ طلائی (اصطخر) کے کھنڈر



کرمان کی ایک تاریخی مسجد

⑤ شاپور: یہ فارس کی سب سے چھوٹی اقلیم تھی۔ اسے شہرستان بھی کہتے ہیں۔

ایرانی فوجیں تُوَّج میں جمع ہو کر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں مگر مسلمانوں نے ان کو نظر انداز کرتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ فارس کی فتح کے لیے تین جیوش مخصوص کیے گئے تھے۔ ان تینوں لشکروں نے تین سمتوں میں اکٹھے پیش قدمی کی اور جہاں کہیں ایرانی فوجی اجتماعات تھے، ان سے کترا کر آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ اقلیم اول ارّجان کو بغیر لڑائی کے صلح کے ساتھ فتح کر لیا۔

مجاشع بن مسعود سُلمی، شاپور اور اردشیر خرہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس دوران میں فتحِ ارّجان کی خبریں تُوَّج میں جمع ہونے والے ایرانیوں کے پاس پہنچیں تو وہ خوفزدہ ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ ہر گروہ نے بچاؤ کے لیے اپنے اپنے وطن کی راہ لی۔ یہ ان لوگوں کی پہلی شکست تھی۔ اس اثناء میں مجاشع بن مسعود تُوَّج جا پہنچے اور انھوں نے بچے کھچے ایرانیوں کو مار بھگایا۔

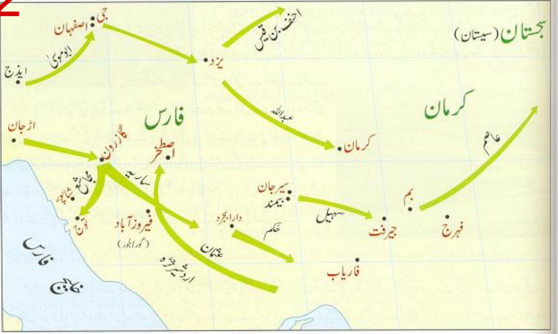
عثمان بن ابی العاص ثقفی بحرین کی طرف سے سمندری راستے سے حملہ آور ہوئے۔ ان کے پاس قبائل عبدالقیس، ازد، تمیم اور بنوناجیہ وغیرہ کا بہت بڑا لشکر تھا۔ انھوں نے جزیرہ برکاوان کی لڑائی میں فتح حاصل کی اور وہاں سے راجح قول کے مطابق 23ھ/643ء میں تُوَّج پر دھاوا بولا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کا لشکر اردشیر خرہ کے ساحل پر حملہ آور ہوا تھا اور وہاں سے انھوں نے اصطخر کا رُخ کیا تھا۔ اصطخر کی ایرانی فوج سے ان کا تصادم ''جُور'' کے مقام پر ہوا۔ عثمان ثقفی نے ایرانیوں کو شکست دے کر انھیں تتر بتر کر دیا۔ اس معرکے میں ایرانی سپہ سالار شَہرَک مارا گیا۔

ساریہ بن زنیم کنانی نے فسا اور دراب گرد کی طرف پیش قدمی کی اور ان دونوں کو فتح کر لیا۔

یوں مجاشع بن مسعود، عثمان بن ابی العاص ثقفی اور ساریہ بن زنیم کنانی اسلام کے وہ تین سپہ سالار تھے جن کے ہاتھوں اقلیم فارس کی فتح عمل میں آئی۔

بصرہ سے کرمان کی فتوحات (نقشہ 60)

سہیل بن عدی اپنا لشکر لیے کرمان [1] کی طرف چلے تھے۔ ان کے مقدمۃ الجیش کے سالار نُسیر بن عمرو عجلی تھے۔ اس دوران میں عبداللہ بن عبداللہ بن عِتبان اصفہان کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے، لہٰذا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں سہیل کی مدد کو روانہ کیا۔ ادھر نُسیر نے صوبہ کرمان کی حدود میں ایرانی لشکر کو شکست فاش دی۔ تب سہیل جیرفت [2] کی طرف روانہ ہوئے جبکہ عبداللہ نے صحرا کے راستے پیش قدمی کی۔ تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مجاشع بن مسعود سُلمی نے عہد عثمانی میں فتح کرمان کی تکمیل کی۔ (30ھ/650ء)



نقشہ 63

فارس، کرمان اور سجستان کی فتوحات

1 کرمان: وسطی ایران کا یہ شہر اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے۔ یہاں کی تاریخی مساجد اور قالین مشہور ہیں (المنجد في الأعلام)۔ صوبہ کرمان کے مغرب میں صوبہ فارس، شمال میں یزد اور خراسان، مشرق میں بلوچستان وسیستان اور جنوب میں ہُرمزگان واقع ہیں۔ کرمان شہر ریل کے ذریعے سے یزد، اصفہان، کاشان اور قم سے ملا ہوا ہے۔ (دیکھیے مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

2 جیرَفت (سبزواران): یہ صوبہ کرمان کا ایک بڑا شہر ہے اور کھجور کی پیداوار کے لیے مشہور ہے (معجم البلدان: 198/2)۔ جیرفت، کرمان کا ایک ضلع ہے، اس نام کا شہر بام کے جنوب مغرب میں ہے۔ منگول دور اور بعد کی طوائف الملوکی میں اسے بہت نقصان پہنچا۔ پرانے شہر کے کھنڈر موجودہ قصبہ سبزواران کے پاس ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 572/7)

4

بصرہ سے سجستان ومکران اور خراسان کی فتوحات

سجستان کی فتح

راجح قول کے مطابق سجستان (سیستان) ربیع بن زیاد بن انس حارثی کے ہاتھوں 30ھ/650ء میں فتح ہوا جنھیں عبداللہ بن عامر نے مامور کیا تھا جبکہ وہ خود خراسان پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے۔ ربیع بن زیاد حارثی نے پہلے فہرج [1] فتح کیا، پھر وہ تقریباً 415 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے حصن زالق جا پہنچے جو سیستان سے تقریباً 28 کلومیٹر پیچھے تھا۔ حصن زالق سے انھوں نے قصبہ ''کرکویہ'' کا رُخ کیا جو آگے 9 کلومیٹر کی مسافت پر تھا۔ اس کے بعد وہ رستاق ہیسون اور ہندمند [2] فتح کرتے ہوئے وادئ نوق پار کرکے زوشت پر حملہ آور ہوئے اور اہل شہر کو شکست دی، پھر ناشرود میں لڑائی ہوئی اور مسلمان فتح یاب رہے۔ اس کے بعد ربیع کے لشکر نے شرواد فتح کرکے زرنج [3] کا جا محاصرہ کیا۔ اہل شہر نے صلح کرلی، پھر وہ سنارود پار کرکے قریتین تک فاتحانہ گئے اور اس کے بعد زرنج لوٹ آئے۔



دریائے ہندمند (ہلمند)

مکران کی فتح

مکران ان دنوں ریاست سندھ میں شمار ہوتا تھا۔ حَکَم بن عمرو تغلبی نے مکران کی طرف پیش قدمی کی۔ اس دوران میں پہلے شہاب بن مخارق اور پھر سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان حَکَم سے آن ملے۔ مہاراجہ سندھ کے بھیجے ہوئے لشکر سے ان کا ٹکراؤ ہوا اور انھوں نے ہنودِ سندھ کو شکست فاش دی۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے ان کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔

1 فَہرَج: یہ شہر یزد کے جنوب مشرق میں یزد کرمان ریلوے لائن پر واقع ہے۔ یاقوت حموی کے بقول ''فہرج یزد سے 5 فرسخ پر ہے۔'' (معجم البلدان: 281/4)

2 ہِند مَند: یہ عربوں کا دیا ہوا نام ہے، اصل نام ہلمند ہے۔ اصطخری لکھتا ہے: ''ہندمند (ہلمند) سجستان (سیستان) کا سب سے بڑا دریا ہے جو علاقہ غور کے عقب سے نکلتا ہے اور داور اور بُست کے پاس سے گزرتا ہوا سجستان کے نواح میں بہتا ہے'' (معجم البلدان: 418/5)۔ ہلمند افغانستان کا طویل ترین دریا ہے۔ یہ ہندو کش کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب مغرب میں 1125 کلومیٹر تک بہتا ہے حتی کہ ایران افغانستان سرحد کے قریب اس کا پانی دلدلی زمین (ہامون ہلمند) میں جذب ہو جاتا ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 655)۔ آج کل ہندمند یا ہلمند نام کا کوئی قصبہ نہیں، البتہ ہلمند دریا معروف ہے۔

3 زَرَنج: سیستان (افغانستان) کا یہ قصبہ دریائے ہلمند کے دہانے کے قریب نمکین پانی کی جھیل (ہامون ہلمند) کے کنارے واقع ہے۔ (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

فتح خراسان

خراسان کی فتح پر احنف بن قیس ؓ مامور ہوئے تھے۔ اس کی فتح بڑی اہمیت رکھتی تھی کیونکہ یہ شکست خوردہ یزدگرد شاہ کا آخری مستقر تھا۔ گویا خراسان کا سقوط دولت ساسانیہ کے زوال اور اختتام کی علامت تھا۔ یزدگرد شاہ اب مرو [1] میں مقیم تھا جو اس کی مملکت کی آخری حدود میں واقع تھا اور اس پر مسلمانوں کے قبضے کا مطلب یہ تھا کہ ساسانی سلطنت کے بچاؤ کی آخری جنگ تمام ہوگئی۔


مسجد شیخ لطف اللہ (اصفہان)

خراسان کی طرف عساکر اسلام کی توجہ ان فتوحات کا بدیہی نتیجہ تھی جو مسلمانوں کو ایران میں مغرب سے مشرق تک حاصل ہوئی تھیں۔ احنف بن قیس ؓ امیر المومنین فاروق اعظم ؓ کے حکم پر بصرہ سے اپنا لشکر لے کر چلے (21ھ/641ء) اور مہرجان قُذَق، [2] اصفہان [3] اور طبس سے ہوتے ہوئے ہرات [4] (افغانستان) پر حملہ آور ہوئے۔ ہرات فتح کر کے انھوں نے درج ذیل کارروائیاں کیں:

① مطرِّف بن عبداللہ بن شِخِّیر کو نیشاپور [5] کی طرف بھیجا۔ مطرف کی راستے میں دشمن سے

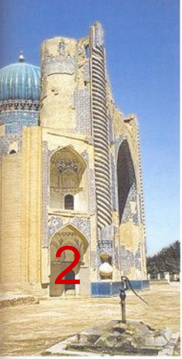
[1] مَرْو (مروشاہجان): ترکمانستان کا یہ شہر دریائے مُرغاب کے اختتام پر واقع ہے جہاں یہ دریا، دریائے آمو سے آنے والی نہر قراقم میں گرتا ہے۔ ان دنوں مرو شہر "ماری" کہلاتا ہے۔ ابو مسلم خراسانی نے یہیں سے عباسی خلافت کے قیام کے لیے تحریک شروع کی تھی (المنجد في الأعلام)۔ عرب جغرافیہ دان اسے "مروشاہجان" کہتے تھے تاکہ مرورُود سے اس کا فرق ظاہر ہو سکے جو بالائی مرغاب کے کنارے (افغانستان میں) ایک چھوٹا سا قصبہ تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 481/20)۔ مروشاہجان خراسان کے شہروں میں مشہور ترین ہے۔ مرو اور نیشاپور کے درمیان 70 فرسخ کا فاصلہ ہے۔ یہاں بریدہ بن حُصیب اسلمی ؓ نے جہاد کیا تھا اور یہیں ان کی قبر ہے۔ سلطان سنجر سلجوقی یہاں مقیم رہا اور یہیں دفن ہوا۔ (معجم البلدان: 114,113/5)

[2] مہر جان قُذَق: یہ شہروں اور قصبوں سے آباد خوبصورت علاقہ جبال کے نواح میں صیمرہ کے قریب حلوان ہمدان شاہراہ کے دائیں طرف واقع ہے۔ "مہرجان" کے معنی "سورج" یا "محبت وشفقت" کے ہیں اور یہ قذق نامی شخص سے منسوب ہے۔ (معجم البلدان: 233/5)

[3] اصفہان: ایران کا یہ تاریخی شہر اور صوبہ پہلے جَیّ کہلاتا تھا، پھر یہودیہ کہلانے لگا کیونکہ یہاں بخت نصر کے فلسطین سے لائے ہوئے یہودی آباد ہوئے تھے۔ اصل میں یہ اسپہان (اسپ بمعنی "گھوڑا" کی جمع) یا سپاہان (سپاہ کی جمع) تھا جو بدل کر اصفہان (عربی میں اصبہان) ہوگیا۔ حجاج بن یوسف نے ایک شخص کو اصفہان کا والی بناتے ہوئے کہا تھا: "میں نے تمھیں اس شہر کا والی بنایا ہے جس کے پتھر سُرمہ ہیں، جس کی مکھیاں شہد کی ہیں اور جس کی گھاس زعفران ہے" (معجم البلدان: 206/1)۔ اصفہان یا اصبہان طہران اور شیراز کے درمیان واقع ہے۔ یہ سلاجقہ اور صفویوں کا دارالحکومت رہا (المنجد في الأعلام)۔ 1030ء میں محمود غزنوی نے اصفہان فتح کیا۔ 1228ء میں یہاں جلال الدین خوارزم شاہ اور منگولوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ 1388ء میں تیمور نے اصفہان میں قتل عام کے بعد 70 ہزار کھوپڑیوں کا کلہ مینار بنایا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 844/2)

[4] ہرات: شمال مغربی افغانستان کا یہ شہر ایرانی سرحد کے قریب ہری رُود پر واقع ہے۔ آبادی پونے دو لاکھ ہے۔ استراخانی کھالوں، اون اور قالینوں کے لیے مشہور ہے (المنجد في الأعلام)۔ ہرات صوبہ ہرات کا صدر مقام بھی ہے۔

[5] نیشاپور: ایران کا یہ شہر مشہد کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ قدیم خراسان کا دارالحکومت تھا۔ آبادی 75 ہزار ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ بلخ، ہرات اور مرو کے ساتھ اسلامی تہذیب کا مرکز تھا۔ نظام الملک طوسی نے یہاں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ نیشاپور عمر خیام اور فرید الدین عطار کی جنم بھومی تھا۔ 1221ء میں مغلوں نے اسے تباہ کردیا۔ (المنجد في الأعلام)



تیموری مسجد (بلخ)

کہیں لڑائی نہ ہوئی اور وہ نیشاپور پہنچ گئے۔

② حارث بن حسان ذوسی کو سرخس [1] کی طرف روانہ کیا۔

③ صحار عبدی کو پیچھے ہرات میں چھوڑا اور خود احنف رضی اللہ عنہ مروشاہجان کی طرف بڑھے جہاں یزدگرد قیام پذیر تھا۔لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر یزدگرد مروزود کی طرف نکل گیا اور احنف نے مروشاہجان پر قبضہ کرلیا۔

دریں اثناء احنف رضی اللہ عنہ کو کوفے سے آنے والی کمک مل گئی تو انھوں نے حاتم بن نعمان باہلی کو مروشاہجان میں اپنا نائب بنایا اور خود مروزود کا رُخ کیا۔ یزدگرد، احنف سے شکست کھا کر بلخ کی طرف فرار ہوگیا اور مروزود پر احنف قابض ہوگئے۔ پھر مسلمانوں نے یزدگرد شاہ کا تعاقب کیا اور بلخ کے قریب اس کے باقی لشکر کو شکست دی۔ یزدگرد بچ کر دریائے جیجون (آمودریا) کے پار چلا گیا۔ ادھر خراسانیوں نے احنف سے صلح کرلی۔ احنف نے ربعی بن عامر تمیمی کو طخارستان (شمالی افغانستان) میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود مروزود کی طرف لوٹ گئے۔

دریں اثناء یزدگرد نے ہمسایہ ترکوں اور اہل صُغد سے مدد مانگی تو ترک خاقان مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ خاقان نے اپنے لشکر میں اہل فرغانہ و صغد کو آگے رکھا اور وہ کثیر تعداد میں تھے۔ یزدگرد ترکوں کی پناہ لے چکا تھا، چنانچہ وہ ترک لشکر کے ہمراہ دریائے جیجون عبور کرکے بلخ پہنچ گیا۔ مروزود کی طرف ترکوں کی پیش قدمی کے باعث مسلمانوں نے اپنی اگلی چوکیاں خالی کردیں، چنانچہ یزدگرد اور ترکوں نے آگے بڑھ کر مروزود پر قبضہ کرلیا۔ انھیں ایک معرکے میں شکست ہوئی تو ترک لوٹ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر لڑائی کے لوٹ گئے کیونکہ ان کے نزدیک لڑائی بے معنی تھی۔ اب یزدگرد ان سے الگ ہوکر مروشاہجان پہنچا تاکہ وہاں موجود اپنا خزانہ حاصل کرے۔ اس نے اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ مروشاہجان کا محاصرہ کرلیا مگر باہمی اختلاف پیدا ہونے سے ان میں ٹھن گئی۔ اس دوران میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مروزود سے آن پہنچے تو یزدگرد فرار ہوکر ترکوں کے پاس فرغانہ چلا گیا۔ بقیہ ایرانیوں نے احنف بن قیس سے صلح کرلی اور وہ پُرمسرت اور امن چین کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یوں ساسانی سلطنت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

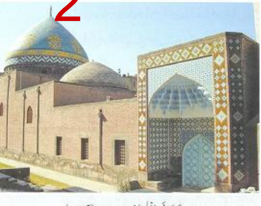
کچھ عرصہ بعد یزدگرد ایرانیوں ہی کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ واقعہ خلافتِ عثمان 31ھ/651ء میں پیش آیا۔

[1] سَرَخس: ایران کا یہ قدیم شہر ایران ترکمانستان سرحد پر واقع ہے۔ سرحد پار ترکمانستان کے شہر کا نام بھی سرخس ہے جو ریل اور سڑک کے ذریعے سے مرو سے ملا ہوا ہے (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)۔ سرخس ہری رُود کے نشیبی طاس میں واقع ہے۔ خلیفہ مامون کا وزیر فضل بن سہل اور حنفی فقیہ امام محمد بن احمد (سرخسی) سرخس میں پیدا ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 811/10)

5

آرمینیا و آذربائیجان کی مزید فتوحات

آرمینیا [1] اور آذربائیجان [2] کی یہ فتوحات سابقہ فتوحات کا تسلسل تھیں اور یہ تین خطوط میں حاصل ہوئیں:



گائیوئی (نیلی) مسجد، یریوان (آرمینیا)

ان فتوحات کی پہلی لہر جنوبی بحیرۂ خزر (بحیرۂ قزوین) کی طرف سے بڑھی۔ اس کے لیے دو لشکر آذربائیجان روانہ کیے گئے۔ حلوان سے ایک فوج بُکیر بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں چلی اور اُس نے کرمانشاہ پہنچ کر بعض ایرانی دستوں کو شکست دی۔ یہاں سِماک بن خَرَشہ انصاری بھی ان سے آن ملے جو رے کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ بُکیر نے شمال کی طرف پیش قدمی جاری رکھی حتی کہ موقان فتح کرتے ہوئے الباب (دربند) جا پہنچے۔

دوسرا لشکر موصل سے روانہ ہوا تھا جس کی قیادت عتبہ بن فرقد سُلمی کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے شہر زور کی فتح سے آغاز کیا، پھر صامغین اور دارا باد پر چڑھائی کی۔ ان لوگوں نے جزیہ اور خراج کی شرائط پر صلح کر لی (22ھ/642ء)۔ عتبہ کی فتوحات جاری رہیں حتی کہ اُرمیہ [3] فتح ہو گیا۔

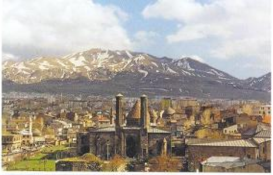
[1] آرمینیا: یہ پہاڑی علاقہ کوہ قاف (قفقاز) کے جنوب میں اناطولیہ (ترکی) اور ایران (اور آذربائیجان) کے درمیان واقع ہے۔ دریائے دجلہ، فرات اور اراکس آرمینیا ہی کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں 1198ء میں یہاں آرمینیا کی ریاست قائم ہوئی جسے 1375ء میں ممالیک (مصر و شام) نے فتح کر لیا۔ پھر آرمینیا پر ایرانیوں، ترکوں اور عثمانیوں کا تسلط رہا حتی کہ 1829ء میں روس نے مشرقی آرمینیا پر قبضہ جما لیا جو 1991ء میں آزاد جمہوریہ آرمینیا بن گیا۔ اس کا دارالحکومت یریوان (Yerevan) ہے۔ مغربی آرمینیا ترکی میں شامل ہے۔ آرمینیا کی سرحد پر ترکی کے اندر کوہ اَرارات (5205 میٹر بلند) واقع ہے (المنجد في الأعلام)۔ بائبل کی کتاب "پیدائش" (باب:8، فقرہ:4) کے مطابق "حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کا پانی اترنے کے بعد اَراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی۔" کوہ ارارات کو قرآن میں "جودی" کہا گیا ہے۔

[2] آذربائیجان: جمہوریہ آذربائیجان، ایران، آرمینیا (اور روسی داغستان اور جمہوریہ جارجیا) کے درمیان واقع ہے۔ آرمینیا، ترکی اور ایران میں گھرا ہوا علاقہ نخچی وَان بھی آذربائیجان کا حصہ ہے۔ اس کے شمال میں قفقاز (کوہ قاف) ہے۔ آذربائیجان نے دسمبر 1991ء میں روس سے آزادی حاصل کی۔ یہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے۔ اس کا دارالحکومت باکو تیل کی صنعت کا مرکز ہے۔ جمہوریہ آذربائیجان اور آرمینیا کے جنوب میں ایرانی آذربائیجان ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ مشرقی آذربائیجان کا صدر مقام تبریز ہے۔ اور مغربی صوبے کا صدر مقام اُرمیہ ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[3] اُرمیہ: یاقوت حموی لکھتا ہے: "آذربائیجان کا یہ قدیم شہر جھیل اُرمیہ سے تین چار میل دُور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر زرتشت ہے اور یہاں باغات و فواکہ بکثرت ہیں۔ سلطان ازبک بن پہلوان بن الدکز نے اپنی کمزوری کے باعث اسے نظر انداز کر رکھا ہے۔ میں نے 617ھ میں اس کی سیاحت کی" (معجم البلدان:1/159)۔ ان دنوں یہ ایران کا شہر ہے۔ اسے شامی اُرمیا، عرب اُرمیہ، ایرانی اُرومی اور ترک اُرومیہ (رُومیہ) لکھتے ہیں۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/461)



بدلیس (بتلیس) کے قلعے سے شہر کا منظر



اتاترک یونیورسٹی اور شہر ارض روم

الجزیرہ کی فتح کی تکمیل (18ھ/639ء) کے بعد اسلامی لشکر کی قیادت عیاض بن غنم ؓ کو ملی۔ وہ منزلیں طے کرتے اَرزن [1] پہنچے اور صلح صفائی سے اسے فتح کرلیا۔ پھر وہ درب [2] میں داخل ہوگئے اور اس کے بعد بدلیس [3] سے گزر کر خِلاط [4] کا رُخ کیا۔ خلاط والوں نے بھی صلح کی روش اختیار کی۔ پھر وہ رَقّہ (شام) لوٹ آئے اور وہاں سے حمص آ گئے (19ھ/640ء)۔ اس لشکر کشی کے دوران میں عیاض بن غنم ؓ نے حبیب بن مسلمہ فہری کو مَلَطِیہ کی طرف روانہ کیا، انھوں نے ملطیہ فتح کرلیا مگر 27ھ/647ء میں رومیوں نے یہ شہر مسلمانوں سے واپس لے لیا، تاہم صورتِ حال غیر واضح رہی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ملطیہ کی جنگ مسلمانوں نے دشمن کی ٹوہ لگانے کے لیے لڑی تھی اور اس کے بعد وہ ازخود اسے چھوڑ کر چلے آئے تھے۔

فتوحات آرمینیا و آذر بائیجان کی دوسری لہر اس وقت شروع ہوئی جب معاویہ بن ابی سفیان ؓ شام کے والی بنے اور اُنھوں نے حبیب بن مسلمہ کو دوسری بار آذر بائیجان کی طرف بھیجا۔ وہ شام اور الجزیرہ کی 6 تا 8 ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ ہوئے اور قالیقلا پہنچے جہاں رومیوں نے کثیر لشکر جمع کررکھا تھا۔ معاویہ ؓ نے انھیں 2 ہزار کی کمک روانہ کی جو قالیقلا میں ان سے آن ملی۔ کوفہ سے بھی سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں 6 تا 8 ہزار کی کمک مزید آرہی تھی، تاہم اس کے پہنچنے سے پہلے دریائے فرات کے کنارے شدید لڑائی ہوئی جس میں رومی سپہ سالار

1 اَرزن: اناطولیہ کا یہ شہر دجلہ کے معاون ارزن صو کے مشرقی کنارے پر واقع تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 375/2)۔ عربی اطلس میں ارزن اور قالیقلا (ارزن الروم) کو ایک شہر ''قالیقلا (ارزن)'' لکھا گیا ہے جو درست نہیں۔

2 درب: یہ دیار بکر کے علاقے میں میّا فارقین کے قریب ہے۔ یہاں قیصر روم کو نوشیرواں نے شکست دی اور رومی کوہ ''ساتید ما'' کے پاس کتّوں کی موت مارے گئے، قیصر اور اس کے چند ساتھیوں نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں، لہٰذا اس کا نام درب الکلاب (کتوں کا راستہ) پڑ گیا۔ (معجم البلدان: 448/2)

3 بدلیس (بتلیس): یہ مشرقی اناطولیہ میں اسی نام کی ولایت کا مرکزی شہر ہے جو دریائے بتلیس کے کنارے جھیل وان سے 25 کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ عہد فاروق اعظم ؓ کے بعد امیر معاویہ ؓ نے بدلیس دوبارہ فتح کیا۔ تیسری بار خلیفہ عبدالملک کے بھائی محمد نے اسے فتح کرکے الجزیرہ سے اس کا الحاق کیا۔ عہدِ عباسی میں بدلیس دیار بکر کے شیخیہ، حمدانیہ اور مروانیہ کے زیرِ حکومت رہا۔ 1084ء میں سلجوقیوں نے مروانیوں کی حکومت ختم کردی۔ 1207ء میں ایوبیوں نے بدلیس فتح کرکے یہاں کرد لا بسائے، پھر مغول آن دھمکے۔ ایلخانی مغلوں کے زوال کے بعد ''رُژکی'' نامی کرد خاندان 1847ء تک بدلیس پر حکمران رہا حتی کہ عثمانیوں نے اسے مکمل طور پر فتح کرلیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں روسی یہاں قابض رہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 169/4)

4 خِلاط یا اَخلاط (ارمنی میں Khlat): یہ جھیل وان کے شمال مغربی کنارے پر واقع ہے۔ 316ھ/928ء میں اخلاط پر دمستق جان کورکاس (John Curcuas) نے حملہ کیا۔ 1071ء میں جنگ مَنازگرد (ملازکرد Manazkert) کے بعد الپ ارسلان نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ 604ھ/1207ء میں العادل ایوبی کے بیٹے الاوحد نے اہل جارجیا کو شکست دے کر اسے فتح کرلیا۔ 1230ء میں جلال الدین خوارزم شاہ اس پر قابض ہوا۔ 633ھ/1236ء میں علاء الدین کیقباد اوّل سلجوقی نے اخلاط پر قبضہ کرلیا اور 1244ء میں مغل (تاتاری) اس پر قابض ہوگئے۔ 955ھ/1548ء میں شاہ طہماسپ نے شہر پر قبضہ کرکے اسے پیوندِ زمین کردیا۔ 963ھ میں سلطان سلیمان اول نے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 185/2)

''اَرمنیاقس'' مارا گیا۔ اس جنگ کے بعد جب سلمان کا لشکر قالیقلا [1] میں وارد ہوا تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بھیجا کہ ارّان [2] (آذربائیجان) کی طرف پیش قدمی کریں۔

مَلَطیہ: ترکی کا یہ شہر دریائے فرات کے قریب جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہاں سے العزیز، دیار بکر، سیواس اور غازی عینتاب کو ریلوے لائنیں اور سڑکیں جاتی ہیں۔ (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

خسرو اول (نوشیرواں) نے 575ء میں ملطیہ میں شکست کھانے کے بعد اسے جلا دیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ملطیہ فتح کر کے یہاں قلعہ نشین فوج رکھی۔ خلیفہ عبدالملک اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں بازنطینیوں نے اسے تاخت وتاراج کیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے طرندہ کے پناہ گزیں ملطیہ میں آباد کیے۔ 133ھ / 750ء میں قسطنطین ششم نے ملطیہ کے محصورین کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا اور پھر اسے پیوندِ زمین کردیا۔ چھ سال بعد 139ھ میں المنصور کے سپہ سالار صالح بن علی بن عبداللہ نے قسطنطین کی ایک لاکھ فوج کو شکست دے کر ملطیہ پر قبضہ کرلیا اور المنصور کے بھتیجے عبدالوہاب بن ابراہیم نے اسے ازسرِ نو تعمیر کرایا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 565/21)۔ ملطیہ کی بنیاد سکندر اعظم نے رکھی تھی۔ 322ھ میں دمستق رومی نے ملطیہ پر قبضہ کر کے اس کی فصیل اور محلات تباہ کردیے۔ اس سانحے پر شعراء نے مرثیے لکھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

فَلَأَبْكِيَنَّ عَلَى مَلَطِيَّةَ كُلَّمَا ... أَبْصَرْتُ سَيْفًا أَوْ سَمِعْتُ صَهِيلًا

هَدَمَ الدُّمُسْتُقُ سُورَهَا وَقُصُورَهَا ... فَسَمِعْتُ فِيهَا لِلنِّسَاءِ عَوِيلًا

وَالْعِلْجُ يَسْحَبُهَا وَيَلْطِمُ كَفُّهُ ... مُتَوَرِّدًا يَقَقَ الْبَيَاضِ جَمِيلًا

قَالُوا الصَّلِيبُ بِهَا بِأَمْرٍ ثَابِتٍ ... قَدْ أَظْهَرُوا الصُّلْبَانَ وَالْإِنْجِيلَا

''میں جب بھی کوئی تلوار دیکھوں گا یا کسی گھوڑے کی آواز سنوں گا تو ملطیہ پر ضرور رووں گا۔''

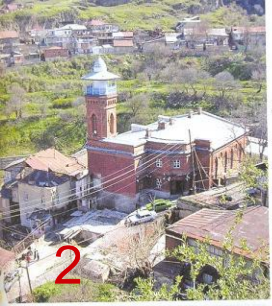
''دمستق رُومی نے شہر ملطیہ کی فصیل اور محلات منہدم کردیے، تب میں نے وہاں عورتوں کی آہ وزاری سُنی تھی۔''

''اکھڑ رومی فوجی گلاب رنگ، گوری چٹی، خوبصورت عورتوں پر ہاتھ ڈالتے اور انھیں زدوکوب کرتے، گھسیٹتے لیے جاتے تھے۔''

''وہ کہتے تھے کہ صلیب یہاں ہمیشہ کے لیے گاڑ دی گئی ہے۔ صلیبیں اور انجیل غالب آگئی ہیں۔'' (معجم البلدان: 193,192/5)

[1] قالیقلا (ارزن الروم یا ارض روم): یہ خلاط کے نواح میں واقع ہے۔ یہ شہر قالی نامی ملکہ نے آباد کیا تھا اور اس کے معنی ہیں ''قالی کا احسان'' (معجم البلدان: 299/4)۔ ارض روم (قالیقلا) ترکی آرمینیا میں ایک ولایت کا صدر مقام ہے۔ یہاں کبھی بازنطینیوں کا تھیوڈوسیوپولس آباد تھا جو ضلع کرنوئی کلک کا صدر مقام تھا۔ عربوں نے کرنوئی کلک کے حوالے سے اسے قالیقلا کا نام دیا۔ 1049ء میں سلجوقیوں نے ارزن شہر کو تباہ کردیا۔ اس کی آبادی قالیقلا منتقل ہوگئی اور اسے ارزن الروم کا نام دیا جو بگڑ کر ارزروم یا ارض روم ہوگیا۔ مغول (منگولوں) اور اوزون حسن (آق قویونلی حکمران) کے اقتدار کے بعد 878ھ/1473ء میں ارزروم سلطان محمد ثانی کے قبضے میں آ گیا۔ 1916ء تا 1919ء اس پر روسی قابض رہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 373/2)

[2] اَرّان: یہ ایک وسیع صوبہ ہے۔ اس کے مشہور شہر جنزہ، برذعہ، شمکور اور بَیلقان ہیں۔ جنزہ کو عوام الناس گنجہ کہتے ہیں۔ ارّان دریائے الرّس (اراکس) کے شمال اور مغرب میں ہے جبکہ آذربائیجان اس کے مشرق میں ہے (معجم البلدان: 136/1)۔ یوں ارّان موجودہ مملکت آذربائیجان کے مغربی حصے نگورنو قرہ باغ، نَخچِیوَان اور مشرقی آرمینیا پر مشتمل تھا۔ رُوسیوں نے 1804ء میں گنجہ (Ganca) پر قبضہ کرکے اسے یلزاوت پول (شہر الزبتھ) کا نام دیا جو 89-1935ء میں کیروف آباد کہلاتا رہا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ فارسی کے مشہور شاعر نظامی گنجوی کا تعلق گنجہ سے تھا۔



تبلسی (جارجیا) کا دلکش منظر

دریں اثناء حبیب بن مسلمہ نے مربالا اور خلاط سے ہوتے ہوئے بُسفُر جان (واسپراکان) [1] پر لشکر کشی کی۔ وہاں سے انھوں نے ایک جیش اَرجیش اور باجُنیس (آرمینیا) کی طرف بھیجا۔ یہ دونوں شہر فتح ہوگئے۔ پھر لشکرِ اسلام نے اَزدساط (قرمز) سے گزر کر دریائے اکراد (گورا) پار کیا اور دُبَیل (دوین) [2] کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے صلح کے ساتھ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس روز جمعے کا دن اور تاریخ 15 شوال 19ھ / 6 اکتوبر 640ء تھی۔ مسلمانوں نے ان تمام شہروں پر غلبہ پا لیا اور حبیب بن مسلمہ نے انھیں یہ امان نامہ لکھ دیا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حبیب بن مسلمہ نے یہ امان نامہ دُبیل کے مسیحیوں اور مجوسیوں اور یہودیوں کو لکھ دیا ہے، خواہ وہ یہاں موجود ہیں یا غائب۔ میں تمھیں تمھارے جان و مال، تمھارے گرجوں اور کلیسوں اور فصیل شہر کی امان دیتا ہوں۔ تم سب امن میں ہو اور ہم پر عہد کی پابندی لازم ہے جب تک کہ تم وفادار رہو اور جزیہ اور خراج دیتے رہو۔ اللہ گواہ ہے اور اللہ ہی بطور گواہ کافی ہے۔''

امان نامہ مہر کے ساتھ ختم ہوا۔

پھر حبیب بن مسلمہ نشوئ (نخچی وان) پہنچے تو اہل شہر نے صلح کر لی جیسے دُبیل والوں یا بُسفُر جان کے دیگر علاقوں نے صلح کی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے سِسجان [3] کا رُخ کیا اور غلبہ پا کر اہل شہر کی صلح قبول کر لی۔ پھر حبیب جُرزان [4] پہنچے اور وہاں کے باشندوں نے خونریز لڑائی کے بعد صلح کی۔ اب وہ تفلس [5] میں وارد ہوئے، ان لوگوں نے مصالحت کے ساتھ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

ادھر سلمان بن ربیعہ باہلی قالیقلا سے ارّان روانہ ہوئے تھے۔ راستے میں بَیلَقان اور برذعہ پر مصالحانہ قبضہ کرتے ہوئے انھوں نے آس پاس کی بستیوں پر حملہ کیا اور اردگرد کا تمام علاقہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ پھر وہ دریائے اراکس [6] اور دریائے گورا کے سنگم پر پہنچے اور بردیج

[1] بُسفُرجان (واسپراکان): یہ ارّان کا ایک ضلع ہے جس کا صدر مقام النشوئ (نخچی وان) ہے۔ اسے نوشیرواں نے آباد کیا تھا (معجم البلدان: 422/1)۔ ان دنوں بسفرجان کا علاقہ نخچی وان کہلاتا ہے جو مملکتِ آذربائیجان کا حصہ ہے۔

[2] دُبَیل: ''یہ آرمینیا کا ایک شہر ہے جو ارّان کی سرحد پر واقع ہے۔'' (معجم البلدان: 439/2) یاقوت نے ''دَبیل'' لکھا ہے۔

[3] سِسجان یا سیسجان: سیسجان اور دبیل کے مابین 16 فرسخ کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان: 297/3)

[4] جُرزان (جارجیا): یہ آرمینیا کا نواحی علاقہ ہے جس کا مرکزی شہر تفلیس ہے۔ الکُرج (گرجستانی یا جارجین) کا معرب ''جُرز'' ہے جس سے یہ علاقہ جُرزان مشہور ہوا اور یہ قوم ''جُرزیہ'' کہلاتی ہے۔ (معجم البلدان: 125/2)

[5] تفلس یا تبلسی: یہ جمہوریہ جارجیا (گرجستان) کا دارالحکومت ہے اور دریائے کورا پر واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[6] دریائے اراکس (عربی میں اَلرّس): یہ دریا ارض روم کے جنوب سے نکلتا ہے اور آرمینیا، آذربائیجان اور ایران کی سرحد بناتا ہوا مشرقی آذربائیجان میں سے گزر کر بحیرۂ خزر (قزوین) میں جا گرتا ہے۔ (المنجد في الأعلام)

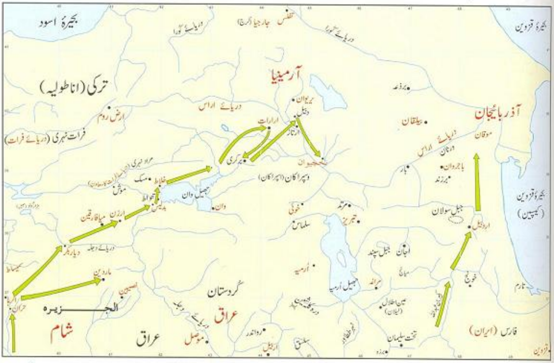
کے پیچھے دریائے کوراعبور کر کے قبلہ فتح کرلیا۔ اہل شروان [1] نے اور آگے، شہر الباب تک، تمام آذریوں نے مصالحت کرلی۔ اس کے بعد سلمان بن ربیعہ نے دریائے بلنجر پار کیا تو خاقان اور اس کے گھڑ سواروں سے لڑائی ہوئی جس میں سلمان بن ربیعہ شہید ہو گئے۔ ارمنی روایت کے مطابق ان کے ساتھ چار ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ایک اور ارمنی روایت ہی کے مطابق یہ لشکر کشی آذربائیجان کی طرف سے عثمان اور عقبہ کی قیادت میں کی گئی۔ (شاید ان روایات میں عثمان بن ابی العاص اور عتبہ بن فرقد مراد ہیں، عقبہ نہیں۔)

جب لشکر اسلام آرمینیا کی حدود میں پہنچا تھا تو وہ تین حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا:

① ایک جیش نے واسپراکان کا رُخ کیا اور زرخیز اراضی پر قبضہ کرتے ہوئے نخچی وان پہنچ گیا۔

② دوسرے جیش نے اقلیم طارون فتح کی اور کثیر مالِ غنیمت اور قیدی اس کے ہاتھ لگے۔

③ تیسرا جیش جو اقلیم ''کوجووت'' کی طرف روانہ ہوا تھا، اسے بڑی دشواری پیش آئی۔ وہ قلعہ اردزاب تک پہنچ گئے اور ایک رات قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد تین ہزار تھی لیکن رومی سپہ سالار تھیوڈور رشتونی نے ان کا حملہ پسپا کر دیا، جیل سے قیدی رہا کر دیے اور مل کر مسلمانوں پر ایسا شدید حملہ کیا کہ تھوڑے ہی مسلمان بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور باقی سب شہادت پا گئے۔ ادھر تھیوڈور کثیر مال



نقشہ 64

الجزیرہ سے آرمینیا اور فارس سے آذربائیجان کی فتح

[1] شروان: یہ شہر باب الابواب (دربند) کے نواح میں ہے اور اپنے بانی نوشیرواں کے نام سے موسوم ہے۔ صوبہ شروان کا اہم شہر شماخہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شروان کے پاس صخرۂ موسیٰ ہے جہاں وہ (موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہم سفر یوشع) اپنے توشے کی مچھلی بھول کر آگے چلے گئے تھے۔ قرآن کی سورۂ کہف کے اس واقعے میں مذکور بحر سے مراد بحیرۂ جیلان (قزوین) ہے اور قریہ، باجروان ہے (معجم البلدان: 339/3)۔ یاقوت نے یہ بہت دور از کار روایت بیان کی ہے۔ بیشتر مفسرین مجمع البحرین سے نیل ابیض و نیل ازرق کا سنگم یا بحیرۂ قلزم کی خلیج عقبہ اور خلیج سویز کا سنگم مراد لیتے ہیں۔

غنیمت اور تحائف لیے بازنطینی رومی سلطنت کے حکمران کونسٹنس ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

34 ھ/654ء میں قیصر روم کونسٹنس ایک عظیم لشکر کے ساتھ آرمینیا پر حملہ آور ہوا۔ وہ 20 ہزار سپاہیوں کے ساتھ ڈبیل (دوین) میں داخل ہوا اور اس نے ارمنیوں کو دوسری مرتبہ وہ مسیحی عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جو کیلسیڈون (خلقیدون) کونسل نے (451ء میں) منظور کیا تھا، یہ کہ مسیح علیہ السلام دوہری (انسانی اور الوہی) حیثیت رکھتے ہیں۔ ارمنیوں نے یہ عقیدہ قبول نہ کیا جیسا کہ قبطی مصریوں نے بھی قبول نہیں کیا تھا۔ کونسٹنس نے تھیوڈور کو کیلسیڈونی مسلک پر ایمان نہ رکھنے کے باعث معزول کر دیا تو اس نے بغاوت کر دی۔ اس پر کونسٹنس نے تین ہزار کا لشکر اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا، نیز جارجیا (الکرج)، البان اور سیونی میں اس کے مددگاروں کی سرکوبی کے لیے فوجیں روانہ کیں مگر ان فوجی مہمات کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

فتوحات آرمینیا و آذربائیجان کی تیسری لہر اس وقت شروع ہوئی جب قیصر روم کونسٹنس نے ارمنی فوج رومی لشکر میں ضم کر دی جس کی قیادت بازنطینی سپہ سالار بروکوب کے ہاتھ میں تھی۔ اس پر تھیوڈور نے مسلمانوں سے مدد طلب کر لی اور بیشتر ارمنی مسلمانوں کے ہمنوا ہو گئے کیونکہ انھوں نے کبھی کسی پر اپنا دین جبراً مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، چنانچہ تھیوڈور کی مدد کے لیے ایک فوجی دستہ بھیجا گیا۔ یہ اسلامی لشکر ''یوفیت'' سے ہو کر

جارجیا: بحیرۂ اسود پر واقع جمہوریہ جارجیا، ترکی، آرمینیا، روس (اور آذربائیجان) کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت تبلسی (سابق طفلس یا تفلس) ہے۔ اس میں ابخازیہ اور اجاریہ کی جمہوریتیں بھی شامل ہیں۔ رقبہ 69700 مربع کلومیٹر اور آبادی 54 لاکھ (سے اوپر) ہے۔ اپریل 1991ء میں جارجیا، روس کے قبضے سے آزاد ہو گیا۔ جارجیا میں واقع کوہستان قفقاز کی بلند ترین چوٹی قازبیگ 5047 میٹر اونچی ہے۔ قدیم عرب اسے الکرج (فارسی میں گرجستان) کہتے تھے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست بھی جارجیا کہلاتی ہے۔ بحر اوقیانوس پر واقع ریاست جارجیا کا دارالحکومت اٹلانٹا ہے (المنجد فی الأعلام)۔ شمال میں جارجیا کی سرحد کوہ قاف اکبر اور روسی مقبوضہ چیچنیا سے ملتی ہے۔

آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کے موالی میں سے شعیب کے پوتے اسحٰق بن اسمٰعیل نے جرزان (جارجیا) میں ایک علیحدہ ریاست قائم کر لی تھی (215ھ تا 239ھ/830ء تا 853ء) جسے خلیفہ واثق نے تسلیم کر لیا تھا مگر خلیفہ متوکل کے دور میں ترک جرنیل بُغا الکبیر الشرابی کو آرمینیا (بشمول جارجیا) بھیجا گیا جس نے تفلس کا محاصرہ کر لیا۔ اسحٰق نے شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا مگر بُغا نے آتش گیر نفط پھینک کر شہر کو آگ لگا دی۔ اسحٰق کی گردن اڑا دی گئی اور تقریباً 50 ہزار آدمی اس آتش زدگی کی نذر ہو گئے۔ عرب مصنفین اس سانحے کو قفقاز میں عربوں کے اقتدار کے زوال پذیر ہونے کا نقطۂ آغاز سمجھتے ہیں (ورنہ عین ممکن تھا آج جارجیا، عراق اور کردستان وغیرہ کی طرح مسلم اکثریت کا خطہ ہوتا اور وہاں عربی زبان اور عربی ثقافت حاوی ہوتی۔)

مسعودی (متوفی 346ھ) مسجد ذی القرنین (مسختیا) کو شاہ جُرزان (گرجستان) کا مستقر بتاتا ہے۔ 300ھ/912ء میں تفلس کا امیر جعفر بن علی تھا۔ العینی بنو جعفر کی مدت حکومت 200 برس بتاتا ہے۔ بنو جعفر کے سکوں پر خلفائے عباسیہ مطیع للہ اور طائع للہ کے نام کندہ ہیں۔ 1220ء میں سوبدائی اور جبی نویان کے منگول (تاتاری) لشکروں نے جارجیا کو روند ڈالا۔ دریں اثناء مارچ 1226ء میں جلال الدین خوارزم شاہ نے تفلس پر قبضہ کر لیا۔ 1236ء میں منگول دوبارہ جارجیا پر حملہ آور ہوئے۔ مسیحی ملکہ رُسدن، تفلس سے کوتاپس چلی گئی اور شہر کے والی نے شہر جلا دیا۔ امیر تیمور نے تین بار جارجیا پر یلغار کی اور 806ھ/1403ء میں گرجستان کے اطراف کو بلادِ ابخاز کی حدود تک ویران کر دیا۔ 961ھ/1553ء کے عثمانی صفوی معاہدے کے تحت جارجیا، ترکی اور ایران میں تقسیم ہو گیا۔ اس سے پہلے 1540ء میں طہماسپ صفوی تفلس پر قابض ہو چکا تھا۔ معاہدے کی رو سے طرابزون اور طرابلس (Tire-boli) تک کا علاقہ سلطان سلیمان عثمانی کو ملا۔ اس دور کے مقامی حکمرانوں میں سے کلباد گرجی، داؤد خان، بگرات ششم، رستم (کیخسرو)، اریکلہ اول (نظر علی خاں)، وختنگ (24-1711ء) اور محمد قلی خاں (قسطنطین ثالث) مسلمان تھے۔ رستم کا لے پالک بیٹا اور جانشین وختنگ (شاہنواز اول 76-1658ء) اگرچہ مسلمان تھا مگر اس نے ملک میں اعترافِ معاصی (Confession) اور عشائے ربانی کی رسوم پھر سے جاری کر دیں۔ 1147ھ/1734ء میں نادر شاہ نے تفلس فتح کیا۔ ستمبر 1801ء میں زارِ روس الگزانڈر اول نے آنجہانی حاکم جارجیا پال اول کی درخواست کے مطابق جارجیا کا روس سے الحاق کر لیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 561-541/6)

جھیل وان [1] (ترکی) کے شمال مغرب میں بزنونیک میں خیمہ زن ہوا۔ ادھر رومی سپہ سالار بروکوب نے کشتیوں کے پل کے ذریعے سے دریائے فرات پار کیا اور شام کے علاقے پر حملہ آور ہوا مگر مسلمانوں نے اسے شکست فاش دی۔ رومیوں کی مشکلات میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب فاردبن تھیوڈور نے، جو رومی لشکر میں ارمنی دستوں کا سالار تھا، پل توڑ دیے اور اپنی کشتیاں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں جنھیں پانی کا دھارا بہا لے گیا۔ یوں رُومیوں کی واپسی کا راستہ مسدود ہو گیا۔ تب مسلمانوں نے عین اس وقت رومیوں پر ہلّہ بول دیا جب وہ دریا عبور کرنے کی کوشش میں تھے، چنانچہ بیشتر رومی غرق ہو گئے۔



جھیلِ وان کا خوبصورت منظر

35ھ/655ء میں سردیاں ختم ہوتے ہی آرمینیا کی طرف مسلمانوں کی دوسری پیش قدمی تھیوڈور رشتونی کے تعاون سے عمل میں آئی۔ مسلمان رومیوں کو پسپا کرنے میں کامیاب رہے۔ انھوں نے رومی عیسائیوں کو بحیرۂ کریمیا (بحیرۂ اسود) [2] تک پیچھے دھکیل دیا۔ وہ رومی شہر ترابزون پر حملہ آور ہوئے اور کثیر مالِ غنیمت اور بڑی تعداد میں رومی قیدیوں کے ہمراہ لوٹے۔ اور اس کمر توڑ شکست کے بعد قیصر کونسٹنس نے مسلمانوں سے ٹکرانے کی کبھی کوشش نہ کی۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اہلِ آرمینیا سے مذاکرات اور منصفانہ صلح نامہ طے کرنے کے لیے ایک وفد ان کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے ایرانیوں یا رومیوں نے ان سے کبھی اس طرح کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس معاہدے نے انھیں مسلمانوں کے زیرِ حفاظت ترقی کرنے کے مواقع فراہم کر دیے۔ تھیوڈور رشتونی معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملنے دمشق آیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خلعت پہنایا، تحائف دیے اور اسے آرمینیا، جارجیا، البان، سیونی اور دربند تک کا حکمران مامور کیا، پھر ایک اسلامی لشکر نے آرمینیا کا خیر سگالی دورہ کیا۔ انھوں نے



بحیرۂ اسود کے کنارے ترابزون شہر کا منظر

[1] جھیل وان: نمکین پانی کی یہ جھیل مشرقی ترکی میں واقع ہے اور 3740 مربع کلومیٹر پر محیط ہے (المنجد في الأعلام)۔ اس کے مشرقی ساحل پر ''وان'' نامی شہر آباد ہے۔

[2] بحیرۂ اسود: اسے بحیرۂ کریمیا اس لیے کہا گیا کہ اس کے شمال میں جزیرہ نما کریمیا ہے جو یوکرین سے ایک خاکنائے کے ذریعے سے متصل ہے۔ کریمیا ماضی میں ایک عظیم الشان مسلم ریاست تھی۔ ان دنوں کریمیا یوکرین میں شامل ہے۔

سردیاں دُبیل میں گزاریں، پھر وہ شام لوٹ آئے۔

اس دور کے ارمنی مؤرخ سبیوس نے اس مسلم ارمنی معاہدے کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

”میں نے اور تم نے ایک زمانی مُدّت کے لیے، جس کا تعین تم کرو گے، یہ طے کیا ہے کہ میں تین سال کے لیے تم پر کوئی جزیہ لاگو نہیں کروں گا۔ لیکن اس معاملے میں مذکورہ مدت کے بعد تم جزیہ ادا کرو گے جتنا کہ تم ادا کرنا چاہو۔ اور تمھیں حق حاصل ہوگا کہ اپنے ملک میں 15 ہزار گھڑسوار رکھو اور ان کی خوراک وغیرہ کا انتظام کرو۔ میں جزیہ کا حساب کرتے وقت ان کا خرچ منہا کردوں گا۔

تمھارے گھڑسواروں کو میں اپنے پاس شام طلب نہیں کروں گا۔ لیکن یہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ہمہ وقت کسی بھی جگہ جانے کو تیار رہیں جدھر جانے کا انھیں حکم دیا جائے۔ اور میں تمھارے قلعوں میں کسی کو امیر بنا کر نہیں بھیجوں گا اور نہ کوئی عربی سالار یا گھڑسوار بھیجوں گا۔

اگر کوئی دشمن آرمینیا کا رُخ کرے گا تو ہم اسے گھات لگا کر نیست و نابود کردیں گے اور اگر رومیوں نے تم سے جنگ کرنے کے لیے پیش قدمی کی تو میں تمھاری امداد کے لیے لشکر بھیجوں گا جس کی تعداد کا تعین تم خود کرو گے۔ میں اللہ عزوجل کے حضور یہ عہد کرتا ہوں۔“

6

ماوراء النہر کی فتوحات

دوسری طرف اسلامی عساکر نے ماوراء النہر [1] یا اس سے متصل علاقوں میں حدودِ چین تک جہاد جاری رکھا۔ ہر جہاد کے بعد وہ مرو لوٹ آتے تھے، پھر نئے سرے سے ان فتوحات کا آغاز ہوا، چنانچہ 30ھ/650ء میں عبداللہ بن عامر بن کُرَیز رضی اللہ عنہما نے خراسان میں جنگ کی اور کوہستان (قوہستان) [2] کی بغاوت کچل ڈالی۔ انھوں نے یزید الجرشی بن یزید کو نیشاپور کے علاقے رُستاق زام کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ یزید نے رستاق زام کے علاوہ باخرز [3] اور جوین [4] بھی فتح کر لیے۔



خیوا (خوارزم) کی ایک مسجد

نیشاپور کے علاقے میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما نے بُست، اشبند، رُخ، زاوہ، خواف، اسبرائین، ارغیان اور ابرشہر [5] فتح کر لیے۔ انھوں نے عبداللہ بن خازم رضی اللہ عنہ کو سرخس کی طرف بھیجا جو فتح کر لیا گیا۔ ابن عامر نے ایک لشکر ہرات کی طرف روانہ کیا، وہاں کے حاکم نے ہرات، بادغیس اور بوشنج کی طرف سے صلح کر لی۔ عبداللہ بن عامر کے زیرِ قیادت

1 **ماوراء النہر:** عربوں نے دریائے جیحون (Oxus) یا آمو دریا کے پار کے علاقے کو یہ نام دیا تھا۔ بخارا، سمرقند، خیوا (خوارزم) اور تاشقند اس علاقے کے مشہور شہر ہیں (المنجد في الأعلام)۔ یونانی ماوراء النہر کو Transoxiana کہتے تھے۔

2 **کوہستان:** قوہستان اس کا معرب ہے۔ اس سے مراد وہ تمام پہاڑی علاقہ ہے جو نواحِ ہرات سے الجبال (مغربی ایران) میں نہاوند، ہمدان اور بروجرد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا صدر مقام قائن ہے۔ تون، جُنابذ اور طبس اس کے شہر ہیں (معجم البلدان: 416/4)۔ آج کل کوہستان ایرانی صوبہ خراسان میں شامل ہے۔

3 **باخرز:** یہ نیشاپور اور ہرات کے مابین ایک علاقہ ہے، اس کا صدر مقام مالین ہے۔ (معجم البلدان: 316/1)

4 **جوین:** اسے گویان بھی لکھتے ہیں۔ یہ نیشاپور کے علاقے کا ایک ضلع ہے جو بسطام سے جانے والی کاروانی شاہراہ پر جاجرم اور بیہق (سبزوار) کے درمیان واقع ہے۔ وادیٔ جوین میں قدیم دار السلطنت (جوین) کے کھنڈر ملتے ہیں جن کے جنوب مشرق میں موجودہ شہر ججگتے (یا چغتائی) واقع ہے۔ امام الحرمین ابو المعالی عبدالملک جوینی (متوفی 478ھ/ 1085ء) اور ان کے والد عبداللہ بن یوسف (شافعی عالم) جوین ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ جوین یا گوین بجستان (افغانستان) میں فراہ رُود کے کنارے واقع ایک قلعہ بند مقام (شہر) بھی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 7/535- 542)

5 **رُخ، زاوہ، خواف، اسبرائین (اسفرائین)، ارغیان اور ابرشہر:** یہ سب علاقے نیشاپور کے نواح میں تھے (دیکھیے معجم البلدان)۔ اسفرائین دراصل سپرائین (عربی میں اسبرائین) تھا جس کے معنی ہیں "ڈھال (سپر) والے" اسفرائین نیشاپور اور جرجان کے وسط میں تھا (معجم البلدان: 177/1)۔ ابرشہر یا برشہر نیشاپور کو کہا جاتا تھا (معجم البلدان: 384/1)۔ زاوہ شہر کو آج کل تربتِ حیدری کا نام دیا جاتا ہے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 443/10)۔ خواف تربت حیدریہ کے جنوب مشرق میں ہے اور تربتِ حیدریہ مشہد کے جنوب میں تربت جام اور کاشمر کے مابین واقع ہے۔ (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

دریائے جیحون [1] کے ادھر کی فتوحات مکمل ہوگئیں تو جیحون پار کے علاقے (ماوراء النہر) کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی جو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما نے قبول کر کے ان سے صلح کر لی۔

سن 41ھ/661ء میں مسلمانوں نے زرنج [2]، خواس اور بُست [3] کے علاقے، جو سرکش ہوگئے تھے، دوبارہ فتح کر لیے۔ اسی طرح کابل [4] کی فتح عمل میں آئی، نیز ربیع بن زیاد حارثی نے بلخ ازسرِ نو فتح کیا اور ان کے بیٹے عبدالفتاح نے دریائے جیحون تک فتوحات کو وسعت دی۔

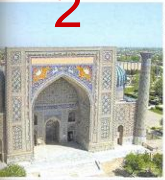
سن 51ھ/671ء میں زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (گورنر عراق) نے ربیع بن زیاد حارثی کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا اور ان کے ساتھ کوفہ اور بصرہ سے 50 ہزار سے زیادہ افراد اور ان کے اہل و عیال روانہ کیے جنھیں دریائے جیحون کے آس پاس بسایا گیا۔ سن 54ھ/674ء میں بیکند [5] اور



دریائے جیحون اور پس منظر میں ''افغانستان ازبکستان دوستی پل''



کوہ ہندوکش کے دامن میں کابل اور دریائے کابل



سمرقند کے چوک ریگستان میں ''شیر در مدر

1 جیحون: اسے اب آمو دریا کہا جاتا ہے۔ عرب اسے جیحون کہتے تھے۔ 2620 کلومیٹر لمبا دریا کوہستان پامیر سے نکلتا ہے اور افغانستان اور تاجکستان کی سرحد بناتا اور ترکمانستان اور ازبکستان میں سے بہتا ہوا بحیرۂ ارال میں جا گرتا ہے (المنجد في الأعلام)۔ ترمذ اور خوارزم (خیوا) کے شہر آمو دریا ہی پر واقع ہیں۔ یونانی اسے آکسس (Oxus) کہتے تھے۔

2 زرنج: یہ ایران (کی سرحد پر واقع افغانستان) کا شہر ہے۔ زرنج ماضی میں سجستان کا سب سے بڑا شہر اور پایۂ تخت تھا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 455/10)۔ جھیل ہلمند پر واقع زرنج افغانی صوبہ نیمروز کا صدر مقام ہے۔ (دیکھیے مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

3 بُست: یہ سجستان کا ایک ویران شہر ہے جس کے کھنڈر (قلعہ بُست اور لشکر بازار) قندھار سے ہرات جانے والی شاہراہ کے قریب دریائے ہلمند کے کنارے واقع ہیں۔ غزنوی دور میں بُست اہم چھاؤنی تھا۔ علاء الدین غوری کے دھاوے، مغول (منگولوں) کے حملے (618ھ/1221ء) اور تیمور کی لشکر کشی نے اسے بالکل اجاڑ دیا۔ 1738ء میں نادر شاہ نے قلعہ بُست کے برج و بارہ کو تڑوا دیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 4/509-511)۔ مشہور محدث ابن حبان رحمہ اللہ بُست کے رہنے والے تھے۔ (معجم البلدان: 1/415)

4 کابل: یعقوبی لکھتا ہے کہ اسے خلافتِ عثمانی میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فتح کیا تھا۔ مامون کے زمانے میں کابل شاہ نے اطاعت کر لی اور یہاں کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ 910ھ/1504ء میں بابر کے کابل پر قبضے نے اس کی سلطنتِ ہند کے لیے بنیاد کا کام دیا۔ درانی عہد میں کابل نے بطور دارالحکومت قندھار کی جگہ لے لی۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 4,3/17)

5 بیکند: یہ بخارا اور دریائے جیحون کے مابین ایک شہر ہے جو بخارا سے ایک مرحلے پر ہے۔ ان دنوں اجڑا پڑا ہے۔ یہاں ماوراء النہر کے سب شہروں سے زیادہ سرائیں تھیں۔ (معجم البلدان: 1/533)

بخارا کے معرکے سر ہوئے۔ سُغد (صُغد) [1] کے علاقے پر سعید بن عثمان بن عفان کی قیادت میں حملہ کیا گیا اور باب الحدید اور ترمذ [2] فتح ہوگئے، پھر سالم بن زیاد نے بخارا اور سمرقند [3] فتح کیے۔

سن 78ھ/696ء میں مہلب بن ابی صفرہ ازدی والیٔ عراق حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف سے خراسان کے گورنر تھے۔ انھوں نے صُغد میں

بخارا: ازبکستان کا یہ شہر دریائے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے۔ یہ نام پوہر یا وہارا (خانقاہ) کی تبدیل شدہ شکل ہے۔ اسلامی مآخذ میں مقامی حکمرانوں کو بخارا خداہ لکھا گیا ہے۔ 54ھ میں عربوں نے عبیداللہ بن زیاد کی قیادت میں شدید لڑائی کے بعد بخارا فتح کرلیا۔ 91ھ/710ء میں قتیبہ بن مسلم نے دشمنوں کو شکست دے کر طغشادہ (طوق سیادہ) کو شاہِ بخارا کی حیثیت سے مسند نشین کیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ یہیں 194ھ/809ء میں پیدا ہوئے۔ 260ھ/874ء میں بخارا سامانی سلطنت میں شامل ہوا اور پھر اس کا دارالحکومت رہا۔ ذی الحجہ 616ھ/فروری 1220ء میں چنگیز خاں کے مغول (تاتاریوں) نے بخارا کی جامع مسجد اور چند محلات کو چھوڑ کر پورا شہر نذرِ آتش کردیا۔ چنگیز خاں کے جانشین کے عہد میں یہ پھر ایک گنجان آباد شہر بن گیا۔ 671ھ/1273ء میں تاتاری حکمران ایلخان اباقا نے بخارا پر قبضہ کیا تو شہر پھر تباہ و برباد ہوگیا۔ 1500ء کے بعد بخارا پر شیبانی اُزبک قابض رہا۔ 1153ھ/1740ء میں نادر شاہ نے بخارا فتح کرلیا۔ انیسویں صدی عیسوی میں امیر بخارا مظفر الدین (1860-85ء) کو روسیوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ بخارا کی آبادی دو اڑھائی لاکھ ہے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 4/110-116، تاریخ الطبري: 4/221، المنجد في الأعلام)۔ یاقوت لکھتا ہے: عبیداللہ بن زیاد کی بصرہ واپسی کے بعد 55ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان کو والیٔ خراسان مامور کیا۔ سعید نے لشکر کے ساتھ دریائے جیحون عبور کیا۔ ادھر ایک لاکھ بیس ہزار ترک مقابلے میں نکلے مگر بخارا کی حکمران خاتون (ملکہ) نے صورتِ حال دیکھ کر صلح کی پیشکش کی اور یوں سعید کا بخارا پر قبضہ ہوگیا۔ (معجم البلدان: 1/355)

[1] صُغد یا سُغد: اسے یونانی میں سُگد یانا (Sogdiana) کہتے ہیں۔ یہ علاقہ دریائے جیحون سے دریائے سیحون (سیر دریا) تک پھیلا ہوا تھا۔ البیرونی کے بقول سُغدی زرتشتی تہذیب کے حامل تھے۔ اسلامی دور میں اصطخری کے مطابق سغد خاص بخارا کے مشرقی جانب دبوسیہ سے سمرقند تک پھیلا ہوا تھا۔ یعقوبی سُغد کا دارالحکومت کَش (دوسری جگہ سمرقند) بتاتا ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 11/65،66)

[2] ترمذ: ازبکستان کا یہ شہر افغانستان کی سرحد پر آمو دریا (جیحون) کے (دائیں) کنارے واقع ہے۔ اس کی بنیاد سکندرِ اعظم سے منسوب ہے۔ 70ھ/690ء میں موسیٰ بن عبداللہ بن خازم نے اسے فتح کر کے یہاں حکمرانی کی حتی کہ 85ھ/704ء میں عثمان بن مسعود نے اسے اموی سلطنت میں شامل کرلیا۔ امام محدث ابوعیسیٰ محمد ترمذی رحمہ اللہ یہیں کے رہنے والے تھے۔ 1220ء میں ترمذ کو مغلوں (منگولوں) نے فتح کر کے تباہ و برباد کردیا۔ ابن بطوطہ کے دور میں شہر ترمذ اپنی اصلی جگہ کے بجائے دریا سے دو میل دور آباد ہوچکا تھا۔ بلخ کی لڑائی (1646-47ء) میں شہزادہ اورنگ زیب کی فتح کے بعد ہندوستانی فوجوں نے ترمذ پر قبضہ کرلیا۔ اٹھارھویں صدی کے فتنہ وفساد میں ترمذ دوبارہ برباد ہوا۔ 1894ء میں ترمذ کے کھنڈروں سے پانچ میل دُور روسی قلعۂ ترمذ تعمیر ہوا جو آہستہ آہستہ ایک شہر بن گیا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 6/376-378، المنجد في الأعلام)

[3] سمرقند: یہ ماوراء النہر کا بڑا شہر ہے۔ زمانۂ حال میں سمرقند اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے۔ یہ دریائے سغد (زرافشاں) کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ اس کے متعلق مشرقی، نیز روسی اور یورپی سیاحوں کا بیان ہے کہ وہ بلاشبہ جنت الفردوس ہے۔ اس شہر کا نام پہلے پہل سکندر کی مشرقی مہموں کے تذکروں میں ''مارا کندا'' کی صورت میں ملتا ہے۔ 91ھ میں قتیبہ بن مسلم نے اسے فتح کیا۔ شہر کی خوشحالی کا دورِ جدید اس وقت شروع ہوا جب تیمور کا 771ھ/1369ء میں ماوراء النہر میں بول بالا ہوا۔ اس نے سمرقند کو اپنی روز افزوں مملکت کا صدر مقام بنایا اور اسے پوری شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کرنا شروع کیا۔ 14 نومبر 1868ء کو روسی جرنیل کافمان (Kauffmann) قدیم تیموری دارالسلطنت سمرقند میں داخل ہوا اور یہ شہر مظفر الدین امیر بخارا کے قبضے سے نکل گیا۔ 1871ء میں قدیم شہر کے مغرب میں ایک نیا روسی شہر آباد ہوا جسے ٹرانس کیسپین ریلوے سے ملا دیا گیا۔ 1882ء میں قلعے کو از سرِ نو بحال کردیا گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 11/289-293)۔ سمرقند کی آبادی سوا پانچ لاکھ ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا مرکز رہا۔ 1220ء میں چنگیز خاں نے اسے تباہ و برباد کیا۔ تیمور لنگ یہیں مدفون ہے۔ یہ ازبکستان کا مشہور شہر ہے۔ (المنجد في الأعلام)

شہر کش [1] پر قبضہ کرلیا۔

86ھ تا 96ھ / 705ء تا 715ء حجاج نے خراسان اور بلاد شرق کی حکومت قُتیبہ بن مسلم کے سپرد کی۔ انھوں نے 86ھ / 705ء میں طخارستان [2] کو از سر نو فتح کیا، بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا اور خراسان کے دارالحکومت مرو لوٹ آئے۔

انھی دنوں نیزک طرخان کے پاس کچھ مسلمان قیدی تھے۔ قتیبہ نے اس کو خط لکھا کہ مسلمان قیدی رہا کرو ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ نیزک نے انھیں رہا کر دیا۔ اب قتیبہ نے اسے صلح اور امن کی پیشکش کرتے ہوئے لکھا کہ بصورت دیگر وہ اس سے جنگ کرے گا، اسے چھوڑے گا نہیں اور اسے مغلوب کر کے رہے گا، چنانچہ نیزک، قتیبہ کے پاس چلا آیا اور صلح کر لی، پھر بادغیس [3] والوں نے اس شرط پر قتیبہ سے صلح کر لی کہ وہ شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ دریں اثناء جب قتیبہ بیکند سے چلے آئے تو بیکند والوں نے صلح توڑ دی۔ قتیبہ لشکر لے کر واپس گئے تو ترک قلعہ بند ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور اس دوران میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ایک ماہ بعد اہل بیکند نے صلح کی درخواست کی جو قتیبہ نے مسترد کر دی حتیٰ کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور شہر میں لڑنے والے سب مارے گئے۔



بامیان (افغانستان) کی ایک مسجد

اب قتیبہ بن مسلم، آمُل [4] کی مہم پر نکلے اور اس سے فارغ ہو کر زَم کے بالمقابل دریائے جیحون عبور کیا اور بخارا پر لشکر کشی کی۔ بخارا کے قریبی شہروں نُومُشکت اور کرمینیا نے ان سے صلح کر لی (88ھ / 706ء)۔ اس مہم کے دوران میں نیزک طرخان بھی ان کے ہمراہ تھا، پھر رامیثنہ نے صلح طلب کی۔ اس مصالحت کے بعد قتیبہ نے ترمذ کے مقام پر جیحون پار کیا اور بلخ سے ہوتے ہوئے مرو پہنچ گئے۔

90ھ / 708ء میں بخارا والوں نے بغاوت کر دی تو قتیبہ نے ایک بار پھر چڑھائی کی اور باغیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد شاہ صغد طرخون

[1] کَش یا کِش: اس کا موجودہ نام شہر سبز ہے اور یہ ازبکستان (سابقہ ریاست بخارا) میں واقع ہے۔ چینی مآخذ میں اس کا نام کیا شہ تھا۔ شہر سبز کا نام پہلی بار سکوں پر آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں سامنے آیا۔ تیمور کش کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ اس نے 772ھ / 1370ء میں یہاں آق سرائے محل بنوایا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 278/17)

[2] طخارستان (تخارستان): اصطخری کے بقول طخارستان بلخ کے مشرق، بدخشان کے مغربی، آمودریا کے جنوبی اور کوہستان ہندوکش کے شمالی علاقے پر مشتمل ہے۔ یعقوبی شہر بامیان کو طخارستان اُولیٰ میں شمار کرتا ہے۔ امام طبری نے ترک عرب لڑائیوں میں بخارستان اور طخارستان کے بادشاہ جبغویہ الطخاری کا ذکر کیا ہے۔ 740ء کے بعد طخارستان، بامیان کے غوریوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ساتویں صدی (ہجری) سے طخارستان کا نام ایک علاقے کے طور پر ختم ہو گیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 429/12)۔ ان دنوں تخار، شمالی افغانستان کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت طالقان ہے۔ تخار صوبہ بدخشاں، بغلان اور کُندز میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں آمو بہتا ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)

[3] بادغیس: یہ افغانستان کا شمال مغربی صوبہ ہے جس کا صدر مقام قلعۂ نو ہے۔ یہ ہرات، غور اور فاریاب کے صوبوں میں گھرا ہوا ہے۔ ''بادغیس'' اصل میں بادخیز (آندھی اٹھنے کی جگہ) تھا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 865/3)

[4] آمُل: ترکمانستان کا یہ شہر آمودریا پر واقع ہے۔ آج کل اس کا نام چارجو ہے (المنجد في الأعلام)۔ فارسی کے مشہور شاعر طالب آملی کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ چارجو دریا کے بائیں کنارے ہے جبکہ دائیں کنارے پر فاراب پرستان اور کچھ دور فاراب واقع ہے (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)۔ مشہور فلسفی ابونصر فارابی یہیں کے تھے۔

سے جزیے کی ادائیگی پر صلح کی تجدید کی۔ اس دوران میں نیزک طرخان نے غداری کی اور قتیبہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ اس میں شاہ طالقان [1] نے اس کا ساتھ دیا۔ قتیبہ نے فوراً طالقان پر لشکر کشی کر کے ادھر کی بغاوت کچل دی، پھر انھیں نیزک پر فتح حاصل ہوئی اور اسے 91ھ/709ء میں مرو میں ہلاک کر دیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ طخارستان (افغانستان) میں اپنے 700 ساتھیوں اور آل اولاد کے ساتھ مارا گیا۔

اس کے بعد قتیبہ بن مسلم نے 91ھ/710ء میں شومان، کش اور نسف [2] پر دوسری بار یلغار کی اور اگلے سال (92ھ/710ء) بجستان پر ہلّہ بول دیا، پھر رتبیل کے قاصد صلح کی درخواست لے کر قتیبہ کے پاس آئے تو اس نے مصالحت کر کے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

93ھ/711ء میں قتیبہ نے خوارزم پر چڑھائی کی اور واپسی پر سمرقند والوں سے معرکہ پیش آیا۔ ان لوگوں نے پہلے صلح کر لی تھی، پھر بغاوت کر دی۔ انھوں نے مسلمانوں کے پڑاو پر شبخون مارنا چاہا مگر قتیبہ کو ان کے ارادے کا علم ہو گیا تو انھوں نے ان پر گھات لگا کر حملہ کیا اور دشمن کی چال ناکام بنا دی۔ یہ واقعہ رات کو پیش آیا۔

94ھ/712ء میں قتیبہ نے ایک بار پھر دریائے جیحون پار کیا اور بخارا، کش، نسف اور خوارزم سے شرائط صلح کے مطابق فوج طلب کی تو 20 ہزار

خوارزم (خیوا): یہ "ملک" آمو دریا کی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے۔ ہکاتایوس (یونانی مؤرخ) کے بقول سرزمین خوارزمیان کے دارالحکومت کا نام خوارزمیا (کاث) تھا۔ خوارزم میں زرتشتیوں (مجوسیوں) کے علاوہ عیسائی بھی تھے۔ 385ھ/995ء میں گُرگانج (عربی میں جُرجانیہ) کے والی مامون بن محمد نے خوارزم شاہ کا لقب اختیار کیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آخری برسوں میں قطب الدین محمد نے ایک نئے (خوارزم شاہی) خاندان کی بنیاد رکھی۔ علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے عہد (1200ء تا 1220ء) میں خوارزم (گرگانج) عالَم مشرق کا شاندار شہر تھا اور اس کی سیادت ایران اور عُمان میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ صفر 618ھ/اپریل 1221ء میں گُرگانج پر تاتاری (مغول) قابض ہو گئے اور یہاں کی پوری آبادی قتل یا آمو دریا میں غرق کر دی گئی۔ تیمور نے 1379ء میں اور پھر 1388ء میں اُرگنج (خوارزم) فتح کیا۔ اس یلغار میں دارالسلطنت اُرگنج بالکل تباہ ہو گیا اور اسے زمین کے برابر کر کے وہاں جو بو دیے گئے۔ سولھویں صدی عیسوی میں دارالسلطنت کو خوارزم یا اُرگنج کے بجائے خیوا کہنے لگے۔ 1645ء میں خیوا سے تقریباً 20 میل شمال مشرق میں نیا اُرگنج بسایا گیا۔ خان انوشہ (1663-81ء) نے کاث (یا کات) کو جدید اُرگنج سے 20 میل جانب جنوب دریا کے بائیں کنارے پر پھر سے تعمیر کرایا۔ پھر ترکمانوں کے حملوں سے خیوہ بالکل تباہ ہو گیا حتیٰ کہ 1770ء میں ایناق محمد امین نے جدید خیوا کی بنیاد رکھی۔ اللہ قلی (1825-42ء) نے قدیم اُرگنج کو دوبارہ بسایا۔ 1873ء میں خیوا روسیوں نے فتح کر لیا۔ فروری 1920ء میں خان خیوہ کی معزولی کے بعد عوامی سوویت جمہوریہ خوارزم قائم کی گئی۔ اب اُرگنج اور خیوا ازبکستان میں واقع ہیں (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 9/22-30)۔ جدید خیوا، دریا کے بائیں کنارے واقع ارگنج سے تقریباً 20 میل جنوب مغرب میں ہے جبکہ اُرگنج کے بالمقابل دریا پار البیرونی کی جائے پیدائش "بیرون" موجود ہے۔ کاث (موجودہ گازا چک) اور اُرگنج کے درمیان ہزار اسپ واقع ہے (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)۔ اس کا ذکر اسلامی تاریخ میں شہر ہزار اسپ خومجرد کے نام سے آیا ہے۔ عباسی دور میں خوارزم کی نسبت سے محمد بن موسیٰ خوارزمی مشہور ہوئے جو علم الجبرا کے موجد تھے۔ ان کی تصنیف "الجبر والمقابلہ" اس علم کی پہلی کتاب ہے۔

[1] **طالقان:** یہ طخارستان (افغانستان) کا ایک شہر ہے۔ 617ھ/1220ء میں چنگیز خان نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے کھنڈر چاچکتو کے قریب ہیں۔ طالقان، دیلم (ایران) کا ایک شہر بھی ہے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 12/309)۔ افغانستان کے صوبہ تخار کا شہر طالقان اب بارونق شہر اور صوبائی صدر مقام ہے۔

[2] **نسف (قَرشی):** یہ بخارا کا ایک شہر ہے جو نخشب بھی کہلاتا ہے۔ منگولوں (تاتاریوں) نے یہاں محلات بنوائے، اس لیے سارے علاقے کو قَرشی (منگولی زبان میں "محل") کہنے لگے۔ تیمور کے عہد میں کش (شہر سبز) نے قرشی کی اہمیت کو گہنا دیا مگر اٹھارویں صدی میں قرشی پھر ترقی کرنے لگا۔ نخشب کی شہرت اس افسانوی مصنوعی چاند کی وجہ سے ہے جو مبینہ طور پر مقنع نامی ساحر نے بنایا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ رات کو ایک کنویں (چاہِ نخشب) سے نکلتا تھا اور صبح اسی میں ڈوب جاتا تھا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 22/156)

جنگجو جمع ہوئے جو ان کے ہمراہ سغد کے معرکے میں شریک ہوئے، پھر قتیبہ نے انھیں شاش [1] کی مہم پر روانہ کیا اور خود فرغانہ [2] کی بغاوت فرو کرنے پر توجہ مرکوز کی۔ فرغانہ والوں سے خُجند [3] میں کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمان کامیاب رہے۔ اسی طرح شاش کی طرف روانہ کیے جانے والے لشکر کو بھی فتح حاصل ہوئی (95ھ/713ء)۔ انھوں نے شاش کا بیشتر حصہ جلا ڈالا۔ اس دوران میں قتیبہ نے فرغانہ کے شہر کاشان [4] پہنچ کر انتظامات کیے اور پھر مرو لوٹ آئے۔

دریں اثناء حجاج بن یوسف نے شوال 95ھ/714ء میں وفات پائی، پھر خلیفہ ولید بن عبدالملک نصف جمادی الآخرہ 96ھ/715ء میں انتقال کر گیا اور سلیمان بن عبدالملک مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ قتیبہ بوجوہ سلیمان سے خائف تھے، چنانچہ اسی سال انھوں نے بغاوت کر دی اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سمرقند چلے گئے اور کثیر بن فلان کو کاشغر [5] روانہ کیا، پھر قتیبہ سرحد چین کی طرف چلے گئے۔ وہ چینی سرحد کے قریب پہنچے تو انھیں شاہ چین کا پیغام ملا جس میں جزیہ ادا کرنے کی پیش کش کی گئی تھی۔ آخر کار قتیبہ کا انجام یہ ہوا کہ انھیں اموی فتنے کے دوران میں خراسان میں قتل کر دیا گیا۔ [6] اس وقت ان کی عمر 55 سال تھی۔

1 شاش: اسے ان دنوں ''تاشقند'' کہا جاتا ہے۔ (ترکی زبان میں ''تاش'' کے معنی ہیں ''پتھر'' اور ''کند'' یا ''قند'' بمعنی ''گاؤں'' ہے) چاچ یا شاش کی سرزمین اور اس کے پایۂ تخت کے اولین حالات تیسری صدی مسیحی کے چینی مآخذ میں ملتے ہیں۔ اسلامی دور میں ملک کا نام شاش اور پایۂ تخت کا نام ''بنکث'' یا بقول بلاذری ''طاربند'' تھا۔ شہر تاشکند (تاشقند) نخلستان چرچک میں سیر دریا (سیحون) کے داہنی طرف کی ایک معاون ندی کے کنارے آباد ہے۔ اس کا نام تاشکند اول اول البیرونی کی تاریخ الہند میں ملتا ہے۔ 751ء میں چینی گورنر نے شاش کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے نے عربوں سے امداد مانگی تو ابومسلم (خراسانی) نے زیاد بن صالح کو بھیجا جس نے ذی الحجہ 133ھ/جولائی 751ء میں چینیوں کو شکست دی۔ اسلامی دور میں خانہ بدوشوں کی یلغار کے خلاف یہاں ایک دیوار بنائی گئی جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ مختلف ادوار میں یہاں سامانیوں، ازبکوں، قازاقوں، قلماقوں اور خوجوں کی حکومت رہی۔ 1865ء میں رُوسیوں نے تاشقند پر قبضہ کر لیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 6/79-83)۔ تاشقند (عربی میں طشقند) ازبکستان کا دارالحکومت ہے۔ آبادی 21 لاکھ ہے۔ 1966ء میں یہاں تباہ کن زلزلہ آیا (المنجد في الأعلام)۔ جنوری 1966ء میں پاکستان اور بھارت میں یہیں صلح نامے (اعلانِ تاشقند) پر دستخط ہوئے۔

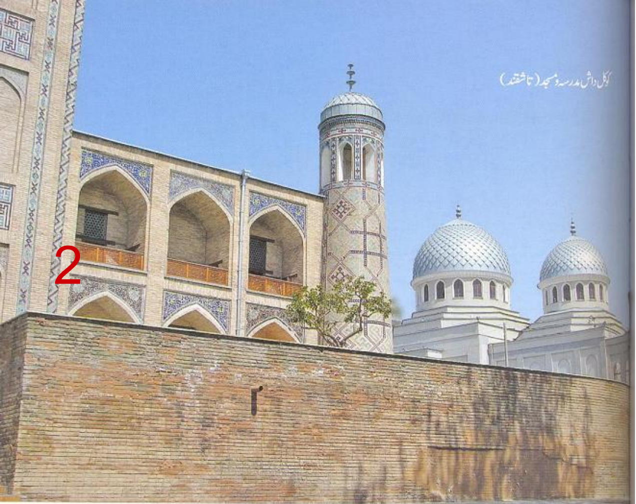
2 فرغانہ: یہ ازبکستان کی وادیٔ فرغانہ کا ایک شہر ہے۔ آبادی 2 لاکھ ہے۔ وادیٔ فرغانہ کے دیگر شہر اندیجان، قوقند، اوش اور مارگیلان ہیں (المنجد في الأعلام)۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر فرغانہ ہی کا رہنے والا تھا۔

3 خجند: یہ دریائے سیحون (سیر دریا) کے کنارے ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے۔ فرغانہ سے اس کی حدود ملتی ہیں۔ علم ہیئت کے ماہر حامد بن خضر الخجندی (متوفی 391ھ/1000ء) یہیں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سُدس (مقیاس ارتفاع) نامی آلہ تیار کیا جس سے سورج کا انتہائی ارتفاع دریافت کیا۔ (معجم البلدان: 2/348)

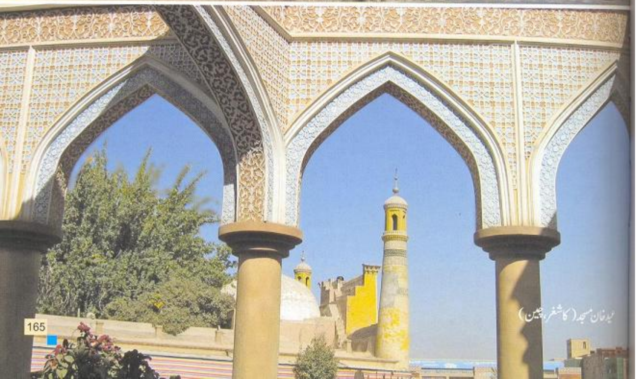
4 کاشان: اس کا نام دراصل کاسان ہے جو وادیٔ فرغانہ (اُزبکستان) میں شاش (تاشقند) سے پرے دریائے سیحون کے جانبِ شمال واقع ہے۔ حنفی فقیہ ابوبکر بن مسعود بن احمد علاء الدین یہیں کے رہنے والے تھے جنھیں غلطی سے کاشانی بھی لکھا جاتا ہے، حالانکہ ان کی نسبت ''کاسان'' سے ہے جبکہ کاشان ایران کا ایک شہر ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 15/7)

5 کاشغر: یہ عوامی جمہوریۂ چین کے صوبہ سنکیانگ (موجودہ شن جیانگ) کا ایک شہر ہے (''کاش'' بمعنی رنگا رنگ اور ''غر'' بمعنی خشتی مکان)۔ پہلی صدی ق م میں چینیوں نے کاشغر (لائی ننگ) پر قبضہ کیا۔ 96ھ میں قتیبہ بن مسلم نے کاشغر فتح کیا۔ کاشغر کے پہلے مسلمان خان کی حیثیت سے سَتُق بُغرا خان (344ھ/955ء) کا نام ملتا ہے۔ 1219ء میں چنگیز خان نے اور پھر امیر تیمور نے اسے تاخت و تاراج کیا۔ 1755ء میں چینیوں نے ایک بار پھر کاشغر فتح کر لیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 17/18)

6 قتیبہ کے لشکر میں بنوتمیم بڑی تعداد میں تھے جن کا سردار وکیع سلیمان کا حامی تھا، چنانچہ وکیع کی قیادت میں بنوتمیم نے قتیبہ کو گھیر کر قتل کر دیا۔ قتیبہ کے ساتھ ان کے بھائی اور بیٹے بھی مارے گئے جن کی تعداد 11 تھی۔ اس کا صرف ایک بھائی عمر بن مسلم بچا جس کی ماں بنوتمیم سے تھی۔ (تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی: 1/757)



کوکل داش مدرسہ و مسجد (تاشقند)



عیدخان مسجد (کاشغر، چین)

شام و فلسطین کی فتح

1

نبیِ اکرم ﷺ کا نامۂ مبارک ہرقل کے نام

2



بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم
سلام على من اتبع الهدى أما بعد:
فإني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم يوتك الله أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم الأريسيين و ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندے اوراس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے رومی حکمران ہرقل کے نام

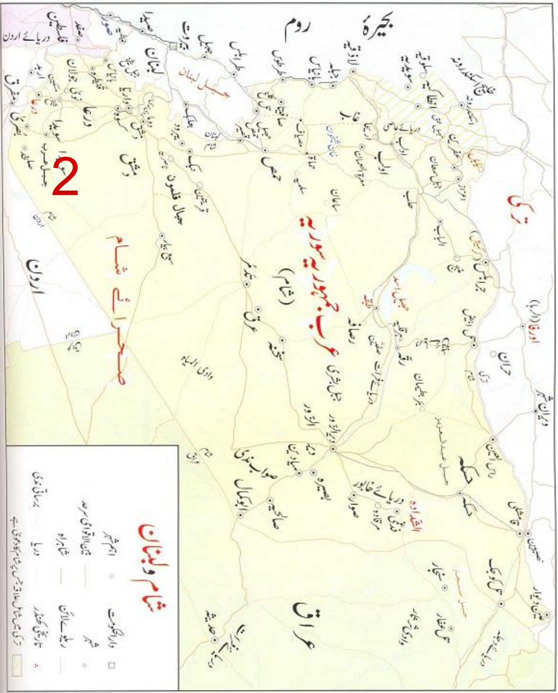
جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو! امابعد:

پس میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔تم اسلام قبول کرلو،سلامت رہو گے۔اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا، پھر اگر تم نے حق سے منہ موڑا تو ان کاشتکاروں (شام و مصر وغیرہ کے عیسائیوں) کی گمراہی کا بوجھ تمھی پر ہوگا۔اور (قرآن مجید میں ارشاد باری ہے):

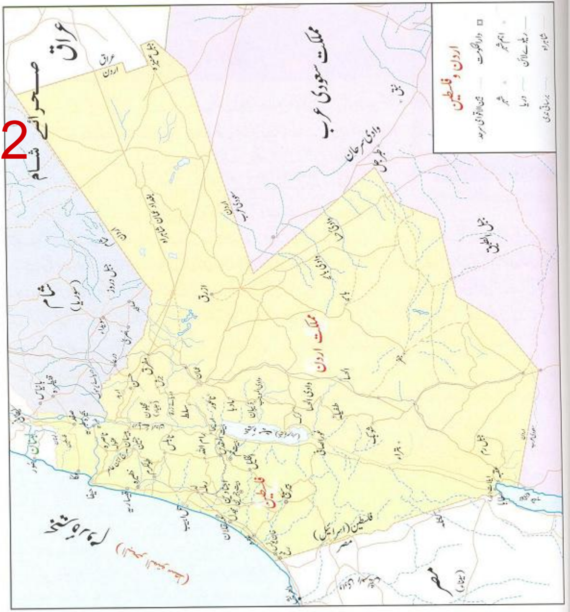
2 ”اے اہل کتاب !ایک کلمے کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو پروردگار نہ ٹھہرائے، پھر اگر وہ (حق سے) منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔“ (ال عمرٰن 3:64)



مسجد نبوی کا منقش سنہری دروازہ


شام و لبنان
عرب جمہوریہ سوریہ (شام)
صحرائے شام
بحیرہ روم
ترکی
عراق
اردن
لبنان
جبل لبنان
دمشق
حلب
حمص
تدمر
دیر الزور
بیروت
طرابلس
لاذقیہ

نقشہ 65



نقشہ 66

اردن و فلسطین



شاہ عبداللہ مسجد (عمان)

2

فتح شام کا آغاز

جیسا کہ ہم نے فتح عراق کے معاملے میں دیکھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہاں دو افواج بھیجی تھیں اور ان کے ذمے الگ الگ مہمات لگائی تھیں۔ دونوں عساکر نے فرات کے مغربی علاقوں پر یلغار کی تھی، پھر متحد ہو کر انھوں نے دریائے فرات کے مختلف دھارے عبور کر کے مدائن پر دھاوا بولا تھا۔ اسی طرح آپ نے شام کی طرف چار جیش روانہ کیے تھے جن کے لیے الگ الگ طے کر دیا تھا کہ وہ کس کس سمت میں حملہ آور ہوں گے اور ان کے الگ الگ قائد بھی مقرر کر دیے تھے، چنانچہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے دمشق پر، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اُردن [1] پر، ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ نے حمص [2] پر اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فلسطین پر لشکر کشی کی۔

جیسے فتح عراق اولین فوج کشی کے مطابق مکمل نہیں ہوئی، جس کا نقشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طے کر گئے تھے، اسی طرح فتح شام کی تکمیل بھی مذکورہ بالا اساس پر نہیں ہوئی جس میں ہر علاقے کے لیے الگ الگ جیش مختص کیے گئے تھے کہ ہر جیش اس علاقے کی فتح کی تکمیل کرے۔ فتح شام میں کچھ رکاوٹیں بھی پیش آئیں۔ ابتدا میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جنوبی شام میں بلقاء [3] کے مقام پر محفوظ فوج کے ساتھ مقیم تھے۔ انھوں نے شام پر دھاوا بولا اور خلیفہ کے حکم کے بغیر مرج الصفر تک بڑھتے چلے گئے۔ لیکن رومیوں کے بھاری لشکر نے ان کا راستہ روکا اور اسلامی فوج کے دستے منتشر کر دیے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بڑا صدمہ تھا۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو، جو عراق جانے والے لشکر کے سالار تھے، یہ ہدایت کی تھی کہ وہاں سے آدھا لشکر لے کر شام روانہ ہو جائیں اور اس کے ساتھ فتوحاتِ شام کی کارروائیوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیں۔

1 اُردن: مملکت اردن کے شمال میں شام (سُوریا)، مغرب میں فلسطین، مشرق میں عراق اور جنوب میں سعودی عرب واقع ہیں۔ خلیج عقبہ پر اُردن کی بندرگاہ عقبہ واقع ہے۔ شمال مغربی اردن اور فلسطین کے درمیان (بحیرۂ طبریہ سے بحیرۂ میت تک) دریائے اردن حد بناتا ہے۔ اس کا دارالحکومت عمان ہے (المنجد في الأعلام)۔ برطانویوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ترکوں سے فلسطین واُردن چھین لیے تھے اور 1921ء میں یہاں ہاشمی خاندان کی بادشاہت قائم کر دی تھی جو اب تک چلی آ رہی ہے۔ 1948ء تا 1967ء غرب اردن بشمول بیت المقدس اردن میں شامل رہا۔ جون 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے غرب اردن اور بیت المقدس ہتھیا لیے۔ اردن نے 1946ء میں برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی اور 1948ء سے پہلے یہ ملک شرق اردن کہلاتا تھا۔ (اطلس القرآن، اُردو)

2 حمص: یہ شام کا تاریخی شہر ہے جو دارالحکومت دمشق سے تقریباً 300 کلومیٹر شمال میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام اپنے مولد بابل سے ہجرت کر کے حمص کے راستے فلسطین کے شہر الخلیل پہنچے تھے اور وہاں سے مصر کے دارالحکومت ممفس چلے گئے تھے۔ حمص کو حمص بن مہر عملیکی نے آباد کیا تھا اور اسی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شہر عہد فاروقی میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں فتح ہوا (14ھ)۔ یہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ اور بیٹے عبدالرحمٰن، عیاض بن غنم، عبیداللہ بن عمر، سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابودرداء اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں۔ (معجم البلدان: 2/302-304)

3 بلقاء: یہ شمال مغربی اردن میں ایک صوبہ ہے جس کا صدر مقام السلط (جبال بلقاء) ہے۔ السلط عمان اور دریائے اردن کے درمیان واقع ہے (المنجد في الأعلام)۔ ماضی میں بلقاء ملک شام میں شمار ہوتا تھا۔ 1921ء میں مملکت شرق اردن کی تشکیل سے یہ اس نئی مملکت کا حصہ بن گیا۔



دمشق : 4000 سال سے آباد شہر

دمشق شام کا سب سے بڑا شہر ہے جو 36 درجے 18 دقیقے طول بلد مشرقی اور 33 درجے 30 دقیقے عرض بلد شمالی کے درمیان واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے تقریباً سات سو میٹر بلند ہے اور لبنان شرقیہ کے سلسلۂ کوہ کی مشرقی پہاڑی جبل قاسیون کے دامن میں آباد ہے۔ دمشق کے مشرق اور شمال مشرق میں دریائے فرات تک ایک نیم صحرائی میدان پھیلا ہوا ہے جو جنوب کی جانب صحرائے عرب میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اسے صحرائے شام کہتے ہیں۔ 1950ء میں دمشق کے جنوب مشرق میں ''تل الصالحیہ'' کے مقام پر جو کھدائیاں ہوئیں، ان سے یہاں چار ہزار سال قبل مسیح تک ایک شہری مرکز ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔

فرعون تھتموسس سوم نے پندرھویں صدی ق م میں دمشق فتح کیا تھا۔ تل الامرنہ کے کتبوں میں اس کا نام دمشکا (Dimashka) درج ہے۔ رعمسیس ثالث کے کتبوں میں یہ نام درمسک (Darmesek) کی شکل میں ملتا ہے۔ گیارھویں صدی ق م میں دمشق سرزمین آرام کا بارونق صدر مقام تھا جس کا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ملتا ہے (بائبل، پیدائش، 10:22 و 15:14) حتی کہ آج بھی دمشق کے شمال میں مقام برزہ کی مسجد ابراہیم (علیہ السلام) کو مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں آرامیوں (حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے سامی النسل ایک قوم) نے اس شہر کا نقشہ تیار کیا جس کے بازار خط مستقیم میں ایک دوسرے کو قطع کر کے چوراہے بناتے تھے۔ یہ نقشہ دو ہزار ق م کے بابل اور اشور کے مشابہ تھا۔ دمشق کا شہر اپنے نہری نظام کی تیاری کے لیے آرامیوں ہی کا مرہون منت تھا۔ (ملخص مقالہ ''دمشق'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 398,397/9)

بائبل، کتاب سلاطین 2 کے ابواب 5 اور 8 میں دمشق کا ذکر آتا ہے۔ جب شاہ آرام کے سپہ سالار نعمان ابرص سے الیشع نبی (حضرت الیسع علیہ السلام) نے فرمایا کہ دریائے اردن میں سات بار غوطہ مارتا کہ تیرا جسم کوڑھ سے پاک ہو جائے تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا: ''کیا دمشق کی ندیاں ابانہ اور فرفر اسرائیل کی سب ندیوں سے بڑھ کر نہیں؟ کیا میں ان میں نہا کر پاک صاف نہیں ہو سکتا؟'' بعد میں اس نے اردن میں سات غوطے لگائے تو کوڑھ سے نجات پائی۔

دمشق حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ 732 ق م میں اشوریوں نے شہر پر قبضہ کر کے معبد اور محل لوٹ لیا۔ اشوریوں کے بعد بابلی، ایران کے ہخامنشی، یونانی اور رومی یکے بعد دیگرے دمشق پر قابض رہے۔ یونانی سلیوکیوں نے اسے دارالحکومت بنا لیا تھا۔ لیکن جب 64 ق م میں پومپی نے شام کو رومی سلطنت میں شامل کر لیا تو رومیوں نے صوبائی دارالحکومت دمشق کے بجائے انطاکیہ کو مقرر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت 612ء میں ایرانی شہنشاہ خسرو ثانی نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے اسے 627ء میں خالی کیا۔ رجب 14ھ / ستمبر 635ء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے دمشق فتح کر لیا مگر اگلے سال جنگ یرموک کے دوران میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شہر خالی کر دیا۔ تاہم یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل دمشق نے ہتھیار ڈال دیے (دسمبر 636ء)۔ 1154ء میں سلطان نور الدین زنگی نے دمشق فتح کر لیا۔ اس کے بعد یہ شہر یکے بعد دیگرے زنگی اور ایوبی سلطنتوں کا دارالحکومت رہا۔ 1260ء میں ہلاکو خان نے دمشق پر قبضہ کر کے ایوبی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، تاہم اسی سال تاتاری عین جالوت کی جنگ میں مملوک امیر رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں شکست کھا کر دمشق خالی کر گئے۔ 1516ء میں دمشق سلطنت عثمانیہ کی عملداری میں آ گیا۔ 1915ء میں یہیں شریف مکہ حسین کے بیٹے امیر فیصل اور برطانویوں میں خفیہ ''میثاق دمشق'' طے پایا جس کی رو سے برطانیہ نے عربوں کی ''آزادی'' تسلیم کرنے کا ''وعدہ'' کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم عرب خصوصاً فلسطین اسی میثاق دمشق کے منحوس نتائج آج تک بھگت رہا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے ساتھ ہی 30 ستمبر 1918ء کو ترک فوجیں دمشق خالی کر گئیں اور اتحادی دستے اس پر قابض ہو گئے۔ مارچ 1920ء میں فیصل نے دمشق میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا مگر اپریل میں نام نہاد جمعیت اقوام کے فیصلے سے فرانس کو شام پر انتداب کا حق مل گیا۔ 25 جولائی 1920ء کو فرانسیسی فوج دمشق پر قابض ہو گئی۔ 1941ء میں فرانسیسی استعمار کا خاتمہ ہوا تو دمشق آزاد جمہوریہ شام (الجمهورية العربية السورية) کا دارالحکومت ٹھہرا۔ (اطلس القرآن (اردو) دارالسلام، ص: 193,192)



بیروت کا فضائی منظر



صیداء کا پرانا قلعہ

بلادِ شام کی کیفیت

جغرافیائی حوالے سے مسلمانوں اور رومیوں کی جنگوں کے احوال پر ملک شام کے طبعی حالات کا بے حد اثر پڑا، لہٰذا ان کا ذکر ضروری ہے۔

ساحل شام تمام تر بحیرۂ روم (البحر المتوسط) کے مشرقی ساحل پر مشتمل ہے۔ یہ ایک تنگ ساحلی میدان ہے جو لبنان [1] کی بندرگاہوں جونیہ [2] اور بیروت [3] کے پاس چند سو میٹر تک محدود ہے اور جنوب میں فلسطین میں اس میدان کی وسعت کچھ زیادہ ہے۔ مشرق میں اس کی حدود جبال لبنان کا پہاڑی سلسلہ ہے جس کی سطح سمندر سے اوسط بلندی 5 ہزار فٹ ہے مگر کہیں کہیں اس کی بلندی 11 ہزار فٹ تک پہنچتی ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ شمال میں خلیج اسکندرون [4] سے جنوب میں جبال حجاز (سعودی عرب) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے درمیان چند ہی وادیاں ہیں۔

1 لبنان: یہ ایشیائی ملک بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے شمال و مشرق میں شام، مغرب میں بحیرۂ روم اور جنوب میں فلسطین ہے۔ اس کا رقبہ 10450 مربع کلومیٹر اور آبادی 38 لاکھ (سے زائد) ہے۔ دارالحکومت بیروت ہے اور دیگر اہم شہر طرابلس، صیدا، صور، جونیہ، زحلہ، نبطیہ، جُبیل اور بعلبک ہیں۔ اس کی شمالاً جنوباً لمبائی 220 کلومیٹر ہے۔ یہاں ماضی قدیم میں فنیقی تہذیب پروان چڑھی۔ اس پر سلیوکی، یونانی، رومی، بازنطینی اور ایرانی قابض رہے حتی کہ مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ پھر یہاں صلیبی، ایوبی، ممالیک اور عثمانی قابض رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لبنان پر فرانس نے قبضہ جما لیا۔ 1943ء میں آزادی ملی۔ 1982ء (اور 2006ء) میں لبنان کو اسرائیل کی تباہ کن فوجی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا (المنجد في الأعلام)۔ 1943ء تک لبنان شام ہی میں شمار ہوتا تھا۔

2 جونیہ: یہ بیروت (سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال میں) لبنان کی ایک بندرگاہ ہے اور صوبہ کسروان کا دارالحکومت ہے۔ (المنجد في الأعلام)

3 بیروت: لبنان کا دارالحکومت بیروت 12 لاکھ (سے زائد) آبادی کا شہر اور بحیرۂ روم کی اہم بندرگاہ ہے۔ یہ رومی دور میں پروان چڑھا اور 555ء میں زلزلے نے اسے تباہ کر دیا۔ یہاں چار مشہور یونیورسٹیاں ہیں: امریکن یونیورسٹی، جامعہ قدیس یوسف، جامعہ لبنانیہ اور جامعہ عربیہ۔ 77-1976ء کے خونریز واقعات اور 1982ء کے اسرائیلی حملے میں بیروت کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ (المنجد في الأعلام)

4 اسکندرون: (ترکی کا) یہ شہر خلیج اسکندرون کے ساحل پر واقع ہے۔ اسے عربی میں اسکندرونہ یا اسکندریہ کہتے ہیں، نیز چھوٹا اسکندریہ بھی کہا گیا ہے۔ 1939ء میں اسکندرون کی ملکیت پر ترکی اور شام کے مابین جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آبادی سوا لاکھ (سے زائد) ہے۔ (المنجد في الأعلام، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 651/2)



روم کے ساحل پر حیفہ کا تاریخی شہر جواب اسرائیلیوں کے تسلط میں ہے۔

بحیرۂ روم: یہ سمندر براعظم یورپ، افریقہ اور ایشیا میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 29 لاکھ 66 ہزار مربع کلومیٹر ہے جس میں بحیرۂ اسود کا رقبہ بھی شامل ہے (جو درہ دانیال اور آبنائے باسفورس کے ذریعے سے بحیرۂ روم سے ملا ہوا ہے)۔ اسے عربی میں البحر الأبیض اور البحر المتوسّط (Mediterranean) کہتے ہیں۔ بحیرۂ روم آبنائے جبل الطارق کے ذریعے سے بحراوقیانوس سے ملا ہوا ہے (یہ آبنائے اسپین اور مراکش کے درمیان حائل ہے)۔ نہر سویز اسے بحیرۂ احمر سے ملاتی ہے۔ تیونس اور صقلیہ (سسلی) کے مابین بحیرۂ روم دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے، یعنی ① مشرقی بحیرۂ روم جس میں بحیرۂ ایڈریاٹک، بحیرۂ آئیونیا (بحیرۂ یونان) اور بحیرۂ ایجین شامل ہیں۔ ② مغربی بحیرۂ روم جس میں بحیرۂ ٹائرینین (Tyrrhenian) بھی شامل ہے (جو اٹلی اور جزائر سارڈینیا و سسلی کے مابین واقع ہے)۔ بحیرۂ روم کے مشہور جزائر قبرص، روڈس، کریٹ، سسلی (صقلیہ)، سارڈینیا، کارسیکا، مالٹا، جزائر بلیارک اور جزائر یونان ہیں۔ (المنجد في الأعلام، ص:520)

شمال میں انطاکیہ [1] کے پاس دریائے عاصی [2] کی وادی ہے، (جنوبی لبنان میں دریائے لیطانی بہتا ہے) اور عکا [3] کے مشرق میں اور حیفا [4] کے سامنے مرج ابن عامر واقع ہے۔

اس پہاڑی سلسلے کے متوازی مشرق میں ایک طویل اور تنگ حوض (میدان) ہے جو شمال میں میدان العمق سے شروع ہوتا ہے، پھر جنوب میں جبال لبنان اور جبال لبنان شرقیہ کے درمیان سہل البقاع (میدان بقاع) واقع ہے جس میں سے دریائے لیطانی بہتا ہے۔ اس نشیب کی

1 **انطاکیہ (Antioch):** یہ شہر دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شامل ہے۔ یہ جنوبی ترکی میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ ''سکندر اعظم کے بعد تیسرے حکمران انٹیوکس (Antiochus) نے اسے آباد کیا اور اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اسے انطاکیہ بنت روم بن یقن بن سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا'' (معجم البلدان: 1/ 266)۔ پہلی صدی ق م سے یہاں رومی حکمران رہے۔ 258ء اور 540ء میں اسے ایرانیوں نے برباد کیا، دریں اثناء شدید زلزلے نے آلیا۔ 636ء میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انطاکیہ فتح کیا۔ 1098ء میں اس پر صلیبی قابض ہو گئے۔ 1268ء میں مملوک سلطان رکن الدین بیبرس نے عیسائیوں کو انطاکیہ سے مار بھگایا۔ یہاں حبیب النجار کی درگاہ مشہور ہے جس کا ذکر بغیر نام کے قرآن مجید (سورۂ یٰسٓ) میں آیا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 435,434/3)۔ انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ حلب سے تقریباً 100 کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص237)

2 **دریائے عاصی:** 570 کلومیٹر لمبا یہ دریا ہرمل (لبنان) کے قریب مغارۃ الراہب سے نکلتا ہے۔ بقاع شمالی میں سے گزر کر یہ شام میں داخل ہوتا اور جھیل قطینہ میں گرتا ہے، پھر حمص، حماہ اور انطاکیہ کے پاس سے بہتا ہوا خلیج سویدیہ (بحیرۂ روم) میں جا گرتا ہے۔ انطاکیہ سے پہلے جھیل العمق میں سے گزر کر آنے والا دریائے عفرین بھی عاصی میں آملتا ہے۔ (المنجد في الأعلام)

3 **عکا:** فلسطین کا یہ شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں اس پر صلیبی تسلط رہا اور 1191ء میں رچرڈ (شاہ انگلستان) نے یہاں 2600 شہریوں کو امان دینے کے بعد شہید کر دیا، پھر اس پر سینٹ جان کے نائٹس قابض رہے حتی کہ 1291ء میں سلطان اشرف نے اسے فتح کر کے برباد کر دیا تاکہ دوبارہ صلیبی ادھر کا رخ نہ کریں۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں عکا پھر آباد ہوا۔ 1799ء میں نپولین بونا پارٹ نے اس کا ناکام محاصرہ کیا۔ 1840ء میں ابراہیم پاشا نے اسے فتح کرنے کے بعد تباہ کر دیا۔ اس کی آبادی 40 ہزار سے زائد ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 428/13، المنجد في الأعلام)۔ 1948ء سے عکا (عکہ) پر اسرائیلی قابض ہیں۔ اسے بائبل میں اکّو یا عکّو (Akko)، یونانی میں ٹالمائس (Ptolemais) اور فرانسیسی میں (Acre) لکھا گیا ہے۔

4 **حیفا:** مقبوضہ فلسطین کا یہ شہر جبل کرمل کے دامن میں خلیج عکہ کے ساحل پر واقع ہے۔ آبادی 2 لاکھ 29 ہزار سے زائد ہے۔ (المنجد في الأعلام)



بحیرۂ مردار کا منظر (اردن)



جھیل طبریہ (بحیرۂ گلیلی)

چوڑائی 8 تا 14 کلومیٹر اور لمبائی 120 کلومیٹر ہے۔ جنوب کی طرف یہ نشیب ڈھلوان ہے اور دریائے اُردن [1] کی وادی کی طرف چلا گیا ہے۔ آگے البحر المیّت (بحیرۂ مردار) [2] ہے اور پھر خلیج عقبہ تک وادیٔ عربہ ہے جسے الغور کہتے ہیں۔ دریائے اُردن، بحیرۂ مردار اور وادیٔ عربہ اُردن اور فلسطین کے درمیان حدِّ فاصل ہیں۔ یہ طویل نشیب طبریہ [3] کے پاس سطحِ سمندر سے 685 فٹ نیچے ہے جہاں بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ گلیلی) واقع ہے۔ بحیرۂ مردار پر سطحِ سمندر سے اس نشیب کی گہرائی تقریباً 1300 فٹ ہے اور یہ دنیا میں خشکی پر سب سے گہرا مقام ہے۔ اس میدان میں دریائے عاصی

[1] دریائے اُردن: یہ دریا لبنان کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب کو بہتا اور بحیرۂ طبریہ (گلیلی) میں سے گزر کر 320 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے بحیرۂ میّت میں جا گرتا ہے۔ دریائے اردن جب لبنان سے فلسطین کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو وہاں اسے نہر الحاصبانی کا نام دیا جاتا ہے جو جھیل حولہ میں سے گزر کر بحیرۂ طبریہ کی طرف بڑھتا ہے۔ بحیرۂ طبریہ سے آگے مشرق (شام) سے دریائے یرموک دریائے اردن میں آن ملتا ہے۔ مزید جنوب کی طرف دریائے زرقا (اردن کی طرف سے) آ ملتا ہے اور مغرب سے دریائے جالوت بیسان کے پاس اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ بحیرۂ طبریہ اور بحیرۂ میّت کے درمیان دریائے اردن فلسطین اور مملکت اردن کی حد بناتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 327/2)

[2] بحیرۂ مردار (بحیرۂ میّت): اسے عربی میں البحر المیت اور اردو میں بحیرۂ مردار کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل نمکین پانی کی جھیل ہے۔ اس کے مشرق میں اردن ہے اور مغرب میں غرب اردن اور اسرائیلی مقبوضہ فلسطین ہیں۔ لبنان کے پہاڑوں سے آنے والے دریائے اردن اور اس کے معاونوں دریائے یرموک اور دریائے زرقا کا پانی بحیرۂ مردار میں گرتا ہے۔ وادی العربہ، وادی الحسا، وادی الموجب اور وادی زرقا اور معین نامی ندیاں جنوب اور مشرق سے آ کر اس میں گرتی ہیں۔ اس کا رقبہ 1000 مربع کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ گہرائی 40 میٹر ہے۔ بحیرۂ میّت چونکہ ایک بند جھیل ہے، لہٰذا ان دریاؤں اور ندیوں کے ساتھ آنے والے نمک کے باعث اس کی نمکینی بہت بڑھی ہوئی ہے، چنانچہ کوئی جاندار اس بحیرے کے پانی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ بحیرۂ میّت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ سطحِ ارض پر سب سے زیادہ نشیب میں واقع ہے اور اس کی سطح عالمی سمندر کی سطح سے 400 میٹر نیچے ہے۔ یاد رہے دنیا کے تمام سمندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یوں اس عالمی سمندر کی سطح کو سطحِ سمندر کہا جاتا ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 87)

[3] طبریہ: فلسطین کا یہ شہر بحیرۂ طبریہ کے مغربی کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی پچیس تیس ہزار ہے۔ یروشلم کی تباہی (586 ق م) کے بعد طبریہ یہودیوں کا تہذیبی مرکز بن گیا (المنجد في الأعلام)۔ اسے 13 ھ میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ 1099ء میں یورپی صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین ایوبی نے معرکۂ حطین (583ھ/1087ء) میں فتح یاب ہو کر طبریہ کو صلیبی قبضے سے چھڑایا۔ بحیرۂ روم کی بندرگاہوں حیفا اور عکا دونوں سے طبریہ کا فاصلہ پچاس پچاس کلومیٹر ہے جبکہ بیت المقدس اور دمشق دونوں میں سے ہر ایک طبریہ سے تقریباً 125 کلومیٹر دور ہے۔ بائبل میں اس کا نام گلیل آیا ہے۔ گرم پانی کا ایک چشمہ جو ''حمہ سلیمان بن داود'' کہلاتا ہے، طبریہ اور بیسان کے درمیان واقع ہے۔ بحیرۂ طبریہ کے اندر ایک تراشیدہ چٹان ہے جس کے بارے میں مقامی لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 198,197)


بیت المقدس (یروشلم)

فلسطین: انبیاء کی سرزمین

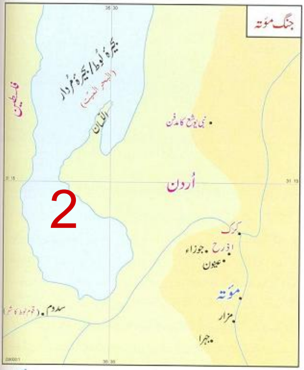
اس خطۂ زمین کے شمال میں لبنان، شمال مشرق میں شام، مشرق میں اردن اور بحیرۂ مردار، مغرب میں بحیرۂ روم، جنوب میں خلیج عقبہ اور جنوب مغرب میں صحرائے سینا (مصر) واقع ہیں۔ دریائے اردن فلسطین اور اردن کے مابین حد فاصل ہے۔ ماضی میں فلسطین شام کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام فلسطین بن سام بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ جبکہ کتاب ابن الفقیہ میں لکھا ہے کہ یہ فلسطین بن کسلوخیم بن صدقیا بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے (معجم البلدان: 274/4)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فلستی یا فلسطی قوم 13 ویں صدی ق م میں کیلیکیا (اناطولیہ) یا جزیرہ کریٹ سے آ کر بحیرۂ روم کے ساحل پر عسقلان اور غزہ کے درمیان آباد ہوئی۔ انھوں نے کنعانیوں کو نکال باہر کیا جو 3000 ق م سے یہاں آباد تھے (المنجد في الأعلام : 416)۔ فلسطینیوں کے نام پر اس علاقے کو فلسطین کہا جانے لگا جبکہ پہلے یہ کنعان کہلاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام 1800 ق م کے لگ بھگ فلسطین میں وارد ہوئے۔

فلسطین کے ساحلی شہروں میں عکا، حیفا، قیساریہ اور تل ابیب یا فا شامل ہیں۔ ماضی کے فلسطینی شہر یافا کا نام اب تل ابیب یافا ہے۔ بیت المقدس یا القدس فلسطین کے وسط میں واقع ہے جو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تینوں کے نزدیک مقدس ہے۔ دیگر مشہور شہر الخلیل، نابلس، جنین، رام اللہ، رملہ، ناصرہ، لدّ، اریحا، بیت لحم، بئر سبع، غزہ، بیت جبرین، خان یونس اور عسقلان ہیں۔ عسقلان حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا شہر ہے۔ بیت لحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اور اریحا (جریکو) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا قدیم ترین مسلسل آباد شہر ہے جو تقریباً 7000 سال سے آباد ہے۔

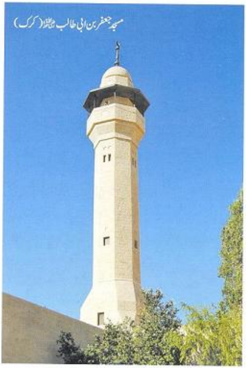
فلسطین کا علاقہ زیادہ تر پہاڑی ہے، اس میں جبال الخلیل، جبال کرمل، جبال نابلس اور جبال الجلیل مشہور ہیں۔ یہاں رومی خطے کے پھل بکثرت ہوتے ہیں۔ جنوب کے علاقے میں صحرائے نقب ہے۔ فلسطین کا جنوبی گوشہ خلیج عقبہ سے جا لگتا ہے جہاں اسرائیلی بندرگاہ ایلات اردنی بندرگاہ عقبہ کے بالمقابل واقع ہے۔ بحیرۂ مردار (بحرِ میت) دنیا کا پست ترین مقام ہے جو عالمی سطح سمندر سے 1200 فٹ نیچے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاران سے حلب کے راستے فلسطین پہنچے تھے۔ یہاں وہ جبل بیت المقدس پر مقیم رہے۔ پھر مصر تشریف لے گئے تھے اور ایک عرصہ بعد فلسطین لوٹ آئے اور بئر سبع میں قیام فرمایا۔ اس ہجرت کے دوران میں حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تاریخی طور پر اردن کا دارالحکومت عمان بھی فلسطین میں شمار ہوتا ہے۔

فلسطین میں دسویں صدی قبل مسیح میں حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت قائم ہوئی تھی جو 930 ق م میں "اسرائیل" اور "یہودیہ" دو سلطنتوں میں بٹ گئی۔ "اسرائیل" کو 721 ق م میں اشوریوں نے اور یہودیہ کو 586 ق م میں بخت نصر نے تباہ کر دیا۔ یوں مختلف زمانوں میں فلسطین پر مصری، اشوری، کلدانی (بابلی)، ایرانی، یونانی اور رومی حکمران رہے حتیٰ کہ 634ء میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فلسطین فتح کر لیا۔ 1099ء تا 1187ء کے دوران میں یورپی صلیبی بیت المقدس (فلسطین) پر قابض رہے۔ 1516ء سے 1917ء تک فلسطین عثمانی ترک سلطنت میں شامل رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں برطانویوں نے اس پر تسلط جما لیا اور پھر ایک سازش کے تحت یہودیوں کو غاصبانہ طور پر یہاں لا بسایا جن کے آباء واجداد کو 1780 سال پہلے رومی شہنشاہ ہیڈرین نے جلاوطن کر دیا تھا۔ آخر کار مئی 1948ء میں صہیونی یہودی فلسطین میں اسرائیل کے نام سے اپنی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، پھر تین چار جنگوں میں اسرائیل کو وسعت دے کر پورے فلسطین پر تسلط جما لیا جبکہ 40 لاکھ سے زائد مسلمان، جنھیں یہودیوں نے دہشت گردی کے ذریعے سے ان کے گھروں سے نکال دیا، کیمپوں میں تکلیف دہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

فلسطین کا رقبہ 27 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اقوام متحدہ نے نومبر 1947ء میں فلسطین کا 55 فیصد علاقہ سوا چھ لاکھ یہودیوں کو دے دیا جبکہ 45 فیصد رقبہ ساڑھے بارہ لاکھ فلسطینیوں کے لیے چھوڑا گیا مگر اسرائیل نے 1948ء کی جنگ میں اپنا زیر قبضہ علاقہ 78 فیصد تک بڑھا لیا اور بقیہ 22 فیصد (غرب اردن، مشرقی بیت المقدس اور غزہ کی پٹی) جون 1967ء کی جنگ میں ہتھیا لیا۔ یوں اب پورا فلسطین یہود کے غاصبانہ تسلط میں ہے۔ 1948ء میں اسرائیل نے تل ابیب (یافا) کو دارالحکومت بنایا تھا مگر اب بیت المقدس (یروشلم) کو دارالحکومت بنا رکھا ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 84,83)



نقشہ 67



مسجد جعفر بن ابی طالب ؓ (کرک)

غزوۂ مؤتہ: 3 ہزار 2 لاکھ کے مقابلے میں

شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی ؓ کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے ان کا قصاص لینے کے لیے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہ ؓ کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس لشکر نے جنوبی اردن پہنچ کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر ''مؤاب'' میں خیمہ زن ہے اور اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ نصرانی عرب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع پر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ''مُؤتہ'' میں پڑاؤ ڈال دیا جہاں تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ پیش آیا۔ تین ہزار جانباز، دو لاکھ کے لشکر جرار کا مقابلہ کر رہے تھے۔ رُومی لشکر دن بھر حملے کرتا اور اپنے بہت سے بہادر گنوا بیٹھتا تھا، لیکن اس مختصر سی نفری کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا ''علم'' پہلے حضرت زید بن حارثہ ؓ نے لیا۔ وہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گھر گئے اور خلعت شہادت سے مشرف ہو کر زمین پر آ رہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر ؓ نے ''علم'' سنبھالا اور خوب جنگ کی۔ وہ اپنے سرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے، اس کی کونچیں کاٹ دیں اور دشمن پر وار پر وار کیے، یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور بلند رکھا، یہاں تک کہ ان کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں کی مدد سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور وہ آسمانی فضا میں لہراتا رہا، یہاں تک کہ وہ نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کی باری تھی۔ انھوں نے جھنڈا لیا اور آگے بڑھے، پھر اپنے مَعْمَعَہ نامی گھوڑے سے اتر کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ نے علم سنبھال لیا اور لڑتے ہوئے اسلامی لشکر کو بحفاظت پیچھے لے آئے۔

(ملخص از صحیح البخاری، فتح الباري، سیرت ابن ھشام، زاد المعاد)

2



نقشہ 68
عربہ اور داثن کی فتح



لبنان کا پہاڑی سلسلہ ''الجبال''

شمال کی طرف بہتا ہے اور (دریائے لیطانی اور) دریائے اُردن جنوب کی طرف بہتے ہیں۔ (لیطانی، دیر میماس کے پاس مغرب کی طرف مُڑ کر بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔)

اس نشیب کے ساتھ ہی جبال لبنان شرقیہ کا پہاڑی سلسلہ واقع ہے جو حمص کے جنوب سے شروع ہو کر سطح مرتفع حوران، جولان کی پہاڑیوں اور بحیرۂ مردار کے جنوب میں جبل سعیر کی طرف ڈھلوان ہوتا چلا گیا ہے۔ یہ سطوح مرتفع مشرق میں صحرائے ساوہ (صحرائے شام) کی طرف ڈھلوان ہوتی چلی گئی ہیں جو عراق اور شام (سُوریہ) کے مابین حائل ہے اور دراصل صحرائے عرب ہی کی طبعی توسیع ہے۔

سرزمین شام (موجودہ جمہوریہ سُوریہ یا شام، اُردن، فلسطین اور لبنان) کے یہ علاقے جس طرح لمبائی میں شمال سے جنوب تک اور چوڑائی میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے تھے اور ان کے درمیان دشوار گزار پہاڑ اور میدان واقع تھے۔ اس طبعی کیفیت کا اسلامی اور رومی عساکر کی نقل وحرکت یا جنگی تزویرات پر یکساں اثر پڑتا تھا۔

مسلمانوں کی تزویرات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے صحرائے ساوہ (صحرائے شام) کو عراق سے شام کی طرف پار کیا۔ اس میں ہمیں مسلمانوں کی جدید، متعین اور واضح جنگی تزویر (سٹریٹجی) نظر آتی ہے۔ اب شام میں مسلمانوں کے پانچ جیوش ایک قیادت میں اکٹھے ہو گئے اور یوں

شام......اپنی تاریخ کے آئینے میں

عرب جمہوریہ سوریہ (شام) بحیرۂ روم، لبنان، ترکی، فلسطین، اردن اور عراق میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 1,85,180 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے۔ اس کا دارالحکومت دمشق ہے۔ 539 ق م میں شام پر ایرانی قابض ہوئے۔ 332 ق م میں سکندر یونانی نے اسے فتح کر لیا اور 64 ق م میں رومیوں نے چھین لیا۔ شام 13 صوبوں میں منقسم ہے: دمشق، حلب، حماۃ، حمص، لاذقیہ، اِدلب، حسکہ، دیرالزور، درعا، سُویداء، طرطوس، رقہ اور قُنیطرہ۔ جنوبی سُوریہ میں حوران کی سطح مرتفع ہے (المنجد في الأعلام)۔ اُردو میں ملک شام کو آج بھی ''شام'' ہی لکھا جاتا ہے، حالانکہ اب شام، سوریہ کے محض اس صوبے کا نام ہے جس کا صدر مقام دمشق ہے۔

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے: 18ھ میں حاکم دمشق یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا جن کے عہد میں طرابلس الشام اور قبرص فتح ہوئے۔ 41ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے تو امیر معاویہ کے خلیفہ بننے سے دمشق دارالخلافہ قرار پایا جسے 132ھ/750ء تک یہ حیثیت حاصل رہی۔ 858ء میں خلیفہ متوکل نے پھر دارالخلافہ دمشق منتقل کر لیا لیکن اڑتیس دن بعد شہر کی مرطوب آب وہوا نے اسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس دور میں شام کی ممتاز دینی شخصیت امام اوزاعی رحمہ اللہ تھے۔ 975ء کے بعد شام پر طولونی، اخشیدی، سلجوقی اور فاطمی قابض رہے حتیٰ کہ 492ھ/1099ء میں صلیبیوں نے ساحل شام اور بیت المقدس پر آن قبضہ جمایا۔ پھر کم وبیش 1291ء تک ان ساحلی علاقوں پر صلیبیوں کا تسلط رہا۔

دریں اثناء 1148ء میں یروشلم (بیت المقدس) پر قابض مسیحی حکمران بالڈون ثالث نے دمشق کا آن محاصرہ کیا مگر حلب (شام) کے سلطان نورالدین زنگی نے آکر اس کے عزائم ناکام بنا دیے اور پھر دمشق ہی کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ پھر صلاح الدین ایوبی اور اس کے جانشینوں نے صلیبیوں سے بیت المقدس اور شام کے اکثر شہر خالی کرا لیے۔ ایوبی خاندان کے جانشین ممالیک نے تاتاری حملہ آوروں کو عین جالوت (1260ء)، حمص (1280ء) اور مرج الصفر نزد دمشق (1303ء) کے مقامات پر شکستیں دیں۔ آخر الذکر معرکے میں امام تیمیہ رحمہ اللہ نے بہ نفسِ نفیس جہاد کیا۔ 1400ء میں تیمور نے حلب اور دمشق میں غارت گری کی۔ 1516ء میں ترکان عثمانی شام پر قابض ہو گئے۔ 40-1832ء میں شام حکمرانِ مصر محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم پاشا کے زیرِ اقتدار رہا۔ 1866ء میں عثمانیوں نے یورپ کے دباؤ پر لبنان کو خود مختارانہ نظام دیا۔ 1908ء میں حجاز ریلوے کی تکمیل ہوئی جس سے قسطنطنیہ، دمشق اور مدینہ منورہ باہم منسلک ہو گئے۔ 18-1917ء میں فلسطین وشام پر برطانوی فوجیں قابض ہوئیں اور 1920ء میں فرانس نے شام پر تسلط جما لیا۔ 1939ء میں فرانس نے اسکندرون کا سنجاق (ڈویژن) ترکی کے حوالے کر دیا۔ 17 اپریل 1946ء کو فرانسیسی افواج کے نکل جانے سے شام آزاد ہو گیا۔ دریں اثناء 1963ء (اور 1970ء) میں شام میں فوجی انقلاب رونما ہوا۔ جون 1967ء میں اسرائیل نے شام کا علاقہ (جولان) ہتھیا لیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 11/590-604)۔ 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شام نے اسرائیل سے جولان کا کچھ علاقہ واپس لے لیا۔ یاد رہے موجودہ شام میں الجزیرہ کا مغربی حصہ بھی شامل ہے جو ابو کمال سے لے کر دجلہ کنارے عین دیوار اور جرابلس تک واقع ہے۔

معروف محقق ڈاکٹر سید رضوان علی واسطی لکھتے ہیں: ''جنگِ عظیم اول کے بعد سے اس کا سرکاری نام سُوریہ ہے۔ قدیم عرب تواریخ اور جاہلی عرب شعراء کے اشعار میں اس کا نام شام ہے۔ یاقوت لکھتا ہے: مؤرخین کے مطابق یہ نام (شام) حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے نام پر ہے۔ (انگریزی توراۃ میں سام کا نام Shem ہے)۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شمال میں 9 اسرائیلی اسباط کی جو حکومت قائم ہوئی، اس کا نام شامین تھا۔ اسلام سے قبل عرب تجار نے ''شامین'' کو مختصر کر کے ''شام'' کر دیا۔

ماضی کے ''شام'' میں وہ سارا علاقہ شامل تھا جو جنوب ترکی اور دریائے فرات سے لے کر غزہ کے مغرب میں عریش تک اور بحیرۂ روم سے جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں جبل طے تک ہے۔ اس میں ترکی کے سرحدی شہر مصیصہ، طرسوس، اضنہ اور انطاکیہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ بعض مفسرین نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے الفاظ: ﴿بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ سے سارا ملک شام بشمول فلسطین مراد لیا ہے۔ سورۂ قریش کی آیت: ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ میں رحلتِ صَیف (گرمائی کوچ) کی تفسیر بھی ملک شام سے کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ: [اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا] میں گویا فتحِ شام کی خوشخبری دی گئی ہے۔

''سُوریہ'' شام کا قدیم یونانی نام ہے جس کی تصدیق انجیل لوقا سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا ایک اور قدیم نام ''ارام'' (یا ''ارم'') تھا جو دراصل سام بن نوح کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں اردو بائبل کے عہد نامہ قدیم میں لفظ ''ارام'' آیا ہے، اس کی جگہ انگلش بائبل میں Syria (سیریا) کا لفظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو مترجمین کے سامنے یونانی بائبل بھی تھی جس سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اسی لیے انجیل لوقا (اردو بائبل) میں شام کا اصل یونانی نام ''سُوریہ'' باقی رکھا گیا ہے (روزنامہ ''امت'' کراچی، 16 جنوری 2007ء)۔ یاقوت حموی نے سُورِیَہ کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ ''یہ خناصرہ (نواحِ حلب) اور سَلَمیہ (نواحِ حمص) کے مابین ایک علاقہ ہے۔'' چنانچہ جب مسلمان دیارِ شام کو فتح کرتے ہوئے قنسرین پہنچ گئے تو انطاکیہ میں مقیم قیصر ہرقل نے حسرت سے کہا: ''اے سُوریہ (شام)! تجھے الوداع کہنے والے کا سلام، جسے اُمید نہیں کہ وہ کبھی لوٹ کر تیرے ہاں آئے گا۔'' (معجم البلدان: 3/280)

ہر جیش کے ایک مخصوص محاذ پر لڑنے کا حکم ساقط ہوگیا۔ اب ان سب کی توجہ شہرِ دمشق کے محاصرے اور اسے فتح کرنے پر مرکوز ہوگئی جو شام کا دارالحکومت تھا اور اس کے ارد گرد ایک مضبوط فصیل نے اسے ایک مضبوط قلعے کی شکل دے دی تھی۔ فصیل کے گرد ایک خندق تھی جو پانی سے بھری رہتی تھی۔ نہرِ بَرَدیٰ اپنی شاخوں سمیت اس خندق کو سیراب کرتی تھی، چنانچہ جب دمشق مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا تو گویا ولایت شام کا دارالحکومت اور مضبوط ترین قلعہ ان کے قبضے میں آ گیا اور بازنطینیوں کی ہیبت جاتی رہی۔



قسطنطنیہ کی قدیم فصیل

رومیوں کی تزویرات

ان معرکوں میں بازنطینی رومیوں کی جنگی تزویر مسلمانوں کے برعکس تھی۔ قیصر ہرقل نے ایرانیوں کے ساتھ اپنی سابقہ جنگوں میں ایک سبق سیکھا تھا جو یہ تھا کہ خسرو پرویز نے اپنی افواج شام، مصر، الجزیرہ، آرمینیا اور اناطولیہ [1] میں بھیج کر یہ تمام علاقے رومیوں سے چھین لیے تھے، پھر اپنا لشکر قسطنطنیہ [2] کی فصیل کے سامنے لے گیا اور اسے فتح کرنے کی تدبیر کی۔ رومیوں کے لیے صورت حال بڑی گمبھیر تھی۔ تب ہرقل نے اپنے آپ کو عاجز اور محصور پا کر ایک عجیب چال چلی جس میں کامیابی نے اُس کے قدم چومے۔ اسے جتنی بھی فوجی قوت میسر آ سکی وہ اس نے تیار کی، ایرانیوں کا عظیم لشکر قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے چھوڑا اور اپنی فوج بحیرۂ اسود کے راستے آرمینیا کے ساحل پر لے جا اُتاری۔ وہاں سے قیصر کی فوج تیزی سے الجزیرہ اور پھر دست جرد (دست گرد) [3] کی طرف بڑھی اور خسرو پرویز کی غیر موجودگی میں اس کے دارالحکومت مدائن پر دھاوا بول دیا۔ اس کے اس اچانک حملے نے ایرانیوں کو پریشان کر دیا اور میدانِ جنگ میں انھیں شکست ہوئی۔ قیصر نے کسریٰ (خسرو) کے محلات پر قبضہ کر کے اس کی عورتوں اور بیٹوں کو گرفتار کر لیا۔ یوں کسریٰ کا جاہ وجلال زمین بوس ہوگیا۔ مدائن والوں نے مجبور ہو کر صلح

[1] **اناطولیہ:** (عربی میں أناضول، انگریزی میں Anatolia) یہ کوہستانی جزیرہ نما مغربی ایشیا میں بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ مملکت ترکیہ کے 90 فیصد سے زیادہ علاقے پر مشتمل ہے۔ اسے ایشیائے کوچک (Asia Minor) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو (بحیرۂ روم کے علاوہ) بحیرۂ ایجین، بحیرۂ مرمرہ، بحیرۂ اسود اور درۂ دانیال اور باسفورس کی آبناؤں نے گھیر رکھا ہے (المنجد في الأعلام)۔ اناطولیہ کے مشرق میں آرمینیا، جارجیا اور ایران ہیں اور جنوب مشرق میں شام واقع ہے۔

[2] **قسطنطنیہ (استنبول):** ترکی کی یہ بندرگاہ (آبنائے باسفورس کے دونوں طرف) یورپ اور ایشیا میں واقع ہے۔ 1990ء میں اس کی آبادی 66 لاکھ سے اوپر تھی۔ قسطنطنیہ 1453ء سے 1923ء تک سلطنت عثمانیہ (ترکی) کا دارالحکومت رہا۔ ترکوں سے پہلے رومیوں کا یہ دارالحکومت Constantinopolis یعنی ''شہر قسطنطین'' کہلاتا تھا کیونکہ قیصر روم قسطنطین اعظم نے 330ء میں اسے یونانی شہر بیزنطیم (Byzantium) کی جگہ آباد کیا تھا جس کی بنیاد ساتویں صدی ق م میں رکھی گئی تھی۔ ترکوں (مسلمانوں) نے یونانی نام eis ten polin (اندرونِ شہر) کو استنبول کہا جو اب تک معروف ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 748)

[3] **دست جرد (دسکرہ):** یہ نام دست گرد کی معرب شکل ہے جو بغداد کے شمال مشرق میں دیالا ندی پر واقع ایک شہر تھا۔ اس کا دوسرا نام دسکرہ پہلوی لفظ ''دست کرتہ'' سے معرب ہے جو بغداد سے 16 فرسنگ (88 کلومیٹر) دور تھا۔ خسرو پرویز نے اسے اپنی مستقل قیام گاہ بنا لیا تھا، اس لیے اس کا نام دسکرۃ الملک ہوگیا تھا۔ 628ء میں ہرقل نے اسے تباہ کر کے کھنڈر بنا دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں دسکرہ خارجیوں کا مرکز بن گیا۔ تیسری صدی ہجری میں یہ ایک خوشحال شہر تھا مگر ساتویں صدی ہجری میں اس کی رونق کم ہوگئی اور پھر کسی وقت یہ اُجڑ گیا۔ ''دست جرد (دسکرہ)'' کے کھنڈر شہر بان کے جنوب میں 9 میل پر دریائے دیالا کے بائیں طرف دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم عہد کے دسکرہ کے کھنڈر ''اِسکی بغداد'' کہلاتے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 336,335/9)

کر لی اور اس کے مطابق رومیوں کے تمام علاقے واپس کر دیے، نیز ایرانی لشکر قسطنطنیہ سے بے نیلِ مرام پلٹ آیا۔

روم و فارس کی اس کشمکش کے دوران میں شروع شروع میں ایرانیوں کو رومیوں پر جو غلبہ حاصل ہوا تھا، اس کے بارے میں سورۂ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ایرانیوں کی فتح یابی کے ذکر کے ساتھ چند سال کے اندر اندر (غزوۂ بدر کے موقع پر) ان کی ہزیمت کی خبر بھی دی گئی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔''

''الٓمّٓ۔ رومی قریب ترین سرزمین (شام و فلسطین) میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد، چند برسوں میں، جلد ہی غالب ہوں گے۔ اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی اللہ کی مدد سے (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' [1]

اس جنگی تجربے سے ہرقل کو سبق حاصل ہوا تھا کہ دشمن سے آمنے سامنے ٹکرا جانے کی سٹرٹیجی موزوں نہیں اور یہ کہ دو بدو مقابلے کی سیاست کمزور ترین سیاست ہے اور کامیابی اسی میں ہے کہ دشمن کے عقب پر اور اگر ممکن ہو تو اس کے مرکز پر ضرب لگائی جائے۔

لیکن مسلمانوں کی سرزمین اگرچہ قلعوں اور فصیلوں سے خالی تھی، کیل کانٹے سے لیس کسی بڑے لشکر کے لیے ناممکن تھا کہ وہ عرب کے صحراؤں، پہاڑوں، بے آب و گیاہ وادیوں اور بے نام و نشان زمینوں میں داخل ہونے کی جرأت کرے، چنانچہ ہرقل اور اس کے سپہ سالاروں کے لیے امر محال تھا کہ وہ اس نوع کی مہم جوئی کا خیال دل میں لائیں۔ مزید برآں ان کے لیے بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر) [2] میں اپنا بحری بیڑا رکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ یوں جزیرہ نمائے عرب کے دشوار گزار ہونے کے باعث یہاں سے لشکروں کا نکلنا اور اردگرد کے ممالک پر یلغار کرنا تو ممکن تھا مگر اس پر کسی بیرونی لشکر کا حملہ آور ہونا آسان نہیں تھا۔

رومی قیصر، ہرقل نے اسی لیے مسلمانوں کے مقابلے میں چھوٹے پیمانے پر ویسی ہی جنگی پالیسی اختیار کی جیسی اس سے پہلے خسرو پرویز کے مقابلے میں بڑے پیمانے پر اختیار کی تھی۔ اس نے اسلامی عساکر کے جنوب میں اپنے جیوش بھیجے تاکہ مسلمانوں کی واپسی کا راستہ مسدود کر کے ان کے عقب سے ان پر دھاوا بولیں۔

[1] الروم 30:1-6.

[2] بحیرۂ قلزم: براعظم افریقہ اور جزیرہ نمائے عرب کے مابین اس سمندر کو آج کل بحیرۂ احمر کہتے ہیں۔ اس کے مشرق میں سعودی عرب اور یمن اور مغرب میں مصر، سوڈان، جبوتی اور اریٹیریا واقع ہیں۔ اریٹیریا اور سوڈان سے متصل ایتھوپیا (حبشہ) کا خشکی بند ملک ہے۔ ماضی قدیم اور حال میں 1993ء تک اریٹیریا حبشہ میں شامل رہا۔ (اٹلس سیرت نبوی، (اردو)، ص:30 مطبوعہ دارالسلام، لاہور)

فتح شام کے واقعات



2

یافا (تل ابیب) کی ایک مسجد

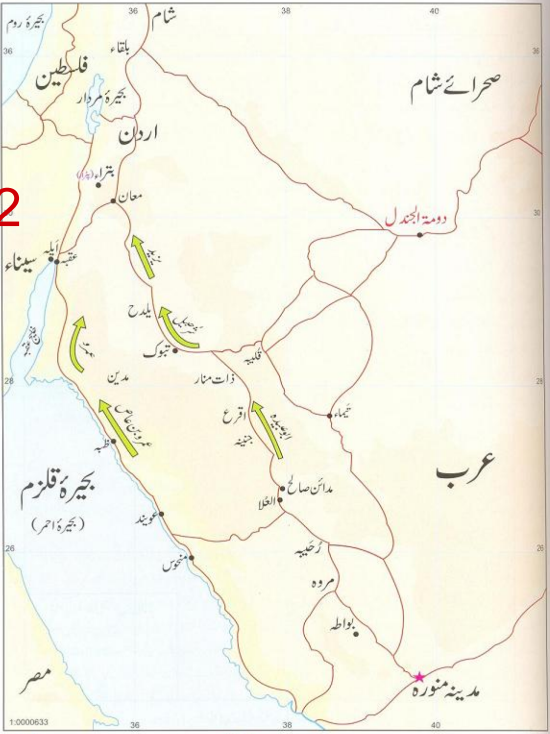
حضرت خالد بن ولید ؓ نے شام پہنچتے ہی بُصریٰ کا رُخ کیا اور اسے 25 ربیع الاول 13ھ / 30 مئی 634ء کو فتح کر لیا۔ اس طرح شام میں برسرِ پیکار اسلامی افواج کے عقب میں دارالخلافہ مدینہ کو جانے والے راستے محفوظ ہوگئے، پھر انھوں نے شُرحبیل بن حسنہ ؓ کو بُصریٰ میں چھوڑا اور خود ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے ہمراہ دمشق پر لشکر کشی کی۔ اس وقت عمرو بن عاص ؓ زیریں فلسطین میں تھے اور یزید بن ابی سفیان ؓ ان کے اور شرحبیل ؓ کے درمیان خیمہ زن تھے۔ ان حالات میں رومیوں نے جنگی تزویر اختیار کرتے ہوئے حمص سے ایک بڑی فوج وردان کی قیادت میں میدان بقاع کے راستے بصریٰ کی طرف روانہ کی تاکہ وہ اسے مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لے اور خالد اور ابوعبیدہ ؓ کی افواج کا محاصرہ کر لے۔ اسی طرح ایک اور رومی لشکر پیش قدمی کرتے ہوئے جنوب میں اجنادین [1] پہنچا اور اس کے لیے بالائی فلسطین کی بندرگاہ یافا [2] سے بحری کمک آن وارد ہوئی۔ (نقشہ 72)

یہ صورت حال دیکھ کر خالد ؓ اور ابوعبیدہ ؓ دمشق کا محاصرہ ترک کر کے پیچھے آ گئے۔ ادھر شُرحبیل ؓ نے بُصریٰ سے پسپائی اختیار کی۔ یوں وہ سب اور یزید بن ابی سفیان ؓ اور عمرو بن عاص ؓ کے لشکر اجنادین میں اکٹھے ہو گئے تاکہ وہاں رومی عیسائیوں سے دو دو ہاتھ کریں۔

اس اثناء میں رومی سپہ سالار وردان کا لشکر بھی اجنادین آ پہنچا اور پھر یہیں سرزمین شام کا پہلا بڑا معرکہ پیش آیا (27 جمادی الاولیٰ 13ھ / 29 جولائی 634ء)۔ خالد بن ولید ؓ کی قیادت میں 33 ہزار کے اسلامی لشکر نے ایک لاکھ سے زیادہ رومیوں کو شکست دی۔ ان میں سے 3 ہزار مسیحی مارے گئے اور باقی مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔

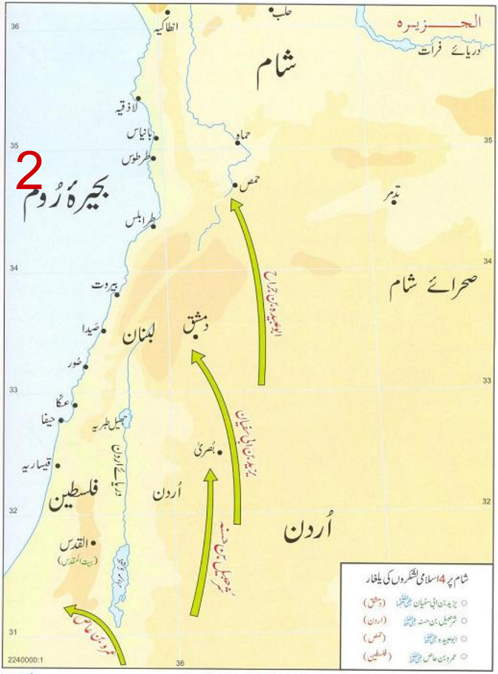
1 اَجنادَین: اس جگہ کا محل وقوع رملہ اور بیت جبرین کے درمیان تھا۔ می ایڈنیکوف نے اس کے محل وقوع کا تعین دو دیہات الجنابہ مشرقی و مغربی کے نواح میں کیا ہے۔ بظاہر اجنادین، الجنابتین اور اجناد (افواج) کے باہم خلط ملط سے بنا ہے۔ جنگ اجنادین میں قیصر کا بھائی تھیوڈورس یونانی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ بعض نے ارطبون (ارطیون) بھی لکھا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 1012/1)۔ اسے اَجنَادَین (تثنیہ) اور اَجنَادِین (جمع) دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ اس جنگ میں عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب، عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ہشام ؓ نے شہادت پائی (معجم البلدان: 103/1)۔ اجنادین بیت المقدس کے جنوب مغرب میں اور عسقلان کے مشرق میں واقع تھا۔

2 یافا (تل ابیب): یورپی زبانوں میں اسے Jaffa یا Joppa لکھا جاتا ہے۔ سولھویں صدی ق م میں ''یپو'' پر فرعون تھتموس نے قبضہ کیا تھا۔ یہ بیت المقدس کی بندرگاہ تھا۔ 701 ق م میں سخارب اشوری نے اسے فتح کیا۔ مکابی دور میں اس پر یہودی قابض ہوئے۔ اسلامی دور میں اس پر طولونی اور فاطمی قابض رہے۔ 1099ء تا 1187ء اس پر صلیبیوں کا قبضہ رہا۔ 587ھ / 1191ء میں شاہ انگلستان رچرڈ ''یافا'' پر قابض ہو گیا، پھر 593ھ / 1197ء میں الملک العادل نے صلیبیوں کو یہاں سے مار بھگایا۔ 1204ء تا 1268ء صلیبی پھر ''یافا'' پر قابض رہے حتیٰ کہ سلطان بیبرس نے اس پر قبضہ کر کے اسے مسمار کر دیا۔ 1336ء میں جب شاہ انگلستان و فرانس نئی صلیبی جنگ کی تیاری کر رہے تھے تو سلطان الناصر نے ''یافا'' کی بندرگاہ بھی مسمار کروا دی تاکہ فرنگیوں کے یہاں اترنے کا امکان نہ رہے۔ سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ''یافا'' پھر آباد ہونے لگا۔ 6 مارچ 1799ء کو نپولین نے شہر پر قبضہ کر کے 4 ہزار قیدیوں کو ساحل پر گولی مروا دی۔ اب یہ اسرائیل کی ناجائز ریاست میں شامل ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 263/23)۔ اب ''یافا'' اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کے ساتھ مل کر ''تل ابیب یافو'' کہلاتا ہے۔



نقشہ 69

مسلمانوں کی شام پر لشکر کشی

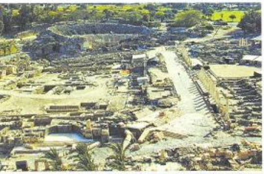


نقشہ 70

اسلامی عساکر شام کے علاقوں میں

فتح اجنادین کے بعد مسلمان دمشق واپس آئے اور پھر سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ دریں اثناء ہرقل نے دس ہزار کا لشکر دمشق کے جنوب میں مرج الصفر [1] کی جانب روانہ کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے فوراً مرج الصفر کی طرف پیش قدمی کی اور عیسائیوں کو شکست فاش دی (17 جمادی الآخرہ 13ھ/ 19 اگست 634ء) اور پھر دمشق لوٹ گئے۔ اس اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 21 جمادی الآخرہ 13ھ کی شام وفات پائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے اور انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو محاذ شام کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔

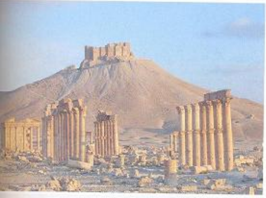
ادھر دس ہزار رومیوں کی ایک فوج اس رومی لشکر کی مدد کو آ رہی تھی جو مرج الصفر میں ہزیمت اٹھا چکا تھا۔ جب آنے والی فوج کا شکست خوردہ لشکر سے ملاپ نہ ہوا بلکہ اس کے بُرے انجام کی خبر ملی تو وہ بعلبک (لبنان) ہی میں رُک گئی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ادھر روانہ کیا۔ وہ بعلبک پہنچے لیکن اس دوران میں رومی بقاع کے راستے بَیسان [2] کی طرف نکل آئے تھے جہاں ہرقل نے اپنی روایت کے مطابق جنوب میں ایک نیا لشکر جمع کر لیا تھا۔ اس درپیش صورت حال میں مسلمانوں نے اپنے تمام لشکر دریائے اُردن کے مشرق میں فحل کے مقام پر اکٹھے کر لیے جو بیسان کے بالمقابل واقع تھا۔ پھر انھوں نے دریا عبور کر کے 80 ہزار رومیوں پر ہلّہ بول دیا جن کی قیادت سکلاریوس کر رہا تھا۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد صرف 30 ہزار تھی مگر انھوں نے اپنے سے تقریباً تین گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دی۔ اس روز تاریخ 28 ذی قعدہ 13ھ/ 23 جنوری 635ء تھی۔ اس فتح یابی کے بعد مسلمان دمشق لوٹ آئے اور محاصرہ پھر شروع ہو گیا۔


بیسان (فلسطین)

پھر اتوار (15 رجب 14ھ/ 5 ستمبر 635ء) کو دمشق کے دروازے مسلمانوں پر کھل گئے اور شہر فتح ہو گیا۔ اب سردیاں شروع ہو گئی تھیں جو مسلمانوں نے دمشق ہی میں گزاریں حتی کہ موسم سرما اختتام کو پہنچا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول 15ھ/ 636ء میں یزید بن

[1] **مَرج الصُّفّر**: اسے مَرج الصُّفّرَین بھی کہتے ہیں۔ یہ دمشق سے 34.5 کلومیٹر جنوب میں موضع کسوہ کے بعد ایک وسیع مرغزار ہے۔ اس کے مشرق میں عاقلین، مغرب میں شخب، شمال میں زاکیہ اور جنوب میں ارکیس اور زریقیہ نامی بستیاں ہیں۔ اسلام سے قبل یہاں بنوغسان آباد تھے۔ یہاں 64ھ/ 683ء میں قیس اور کلب قبیلوں کے مابین معرکہ بپا ہوا (جس میں بنوکلب کی جیت نے مروان اُموی کی خلافت کی بنا ڈالی)، پھر یہیں 702ھ/ 1302ء میں غازان خان مغل اور سلطان مصر و شام الناصر محمد بن قلاوون کے لشکروں میں جنگ ہوئی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 411/20)

[2] **بَیسان**: یہ وادیٔ اردن میں چھوٹا سا فلسطینی قصبہ ہے جو جھیل طبریہ کے جنوب میں 30 کلومیٹر دور ہے۔ تل الحُصن کی کھدائیوں سے پتہ چلا ہے کہ یہ شہر (مسیح علیہ السلام سے) تین ہزار سال پہلے بھی موجود تھا۔ فرعون مصر تھتموسس سوم کی فتح کے بعد تین صدیوں تک بیسان (Bethsan) مصریوں کے قبضے میں رہا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں شامل تھا۔ یونانی اور رومی ادوار میں یہ سکاتھوپولس (Scythopolis) کے نام سے اہم شہر تھا۔ 492ھ/ 1099ء میں اس پر صلیبی قابض ہوئے۔ 583ھ/ 1187ء میں صلاح الدین نے اسے دوبارہ فتح کیا مگر 614ھ/ 1217ء میں صلیبیوں نے اسے تاخت و تاراج کر دیا۔ منگولوں کے حملے سے بھی اسے کاری ضرب لگی، تاہم مملوک عہد میں یہ ایک ولایت کا صدر مقام بن گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 281/5)۔ ان دنوں یہ شہر غاصب یہودیوں کی ریاست ''اسرائیل'' میں شامل ہے اور Beit Shean کہلاتا ہے۔ حدیث جسّاسہ (دابۃ الأرض) میں بَیسان کا ذکر آیا ہے۔ بیسان کو لسان الارض کہا جاتا ہے۔ غزوہ ذی قرد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیسان نامی چشمہ پر پہنچے، جس کا پانی کڑوا تھا۔ آپ نے اس کا نام نُعمان رکھتے ہوئے فرمایا: ''یہ میٹھا ہے۔'' پھر اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ بیسان نامی بستیاں ارض یمامہ میں، عراق کی طرف، موصل کے پاس اور مرو شاہجان کے نزدیک بھی واقع ہیں (معجم البلدان: 527/1)۔ بیسان جنین اور دریائے اردن کے درمیان جالوت ندی کے جنوب میں واقع ہے۔



تدمر میں قلعہ عرب اور رومی کھنڈر

ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق میں، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اُردن میں اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین میں مامور کیا اور خود لشکر کے ہمراہ وادیٔ بقاع میں سے گزر کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے مقدمۃ الجیش کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ یہ لشکر بعلبک پہنچا تو وہاں کے رومیوں نے کوئی زیادہ مزاحمت نہ کی اور 25 ربیع الاول 15ھ / 7 مئی 636ء کے لگ بھگ ان شرائط پر صلح کر لی کہ شہریوں کے لیے امان ہے اور جو لوگ شہر چھوڑ کر جانا چاہیں وہ جمادی الاولیٰ / جولائی تک جا سکتے ہیں، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شمال میں حمص کی طرف بڑھتے گئے۔ اس دوران میں انھوں نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو پیش قدمی کا حکم دیا جنھوں نے تدمر [1] اور حوران [2] صلح کے ساتھ فتح کر لیے۔

دریں اثناء رومیوں کا ایک بڑا لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں حمص سے 30 کلومیٹر جنوب میں جوسیہ [3] کے مقام پر جمع ہو گیا۔ لیکن وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے اور فرار ہو کر حمص چلے گئے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا جو اٹھارہ دن جاری رہا، پھر رومیوں نے حمص اسی طرح خالی کر دیا جیسے بعلبک خالی کیا تھا۔ 21 ربیع الآخر 15ھ / 2 جون 636ء کے لگ بھگ اہل حمص نے جزیے اور امان کی شرائط پر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا، پھر مسلمانوں کے چھاپہ مار دستے دریائے فرات پر عانات [4] تک پہنچ گئے۔ دریں اثناء ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے میسرہ بن مسروق

1 **تدمُر (پالمیرا):** یہ شہر حمص کے مشرق میں صحرائے شام کے اندر (دیرالزور دمشق شاہراہ پر وسط میں) واقع ہے۔ اسے عروس الصحراء بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی آبادی 5 ہزار ہے۔ اردگرد کھریا مٹی کے ٹیلے ہیں۔ یہ ایک عرب مملکت کا دارالحکومت تھا جسے شاہ اذینہ اور اس کی بیوہ ملکہ زنوبیا (زینب) کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ 272ء میں رومی حکمران ''اورلیان'' نے حملہ کیا اور ملکہ زنوبیا کو گرفتار کر کے شہر تباہ کر دیا۔ اس کے آثار میں بعل دیوتا کا مندر مشہور ہے۔ اب تدمر صوبہ حمص میں ضلعی صدر مقام ہے (المنجد في الأعلام)۔ عربوں میں مشہور تھا کہ تدمُر کی تعمیر میں جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد کی تھی۔ رومی اقتدار کی ساڑھے تین صدیوں میں تدمر میں عیسائیت کو فروغ ملا۔ عہد اسلام میں 1157ء کے ہولناک زلزلے نے تدمر کو کھنڈر بنا دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 5/571-574)۔ حدیثہ (عراق) سے آنے والی آئل پائپ لائن تدمر کے جنوب سے گزرتی ہے۔

2 **حوران:** یہ دمشق کے جنوب میں آتش فشانی سطح مرتفع ہے جو عہد قدیم سے گندم کی کاشت کے لیے مشہور رہی ہے۔ اسلام سے قبل یہاں غسانی حکمران تھے۔ صوبہ حوران میں ازرع اور فیق نامی اضلاع ہیں (المنجد في الأعلام)۔ حوران کا مرکز بُصریٰ ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے علقمہ بن علاثہ کو حوران کا والی بنایا تھا۔ (معجم البلدان: 2/317)

3 **جوسِیَہ:** یہ آج کل جوسیۃ الخراب کہلاتا ہے جہاں قدیم دیر (مسیحی خانقاہ) کا کھنڈر ہے۔ (المنجد في الأعلام)

4 **عَنَہ (عانہ یا عانات):** قرونِ وسطیٰ میں اس کا نام ''عانات'' تھا جبکہ ترکی دور میں ''عنہ'' لکھا جاتا تھا۔ عانہ عراق جدید کا ایک قصبہ ہے جو دریائے فرات کے کنارے ہیت (ہیث) کے شمال مغرب میں 148 کلومیٹر پر واقع ہے۔ قدیم کاروانی شاہراہ عانہ میں سے گزرتی تھی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 12/707)۔ عنہ صوبہ انبار میں ایک ضلعی مرکز ہے (المنجد في الأعلام)۔ عانہ، حدیثۃ النورۃ کے قریب ہے۔ ترک سپہ سالار بَساسیری نے بغداد پر حملہ کیا (450ھ) تو عباسی خلیفہ القائم بامراللہ کو عانہ میں قریش (بن بدران) کے پاس پناہ لینی پڑی۔ خلیفہ پورا ایک سال بغداد سے غائب رہا۔ اس دوران میں وہاں مصریوں کے لیے (فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کے نام کا) خطبہ پڑھا گیا حتی کہ طغرل بیگ (سلجوقی سلطان) بساسیری کو قتل کر کے خلیفہ القائم کو بغداد واپس لے آیا (معجم البلدان: 4/72)۔ عنہ، قادسیہ ڈیم سے بننے والی جھیل کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے بالمقابل دریا پار ''راوہ'' نامی شہر آباد ہے۔

عبسی کو حلب کی طرف روانہ کیا، پھر انھیں واپس بُلا بھیجا تا کہ امیر المومنین عمر ؓ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنی تمام افواج ایک جگہ اکٹھی کر لیں، لہٰذا ابوعبیدہ ؓ حمص میں ٹھہر گئے اور خالد ؓ جمادی الاولیٰ 15ھ / جولائی 636ء میں دمشق لوٹ آئے۔

رومیوں کی سب سے بڑی یلغار

دوسری طرف ہرقل نے اپنے عہد کا سب سے بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ وہ مختلف اقوام پر مشتمل اس جم غفیر سے مسلمانوں پر دھاوا بولنا چاہتا تھا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ پسپا ہو کر کسی بہتر مقام پر دشمن سے پنجہ آزمائی کریں۔ ادھر رومی لشکر حمص کو پیچھے چھوڑ کر بعلبک آ پہنچا۔ اس کے بعد رومیوں نے دمشق کی طرف مسلمانوں کا تعاقب نہیں کیا بلکہ وہ میدان بقاع سے گزر کر حُولہ [1] کی طرف چلے آئے۔

مسلمانوں نے محسوس کیا کہ رومی آگے بڑھ کر ان کو محاصرے میں لینا اور ان کی واپسی کا راستہ قطع کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انھوں نے فلسطین کے اسلامی لشکر کا راستہ مسلمانوں کے دیگر عساکر سے کاٹ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے دمشق سے جنوب کو پیش قدمی کی اور جابیہ کے مقام پر عمرو بن عاص ؓ بھی اپنے لشکر سمیت ان سے آن ملے۔ اس دوران میں رومی فوج بقاع سے جابیہ کی طرف بڑھی تو مسلمان پیچھے ہٹ کر دریائے یرموک کے کنارے اذرعات [2] کی طرف چلے



حلب: شمالی شام کا یہ تاریخی شہر یورپی زبانوں میں ایلپو (Aleppo) کہلاتا ہے۔ یہ حران سے تقریباً 300 کلومیٹر فاصلے پر دمشق جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 13 لاکھ سے زائد ہے۔ معجم البلدان کے مطابق اس کا نام حلب (دودھ) اس لیے رکھا گیا کہ حضرت ابراہیم ؑ یہاں قیام کے دوران میں بھیڑ بکریاں دوہا کرتے اور دودھ فقیروں میں بانٹ دیتے تھے، تب فقراء ''حلب، حلب'' پکارتے جمع ہو جاتے تھے۔ حلب کے قلعے میں آج بھی دو مقامات حضرت ابراہیم ؑ سے منسوب ہیں جن کی زیارت کی جاتی ہے۔ قلعہ حلب میں ایک صندوق میں حضرت یحییٰ بن زکریا ؑ کے سر کا ایک حصہ دفن ہے۔ حلب حضرت عیاض بن غنم فہری ؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ (معجم البلدان: 2/282-284)

[1] **حُولہ**: شام (اور فلسطین) کے دو علاقے حولہ کہلاتے ہیں۔ ایک حولہ حمص اور طرابلس کے مابین ہے اور دوسرا حولہ (جو یہاں مذکور ہے) بانیاس (شام) اور صور (لبنان) کے درمیان واقع ایک (فلسطینی) علاقہ ہے جہاں حارث کذّاب نے عبدالملک بن مروان کے عہد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے باندھ کر دمشق لایا گیا جہاں عبدالملک کے حکم سے اسے سُولی دے دی گئی (معجم البلدان: 2/323،324)۔ ضلع حولہ (اسرائیلی مقبوضہ فلسطین) کے جنوب میں جھیل حولہ (جغرافیہ نگاروں کے مطابق قدس کی جھیل) واقع ہے جو دریائے اردن کے پانی سے بنی ہے اور جس کے چاروں طرف چشموں سے بھری دلدلی زمینیں ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 8/730)۔ شمالی وادیٔ اردن کی ان دلدلی زمینوں (مستنقعات) کو 1985ء میں (اسرائیلیوں نے) قابلِ کاشت بنالیا۔ (المنجد في الأعلام)

[2] **درعا (اَذرِعات)**: یہ شام کے صوبہ حوران یا درعا کا صدر مقام ہے۔ اس میں اِزرع اور فیق کے اضلاع ہیں۔ یہاں یونانی اور رومی دور کے آثار ملتے ہیں (المنجد في الأعلام، ص:273)۔ بائبل کا ''اِدری'' جو آج کل درعہ (درعا) کے نام سے مشہور ہے، دمشق سے 106 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ عہد قدیم میں یہ اشوریوں، یونانیوں، نبطیوں اور رومیوں کے زیرِ نگیں رہا۔ 613ء یا 614ء میں ایرانیوں نے اسے تاراج کیا۔ 2ھ میں یہودی قبیلہ بنوقینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا تو انھوں نے یہیں اپنے ہم مذہبوں کے ہاں پناہ لی۔ صلیبی وقائع نگار اسے ''شہر برنارڈ ڈی ایٹامپ'' لکھتے ہیں۔ مملوکوں اور عثمانیوں کے زمانے میں اَذرِعات ضلع بثنیہ کا صدر مقام اور ولایت دمشق کا ایک حصہ تھا۔ ان دنوں درعہ، دمشق عمان ریلوے لائن پر اہم جنکشن ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/277)

ملحوظہ: اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) کے نقشہ 63 میں اَذرِعات کو غلط جگہ اِزرع کے مقام پر دکھایا گیا ہے جو غالباً اَذرِعات اور اِزرَع میں لفظی مشابہت کے باعث ہوا ہے۔ اِزرع جو دمشق درعا شاہراہ کے بائیں طرف اذرعات سے تقریباً 35 کلومیٹر شمال میں واقع ہے، اس کے تعین کے لیے دیکھیے أطلس العالم، مكتبة لبنان، بيروت۔

آ ئے۔ اب رومی صنمین [1] کے مغرب سے گزر کر دیر ایوب [2] تک آن پہنچے۔ اس روز تاریخ 21 جمادی الآخرہ 15ھ/30 جولائی 636ء تھی۔ درپیش حالات میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ لشکر کی کمان ان کے سپرد کر دی جائے تو انھوں نے قیادت خالد رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ اب رومی اپنے لشکر کو دریائے رقاد، دریائے علان اور دریائے یرموک کے درمیان لے آئے۔ مسلمانوں نے ان کا چیلنج قبول کیا اور اپنا لشکر ان کے مقابل لے گئے اور اُن کے نکلنے کا راستہ بند کر دیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 33 ہزار مسلمان 2 لاکھ رومیوں اوران کے مددگاروں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے جن کا سپہ سالار باہان تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے لشکر عظیم کے چھکے چُھڑا دیے (5 رجب 15ھ/ 13 اگست 636ء)۔ اس کے بعد رومیوں کے قدم شام میں نہ جم سکے اور وہ مسلمانوں سے شکست پر شکست کھاتے چلے گئے۔

ان دنوں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عراق میں معرکۂ قادسیہ لڑنے کی تیاری کر رہے تھے، لہٰذا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جیشِ عراق واپس بھیج دیا جائے، چنانچہ مرج الصفر کے مقام سے 6 ہزار مجاہد عراق روانہ ہوگئے۔ اس دوران میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ حمص اور ارض شام کے دیگر علاقے دوبارہ فتح کرنے میں مصروف ہوگئے۔

دمشق میں امیرِ عسا کر ابوعبیدہ نے شام کے مختلف علاقوں پر امراء مقرر کر دیے۔ یزید بن ابی سفیان اور ان کے ہمراہ معاویہ رضی اللہ عنہ ساحلی علاقوں صیداء [3]،

نابلس: اس کا قدیم نام فلاویہ نیپولس (Flavia Neapolis) سے ماخوذ ہے۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق اس شہر کا پیشرو سکم (Shechem) تھا جو مشرق کی طرف بلاطہ نامی موجودہ گاؤں کے محل وقوع پر آباد تھا۔ نابلس ایک لمبی شرقاً غرباً وادی میں واقع ہے۔ یہاں ایک عمارت میں یوسف علیہ السلام کا مدفن بتایا جاتا ہے۔ نابلس یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد مخلوط نسل کے سامری (Samaritan) لوگوں کے علاقے میں واقع تھا جو بعد میں (قدیم اسرائیل کا) پائے تخت بن گیا اور انھوں نے گرزم نامی پہاڑی پر بیت المقدس (ہیکل سلیمانی) کے مقابلے میں اپنا ایک معبد تعمیر کر لیا۔ ویسپانین (Vespanian) رومی کے حملے میں یہ شورہ پشت لوگ بڑی تعداد میں قتل ہوئے۔ پھر مسیحیت کے فروغ سے نیپولس میں ایک اسقفی قائم ہوگئی۔ بازنطینی حکمران زینو (474ء-491ء) نے یہودیوں کو گرزم سے نکال کر وہاں ایک گرجا تعمیر کرا دیا۔ پھر جسٹینین نے انھیں شدید سزائیں دیں اور ان کے ہیکل مسمار کرا دیے۔ بہت سے یہودی ایران بھاگ گئے اور باقی ماندہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ صلیبی دور میں 1202ء کے زلزلے نے بہت تباہی مچائی، پھر بیبرس کے عہد میں یہ شہر مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ عثمانی اقتدار (کے بعد برطانی مینڈیٹ) کے خاتمے پر نابلس مملکت اردن کا حصہ قرار پایا مگر جون 1967ء کی جنگ سے یہ شہر اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 7/22)

نابلس کے باہر ایک پہاڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں آدم علیہ السلام نے (اللہ کے حضور میں) سجدہ کیا تھا۔ ایک اور پہاڑ کے متعلق یہود کا عقیدہ ہے کہ اس جگہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا تھا اور وہ (غلط طور پر) اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں (حالانکہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں)۔ سامری یہودی اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ نابلس کی نسبت سے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے استاد ابوبکر محمد بن احمد رملی المعروف ابن نابلسی مشہور ہوئے جنھیں 363ھ میں مصر کے عبیدی حکمران ابوتمیم المعز لدین اللہ نے اس طرح شہید کیا کہ ان کی کھال اُتار کر اس میں بھُس بھرا اور اُسے سُولی پر لٹکا دیا۔ (معجم البلدان: 248/5)

[1] صَنَمَین یا صُنَمان: یہ دمشق کے تحت حوران کے ابتدائی علاقے میں ہے اور دمشق سے دو مرحلوں پر واقع ہے (معجم البلدان: 431/3)۔ صَنَمین، دمشق درعا شاہراہ پر تقریباً وسط میں واقع ہے۔

[2] دیرایوب: یہ حوران کی ایک بستی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ نے یہاں ابتلا میں ڈالا، پھر ان کے پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ جاری ہوا اور یہیں ان کی قبر ہے۔ (معجم البلدان: 499/2)

[3] صَیداء: یہ لبنان کی بندرگاہ اور صوبہ جنوبی لبنان کا صدر مقام ہے۔ قدیم زمانے میں اسے صیدون (Sidon) کہتے تھے۔ یہ فنیقیوں کا مشہور شہر تھا جنھوں نے پندرھویں اور تیرھویں صدی ق م کے مابین ساحلِ بحیرۂ روم پر ایک تجارتی سلطنت قائم کی تھی، پھر اشوری، بابلی اور ایرانی فاتحین اس پر قابض رہے۔ 333 ق م میں اسکندر اعظم نے اسے فتح کیا۔ 1111ء تا 1291ء یہ صلیبیوں اور مسلمانوں کے مابین متنازع رہا۔ عثمانیوں کے ماتحت امیر فخرالدین ثانی کے دور میں صیداء نے بڑی ترقی کی۔ 1737ء کے زلزلے نے اسے تباہ کر دیا۔ ان دنوں صیداء کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہے (المنجد في الأعلام)۔ صیداء بیروت کے جنوب میں تقریباً 100 کلومیٹر دور ہے۔

عرقہ [1]، جُبیل [2] اور بیروت کی فتح پر مامور ہوئے۔ عمرو بن عاص ؓ نے فلسطین میں داخل ہو کر سَبَسْطِیہ [3]، نابلس، لُدّ [4]، یبنی [5] عمواس [6]، بیت جبرین [7] اور رفح (غزہ کی پٹی) [8] یکے بعد دیگرے فتح کر لیے، تاہم القدس اور قیساریہ کی فتح میں بوجوہ تاخیر ہوئی۔ شُرحبیل ؓ اُردن لوٹ آئے اور اسے آسانی سے فتح کر لیا۔ خود ابوعبیدہ ؓ نے حمص کا رخ کیا۔ ان کے مقدمۃ الجیش کے سالار خالد بن ولید ؓ تھے۔ فتح حمص کے بعد

[1] عُرقہ: یہ شمالی لبنان کے ضلع عکار میں ایک بستی ہے۔ عرقہ رومی حکمران اسکندر سَوِیرس (208ء-235ء) کی جائے پیدائش ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[2] جُبَیل: شمالی لبنان کا یہ شہر پانچویں ہزاری قبل مسیح میں فنیقیوں نے ببلوس (Byblos) کے نام سے آباد کیا تھا۔ یہاں بعل دیوتا کا مندر تھا۔ یونانی اور رومی ادوار میں یہاں اڈونیس دیوتا کی پوجا ہوتی رہی۔ رومی عہد کا ایمفی تھیٹر اور صلیبی دور کا مسیحی گرجا مشہور ہیں۔ آبادی 15 ہزار سے زیادہ ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[3] سَبَسْطِیہ (سامرہ): فلسطین کا قدیم شہر سامرہ 880 ق م کے لگ بھگ آباد ہوا۔ یہ اُس دور کی مملکت اسرائیل (شمالی فلسطین) کا دارالحکومت تھا۔ ہیروڈ (ہیروڈ Herod) نے اسے از سر نو تعمیر کرایا اور اس کا نام سَبَسْطِیہ رکھا۔ اب اس کے کھنڈر ہی ملتے ہیں (المنجد في الأعلام: 288)۔ قدیم سامریہ یا سماریہ کا نام ہیروڈ (یہودی بادشاہ) نے رومی حکمران آگسٹس کے اعزاز میں تبدیل کر دیا تھا اور اس کا عربی نام سبسطیہ ہے۔ رومی دور کے اختتام پر یہ قریبی شہر نابلس کے آگے ماند پڑ گیا۔ یہاں صلیبی دور کے یوحنا حواری کے گرجے کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے 1184ء میں سبسطیہ پر حملہ کیا لیکن شہر کے بشپ نے 80 مسلم قیدی دے کر شہر بچا لیا۔ آخر کار 1187ء میں ایوبی سپہ سالار حسام الدین عمر بن لاجین نے اسے فتح کر لیا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 703/10)

[4] لُدّ: یہ بیت المقدس کے پاس ایک قصبہ ہے جس کے دروازے پر عیسیٰ ابن مریم ؑ دجال کو قتل کریں گے (معجم البلدان: 15/5)۔ لُدّ فلسطین میں یافا (تل ابیب) کے جنوب مشرق میں ایک شہر ہے۔ عہد نامہ عتیق میں اسے ''لود'' اور عہد نامہ جدید میں ''لِدَّہ'' (Lydda) کہا گیا ہے۔ مسیحی دور میں یہ ایک اسقف کا مرکز اور سینٹ جارج کی مزعومہ قبر کے لیے مشہور تھا۔ کچھ عرصہ ''لُدّ'' عاملِ فلسطین سلیمان بن عبدالملک کا دارالحکومت بھی رہا۔ صلیبی جنگوں میں اس پر سخت زد پڑی اور 1271ء میں مغلوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 93,92/18)۔ ان دنوں لُدّ اسرائیلی فضائیہ کا اہم مرکز ہے۔

[5] یُبنٰی: یہ رملہ کے پاس ایک قصبہ ہے۔ یہاں ایک قبر ہے جس کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ یہ ابوہریرہ ؓ کی قبر ہے اور بعض کے خیال میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ کا مدفن ہے (معجم البلدان: 428/5)۔ ابن کثیر نے نابلس، لُدّ، عمواس وغیرہ کی فتح کے ساتھ یُبنٰی کے بجائے ثُبنی کی فتح کا ذکر کیا ہے جو کہ ''حوران کے علاقے میں دمشق کے ماتحت ایک قصبہ ہے۔'' (الكامل في التاريخ: 347/2، حاشیہ: 2)

[6] عمواس: یہ بیت المقدس کے پاس ایک قصبہ ہے۔ یہاں مسیح ؑ نے اپنے بارہ شاگردوں (حواریوں) سے ملاقات کی تھی۔ 639ء میں طاعونِ عمواس کی وبا پھیلی جس نے فلسطین میں 25 ہزار انسانوں کی جان لی جن میں ابوعبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان ؓ بھی تھے (المنجد في الأعلام)۔ زمانۂ قدیم کا عمّاوس (Emmaus) بیت المقدس سے کوئی 19 میل کے فاصلے پر تھا۔ رومی عہد میں یہ ایک مقامی سلطنت کا صدر مقام بنا لیکن 4 ق م میں قیصر نے اسے آگ لگوا دی۔ اسلامی دور میں انتظامی مرکز کے طور پر اس کی جگہ پہلے ''لُدّ'' نے اور بعد ازاں ''رملہ'' نے لے لی۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں معاہدہ ''یافہ'' کی رو سے، جو الملک الکامل ایوبی اور فریڈرک دوم کے درمیان طے ہوا، عمواس فرنگیوں کے عارضی قبضے میں چلا گیا تھا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 14-293/2) (نقشہ 74)

[7] بیت جبرین: یہ قصبہ بیت المقدس اور غزہ کے درمیان واقع ہے۔ جب صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فرنگیوں کے قبضے سے چھڑایا تو بیت جبرین کا قلعہ مسمار کرا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بیت جبرین اور عسقلان کے درمیان وادئ نملہ ہے جہاں ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان ؑ کو مخاطب کیا تھا۔ اسے فقط جبرین بھی کہتے ہیں (معجم البلدان: 519/1)۔ بیت جبرین کو بعض اوقات بیت جبریل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بیت المقدس کے جنوب مغرب میں ہے۔ تالمود میں اس کا نام بیت جُبرِن ہے۔ 1134ء میں صلیبی مبارزوں نے اسے بالکل تباہ کر دیا اور پھر یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے 853ھ / 1187ء میں اسے دوبارہ فتح کیا۔ موسیٰ ؑ کے اس قصے کی جائے وقوع اسی مقام کو بتایا گیا ہے جو سورۂ مائدہ (5:21-26) میں بیان ہوا ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 193,192/5)

[8] رفح: بقول یاقوت حموی ''یہ غزہ سے 18 میل دُور ہے۔ یہاں سے ریگستان (صحرائے سینا) شروع ہو جاتا ہے۔ ان دنوں یہ (صلیبی حملے کے باعث) برباد پڑا ہے جبکہ مہلّبی اس کا ذکر بازار، جامع مسجد اور سراؤں والے شہر کی حیثیت سے کرتا ہے'' (معجم البلدان: 55,54/3)۔ فلسطین کا یہ شہر غزہ کی پٹی (قطاع غزّہ) کے جنوب میں، سیناء (مصر) کی حدود پر، بحیرۂ روم کے نزدیک واقع ہے۔ آبادی 50 ہزار (سے زائد) ہے۔ یہاں قدیم تاریخ کی کئی جنگیں لڑی گئیں۔ (المنجد في الأعلام)

خالد ؓ نے قنسرین [1] کا رخ کیا اور ابوعبیدہ نے حلب پر لشکر کشی کی۔ اس کے بعد ابوعبیدہ ؓ نے انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کی جو شام کی جنگوں کے طویل سلسلے کے دوران میں ہرقل کا مستقر رہا تھا اور جنگ یرموک کے بعد وہ اسے چھوڑ کر قسطنطنیہ بھاگ گیا تھا۔ فتح انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ ؓ نے تمام شمالی شام اور اس کے ساحلی علاقے فتح کر لیے۔

القدس (بیت المقدس) کی فتح ربیع الآخر 16ھ / مئی 637ء میں صلح کے ساتھ مکمل ہوگئی اور صلح نامہ امیر المومنین عمر فاروق ؓ اور اسقف بیت المقدس صُفرُونیوس [2] کے مابین طے پایا۔ اس کے بعد قیساریہ کی فتح شوال 16ھ / اکتوبر 637ء میں عمل میں آئی۔

2

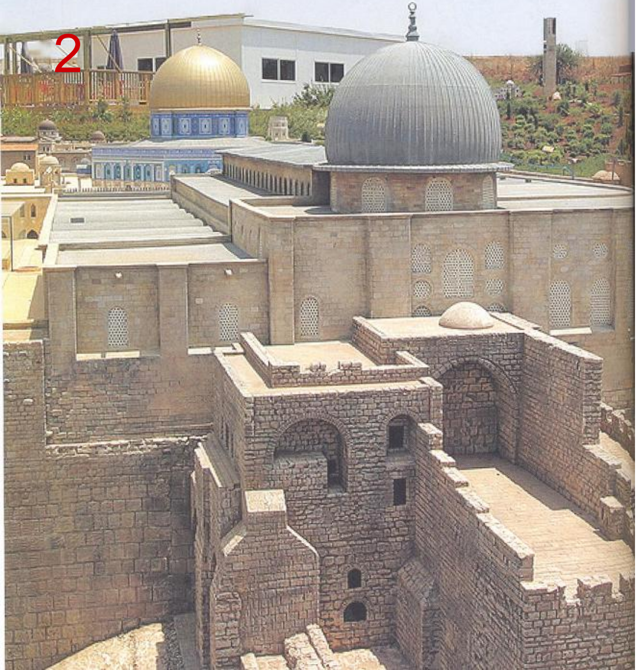
بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر

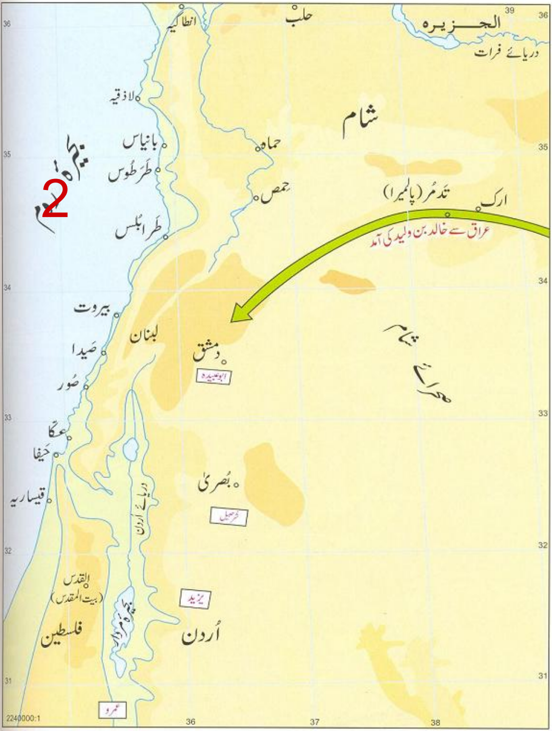
امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں سے صلح کی شرائط طے کیں، پھر بیت المقدس (شہر) میں داخل ہوئے اور مسجد (اقصیٰ) کی جگہ محراب داود میں تحیۃ المسجد ادا کی۔ اگلے دن فجر کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۂ ص کی تلاوت کی اور سجدہ کیا اور دوسری رکعت میں سورۂ بنی اسرائیل کی تلاوت کی، پھر آپ صخرہ کے پاس آئے جس کی جگہ کی رہنمائی کعب احبار ؒ نے کی۔ کعب احبار نے عمر فاروق ؓ سے عرض کی کہ اس صخرہ کے پیچھے ایک مسجد بنا دیں۔ عمر فاروق ؓ نے فرمایا: یہ بات تو نے یہودیوں جیسی کی ہے! البتہ امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے بیت المقدس کے قبلے والی طرف ایک مسجد بنا دی جو کہ آج کل آباد ہے۔ پھر امیر المومنین عمر ؓ نے اپنی چادر اور قبا کے دامن سے صخرہ کی صفائی کی۔ آپ کی اتباع میں باقی مسلمانوں نے بھی صخرہ کو صاف کیا اور باقی ماندہ کوڑا اہل اردن کے ذمہ لگایا کہ وہ اسے صاف کریں۔ رومیوں (عیسائیوں) نے یہودیوں کی دشمنی میں اس صخرہ پر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگا دیے تھے کیونکہ یہ ان کا قبلہ تھا۔ عیسائیوں کی یہودیوں سے دشمنی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عورتیں ناپاک چیتھڑے بھی اس پر پھینک جاتی تھیں۔ عیسائیوں کی یہ حرکت یہودیوں کے جواب میں تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبینہ طور پر سُولی چڑھانے کے بعد ان کی مزعومہ قبر پر گندگی پھینکتے تھے۔ اسی لیے اس جگہ کو قمامہ (گندگی) کہا جانے لگا۔ بعد میں عیسائیوں نے اسی جگہ پر کنیسہ (گرجا) بنا لیا جو "قمامہ" کے نام سے معروف ہوا (البداية والنهاية: 57/7)۔ قبر مسیح پر کنیسۃ القیامہ قیصر قسطنطین نے 326ء کے لگ بھگ تعمیر کرایا۔ یورپی صلیبیوں نے 1131-1144ء کے دوران میں اسے از سرِ نو تعمیر کیا (المنجد في الأعلام: 444)۔ امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب جہاں انھوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی، ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہی مسجد بعد میں مسجد اقصیٰ کہلائی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/298)۔ قرآن میں اسے پہلے ہی مسجد اقصیٰ قرار دیا گیا تھا۔

[1] قِنَّسرِین: شام کا یہ قصبہ حلب کے جنوب میں قُوَیق ندی پر واقع ہے۔ یہاں قدیم قلعہ بند شہر کے کھنڈر ہیں۔ اس کی بنیاد یونانی حکمران سلیوکس نِکٹر نے رکھی تھی۔ بازنطینی رومیوں نے 963ء میں اسے (مسلمانوں سے) چھین لیا اور پھر حمدانیوں کے عہد میں حلب کی ترقی سے قِنَّسرین پس منظر میں چلا گیا (المنجد في الأعلام)۔ ابوعبیدہ ؓ نے میسرہ بن مسروق عبسی کو ایک ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ دشمن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ وہ قِنَّسرین پہنچے تو انھوں نے اس کا نام پوچھا، رومی (یونانی) زبان میں اس کا نام بتایا گیا تو انھوں نے کہا: واللہ! گویا یہ قِنَّسرون ہے (قِن بمعنی غلام، نَسر بمعنی گدھ) اس سے شہر کا نام قِنَّسرین پڑ گیا۔ 351ھ میں رومیوں نے حلب پر قبضہ کر کے اس کے نواح میں قتل عام کیا تو قِنَّسرین کے باشندے ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ کہا جاتا ہے کہ قیصر روم کے مقابلے کی تاب نہ لا کر سیف الدولہ حمدانی نے خود قِنَّسرین کو تباہ کر دیا اور اس کی مساجد جلا دیں (تاکہ عیسائی انھیں گرجوں میں تبدیل نہ کر سکیں) اور وہ بعد میں تعمیر نہ ہو سکیں۔ (معجم البلدان: 403/4)

[2] بیت المقدس کے چار ماہ کے محاصرے کے بعد اہل شہر نے مطالبہ کیا کہ اگر امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ بنفسِ نفیس یہاں آئیں تو وہ ان کے ساتھ صلح نامہ طے کرنے کو تیار ہیں، پھر اُن کے بطریق سُفرُونیوس (Sophronius) نے فصیل پر نمودار ہو کر اس شرط پر صلح قبول کی کہ خلیفہ عمر ؓ خود صلح نامے کے نگران ہوں، چنانچہ اُمرائے اسلام نے عمر فاروق ؓ کو خط لکھا اور وہ منزلیں طے کرتے کرتے جابیہ پہنچ گئے، چنانچہ آپ نے ایلیا (بیت المقدس) والوں کو امان نامہ لکھ دیا جس پر عساکرِ اسلام کے سالار بھی گواہ بنے، نیز فلسطین کے تمام علاقوں کے لیے بھی ایسا ہی امان نامہ لکھا گیا۔ (تاریخ اسلام، دکتور حسن ابراہیم: 189/1 دار الجیل، بیروت)

اس نادر تصویر میں مسجد اقصیٰ اور اس کا اصل سرمئی گنبد نمایاں ہے اور اس کے عقب میں سنہری قبۃ الصخرہ نظر آ رہا ہے جسے عام طور پر مسجد اقصیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اس سے وہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے جو اخبارات و جرائد کی اس روش کے باعث عام ہے کہ مضمون مسجد اقصیٰ پر ہوتا ہے اور ساتھ تصویر سنہری گنبدِ صخرہ کی لگا دی جاتی ہے جبکہ ہر مسلمان کے لیے مسجد اقصیٰ کی صحیح پہچان ضروری ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کا میڈیا یہ چاہتا ہے کہ مسلمان مسجد اقصیٰ کو بھول ہی جائیں۔





نقشہ 71 شام کی جنگوں سے پہلے مسلمانوں کی فوجی کارروائیاں (صفر 13ھ/اپریل 634ء)

3

معرکۂ اجنادین

(ہفتہ 27 جمادی الاولیٰ 13ھ / 29 جولائی 634ء)

فتح بُصریٰ (25 ربیع الاول 13ھ / 30 مئی 634ء) کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کرلیا تھا جس میں خالد بن ولید ؓ اور ابوعبیدہ بن جراح ؓ کی افواج شامل تھیں جبکہ شرحبیل بن حسنہ ؓ بُصریٰ میں ڈیرے ڈالے رہے اور یزید بن ابی سفیان ؓ بلقاء میں اور عمرو بن عاص ؓ فلسطین میں تھے۔ اس دوران میں خبریں ملیں کہ رومی سپہ سالار وردان ایک لشکر عظیم کے ساتھ شرحبیل ؓ کی طرف بڑھ رہا ہے جن کے پاس بُصریٰ میں صرف 7 ہزار مجاہدین ہیں جبکہ 70 ہزار کا ایک اور رومی لشکر بالائی فلسطین میں پیش قدمی کرتے ہوئے اجنادین آن پہنچا ہے۔ اس رومی فوج کی قیادت تذارق کر رہا ہے اور رومیوں کے ماتحت عرب قبائل بڑی تعداد میں ان سے آن ملے ہیں۔ ادھر وردان حمص سے روانہ ہو کر بعلبک، صفد[1] اور طبریہ ہوتے ہوئے دریائے اُردن عبور کر کے شرحبیل ؓ کی فوج پر حملہ کرنے والا ہے۔

خالد بن ولید ؓ نے شرحبیل ؓ، یزید بن ابی سفیان ؓ اور عمرو بن عاص ؓ کو لکھا کہ وہ اجنادین (فلسطین) میں ان سے آملیں، چنانچہ شرحبیل ؓ وردان کے بُصریٰ پہنچنے سے پہلے وہاں سے چلے آئے۔ یوں اب تمام اسلامی عساکر اور رومی لشکر اجنادین کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اجنادین کوئی شہر یا قصبہ نہیں تھا۔ یہ صرف راستوں کا سنگم تھا جس کی طرف رومی چلے آرہے تھے۔ ان کی نفری ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر جن کی مجموعی تعداد 33 ہزار تھی، ان سے پہلے اجنادین پہنچ گئے۔

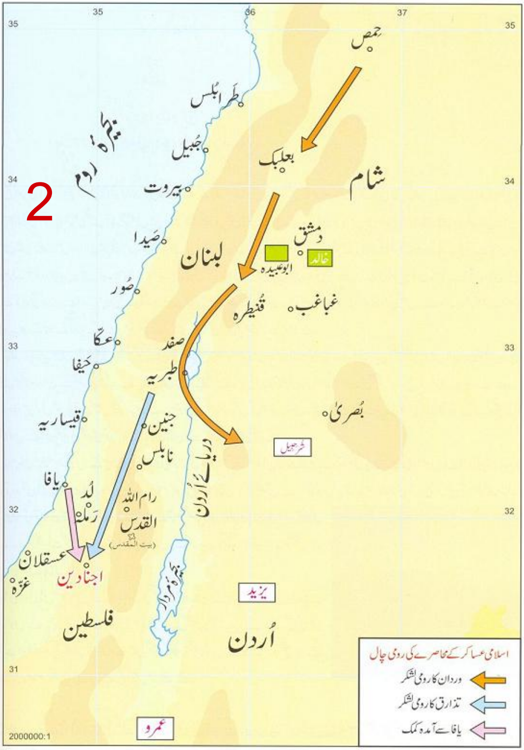
رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ پر دھاوا بول کر لڑائی کا آغاز کیا۔ مسلمان ثابت قدم رہے تو مسیحی پلٹ گئے، پھر انھوں نے اسلامی میسرہ پر دباؤ ڈالا تو وہ بھی ڈٹے رہے اور رومیوں کو پھر ناکام ہو کر پیچھے ہٹنا پڑا، پھر انھوں نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی شروع کر دی تو حضرت خالد بن ولید ؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے دشمن کے تمام لشکر پر ہلہ بول دیا۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئے اور کئی گروہوں میں بٹ کر بیت المقدس، قیساریہ، دمشق اور حمص کی طرف بھاگ نکلے۔



مقبوضہ فلسطین کا قصبہ صفد

اس لڑائی میں مسلمانوں نے 3 ہزار رومی قتل کیے اور ان کے کیمپ کا تمام مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ خالد ؓ نے عبدالرحمٰن بن حنبل جُمَحی کے ہاتھ فتح کی خبر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں بھیجی۔ پھر مسلمانوں نے لوٹ کر دمشق کا نئے سرے سے محاصرہ کرلیا جسے وہ پہلے فتح نہیں کر سکے تھے۔

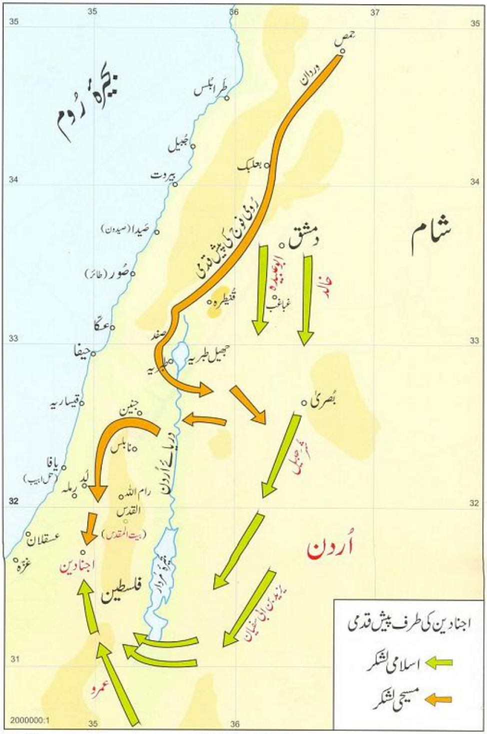
[1] صفد: یہ عکا کے مشرق میں بالائی گلیل کے علاقے میں ایک قصبہ ہے۔ یہاں ایک صلیبی قلعے کے آثار ہیں۔ آبادی 15 ہزار ہے (المنجد في الأعلام)۔ صفد (Zefat) قنیطرہ (شام) کو عکا سے ملانے والی سڑک پر تقریباً وسط میں اور جھیل طبریہ کے شمال میں واقع ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 43)



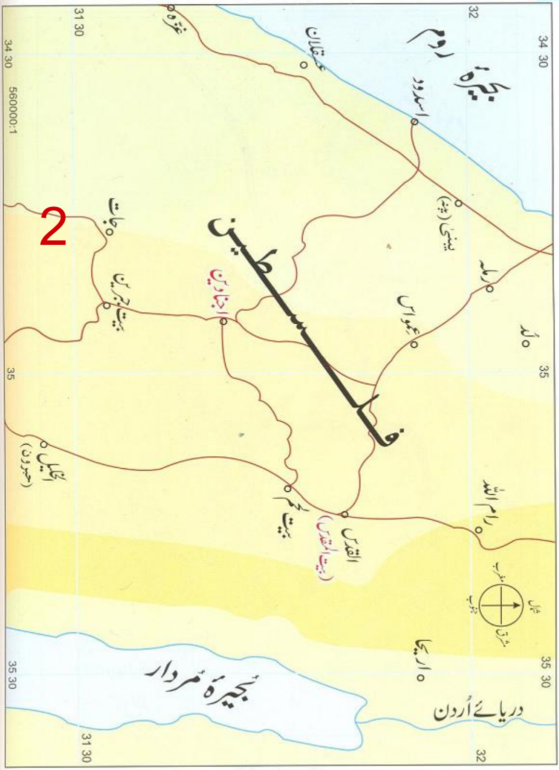
نقشہ 72

معرکۂ اجنادین (1)

2



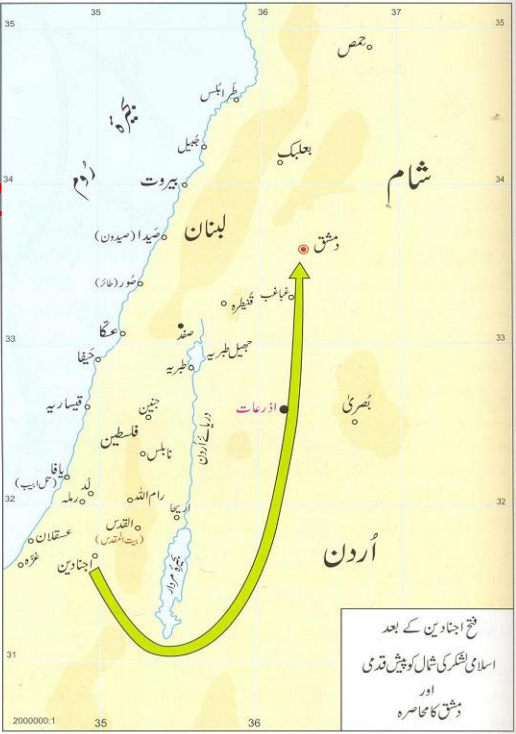
نقشہ 73
معرکۂ اجنادین (2)
اسلامی اور رومی عساکر کی پیش قدمی



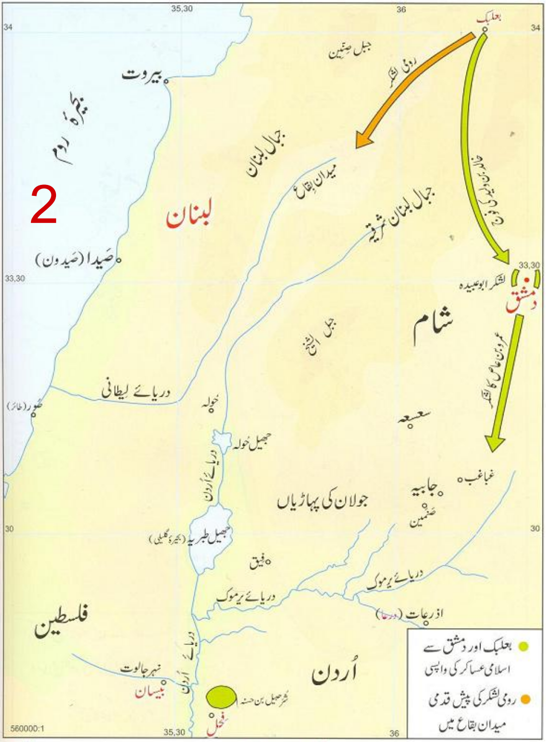
نقشہ 74

معرکۂ اجنادین (3)

2



نقشہ 75
معرکۂ اجنادین کے بعد محاصرۂ دمشق



نقشہ 76

فحل کی طرف پیش قدمی (1)

4

معرکۂ فحل بَیسان

(بروز پیر 28 ذی قعدہ 13ھ/ 23 جنوری 635ء)

جنگ اجنادین کے بعد شام میں مجاہدین کی تعداد 32 ہزار تھی۔ ان میں سے 5300 فلسطین میں عمرو بن عاص ؓ اور شرحبیل ؓ کی قیادت میں تھے۔ باقی 26700 سرفروش ابوعبیدہ، خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان ؓ کے ہمراہ دمشق چلے آئے تھے اور دوبارہ اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔

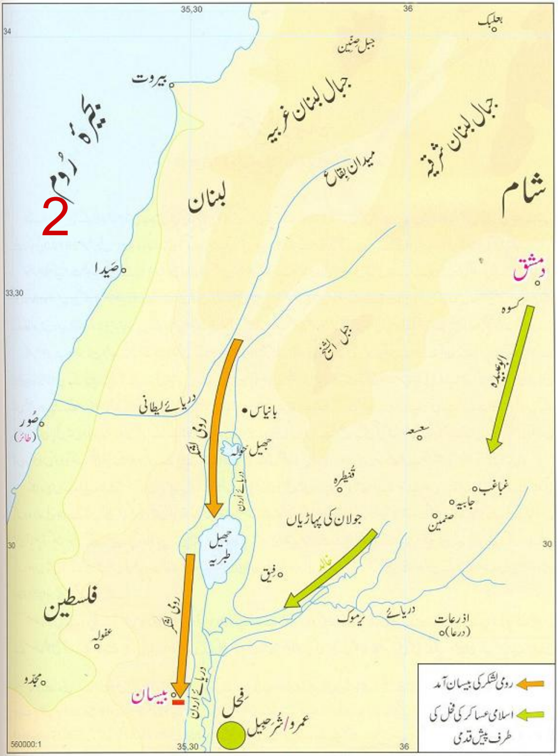
ادھر انطاکیہ سے قیصر ہرقل نے 10 ہزار فوج روانہ کی۔ حمص اور بعلبک سے مزید عیسائی اس میں شامل ہوتے گئے حتیٰ کہ رومی لشکر کی تعداد 20 ہزار ہو گئی۔ علاوہ ازیں بیزنطیم (قسطنطنیہ) سے آنے والی فوج نے ساحل شام پر اُتر کر مرجِ ابنِ عامر کے راستے بیسان کا رُخ کیا۔ اس دوران میں ابوعبیدہ ؓ نے خالد بن ولید ؓ کو 5 ہزار مجاہدین کے ساتھ بعلبک کی طرف بھیجا۔ جب انھیں علم ہوا کہ مسیحی بیسان کی طرف نکل گئے ہیں تو وہ دمشق لوٹ آئے۔

پھر حضرت خالد بن ولید ؓ مقدمۃ الجیش کے ہمراہ عمرو اور شرحبیل ؓ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اُن سے آن ملے اور حضرت ابوعبیدہ ؓ ان کے پیچھے چلے آئے۔ باقی مجاہدین نے یزید بن ابی سفیان ؓ کی قیادت میں دمشق کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس اثناء میں رومی بیسان میں جمع ہو چکے تھے اور مسلمانوں نے فحل میں آن اجتماع کیا۔ رومیوں نے جالوت ندی [1] کے کنارے توڑ دیے جس سے ان کے اور مسلمانوں کے مابین زمین پانی میں ڈوب کر رومی لشکر کے لیے دفاعی آڑ بن گئی، نیز رومیوں کی اس سے غرض یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو انتظار کرنا پڑے اور اس دوران میں رومیوں کو وہ کمک پہنچ جائے جو ہرقل نے پیچھے سے روانہ کی تھی۔ رومی لشکر کا سپہ سالار سکاریوس تھا جسے عرب مؤرخین ''سقلار'' کہتے ہیں۔

سکاریوس نے ایک رات مسلمانوں پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا جبکہ وہ فحل میں اپنے پڑاؤ میں سوئے ہوئے ہوں، چنانچہ وہ اپنا جیش لیے نکلا حتیٰ کہ وہ دلدلی علاقے میں پہنچ گیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ مسلمان صف بند ہو کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کا مقدمۃ الجیش خالد ؓ کے ماتحت تھا، اس میں تمام تر گھڑ سوار تھے۔ میمنہ پر معاذ بن جبل ؓ اور میسرہ پر ہاشم بن عتبہ ؓ تھے۔ پیادہ فوج کے سالار سعید بن زید ؓ تھے۔ گھڑ سوار تین گروہوں میں آگے بڑھے جن کی قیادت خالد بن ولید، قیس بن ہبیرہ اور میسرہ بن مسروق ؓ کر رہے تھے اور اُن کے پیچھے سعید بن زید ؓ، پھر معاذ ؓ اور پھر ہاشم ؓ تھے۔

مسلمانوں نے دریائے اُردن عبور کیا۔ ادھر رومی بڑھے چلے آ رہے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان سوئے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ اچانک انھوں نے مسلمانوں کو اپنے سامنے چوکس پایا۔ رومیوں نے گھڑ سواری میں مسلمانوں کی برتری ملحوظ خاطر رکھی تھی کیونکہ رومیوں کے گھوڑے مسلمان

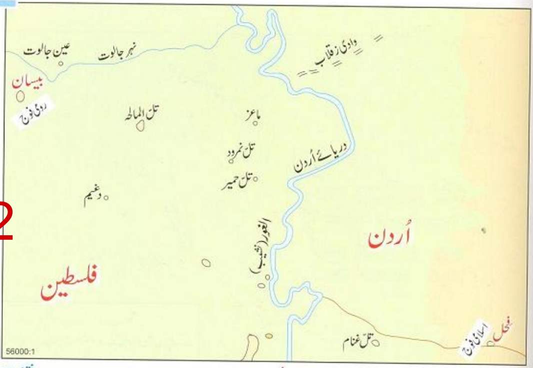
[1] **جالوت ندی:** اسے ان دنوں ''نہر جالود'' کہتے ہیں۔ دریائے اردن کی یہ معاون ندی میدانِ بیسان میں واقع ہے (المنجد في الأعلام)۔ وادیٔ جالوت کے سرے پر عین جالوت نامی گاؤں آباد تھا جس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس کے قریب حضرت داود ؑ نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ صلیبی وقائع نگار اس علاقے کو تُبنیا (Tubania) لکھتے ہیں۔ عین جالوت 25 رمضان 658ھ/ 3 ستمبر 1260ء کی اس جنگ کے لیے مشہور ہے جس میں کتبغا نوئین کی زیر قیادت منگول لشکر کو افواج مصر نے سلطان الملک المظفر قطز کی سپہ سالاری میں شکست دی جبکہ ہراول فوج کا سر عسکر بیبرس تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 14-2/396,397)



نقشہ 77

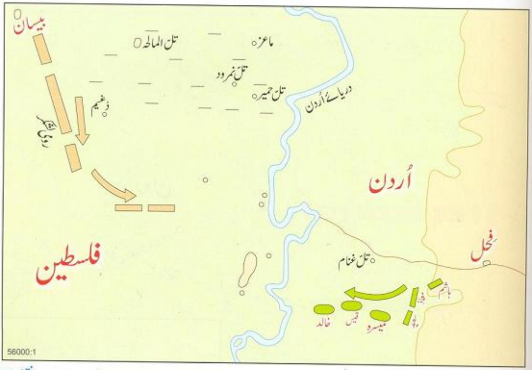
رومیوں کی بیسان آمد

2



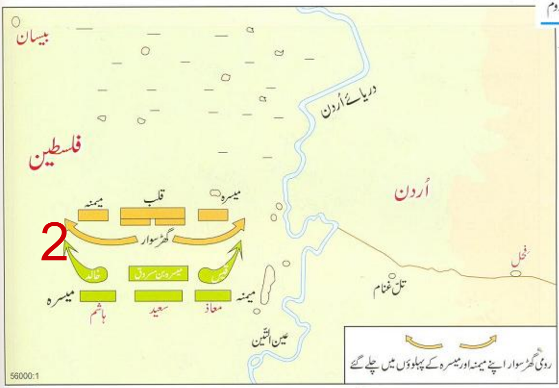
نقشہ 78

معرکہ فحل بیسان (1)



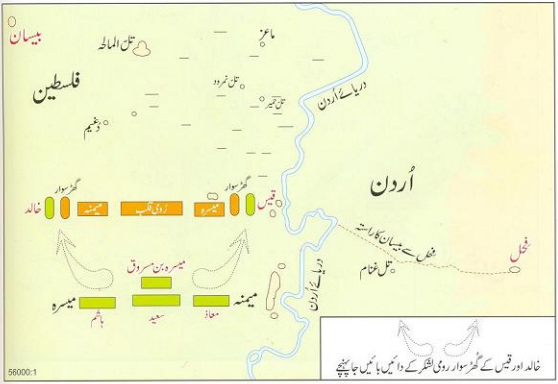
نقشہ 79

معرکہ فحل بیسان (2) فریقین میدانِ جنگ کی طرف گامزن



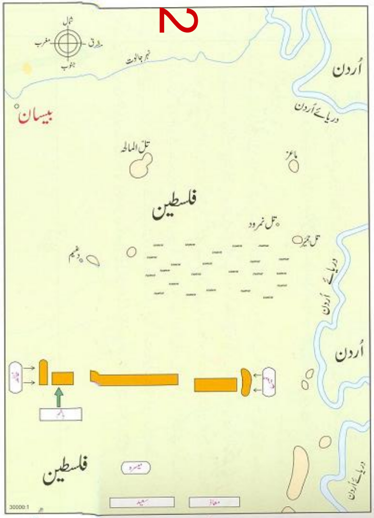
نقشہ 80

معرکۂ فحل بیسان (3) میدانِ جنگ میں صف بندی



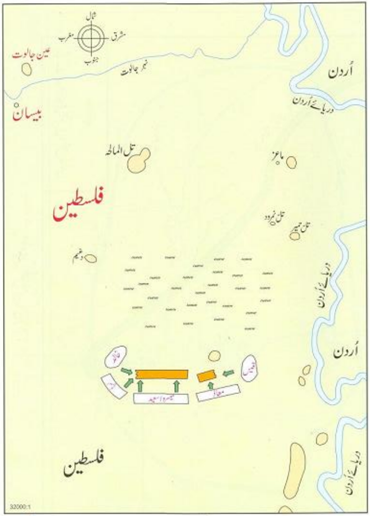
نقشہ 81

معرکۂ فحل بیسان (4)



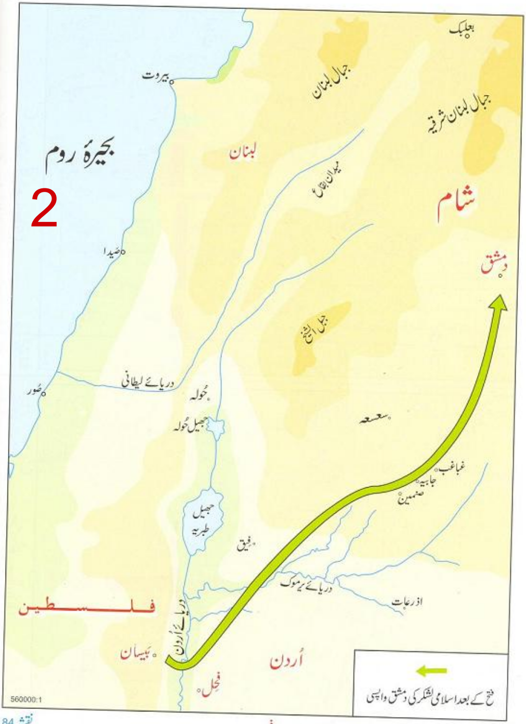
نقشہ 82

معرکۂ فحل بیسان (5)
رومی میمنہ اور میسرہ پر مسلمان جھپٹ پڑے



نقشہ 83

معرکۂ فحل بیسان (6)
اسلامی دستوں نے رومی عیسائیوں کو تین اطراف سے پیس ڈالا

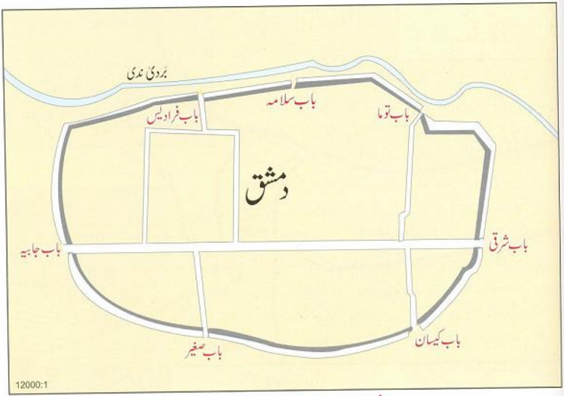


نقشہ 84

معرکۂ فِحل بیسان (7)

گھڑسواروں کے آگے نہیں ٹھہرتے تھے، چنانچہ ان کے گھڑسوار دستے نکلے تو ان کے ہمراہ 50 تا 80 ہزار پیادے بھی تھے۔ انھوں نے اپنا رسالہ، یعنی گھڑسوار اپنے قلب کی صف اول میں رکھے تھے۔ ہر گھڑسوار کے ایک طرف ایک تیرانداز اور دوسری طرف ایک نیزہ بردار بطور مددگار موجود تھا اور ان کے پیچھے پیدل فوج کی صفیں تھیں۔

گویا رومیوں کی صف بندی میں صرف میمنہ، قلب او رمیسرہ تھے جبکہ مسلمانوں نے اپنے گھڑسوار اپنی پیدل فوج کے آگے رکھے تھے (نقشہ 80)۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دشمن کی صورت حال دیکھ کر سمجھ گئے کہ وہ اپنے گھڑسواروں کو عام حملے میں استعمال کرنے کے بجائے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، لہٰذا انھوں نے مسلم گھڑسواروں کے ساتھ رومیوں کی پیدل فوج کے پہلوؤں پر حملہ کر دیا جہاں دشمن کے گھڑسوار موجود نہیں تھے (نقشہ 81)۔ اب رومیوں کو اپنے پہلوؤں کی فکر لاحق ہوئی تو وہ اپنے گھڑسواروں کو پیدل فوج کے دفاع کے لیے پہلوؤں میں لے آئے جن کے ساتھ اب پیادہ مددگار نہیں تھے۔ یوں دوبدو مقابلے کی نوبت آ گئی جس سے رومی پہلو تہی کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے گھڑسواروں کے ساتھ دشمن کے رسالہ پر ہلہ بول دیا (نقشہ 82)۔ ادھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی پیادہ فوج پر دھاوا کیا اور ان کے ساتھ میسرہ بن مسروق کے گھڑسوار بھی تھے۔ (نقشہ 83)



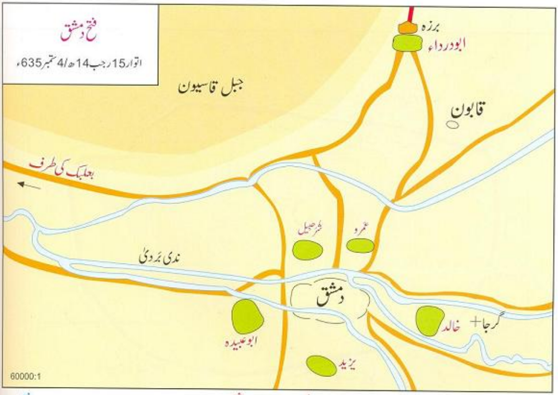
نقشہ 85

فتح اسلامی کے وقت دمشق اوراس کے دروازے

مسلمان رومیوں کے جانبی دستوں کا صفایا کرنے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دشمن کے قلب پر یلغار کر دی حتی کہ اس کے قدم اکھڑ گئے۔ اس دوران میں رات چھا گئی۔ رومی فوج سمٹتی سمٹتی اپنے پیچھے واقع دلدل میں جا پھنسی۔ مسلمان انھیں اس افتاد میں پڑتے دیکھ کر خوش ہوئے اور ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ سپہ سالار سکلاریوس اور اس کے ساتھ 10 ہزار رومی مارے گئے اور باقی شام کے مختلف علاقوں کی طرف بھاگ نکلے۔ یوں وادئ اُردن کے سرسبز علاقوں پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ وہاں کے رومیوں نے قلعوں کے دروازے مسلمانوں پر کھول دیے اور امان حاصل کر لی۔

بیسان کی فتح کے بعد مسلمانوں نے ایک بار پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار ساڑھے سات ماہ کے محاصرے کے بعد 15 رجب 14ھ کو دمشق فتح ہو گیا۔

2



نقشہ 86
دمشق کا محاصرہ اور فتح

5

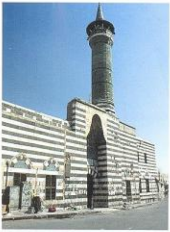
معرکۂ یرموک

رومیوں کی جوابی تیاریاں

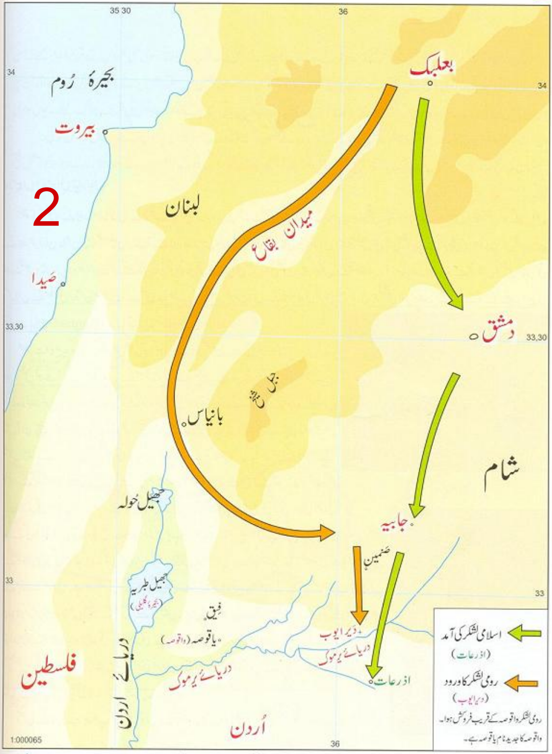
سقوطِ دمشق کے بعد مسلمانوں نے توقف کیا حتیٰ کہ سردی کی شدت ختم ہوگئی جو ملک شام پر مسلط تھی، پھر وہ بعلبک اور حمص پر قابض ہوگئے۔ اس کے بعد عمرو بن عاص ؓ فلسطین لوٹ آئے اور خالد بن ولید ؓ اور یزید بن ابی سفیان ؓ دمشق ہی میں مقیم رہے۔ رومی نہ بعلبک میں ٹھہر سکے اور نہ حمص میں زیادہ مزاحمت کر سکے لیکن اُن کی فوجی قوت میں کمی نہیں آئی تھی۔ پھر ہرقل نے قسطنطنیہ، آرمینیا اور الجزیرہ سے فوجیں اکٹھی کیں حتیٰ کہ اس نے مغربی رومن سلطنت سے بھی مدد طلب کی۔ اس طرح اس نے 2 لاکھ کی نفری جمع کر لی جو خشکی اور سمندر کے راستے آئے تھے۔ ان کی قیادت باہان (Baanes) کر رہا تھا جبکہ مسلمانوں کی تعداد 33 ہزار تھی۔


وادئ بقاع

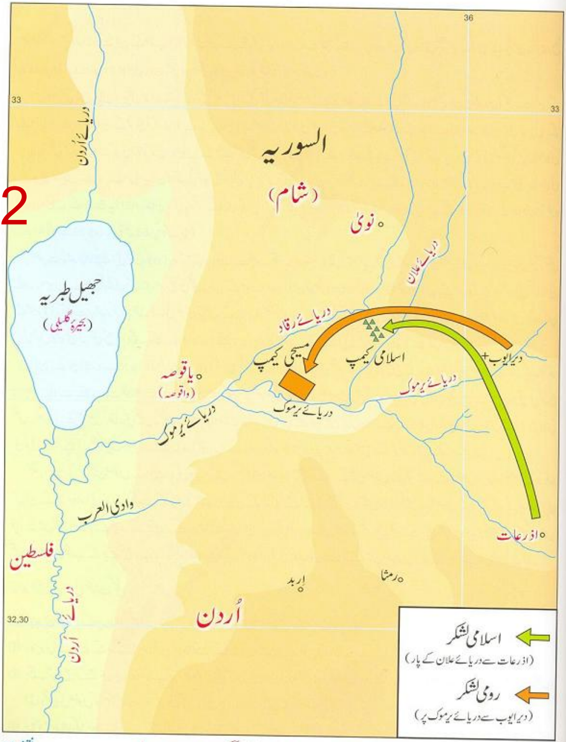
حضرت ابوعبیدہ ؓ کو خبریں ملیں تو انھوں نے اہلِ حمص سے جمع کردہ جزیہ واپس کر دیا اور دمشق لوٹ آئے۔ رومیوں نے مسلمانوں کے پیچھے چلے آنے پر حمص اور بعلبک پر دوبارہ قبضہ کر لیا، پھر وادئ بقاع سے گزر کر دمشق کا رُخ کرنے کے بجائے حُولہ کے نواح میں آن پہنچے۔ مسلمان جان گئے کہ رومی انھیں بڑے گھیرے میں لینا چاہتے ہیں۔ معاذ بن جبل ؓ نے مزید کسی بھی قسم کی پسپائی اختیار کرنے پر اعتراض کیا کہ کسی بھی شہر سے انخلا کے بعد دوبارہ اسے اپنے قبضے میں کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور یہ کہ شہر کے باشندوں سے جزیہ کی وصولی اس امر سے مشروط تھی کہ اُن کے تحفظ اور دفاع کی ذمہ داری اٹھائی جائے گی (لہٰذا ان کے دفاع سے منہ موڑ کر پسپائی اختیار کرنا قرین صواب نہیں۔) حضرت ابوعبیدہ ؓ نے معاذ ؓ کی تائید کی۔ لیکن عمرو بن عاص ؓ نے فلسطین سے خط بھیجا کہ فلسطینیوں اور اہلِ اُردن نے بغاوت کر دی ہے اور انھوں نے عہد شکنی کی ہے، چنانچہ ابوعبیدہ ؓ نے طے کیا کہ جنوب کی طرف پسپا ہو کر عمرو بن عاص ؓ کے جیش سے جا ملیں۔ یوں مسلمانوں کے تمام لشکر جابیہ میں اکٹھے ہوگئے اور خالد ؓ نے ابوعبیدہ ؓ کی رضامندی سے خود اسلامی عساکر کی قیادت سنبھال لی۔ ادھر رومیوں کی کوشش یہ تھی کہ وہ وادئ بقاع اور وادئ اُردن کے راستے مسلمانوں کے زیر قبضہ علاقوں کے جنوب میں پہنچ کر ان کی پسپائی کا راستہ کاٹ دیں۔


جابیہ شہر کا پرانا مغربی دروازہ

دشمن کے ارادے بھانپ کر مسلمانوں نے بہتر جانا کہ وہ اپنی فرودگاہ (معسکر) جابیہ سے اذرعات لے جائیں۔ ادھر رومیوں کا رُخ جابیہ کی طرف تھا جبکہ مسلمان جابیہ سے نکل آئے تھے۔ ان کے



نقشہ 87
معرکۂ یرموک (1) مسلمانوں کو گھیرنے کی رومی کوشش



نقشہ 88

معرکۂ یرموک (2) رومیوں اور مسلمانوں کی جنگی پوزیشنوں میں تبدیلی

گھڑسوار اور تیر انداز دستے ان کے عقب کی حفاظت کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ اذرعات پہنچ گئے۔ اس دوران میں رومی دیرایوب آن پہنچے۔ اس روز تاریخ 21 جمادی الآخرہ 15ھ/31 جولائی 636ء تھی اور منگل کا دن تھا۔ (نقشہ 87 یرموک 1)

اس دوران میں باہان کو ہرقل کا خط پہنچا کہ رومی لشکر کسی ایسی کھلی جگہ قیام کرے جو بھاگنے کے لیے تنگ ہو تا کہ ان کی عددی اکثریت ان کے لیے مفید ثابت ہو اور اُن کے فوجی فرار نہ ہونے پائیں، چنانچہ انھوں نے اپنی چھاؤنی دریائے یرموک کے کنارے رقاد اور علان نامی ندیوں کے درمیان منتقل کر لی۔ بہت گہری رقاد ندی رومیوں کے پیچھے بہتی تھی، اسی طرح دریائے یرموک کا پاٹ بھی گہرا تھا۔ یہ رومیوں کی کم فہمی تھی کہ انھوں نے گہری ندیوں سے گھرے اس میدان کو قدرتی دفاع خیال کیا جو کہ پیچھے سے ان کی حفاظت کرے گا۔ ادھر خالد رضی اللہ عنہ نے دیرایوب پہنچ کر اسلامی لشکر کو رومیوں کے راستے پہ ڈالا اور علان ندی پار کر کے ایسی جگہ پڑاؤ کیا کہ دشمن کے فرار کا عقبی راستہ بند ہو گیا۔ یہ ہفتے کا دن تھا (25 جمادی الآخرہ 15ھ/4 اگست 636ء)۔ (نقشہ 88 یرموک 2)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو دوبارہ ترتیب دیا اور اسے میمنہ، قلب اور میسرہ میں تقسیم کیا۔ فوج کے یہ تینوں اہم حصے گھڑسوار دستوں پر مشتمل تھے۔ رومیوں نے صف بندی بھی اسی طرح کی تھی۔ ان کے میمنہ کا سالار ابن قناطر (Baccinatar) تھا اور اس کے ہمراہ جُرجیر ارمنی بھی تھا۔ ان کے میسرہ کی قیادت درنجار کر رہا تھا۔ غسانی عربی قبائل کے 12 ہزار جنگجو ان کے مقدمۃ الجیش میں تھے جن کا سالار جبلہ بن ایہم تھا۔ اس اثناء میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ مسیحی صبح دم جنگ چھیڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے رات اپنی صفیں درست کرنے میں گزاری۔

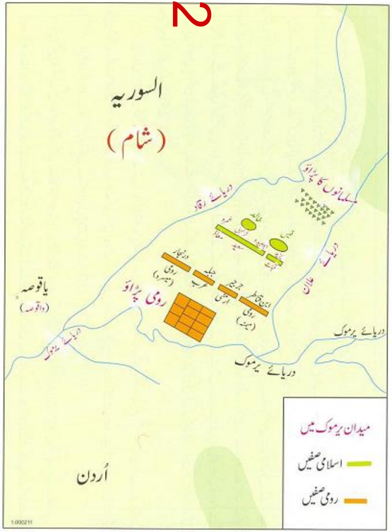
باہان نے پیر (5 رجب 15ھ/13 اگست 636ء) کو اپنا لشکر آگے بڑھایا۔ رومی لشکر میں 20 صفیں تھیں، 80 ہزار گھڑسوار تھے اور ایک لاکھ 20 ہزار پیادے تھے۔ سات کلومیٹر سے زیادہ لمبائی میں پھیلا یہ لشکر سیلاب کی طرح امڈتا آگے بڑھا۔ ان کی اس پیش رفت میں رعد کی سی گرج تھی۔ انھوں نے صلیبیں اٹھا رکھی تھیں۔ لشکر کے ہمراہ اسقف اور پادری بھی تھے جو انھیں جوش دلا رہے تھے۔ 30 ہزار عیسائیوں میں سے ہر دس دس کی ٹولی نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا تا کہ وہ فرار نہ ہو سکیں اور آخر تک ثابت قدم رہیں۔

لشکر اسلام کی خواتین صفوں کے پیچھے اونچی جگہ پر تھیں۔ مسلمان گھڑسوار لشکر کے آگے تین صفوں میں ایستادہ تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے گھڑسوار اپنی عددی اقلیت کے باعث شاید رومیوں کے شدید حملے کے آگے ٹھہر نہ سکیں، لہٰذا انھیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصف اپنی قیادت میں لشکر اسلام کے میمنہ کے پیچھے رکھے اور نصف قیس بن ہبیرہ کی قیادت میں میسرہ کے پیچھے تعینات کیے، نیز ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین قلب کے پیچھے بھیج دیے تا کہ لشکرِ اسلام کا عقب محفوظ اور قوی ہو اور ان کے بدلے میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو قلب میں تعینات کیا۔

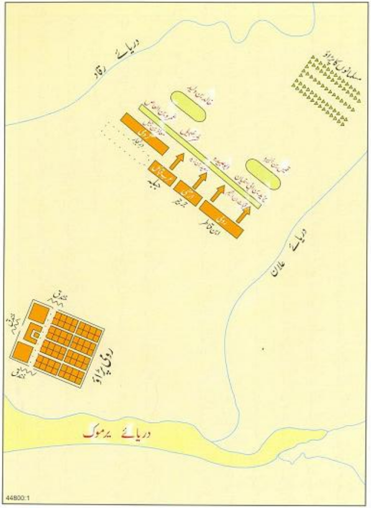
خالد رضی اللہ عنہ کی حربی حکمت عملی

مجاہدین اسلام کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی کے اہم پہلو یہ تھے:

1. رومیوں کے حملے کے سامنے مسلمانوں کی طاقت کے مطابق انھیں ثابت قدم رکھا جائے۔
2. جنگ شروع ہوتے ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی صفیں رومیوں کی بڑھتی ہوئی فوج کو روکنے سے عاجز آ جائیں اور ثابت قدم نہ رہ سکیں، لہٰذا دشمن کی صفوں کو منتشر اور تتر بتر کرنے کی سعی کی جائے، خواہ اس میں مسلمانوں کا کچھ جانی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔
3. چنانچہ مسلمان گھڑسوار ربط و ضبط کے ساتھ اپنے میمنہ اور میسرہ کے پیچھے سے نکل کر رومیوں کے میسرہ اور میمنہ پر پہلوؤں سے حملہ آور ہوں گے۔



نقشہ 89 معرکۂ یرموک (3) لڑائی کے لیے صف بندی



نقشہ 90 معرکۂ یرموک (4) درنجار رومی کا حملہ

حضرت خالد بن ولید ؓ کی تین جنگیں بڑی مشکل تھیں، یعنی جنگِ اُحد، جنگ عقرباء (معرکۂ یمامہ) اور جنگِ یرموک ۔ ان تینوں جنگوں میں خالد ؓ نے اپنے سے برتر دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے لمحے کا انتظار کیا تاکہ ان پر اچانک چھاپہ مار کر ان کے قدم اکھیڑ دیں۔

یرموک میں رومی میسرہ نے جس کی قیادت درنجار کر رہا تھا، اسلامی میمنہ پر شدید دباؤ ڈالا جس کی قیادت معاذ بن جبل ؓ کے ہاتھ میں تھی اور اس میں قبائل اَزد، مذحج، حضر موت، حِمیَر اور خولان کے مجاہدین برسرِ پیکار تھے۔ مسلمان ثابت قدم رہے اور انھوں نے تلواروں کے خوب جوہر دکھائے حتیٰ کہ رومیوں کا جمِ غفیر ان پر حملہ آور ہوا جبکہ باہان ان کے ایک حصے کو پیچھے سے تحفظ فراہم کر رہا تھا۔ رومیوں کے دباؤ سے میمنہ کے مجاہدین قلب کی طرف ہٹنے لگے حتیٰ کہ بعض پڑاؤ (معسکر) کی طرف پلٹ گئے۔ پھر جب کفار کے مقابلے میں جمے رہنے کی پکار بلند ہوئی تو وہ لوٹ آئے اور اپنی اُن جگہوں پر، جن سے وہ پسپا ہوئے تھے، دوبارہ ڈٹ گئے۔ ادھر حملہ آور رومیوں کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ 20 ہزار رومی گھڑ سوار اسلامی میمنہ کے پیچھے جا کر ان کے پڑاؤ میں گھس گئے۔

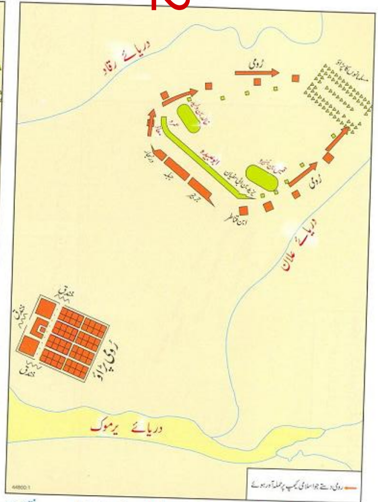
اسی طرح رومی میمنہ ابن قناطر کی قیادت میں اسلامی میسرہ پر حملہ آور ہوا تھا جس میں کنانہ، قیس، لَخم، جذام، خَثعم، غسان، قُضاعہ اور عامِلہ کے مجاہدین شامل تھے۔ اسلامی میسرہ قلب کی طرف سمٹ گیا۔ اسی دوران میں رومی میمنہ کے گھڑ سوار نہایت تیزی سے اپنے میسرہ کی طرح اسلامی لشکر گاہ (معسکر) پر حملہ آور ہوئے تو مسلم خواتین نے خیموں کی چوبیں مار مار کر انھیں پیچھے دھکیل دیا۔

اسلامی جیش کا قلب صحیح سالم رہا تھا جس کے قائد سعید بن زید ؓ تھے اور ان کے پیچھے ابوعبیدہ ؓ کے 300 مجاہدین شریکِ جنگ تھے۔

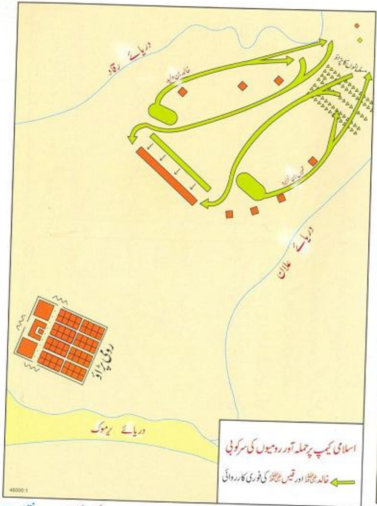
اب خالد بن ولید ؓ اور قیس بن ہبیرہ کے گھڑ سوار حرکت میں آئے اور ان رومیوں پر ٹوٹ پڑے جو اسلامی لشکر گاہ پر حملہ آور ہوئے تھے (نقشہ 92 یرموک 6)۔ مسلمانوں نے انھیں لشکر گاہ کے باہر گھیر لیا اور ان کا یہ حملہ اس قدر اچانک اور زوردار تھا کہ دس ہزار رومی آناً فاناً موت کے گھاٹ اُتر گئے اور باقی فرار ہو کر مسلمانوں کے خیموں کی آڑ لیتے ہوئے میدانِ جنگ سے باہر چلے گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا حتیٰ کہ وہ دُور نکل گئے۔ اسی طرح رومی گھڑ سوار مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا کر اچانک میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے لگے اور وہ مجاہدین کے ہاتھوں مارے یا فرار ہو جاتے رہے۔ اس دوران میں خالد ؓ اور قیس ؓ مسلم گھڑ سواروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں لوٹ آئے اور آتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ رومی فوج نے دیکھا کہ اُن کے گھڑ سواروں کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے مارچ کرتے ہوئے میدانِ جنگ سے نکل جاتی ہیں اور پھر ان کے بجائے مسلم گھڑ سوار لوٹ کر آتے ہیں جو اُن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور انھیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس تحیر خیز چال کو جنگی نفسیات کی اصطلاح میں صدمۂ قتال کہتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں رومیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے ان پر اجتماعی دھاوا بولا تو رومی دم دبا کر بھاگ اٹھے۔ راویوں کا کہنا ہے:

”وہ یوں بھاگے جیسے ان پر کوئی دیوار ٹوٹ پڑی ہو جبکہ مسلمان انھیں رقاد ندی اور دریائے یرموک کے سنگم کی طرف دھکیلتے اور گراتے چلے گئے جو انتہائی گہرائی میں تھا۔ زنجیروں میں بندھے ہوئے سپاہیوں کی وجہ سے رومیوں کی مشکلات بڑھ گئیں، چنانچہ مسلمان اونچائی سے ان پر ٹوٹ پڑے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔“

راویوں کے اندازے کے مطابق رومی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جبکہ دو بدو لڑائی میں مرنے والے عیسائی ان کے علاوہ تھے۔ یہ قتال رات بھر جاری رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور میدانِ جنگ میں رومیوں کی لاشوں کے سوا کچھ نہ رہا، تب مسلمان مفرور رومیوں کے تعاقب میں نکل گئے۔

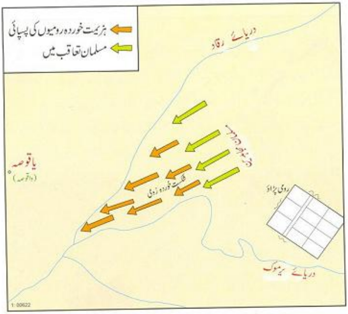


نقشہ 91 معرکۂ یرموک (5) رومیوں کا مسلمانوں کے پڑاؤ پر حملہ



نقشہ 92 معرکۂ یرموک (6) اسلامی پڑاؤ پر حملہ آور رومیوں کی سرکوبی

2



معرکۂ یرموک (7) رومی دستوں کی ہزیمت، پسپائی اور تباہی — نقشہ 93

جنگِ یرموک کی خصوصیات

اس معرکۂ حق و باطل کے درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

① حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے عساکر سے صبر اور ثابت قدمی کا تقاضا کیا تھا جس پر انھوں نے لبیک کہا۔

② خالد رضی اللہ عنہ نے بظاہر اپنی یقینی شکست کو ایک شاندار اور ہمہ گیر فتح میں بدلنے اور دشمن کو دندان شکن اور مکمل شکست سے دوچار کرنے کے لیے محفوظ فوج (ریزرو دستوں) پر انحصار کیا اور اس مقصد کے لیے اپنے تمام گھڑ سوار دستے ریزرو رکھے۔

③ ایک تیز اور بڑے حملے میں عموماً خامی رہ جاتی ہے، لہٰذا خالد رضی اللہ عنہ نے انتظار کیا کہ ایسا حملہ رومیوں کی طرف سے ہو تاکہ وہ اپنے گھڑ سوار دستے (کیولری) جنگ میں حسبِ خواہش استعمال کر سکیں، چنانچہ آغاز میں انھوں نے دفاعی جنگ لڑی، پھر مناسب وقت پر جارحانہ جنگ کی طرف آ گئے۔

(یہ جنگی نظریہ تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی میں کلاسوٹز [1] کا نظریہ کہلایا۔)

④ خالد رضی اللہ عنہ نے جنگ کا پانسا پلٹنے کے لیے رومی فوج کو تحیر خیز صدمے سے دوچار کیا۔

(یہ نظریہ چودھویں صدی ہجری / بیسویں صدی عیسوی میں لڈل ہارٹ [2] کا نظریہ کہلایا۔)

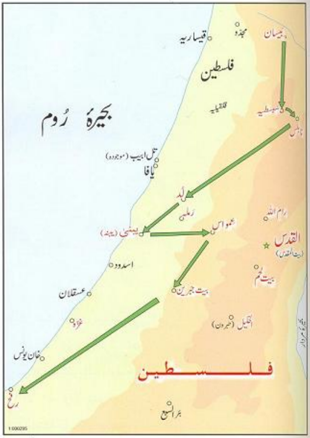
[1] کارل فون کلاسوٹز (1780ء - 1831ء) پرشیا (Prussia جرمنی) کا فوجی نظریہ ساز، جرمن فوج کا چیف آف سٹاف اور مشہور جنرل تھا۔ اس نے جنگی مطالعے کی کتاب ''آن وار'' لکھ کر شہرت پائی۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

[2] سر باسل ہنری لِڈل ہارٹ (1895ء - 1970ء) برطانوی فوجی مؤرخ تھا جس نے دشمن کے کمانڈ سنٹروں کو ٹینکوں اور طیاروں سے تباہ کرنے کا تزویراتی فارمولا پیش کیا جس پر نازی جرمنی نے دوسری جنگ عظیم میں عمل کیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

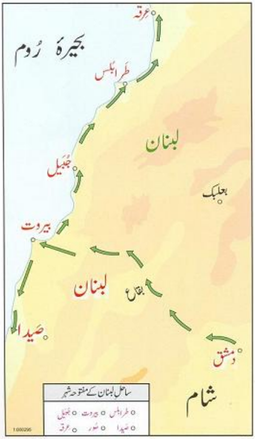
جب قیصر ہرقل کو، جو انطاکیہ میں مقیم تھا، اپنے لشکر کی ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے بے اختیار کہا:

''اے شام! تجھے جدائی پانے والے کا سلام
تجھے الوداع کہنے والے کا سلام کیونکہ دکھائی نہیں دیتا کہ وہ کبھی لوٹ کر تیری طرف آئے گا۔
کوئی رومی کبھی تیری طرف نہیں لوٹے گا مگر ڈرتے ہوئے۔
اے شام! تجھ پر سلام
کتنا اچھا ہے یہ ملک جو دشمن کے ہاتھ لگا ہے!''

2



نقشہ 94 فلسطین سے رومیوں کا صفایا

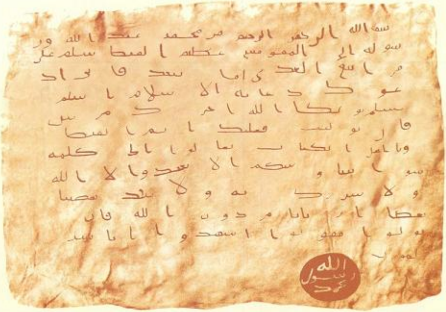


نقشہ 95 دمشق سے ساحل شام (لبنان) کی فتوحات

1

2

نبی ﷺ کا نامۂ مبارک بنام مقوقس (شاہِ مصر)



بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله ورسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فإني أدعوك دعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم القبط ويا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا ألا تعبدوا إلا الله ولا تشركوا به ولا يتخذ بعضنا بعضًا أربابًا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون.

"اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔
اللہ کے بندے اور اُس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مقوقس شاہِ قبط کے نام
جس نے ہدایت کی پیروی کی اُس پر سلام ہو! اما بعد:
پس میں تمھیں دعوتِ اسلام دیتا ہوں۔ تم اسلام لے آؤ تو سلامتی میں رہو گے، اللہ تمھیں دوگنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے حق سے
منہ موڑا تو قبطیوں کے اسلام نہ لانے کا گناہ تم پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! اللہ کی اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے (اور تمھارے)
درمیان یکساں (مسلمہ) ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ہم (اور تم) میں سے کوئی
2 کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ پھر اگر اہلِ کتاب نہ مانیں تو (اے مسلمانو!) تم اعلان کر دو کہ سب لوگ گواہ ہو جائیں کہ ہم
بہر حال مسلمان ہیں۔"



مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کا مقامِ عالی


مصر
اور
دریائے نیل
بحیرۂ روم
فلسطین
اردن
سعودی عرب
سُودان
مغربی صحرا
(صحرائے اعظم)
وادی جدید
میدان تیہ
جزیرہ نمائے سیناء
بحیرۂ احمر
قاہرہ
اسکندریہ
بور سعید
دمیاط
رشید
منصورہ
زقازیق
اسماعیلیہ
سویس
جیزہ
حلوان
الفیوم
بنی سویف
مغاغہ
منیا
ملوی
اسیوط
سوہاج
قنا
قوص
الاقصر
اسنا
ادفو
کوم امبو
اسوان
سدالعالی اسوان
جهیل ناصر
خارجہ
نخلستان خارجہ
باریس
موط
نخلستان داخلہ
القصر
قصر فرافرہ
نخلستان فرافرہ
نخلستان بحریہ
بویطی
نخلستان سیوہ
سیوہ
قطارہ
مطروح
العالمین
سلوم
سیدی برانی
العریش
غزہ
یافا
بیت المقدس
عمان
نقب
طابا
عقبہ
حقل
ابوزنیمہ
طور
جبل کترینہ
جبل شُور
راس محمد
غردقہ
جبل شائب
سفاجہ
قصیر
مرسی علم
جبل حماطہ
راس بناس
جبل علبہ
جبل غارب
جبل جلالہ قبلیہ
جبل جلالہ بحریہ
برکہ قارون
وادی نطرون
دریائے نیل
خط سرطان
سطح مرتفع جلف کبیر
دارالحکومت
اہم شہر
ریلوے لائن
شاہراہ
بین الاقوامی سرحد
دریا
نہر
پہاڑی چوٹی
کلومیٹر
0 40 80 120 160 200

نقشہ 96

2

مصر پر بیرونی حملے



جیزہ (مصر) میں فرعون خوفو کا ہرم

تاریخ کے مختلف ادوار میں مصر میں تیس کے قریب جنگیں لڑی گئیں جن میں پہلی جنگِ ہکسوس [1] تھی، پھر لیبیا والوں کا حملہ، سارگون ثانی کا حملہ، سنحارب، اَئسَرحدّون [2] اور اشوربنی پال [3] کے حملے، بخت نصر [4] کا حملہ، کمبوجہ(Cambyses) بن کوروش کا حملہ [5]، ایرانیوں کا دوسرا حملہ، سکندر مقدونی (سکندراعظم) [6] کا حملہ، رومیوں کا تسلط، پھر ایرانی حملہ اور پھر رومی قبضہ [7]، مسلمانوں کے ہاتھوں فتح مصر،

[1] ہکسوس (چرواہے بادشاہ) سامی نسل سے تھے اور چودھویں مصری شاہی خاندان کے زمانے میں فلسطین وشام سے مصر پہنچے تھے۔ یہی لوگ سب سے پہلے گھوڑے مصر لے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنی اسرائیل ہکسوس دور ہی میں مصر پہنچے۔ 1580 ق م میں ہکسوس کو مصر سے نکال دیا گیا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 40,39/2)

[2] اَئسَرحدّون شاہ اشور سنحارب کا بیٹا اور جانشین (680-669 ق م) تھا جس نے بابل کی نئے سرے سے تعمیر کی۔ اس نے مصر پر حملہ کیا اور 677 ق م میں ممفس پر قبضہ کرلیا۔ (المنجد في الأعلام)

[3] سارگون (یا ''سرجون'') دوم، سنحارب اور اشوربنی پال سلطنت اشوریہ (Assyria) کے دوسرے دورِعروج کے حکمران تھے جو نینوئ (عراق) میں دوسری ہزاری ق م کے اوائل میں قائم ہوئی۔ اشوریہ کی عظمت کا پہلا دور 933 ق م میں اور دوسرا دورِعروج 745 ق م میں شروع ہوا تھا۔ اشور بنی پال نے عربوں، عیلامیوں اور کلدانیوں کے خلاف کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ 625 ق م میں اشوری سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 48,47/2)

[4] بخت نصر (Nebuchadnezzar) بابل (عراق) کا بادشاہ (605 ق م - 561 ق م) تھا۔ اس نے مصر پر حملہ کیا اور 586 ق م میں یہودیہ فتح کیا، بیت المقدس کو تباہ کیا اور (تقریباً ایک لاکھ) یہودیوں کو گرفتار کرکے بابل لے آیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 47/2)

[5] ایران کی ہخامنشی سلطنت کے بانی سائرس (کوروش) کے بیٹے کمبوجہ (Cambyses) نے 525 ق م میں مصر فتح کیا اور اس کے معبد اور مندر مسمار کر دیے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 186/2، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 73/2)

[6] شاہ مقدونیہ فیلقوس (Philip) دوم 336 ق م میں مارا گیا تو اس کا بیٹا سکندر سوم تخت نشین ہوا۔ 334 ق م میں وہ یونان سے نکلا اور ایرانیوں کو گرینی کس (اناطولیہ) اور اسوس کی جنگوں میں شکست دے کر شام فتح کرتا ہوا مصر پر حملہ آور ہوا۔ 332 ق م میں اس نے مصر فتح کیا، پھر ایران پر چڑھائی کی اور جنگ ارمیلا میں شاہِ ایران دارا سوم کو آخری شکست دی۔ فتح ایران کے بعد سکندر نے باختر (افغانستان) اور ترکستان فتح کیے، پھر دریائے بیاس تک ہندوستان کا علاقہ فتح کرنے کے بعد واپسی پر اس نے 323 ق م میں بابل میں وفات پائی۔ اس نے مشرقی دنیا میں اپنے نام سے 25 نئے شہر آباد کیے۔

[7] رومی حملہ آور جولیس سیزر کے ہاتھوں 48 ق م میں اسکندریہ کا کتب خانہ تباہ ہوا۔ مصر کی حکمران ملکہ قلوپطرہ کے مرنے پر جولیس سیزر کے جانشین آگسٹس آکٹیوین نے مصر پر قبضہ کرکے اسے رومی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں رومیوں کے ساتھ مصر بھی عیسائیت کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ 616ء میں ایرانیوں نے مصر فتح کرلیا اور 628ء تک اس پر قابض رہے اور کسریٰ (خسرو پرویز) کی شکست پر مصر دوبارہ بازنطینی (رومی) سلطنت کا حصہ بن گیا۔

صلیبی حکمران اموری کا حملہ، اس کا دوسرا صلیبی حملہ، جان ڈی برین کا حملہ، لوئی نہم کا صلیبی حملہ، تاتاریوں کی مصر پر ناکام یلغار [1]، عثمانیوں کی فتح مصر [2]، فرانسیسی حملہ [3]، فریزر (برطانوی) کا حملہ [4]، پہلی عالمی جنگ میں ترکی کا حملہ، اطالوی جرنیل گریزیانی کا حملہ، دوسری عالمی جنگ میں رومیل کا حملہ [5]، 1956ء میں اسرائیلی جارحیت اور پھر 1967ء میں اسرائیلی جارحیت۔ [6]

ان میں سے بعض حملے عارضی اثرات کے حامل تھے اور بعض ناکام رہے جبکہ بعض حملوں کے نتیجے میں غیر اقوام مصر پر غالب آئیں اور وہاں صدیوں اُن کا تسلّط رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر پر ہونے والے بیرونی حملوں اور جنگوں میں سے فتح اسلامی منفرد اور بے مثال ہے۔ یہ فتح مصری عوام کے لیے ہدایت اور امن وامان کی فتح ثابت ہوئی اور اس نے کبھی استعمار یا جبر واستبداد کا روپ نہیں دھارا۔ مصر کے فاتح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہاں جو حکمرانی کی، اس کی مثال نہ ان سے پہلے اور نہ بعد کے فاتحین میں ملتی ہے۔

1 ہلاکو نے دمشق اور سواحل شام فتح کر کے مصر پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو مملوک سلطانِ مصر مظفر سیف الدین قُطز مقابلے میں نکلا۔ عین جالوت (فلسطین) کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی (658ھ / 1260ء) جس میں تاتاریوں کو پہلی بار شکست فاش ہوئی اور ان کا سپہ سالار کتبغا مارا گیا۔ اس جنگ میں سلطان مظفر کے سپہ سالار بیبرس بُندُق داری نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اسی برس سلطان مظفر کے قتل کے بعد بیبرس ملک الظاہر رکن الدین کے نام سے مصر کا حکمران بنا۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 197/21)

2 شام کی تسخیر (922ھ / 1516ء) کے بعد عثمانی سلطان سلیم اول نے مصر کا رُخ کیا۔ 22 جنوری 1517ء کو مصری اور عثمانی فوجوں میں قاہرہ کے باہر شدید جنگ ہوئی۔ عثمانی افواج کے برتر سامان حرب (توپوں) کی وجہ سے مصری فوج کو شکست ہوئی۔ مملوک سلطان اشرف طومان بائی پکڑا گیا اور اسے سزائے موت دی گئی اور یوں ربیع الاول 923ھ / اپریل 1517ء میں مملوک حکومت اور عباسی خلافتِ مصر دونوں ختم ہونے کے ساتھ ہی مصر سلطنت عثمانیہ کا صوبہ بن گیا۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 204,203/21)

3 فرانسیسی افواج نپولین بوناپارٹ کی سرکردگی میں محرم 1213ھ / 2 جولائی 1798ء کو اسکندریہ پر قابض ہوگئیں۔ نپولین 25 جولائی کو قاہرہ میں داخل ہوا۔ 1801ء میں انگریزی اور ترک افواج نے حملہ کیا تو فرانسیسیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور وہ مصر چھوڑ کر چلے گئے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 207/21)

4 11 تموز (جولائی) 1882ء کو برطانوی امیر البحر سیمور نے اسکندریہ پر بمباری کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ برطانوی 2 آب (اگست) کو سویس (سویز) اور 20 اگست کو پورٹ سعید اور اسماعیلیہ پر قابض ہو گئے۔ 13 ایلول (ستمبر) کو تل الکبیر کے مقام پر مصری سپہ سالار احمد عرابی پاشا کو شکست ہوئی اور 14 ستمبر کو انگریزی فوج قاہرہ میں داخل ہوگئی۔ عرابی پاشا اور ان کے ساتھیوں کو پہلے سزائے موت سنائی گئی، پھر انھیں سیلون (سری لنکا) جلاوطن کر دیا گیا۔ (أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 127، طبع دار الفكر دمشق)

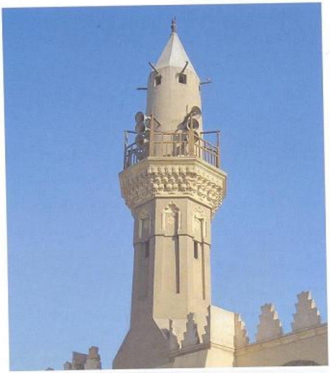
5 جرمنی کے فیلڈ مارشل رومیل نے دوسری جنگ عظیم کے دوران میں لیبیا سے مصر پر دھاوا بول دیا اور 21 جون 1942ء کو العالمین تک پہنچ گیا جو اسکندریہ سے صرف ستر میل کے فاصلے پر ہے۔ 23 اکتوبر 1942ء سے برطانوی جنرل منٹگمری نے جوابی حملے کا آغاز کیا، رومیل نے شکست کھائی اور 12 نومبر تک جرمنی اور اٹلی کی فوجیں مصر سے باہر نکل گئیں۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 414/3)

6 1956ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا اور جزیرہ نمائے سیناء پر اسرائیلی قابض ہوگئے مگر عالمی دباؤ پر جنگ بندی اور انخلا عمل میں آیا۔ جون 1967ء کی جنگ میں سیناء پر اسرائیلی قبضہ صہیونی ریاست کا وجود تسلیم کرنے پر 1981ء میں ختم ہوا۔

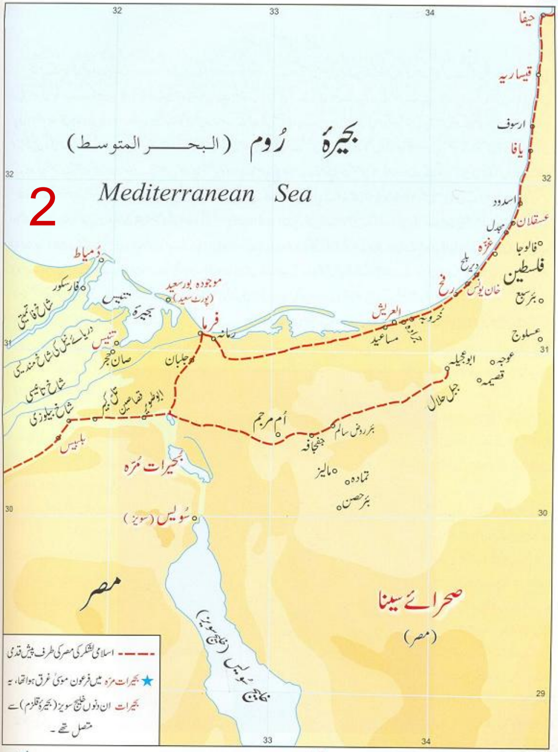
مصر پر صلیبی حملے

شام کے ساحلی شہروں پر قبضہ اور، بیت المقدس کی فتح (492ھ / 1099ء) کے بعد صلیبی مصر کی طرف بڑھے لیکن فاطمی امیر الجیوش نے انھیں شکست دے کر ان کا رُخ مصر کی جانب سے پھیر دیا، پھر 511ھ میں شاہ بالڈون بیت المقدس (یروشلم) سے بڑی جمعیت لے کر فتح مصر کے لیے روانہ ہوا اور فرما پہنچ کر بڑی تباہی مچائی، تاہم جلد ہی بالڈون بیمار ہو کر واپس چلا گیا۔ فاطمی خلیفہ عاضد کے عہد میں صلیبیوں نے مصر پر چڑھائی کی اور قلعہ بلبیس پر قابض ہو گئے مگر 559ھ میں سلطان نور الدین زنگی کے فرستادہ اسد الدین شیر کوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف نے صلیبیوں کو شکست فاش دی اور پھر دونوں مسلم سالار دمشق لوٹ گئے۔ اس کے بعد یروشلم کے صلیبی حکمران اموری نے مصر پر حملہ کیا تو شیر کوہ دوبارہ مصر پہنچا اور اس کے پہنچتے ہی صلیبی پھر نامراد لوٹ گئے لیکن صلیبیوں کے اس ہنگامے میں فسطاط جیسا عظیم الشان شہر بالکل ویران ہو گیا جس میں تین سو مسجدیں تھیں۔ ملک العادل ایوبی کے عہد میں 613ھ / 1216ء میں صلیبیوں نے برائے نام شاہ یروشلم اور شاہِ قسطنطنیہ جان برین کی قیادت میں مصر کا شہر دمیاط فتح کر لیا جسے 618ھ / 1221ء میں ملک الکامل نے آزاد کرایا، پھر ملک الصالح نجم الدین ایوب کے عہد (637ھ - 647ھ) میں فرانسیسی بادشاہ لوئی نہم نے دمیاط پر قبضہ کر کے قاہرہ کی طرف پیش قدمی شروع کی مگر دریائے نیل کی طغیانی اور رسد کی کمی کے باعث ناکام رہا اور لوئی نہم اپنے بہت سے امراء سمیت گرفتار ہوا۔ اسی دوران میں ملک الصالح نے انتقال کیا تو ملکہ شجرۃ الدر نے اس کی موت کو مخفی رکھا یہاں تک کہ مرحوم کا بیٹا معظم توران شاہ عراق سے آ کر تخت نشین ہوا۔ شاہ لوئی کو زر فدیہ کی ادائی پر رہا کیا گیا اور دمیاط پھر مصریوں کے قبضے میں آ گیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 21/192-196، حروب صلیبیہ (مترجم) از عبد الحلیم شرر)



جامع مسجد عمرو بن عاص (قاہرہ) کا مینار



نقشہ 97

فلسطین سے مصر پر یلغار

3

غازیانِ اسلام کی مصر روانگی

جنگ یرموک جو 5 رجب 15ھ /13 اگست 636ء کو لڑی گئی، اُس کے نتیجے میں مسلمان سارے شام پر چھا گئے۔ بعدازاں جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ (شام) آئے تو وہاں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اُن سے تخلیے میں ملاقات کی اوران سے فتح مصر کی اجازت حاصل کرلی تاکہ یہ سرزمین مسلمانوں کے خلاف مسیحی قوتوں کا مرکز بنی رہنے کے بجائے مسلمانوں کے لیے قوت کا باعث ہو۔ مصر بازنطینیوں (رومیوں) کے لیے زرخیز زرعی علاقہ بھی تھا جہاں سے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح شام کے بعد وہ شراب اور وافر اناج حاصل کرسکتے تھے۔



العریش (مصر) کا باغ نخیل

مصر کے عوام قبطی فلاحین تھے جو زمین کی کاشت کرتے تھے، اس پر وہ رومیوں کو ٹیکس ادا کرتے۔ رومیوں نے مصر پر تسلط اور غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان پر اپنے مذہبی عقائد بھی مسلط کرتے تھے اور جو بھی مذہب وہ پسند کرتے وہی مصری عوام پر تھوپ دیتے تھے، حالانکہ مصری اسے ناپسند کرتے۔ [1] مصری ایک صلح کیش بلکہ نہایت اطاعت گزار قوم تھے حتی کہ الفریڈ بٹلر نے لکھا ہے:

''مصریوں نے کبھی خواہش ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ آزادی حاصل کریں یا کسی طرح خودمختار ہوجائیں یا اپنے ذرائع پیداوار کے خود مالک ہوں مگر یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنے عقائد میں بہت پختہ تھے۔ اگرچہ وہ حکمرانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے اور نہ بغاوت کرتے تھے مگر یہ بات ریکارڈ میں ہے کہ اپنے مذہب کے معاملے میں وہ مرنے مارنے پر اُتر آتے تھے۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک مختصر جمعیت کے ساتھ فلسطین سے روانہ ہوئے جس میں ساڑھے تین ہزار گھڑسوار تھے۔ وہ تمام یمنی قبائل عک اور غافق سے تعلق رکھتے تھے جبکہ غافقی ان میں ایک تہائی تھے۔ اس جیش نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فتوح شام میں حصہ لیا تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رات کے وقت روانہ ہوئے۔ ان کے عریش [2] پہنچنے سے پہلے جبل حلال کی بلندیوں سے پانچ سو جوان اتر کر ان کے ساتھ آن

[1] رومی جب بت پرست تھے تو انھوں نے مصر میں رومی دیوی دیوتاؤں کی عبادت کو فروغ دیا اور جب چوتھی صدی عیسوی میں رومی حکمرانوں نے مسیحیت قبول کرلی تو وہ مصری عوام کو بھی مسیحیت قبول کرنے پر مجبور کرنے لگے۔

[2] العریش یا عریش المصر: قدیم رائنوکورورا (Rhinokorura) اور موجودہ العریش ایک سرسبز وشاداب نخلستان میں ساحل بحیرۂ روم پر واقع ہے۔ یہ صوبہ سیناء کا صدر مقام اور حربی مرکز ہے۔ فتح اسلامی کے وقت یہ لارس (Laris) کہلاتا تھا۔ العریش ہی میں 1118ء میں یروشلم کے صلیبی حکمران شاہ بالڈون اول کا انتقال ہوا۔ 1799ء میں اس پر نپولین نے قبضہ کرلیا اور اگلے ہی سال فرانسیسیوں کو العریش خالی کرنا پڑا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ:308/13، المنجد فی الأعلام)۔ العریش، غزہ سے تقریباً 80 کلومیٹر جنوب مغرب میں ہے۔

ملے۔ یوں لشکر کی مجموعی تعداد چار ہزار ہوگئی۔ جب وہ عریش پہنچے تو عید الاضحیٰ آ گئی۔ اس روز تاریخ 10 ذی الحجہ 19ھ/ 29 نومبر 640ء تھی۔ نماز عید پڑھ کر انھوں نے مغرب (مصر) کی طرف پیش قدمی کی۔ قلعہ فرما [1] پر پہلا معرکہ برپا ہوا۔ مسلمانوں نے ایک ماہ کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کرلیا اور اس کی فصیل مسمار کردی۔ یوں مصر کے مشرقی دروازے پر عمرو رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہوگیا کیونکہ فرما کے بعد بلبیس تک رومیوں کا نہ کوئی قلعہ تھا اور نہ کہیں ان کی فوج تعینات تھی۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نصفِ ثانی صفر 20ھ/ نصفِ ثانی فروری 641ء میں فرما سے مجدول ہوتے ہوئے قنطرہ [2] پہنچے، پھر انھوں نے وادی طُمَیلات میں سے گزر کر صالحیہ کا رخ کیا۔ اسے فتح کرکے بلبیس کا جا محاصرہ کیا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد شہر فتح ہوگیا۔ اس کے بعد وہ

مصر کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی کا حیرت انگیز واقعہ

یاقوت حموی (متوفی 626ھ/ 1229ء) نے مصر میں غازیانِ اسلام کے داخلے کے سلسلے میں ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''تم لشکر لے کر جاؤ اور میں تمھاری اس پیش قدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ میرا خط جلد تمھارے پاس پہنچے گا۔ جب میرا خط تمھارے پاس پہنچے، اگر اس وقت تم دیکھو کہ سرزمینِ مصر میں داخل نہیں ہوئے ہو یا تھوڑی دور اس میں گئے ہو، تو میرا حکم یہ ہے کہ تم وہیں سے لوٹ آنا۔ لیکن اگر میرا خط پہنچنے سے پہلے تم دیکھو کہ مصر میں داخل ہو چکے ہو تو اللہ کا نام لے کر اور اس کی مدد طلب کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جانا۔'' عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر لے کر چلے۔ ادھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور انھیں ان مجاہدین کی سلامتی کے بارے میں کچھ خدشہ لاحق ہوا تو انھوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ واپس چلے آؤ۔ پھر جب وہ خط عمرو رضی اللہ عنہ کو ملا، اُس وقت وہ رفح (فلسطین کی آخری بستی) میں تھے تو انھوں نے قاصد سے وہ خط وصول کرنے سے احتراز کیا اور باتوں باتوں میں اسے آگے لے چلے حتی کہ وہ عریش پہنچ گئے۔ وہاں انھیں بتایا گیا کہ وہ اب مصر میں ہیں، تب انھوں نے قاصد سے خط لیا اور پڑھ کر مسلمانوں کو سنایا، پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ''تم جانتے ہو یہ مصر کی بستی ہے؟'' انھوں نے کہا: ہاں! عمرو بولے: ''امیر المومنین نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ ان کا خط مجھے ملے گا اور اگر میں اس وقت تک مصر میں داخل نہ ہوا تو لوٹ چلوں گا لیکن میں تو مصر میں داخل ہو چکا ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حمایت سے آگے بڑھتے چلو۔'' (معجم البلدان: 262/4)

[1] فرما: یہ سمندر (بحیرۂ روم) کے کنارے عریش اور فسطاط (قاہرہ) کے مابین ایک قلعہ ہے۔ یہاں کھیتی اور پانی عنقا ہیں۔ نیل کا پانی تنّیس (موجودہ تانیس) سے لاد کر لایا جاتا ہے۔ ابنِ قُدید کہتے ہیں کہ احمد بن مدبر نے فرما کے دروازے منہدم کرنے چاہے جو قلعے کے مشرق میں پتھر سے بنے ہوئے تھے تو اہلِ فرما نے اسے منع کیا اور کہا: ان دروازوں کا ذکر تو اللہ کی کتاب میں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا: ﴿ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ﴾ ''اے میرے بیٹو! تم مصر میں ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا'' (یوسف 12:67)، (معجم البلدان: 256,255/4)۔ ''فرما'' کا یونانی نام Pelusium تھا۔ عربوں میں یہ ''فرما'' یا ''تل الفرما'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ پورٹ سعید کے مشرق میں بحیرۂ روم کے کنارے واقع ہے۔ مولانا شبلی رحمہ اللہ نے ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ یہاں جالینوس کی زیارت گاہ تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 6/1)

[2] قنطرہ: یہ نہر سویز کی ایشیائی جانب پورٹ سعید اور اسماعیلیہ کے عین درمیان ریلوے لائن پر واقع ہے۔ یہ شمال میں منزلہ کی بڑی اور جنوب میں بلاح کی چھوٹی جھیل کو ملانے والی نہر پر بنا ہوا قنطرہ (پل) تھا جس سے یہ شہر موسوم ہوا۔ آج کل کا قنطرہ نہر سویز بننے کے بعد آباد ہوا جبکہ قدیم آبادی مشرق میں آدھ گھنٹے کی مسافت پر واقع تھی اور اس کے نشانات تل ابوسیفہ یا تل الاحمر کے کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔ تل ابوسیفہ (مصری نام زرُو) میں فرعون رعمسیس ثانی کے ایک مندر کے کھنڈر بھی ہیں۔ ازمنۂ وسطیٰ میں یہ العقولہ کے نام سے مشہور تھا۔ قنطرہ بذریعہ ریل العریش سے ملا ہوا ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-2/419)


دمیاط کی ایک خوبصورت مسجد

دریائے نیل کی طرف بڑھے اور اُم دنین [1] پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اُم دنین اس جگہ تھا جہاں آج کل قاہرہ شہر کے محلّہ ازبکیہ کی طرف کھلنے والے باب الحدید کے پاس مسجد اولادعنان واقع ہے۔ ام دنین دریائے نیل کے کنارے تھا۔ یہاں مسلمانوں کو کچھ دریائی کشتیاں مل گئیں۔ رومیوں نے مصر میں چند قلعے قائم کر رکھے تھے جن کے نام یہ تھے: فرما، بلبیس [2]، بابلیون [3]، نقیوس [4]، منوف میں حصن تراجان، حصن اثریب، دمیاط [5]،

[1] اُم دُنَین: یہ قاہرہ (Cairo) اور دریائے نیل کے درمیان ایک بستی تھی جو بعدازاں قاہرہ میں مل گئی۔ جہاں آج قاہرہ ہے وہاں عہد اسلام سے پہلے دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر اُمّ دُنین نامی قلعہ اور شہر تھا جو بعد میں مقس کہلایا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعے کے باہر، جہاں اپنا خیمہ (فسطاط) نصب کیا تھا، وہیں فسطاط نامی شہر آباد کر کے اسے خلافت اسلامیہ کے صوبہ مصر کا دارالحکومت بنایا۔ فسطاط ان دنوں قاہرہ کے اندر واقع ہے جہاں مسجد عمرو موجود ہے۔ یاد رہے مقس، بابلیون، فسطاط اور قاہرہ نیل کے دائیں، یعنی مشرقی کنارے پر آباد ہوئے جبکہ جیزہ دریا کے بائیں، یعنی مغربی کنارے پر آباد تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر گئے، ان دنوں بابلیون ہی مصر کا دارالحکومت تھا۔ (معجم البلدان: 251/1)

[2] بلبیس: یہ فسطاط مصر سے 10 فرسخ دور شاہراہ شام پر واقع ایک شہر ہے۔ (معجم البلدان: 479/1)

[3] بابلیون: یہ قدیم لغت میں دیارِ مصر کے لیے مستعمل عام نام ہے، بالخصوص جہاں فسطاط آباد ہوا، اسے پہلے بابلیون کہا جاتا تھا۔ اہلِ تورات کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام بابل میں رہتے تھے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو آدم علیہ السلام قابیل سے ناراض ہوئے۔ قابیل اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھاگ کر ارضِ بابل کے پہاڑوں میں چلا گیا، چنانچہ اس جگہ کا نام ''بابل'' پڑ گیا جس کے معنی ہیں فرقت یا جدائی، پھر جب ادریس علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے اور وہاں قابیل کی اولاد بڑھ گئی تو انھوں نے فساد برپا کیا اور پہاڑوں سے نیچے اُتر آئے اور نیک لوگ بھی ان میں گھل مل کر مائل بہ فساد ہوئے تو حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ انھیں ایسی سرزمین عطا کر جہاں ارض بابل کی طرح دریا بہتا ہو۔ تب انھیں ارضِ مصر میں منتقل ہونے کا اشارہ ہوا۔ وہ مصر پہنچے اور وہاں رہ کر اسے خوشگوار پایا تو اس کا نام ''بابل'' سے مشتق ''بابلیون'' رکھ دیا جس کے معنی ہیں ''اچھی فرقت۔'' اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ بابلیون سبا (یمن) والوں میں سے ایک شخص تھا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں مصر پر حکومت کرتا تھا۔ (معجم البلدان: 311/1)

[4] نقیوس: یہ فسطاط اور اسکندریہ کے درمیان ایک بستی ہے جہاں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی (معجم البلدان: 303/5)۔ نقیوس دریائے نیل کی شاخ فرع رشید کے دائیں (مشرقی) کنارے واقع ہے۔ (نقشہ 103)

[5] دمیاط: مصر زیریں کا یہ شہر دریائے نیل کی مشرقی شاخ پر دہانے کے قریب واقع ہے۔ اسے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوج نے تسخیر کیا جسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔ 238ھ کے بازنطینیوں (رومیوں) کے حملے کے بعد خلیفہ متوکل نے دمیاط میں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ 565ھ /1169ء میں بیت المقدس پر قابض صلیبیوں نے دمیاط کا آن محاصرہ کیا جسے وزیر مصر صلاح الدین ایوبی نے پسپا کر دیا۔ 615ھ / 1218ء تا 618ھ / 1221ء کی صلیبی مہم کے دوران میں صلیبیوں نے دمیاط پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر ملک الکامل نے انھیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ صفر 647ھ / جون 1249ء میں ملک الصالح کی وفات سے کچھ پہلے لوئی نہم نے دمیاط فتح کر لیا لیکن پھر لوئی کے سپر انداز ہونے (اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے) پر یہاں مسلمانوں کا قبضہ بحال ہوگیا۔ بحری ممالیک نے دمیاط کی عسکری اہمیت ختم کرنے کے لیے 648ھ /51-1250ء میں مسجد کے سوا فصیل اور سارا شہر منہدم کر دیا۔ دمیاط کی بربادی وہاں کپڑے کی صنعت کے برباد ہونے کا سبب بنی، تاہم بہت جلد پرانے قصبے کے جنوب میں ایک نیا شہر وجود میں آ گیا۔ 1218ھ /1803ء میں عثمانی گورنر محمد خسرو پاشا البانوی فوج کی بغاوت کے سبب سے قاہرہ سے نکل کر دمیاط میں محصور ہوگیا اور پھر اسے محمد علی پاشا اور مملوک امیر الامراء عثمان بیگ بردیسی کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔
(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 432,431/9)



الفیوم کے رومی مندر کی باقیات



بندرگاہ اسکندریہ کی جامع مسجد ابوعباس

کریون، اسکندریہ، الفیوم [1] اور کلابشہ۔ انگور اور کھجور کے باغات حصن بابلیون تک پھیلے ہوئے تھے جو بلند مقام پر واقع تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے صورتِ احوال کا جائزہ لیا تو اس نتیجے تک پہنچے کہ ان کا چار ہزار کا لشکر ان تمام قلعوں کو فتح نہیں کر سکے گا، لہٰذا انھوں نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بارہ ہزار کی کمک بھیجی جائے۔

بہنسا کی لڑائی اور دربارِ خلافت سے کمک

مدد کے انتظار کے دوران میں عمرو رضی اللہ عنہ نے طے کیا کہ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حصن بابلیون کے آگے واقع شہروں پر چھاپے مار کر رومیوں کو مرعوب کرنے کی کارروائیاں کی جائیں، چنانچہ انھوں نے 5 جمادی الاولیٰ 19ھ / اوائلِ مئی 640ء کے لگ بھگ ام دنین سے دریائے نیل پار کیا اور مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کو بڑھتے چلے گئے۔ حنا نقیوسی ان کی اس پیش قدمی کو ''جنگ الفیوم'' قرار دیتا ہے جبکہ ابن عبدالحکیم نے بعد کی تاریخوں میں ''فتح الفیوم'' کا ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سب مقامات جن کا ذکر نقیوسی نے کیا ہے، اس علاقے میں واقع تھے جو آج کل صوبہ بنی سویف میں شامل ہے مگر ان دنوں وہ صوبہ الفیوم کی عملداری میں تھا۔ یہیں سے مؤرخین میں ایک غلط فہمی پھیلی، حالانکہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس فوجی یلغار کے دوران میں الفیوم فتح نہیں کیا تھا اگرچہ مسلمانوں کی الفیوم کے رومی دستوں سے جھڑپیں ہوتی رہی تھیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دریائے نیل پار کر کے جنوب کی طرف بڑھے، اس طرح کہ اہرام [2] ان کے دائیں ہاتھ تھے اور دریائے نیل

[1] الفَیُّوم: یہ ماضی کی طرح حال میں بھی مصر کا ایک انتظامی صوبہ ہے جو مصر کے وسط میں دریائے نیل کے ساتھ ساتھ صحرائے لیبیا کے مشرق میں واقع ہے۔ صوبائی دارالحکومت مدینۃ الفَیُّوم ہے۔ اسیوط کے نزدیک دریائے نیل سے ایک نہر المنہی جدا ہوتی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے تعمیر کرائی تھی۔ اس نہر سے ہونے والی آبپاشی سے وافر پانی ایک جھیل میں جمع ہوتا ہے جو برکہ قارون کہلاتی ہے۔ الفَیُّوم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصر کے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کارہائے نمایاں دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ہزار دنوں (الف یوم) کا کام ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 1100,1099/15)

[2] اہرام: مخصوص شکل کے مخروطی مقابر یا ''اہرام'' (واحد ''ہرم'' بمعنی پُرانی عمارت) مصری فرعونوں کے تیسرے خانوادے (لگ بھگ 2649 ق م) سے لے کر 1640 ق م تک تعمیر کیے گئے تھے۔ جیزہ کے اہرام قدیم دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا طریق تعمیر اور حسابی پیمائشیں ہنوز راز میں ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1175)

بائیں ہاتھ تھا جس کے دوسرے کنارے بابلیون نظر آتا تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ دور تک پیش قدمی کرتے چلے گئے۔ ادھر رومی فوج بحیرۂ یوسف نامی جھیل پر واقع قصبے لاہون میں تعینات تھی۔ یہ جھیل الفیوم سے 18 کلومیٹر دور نخلستان کے شروع میں واقع تھی۔ ان کی دوسری فوج دریائے نیل کی طرف اور کچھ ابویط [1] میں تھی۔ یہ اس فوج کے علاوہ تھیں جو صوبہ الفیوم کے اندر موجود تھی۔ اسلامی فوج نے بہنسا [2] اور ابویط فتح کر لیے اور رومی فوجوں کو شدید نقصان پہنچایا جنھیں اس کمک سے مدد حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا جو بابلیون سے ان کے لیے بھیجی گئی تھی۔

اس کے بعد مسلمان پیچھے لوٹ آئے کیونکہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس لشکر کشی کے دوران میں ایک بڑا رومی سپہ سالار ''حنا'' مارا گیا۔ رومیوں نے اس کی لاش ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے مجاہدین اس لشکر کشی سے فارغ ہو کر چند ہفتوں کے لئے پیچھے چلے آئے تھے، پھر جب دوبارہ پیش قدمی کی تو انھوں نے مسلّہ عین شمس اور تل الحصین کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ادھر 29 ربیع الآخر 20ھ/15 اپریل 641ء کو 8 ہزار مجاہدین کی مدد پہنچ گئی۔ اس آنے والے لشکر کی قیادت چار سالار کر رہے تھے: زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، عبادہ بن صامت، مسلمہ بن مخلد (یا خارجہ بن حذافہ) رضی اللہ عنہم جن کے متعلق امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ ''ان میں سے ہر ایک، ایک ہزار بہادروں کے برابر ہے۔ یوں آپ کی مطلوبہ تعداد 12 ہزار پوری ہو گئی ہے۔'' اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تو چاہتا تھا کہ وہ 12 آدمی بھیجتے جن میں سے ہر مجاہد ایک ہزار بہادروں کے برابر ہوتا۔''

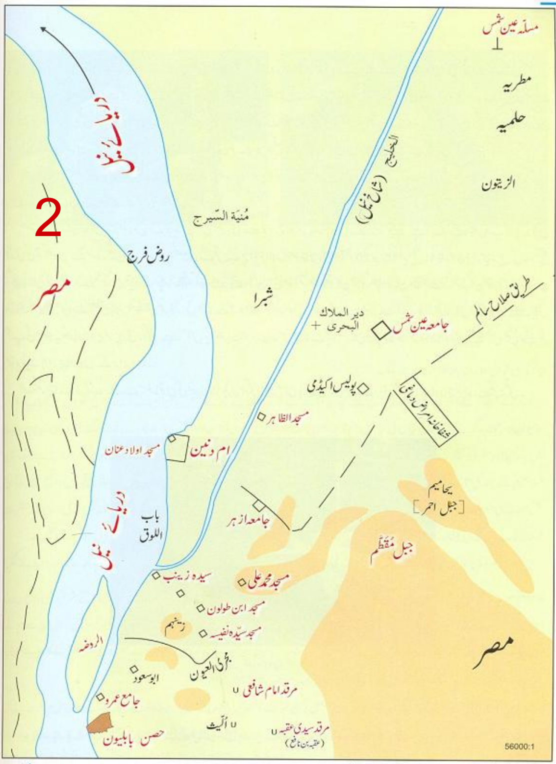
اور بٹلر کہتا ہے کہ کمک ملنے سے مسلمانوں کی تعداد 15 ہزار ہو گئی جبکہ حصن بابلیون میں تعینات رومی لشکر کی تعداد 20 ہزار سے کم نہ تھی۔



قلعہ بابلیون (مصر)

[1] ابوَیط: یہ دریائے نیل کے مشرقی جانب صوبہ اُسیوطیہ میں واقع بُرْدَنِیس کے قریب ہے۔ (معجم البلدان: 1/82)

[2] بَهنَسا: یہ صعیدِ ادنیٰ (قریبی بالائی مصر) میں نیل کے مغربی کنارے پر واقع ایک شہر ہے۔ اس سے ایک بڑا صوبہ منسوب ہے۔ (معجم البلدان: 1/517,516)



نقشہ 98

فتح مصر کے وقت بابلیون سے عین شمس تک کا علاقہ (عہدِ وسطیٰ اور عہدِ جدید کے قاہرہ کی بعض معلومات بھی شامل ہیں)

4

جنگ عین شمس (ہیلیو پولس)

مسلمانوں کو کمک پہنچنے سے رومیوں (عیسائیوں) نے جان لیا کہ فیصلہ کُن جنگ کا وقت آ گیا ہے، لہٰذا وہ اس کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ان کا لشکر حصن بابلیون سے روانہ ہوا جس کی نفری 20 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ انھوں نے شہر کے باہر صف بندی کر لی۔



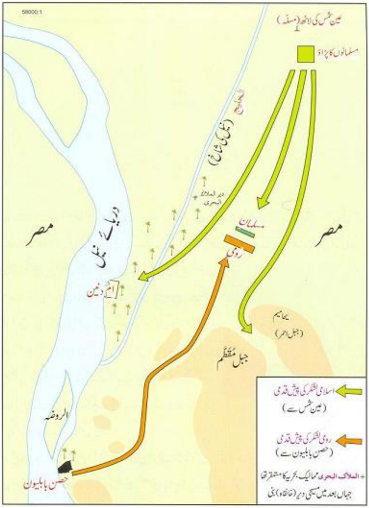
عین شمس (ہیلیو پولس) کا صدر دروازہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دشمن پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے، چنانچہ انھوں نے بھی عین شمس [1] میں صف بندی کر لی۔ رومی فوج نے حصن بابلیون سے نکل کر مشرق میں جبل مقطم کا رُخ کیا، پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ شمال کو مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف بڑھے۔ عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کی اس پیش قدمی کا علم ہوا تو انھوں نے عین شمس سے جنوب کو نکل کر بابلیون سے آنے والے رومی لشکر کا رُخ کیا۔ اس دوران میں انھوں نے اُم دنین کی طرف ایک چھاپہ مار دستہ روانہ کیا جس نے قریبی نخلستان میں چھپ کر کامیاب کارروائی کی۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک اور چھاپہ مار دستہ تحموم (جبل احمر) کی طرف بھیجا جس نے اسلامی معسکر (فوجی کیمپ) سے دس کلومیٹر دور جا کر تحموم اور جبل مقطم کے درمیان عیسائیوں پر چھاپہ مارا۔ آخر کار حصن بابلیون سے 15 کلومیٹر کے فاصلے پر ریدانیہ کے مشرق میں ایک مقام پر دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مقام ہمارے اندازے کے مطابق قاہرہ کی جامعہ عین شمس، شفاخانہ امراضِ عصبی اور پولیس اکادمی کے درمیان واقع ہے۔

فریقین میں لڑائی کا بازار گرم ہوا حتیٰ کہ گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ اس دوران میں رومی صفوں کے پیچھے سے مسلمانوں کے دو چھاپہ مار دستے آناً فاناً اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے اس اچانک حملے کی تاب نہ لا کر رومیوں نے میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کی۔ مسلمان گھڑ سواروں نے ان کا تعاقب کر کے کشتوں کے پشتے لگا دیے حتیٰ کہ صرف تین سو عیسائی براہِ راست یا اُم دنین سے کشتیوں کے ذریعے سے بچ کر بابلیون پہنچ سکے۔

[1] عین شمس: یہ مصر الجدیدہ ہے جو قاہرہ سے آٹھ دس کلومیٹر شمال مشرق میں ہے جہاں سے نیل کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے۔ ماضی قدیم میں اسے ہیلیو پولس (Heliopolis) کہا جاتا تھا۔ یہ یونانی نام ہے جس کے معنی ہیں ''سورج کا شہر'' کیونکہ یہاں مشرکوں کے سورج دیوتا کا مندر تھا۔ ہیلیو پولس یا عین شمس اب قاہرہ کی آبادی مصر الجدیدہ کا ایک حصہ ہے۔ یہاں قدیم دور کے ستون ہیں جنھیں قلوپطرہ کی سوئیاں کہا جاتا ہے۔ مصر الجدیدہ کی آبادی پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔
(اطلس القرآن (اردو)، ص: 86 بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)



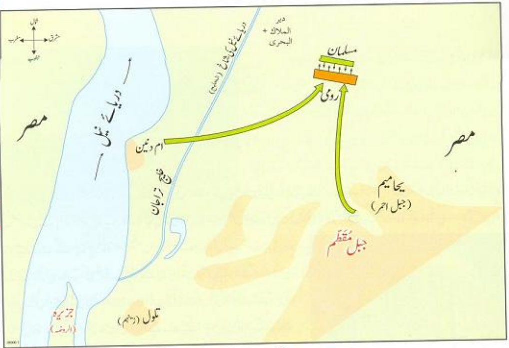
نقشہ 99

معرکۂ عین شمس (ہیلیو پولس) (1)

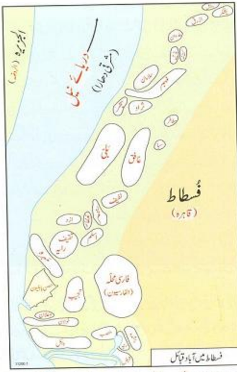
معرکۂ عین شمس 15 جمادی الاولی 20ھ / 30 اپریل 641ء کو پیش آیا۔ اس جنگ سے فارغ ہوکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اُم دنین پر قبضہ مستحکم کیا اور وہاں سے مزید دریائی کشتیاں مالِ غنیمت میں حاصل ہوئیں۔

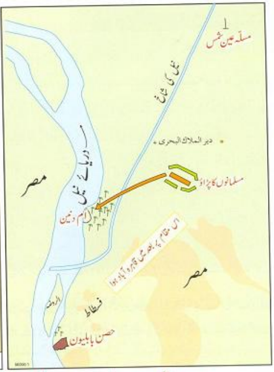
اب حصن بابلیون میں اتنی مسیحی فوج نہیں تھی جو اس کے دفاع کے لیے کافی ہوتی، تاہم بلند زمین پر واقع یہ قلعہ بہت مضبوط اور مستحکم تھا جس کے گرداگرد ایک خندق تھی۔ حصن بابلیون عقب میں دریائے نیل کے اندر واقع ایک جزیرہ روضہ [1] سے پانی پر تیرتے ہوئے پل کے ذریعے سے ملا ہوا تھا۔

[1] روضہ: فسطاط (موجودہ قاہرہ) کے پاس دریائے نیل کے اندر ایک جزیرہ تھا جسے ''جزیرۂ مصر'' یا ''الجزیرہ'' کہتے تھے۔ فاطمی وزیر افضل بن بدر جمالی نے جزیرے کے شمال میں ایک تفریحی محل الروضہ بنوایا، چنانچہ رفتہ رفتہ جزیرے کو بھی یہی نام دے دیا گیا، پھر وہاں ملک الصالح ایوبی کے تیار کردہ قلعے کو قَلعۃُ الروضہ کہا جانے لگا۔ زمانۂ حال میں الروضہ میں سب سے شاندار منظر مقیاس النیل ہے جس کی تاریخِ بنا اموی خلیفہ سلیمان کے عہد تک جاتی ہے۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/185,186)



نقشہ 100 معرکۂ عین شمس (ہیلیوپولس) (2)





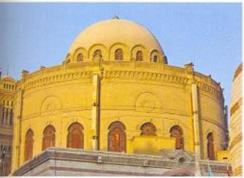
نقشہ 102 فسطاط (مصر کا دارالحکومت پہلی چار ہجری صدیوں میں)

نقشہ 101 معرکۂ عین شمس (ہیلیوپولس) (3)

5

سقوطِ بابلیون

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جمادی الاولیٰ 20ھ / مئی 641ء میں بابلیون پہنچے، وہاں سے انھوں نے ڈیلٹا[1] کی بلندیوں کی طرف گھڑسوار دستے روانہ کیے جنھوں نے اِدھر اُدھر چھاپہ مار کارروائیاں کیں۔ اس دوران میں قلعہ بابلیون کی محافظ فوج قسطنطنیہ کی طرف سے مدد پہنچنے سے ناامید ہوگئی اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، چنانچہ شاہ مصر مقوقس اور اس کے درباری ایک شب دریائے نیل پار کرکے "جزیرہ روضہ" کی طرف چلے گئے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے گفت وشنید شروع کردی۔ اسی دوران میں 23 صفر 20ھ / 11 فروری 641ء کو ہرقل کو موت نے آلیا تھا مگر شاہِ روم کی وفات کی خبر مصری رومیوں تک پہنچنے سے پہلے اسلامیانِ شام کے ذریعے سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے عساکر تک پہنچ گئی۔ اس سے مسلمانوں کے ارادے مضبوط ہوئے اور عیسائیوں کے ارادوں پر اوس پڑگئی۔ علاوہ ازیں ان میں بیماری پھیل گئی۔



بابلیون کا رومی ٹاور

مصر میں رومی سپہ سالار تھیوڈور نے شمالی ڈیلٹا میں جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں، لہٰذا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے پیچھے حصن بابلیون کے سامنے ایک فوجی دستہ چھوڑا اور باقی لشکر کے ہمراہ نیل کی شاخ دمیاط کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کی اور بنہا[2] کے قریب مقام اثریب سے دریا پار کرکے سمنود کا رُخ کیا۔ دریں اثنا انھیں اُن آبی دھاروں کے مابین لڑائی مشکل محسوس ہوئی جن سے ڈیلٹا اٹا پڑا تھا، چنانچہ وہ ابوصیر لوٹ آئے۔ انھوں نے ابوصیر، اثریب اور منوف کے قلعوں کی مرمت کی اور وہیں قلعہ بند ہوگئے۔ ان تدابیر کے نتیجے میں تھیوڈور ایک بھی سپاہی بابلیون کی مدد کو نہ بھیج سکا۔

مسلمان بابلیون کے سامنے سات ماہ خیمہ زن رہے۔ آخر کار اُنھوں نے ایک بلند سیڑھی بنائی اور رومیوں کو غافل پا کر جمعے کی رات سیڑھی قلعے کی دیوار سے لگادی (29 ذی الحجہ 20ھ / 7 دسمبر 641ء)۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے خود کو اللہ کی راہ میں پیش کیا اور سیڑھی پر سے دیوار کے اُوپر چڑھے، پیچھے سے مجاہدین نے انھیں سہارا دیا حتی کہ سیڑھی ٹوٹتی محسوس ہوئی مگر خیریت گزری اور مسلمانوں نے فصیل پر چڑھ کر تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ان کی اس جرأت مندی سے رومی بظاہر مایوس ہوئے۔ انھوں نے صلح کی خواہش ظاہر کی اور قلعہ حوالے کرنے پر رضامند ہوگئے۔ آخر کار صلح کا معاملہ ان کی جلاوطنی پر طے ہوا۔ جب رومی قلعہ چھوڑ کر جا رہے تھے تو وہ اپنے قبطی قیدیوں کو نہیں بھولے۔ ان ظالموں نے

1 ڈیلٹا (△) یونانی حروف تہجی کا چوتھا حرف ہے جو "دال" یا "ڈی" کا قائم مقام ہے۔ یونانی جغرافیہ دانوں (بطلیموس وغیرہ) نے بالائی مصر کے اس ٹکڑے کو "ڈیلٹا" کا نام دیا تھا جہاں دریائے نیل ڈیلٹا کی شکل میں شاخوں میں تقسیم ہوکر بحیرۂ روم میں گرتا ہے۔ بعد میں "ڈیلٹا" کی اصطلاح ہر دریا کی ڈیلٹائی شاخوں کے لیے استعمال ہونے لگی۔ عربی میں اسے "دلتا" کہا جاتا ہے۔

2 بنہا: مصر کی اس بستی کا شہد بہت عمدہ ہوتا ہے اور وافر مقدار میں ہوتا ہے۔ مہلبی نے کہا: فسطاط سے بنہا تک تقریباً 29 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان: 501/1)

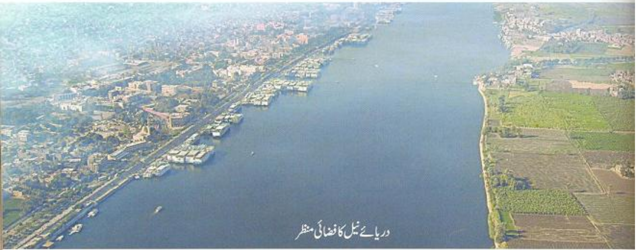


جیزہ کے اہرام

قبطیوں کو آخری بار کوڑے لگائے اور ان کے ہاتھ کاٹ دیے۔ [1]

دریں اثناء رومیوں نے دریائے نیل کا پُل توڑ دیا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حصن بابلیون اور جزیرۂ روضہ کے درمیان اور بابلیون اور جیزہ [2] کے درمیان دوبارہ پل تعمیر کر لیے اور یہ کشتیوں پر تیرتے پل تھے۔

اب عمرو رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل میں سیلاب آنے اور زمین کے پانی میں ڈوب جانے سے پہلے اسکندریہ کی طرف یلغار کرنے میں جلدی کی کیونکہ سیلاب کا موسم شروع ہونے میں چند ماہ باقی رہ گئے تھے (نقشہ 104,103)۔ انھوں نے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایک فوجی دستے کے ساتھ بابلیون میں چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دریائے نیل عبور کر کے مغرب کو پیش قدمی کی۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے مناسب نہ جانا کہ اسلامی لشکر کو وسطی ڈیلٹا کے شہروں اور بستیوں میں لے جائیں جہاں صدیوں سے نیل کی شاخیں بہ رہی تھیں۔ جب سیلاب کا موسم آتا تو نیل کے سیلابی دھارے خطرناک صورت اختیار کر لیتے تھے۔ اس کے برعکس انھوں نے وہی کیا جو عرب ہمیشہ سے کرتے آئے تھے۔ وہ لشکر اسلام کو صحرا کے کنارے کنارے لے چلے۔ اپنے پڑاؤ سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے اپنا خیمہ وہیں ایستادہ رہنے دیا جس میں فاختہ نے گھونسلا بنا لیا تھا اور اس میں انڈے دے رکھے تھے۔



دریائے نیل کا فضائی منظر

1 یہی گھناؤنا اور ظالمانہ فعل 1990ء کی دہائی کے آخر میں سیرالیون (مغربی افریقہ) کے ہتھیار بند مسیحی باغیوں نے دُہرایا۔ مسیحی دہشت گرد اُن بیگناہ مسلمانوں کے ہاتھ کاٹ دیتے تھے جو ان کے ہتھے چڑھتے تھے۔ یوں سیکڑوں مسلمان معذور بنا دیے گئے۔

2 جیزہ: یہ شہر قاہرہ کے جنوب مغرب میں نیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 16 لاکھ 70 ہزار ہے (1986ء)۔ یہاں فراعنہ خوفو، زفرن اور منکورا کے اہرام (مقابر) اور ابوالہول واقع ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 590)

6

فتح نقیوس

راستے میں سب سے پہلے حصن نقیوس آیا جو نیل کی شاخ ''رشید'' کے مشرقی کنارے تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے واقع طرنوط (طرانہ) کے پاس دریا پر ایک پُل تھا جو ڈیلٹا اور وادی نطرون کی خانقاہوں کو بابلیون اسکندریہ شاہراہ سے ملاتا تھا۔


رشید (Rosetta) کا فضائی منظر

رومیوں کی گذشتہ شکست کے بعد جو وقفہ آیا اس میں انھیں دفاعی تیاریوں کا موقع مل گیا تھا۔ مسلمان دریائے نیل کی فرع رشید کو پار کر کے مشرقی کنارے گئے اور 12 کلومیٹر شمال میں نقیوس (موجودہ قریہ شبشیر) کے مقام تک یلغار کرتے گئے جو کہ دریائے نیل اور اس نہر کے سنگم کے پاس تھا جو اتریب اور منوف کے درمیان سے گزر کر نقیوس کے شمال میں جا نکلتی تھی۔ حصن نقیوس میں رومیوں کا ایک فوجی دستہ موجود تھا اور دریائے نیل کی فرع رشید میں کشتیاں بھی تھیں۔ وقفے میں انھیں خشکی پر اور دریا میں لڑائی کے لیے غور وخوض کی فرصت بھی مل گئی تھی جبکہ مسلمانوں کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی، تاہم رومی سپہ سالار دومتیانوس کی بہادری کسی کام نہ آئی۔ مسلمانوں کے پُر زور حملے کی تاب نہ لا کر وہ اپنی کشتی میں بیٹھا اور اسکندریہ کی طرف فرار ہو گیا۔ اُس نے اپنے لشکر کی طرف پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس پر رومی لشکر نے حوصلہ ہار کر ہتھیار رکھ دیے اور وہ لوگ پانی میں کود پڑے تاکہ ان کشتیوں تک پہنچ سکیں جو شمال کی طرف فرار کے ارادے سے وہاں جمع کی گئی تھیں مگر مسلمانوں نے دریا کے اندر ان کا تعاقب کر کے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جا سکا، پھر مسلمان بلا مزاحمت نقیوس میں داخل ہوئے اور انھوں نے اِرد گرد کا علاقہ دشمن سے پاک کر دیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دریائے نیل پار کر کے غربی کنارے آئے اور شمال کو پیش قدمی کی۔ مقدمۃ الجیش میں شریک بن سُمَیّ دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔ 28 کلومیٹر کی مسافت طے کر کے شریک نے رومی لشکر کے عقب پر دھاوا بول دیا۔ رومی فوج کی تعداد شریک کے مجاہدین سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے سے گریز نہ کیا۔ رومیوں نے پلٹ کر انھیں گھیرے میں لے لیا تو شریک اور اس کے ساتھیوں نے ایک ٹیلے پر پناہ لی۔ انھوں نے مالک بن ناعمہ کو مدد کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ عمرو نے انھیں فوری کمک بھیجی تو رومی ان کی آمد پر خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ وہ مقام جہاں مسلمانوں نے پناہ لی تھی ''کوم شریک'' یعنی ''شریک کا ٹیلہ'' کے نام

سے مشہور ہوا اور یہاں بعد میں ایک بستی آباد ہوگئی جو ''کوم شریک'' کہلاتی ہے۔

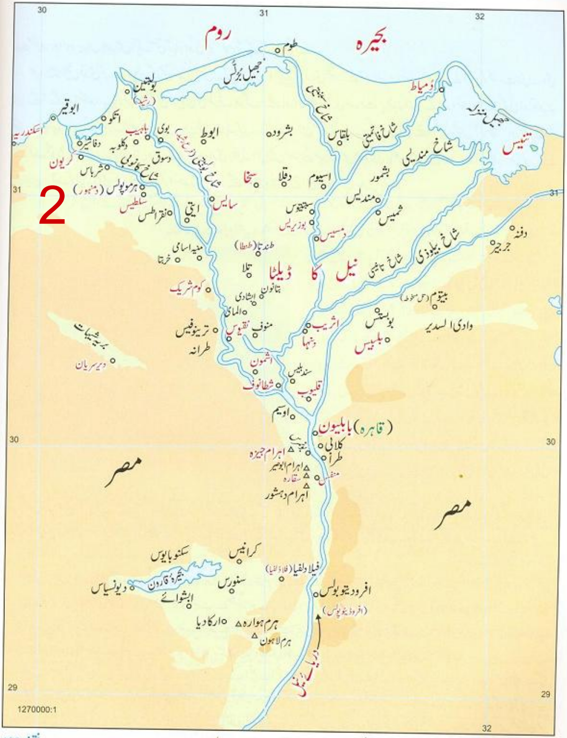
عمرو ؓ پیش قدمی کرتے چلے گئے حتی کہ سُلطَیس کے پاس ان کا ایک اور رومی لشکر سے آمنا سامنا ہوا۔ انھوں نے دشمن کو شکست دی۔ رومی ان کے آگے نہر اسکندریہ پار کر کے حصن کریون کی طرف بھاگ اٹھے جو 36 کلومیٹر کی مسافت پر تھا۔ اس کے بعد اسکندریہ تک کوئی اور قلعہ نہ تھا۔ رومی سپہ سالار تھیوڈور نے کریون میں جان توڑ مقابلہ کیا۔ رومی تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے، انھیں خَیس [1]، سخا [2] اور بَلہیب [3] سے کمک بھی مل گئی تھی۔ یہ لڑائی دس دن سے زیادہ جاری رہی۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ زخمی ہوئے۔ آخر کار مسلمانوں نے کریون پر قبضہ کر لیا۔ رومی ہزیمت اُٹھا کر اسکندریہ پلٹ گئے اور عمرو ؓ نے ان کا تعاقب جاری رکھا۔

2

1 خَیس: یہ مغربی مصر کا ایک ضلع ہے جسے خارجہ بن حذافہ عدوی ؓ نے فتح کیا۔ یہاں کے لوگوں نے عمرو بن عاص ؓ کے خلاف کفار کی مدد کی تھی، لہٰذا انھیں گرفتار کر لیا گیا، پھر امیرُ المومنین عمر فاروق ؓ کے حکم پر انھیں قبطیوں کی طرح جزیہ دینے کی شرط پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں کے گائے بیل البقر الخیسیۃ کہلاتے ہیں۔ (معجم البلدان: 411/2)

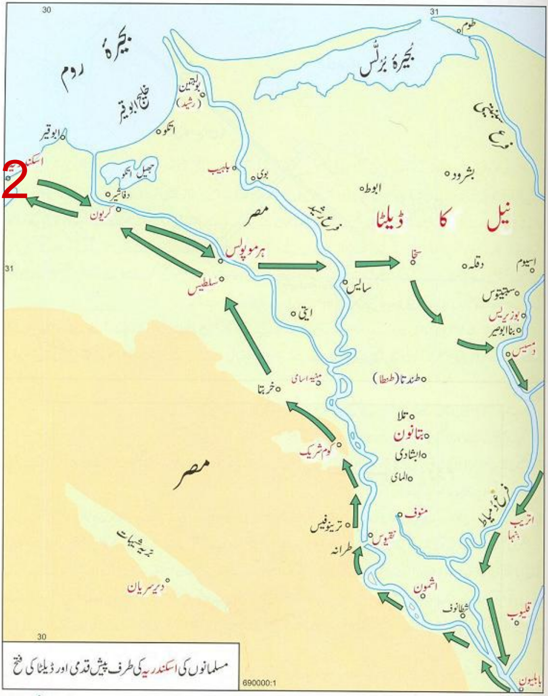
2 سخا: یہ زیریں مصر کے ضلع کورۃ الغربیہ میں واقع ہے اور اس کا صدر مقام ہے۔ خارجہ بن حذافہ ؓ کے ہاتھوں فتح ہوا (معجم البلدان: 196/3)۔ شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی ؒ سخا کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ تاریخ و سیرت، علوم حدیث اور مسائل پر ان کی تالیفات (90) نوے کے قریب ہیں۔ انھوں نے ''الرحلۃ'' کے ناموں سے اسکندریہ، حلب اور مکہ کے سفرنامے بھی لکھے، نیز ابن حجر، ابن ہمام، ابن عربی، ابن ہشام ؒ اور سیدنا عباس ؓ اور اپنے سوانح (ارشاد الغاوی) قلمبند کیے۔ انھوں نے 902ھ / 1497ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 759/10)

3 بَلہیب: مصر کی یہ بستی شاخ نیل ''فرع رشید'' کے بائیں کنارے واقع ہے (نقشہ نمبر 103)۔ اہلِ بلہیب نے لگان اور جزیہ دینے پر عمرو بن عاص ؓ سے صلح کر لی تھی۔ بعد میں محاصرۂ اسکندریہ کے دوران میں، خَیس، سُلطَیس، قَرطسا اور سخا کی طرح بلہیب والوں نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی مدد کی تھی، چنانچہ جب عمرو اسکندریہ فتح کر کے فارغ ہوئے تو مذکورہ تمام بستیوں کے باشندوں کو قیدی بنا لیا اور انھیں مدینہ منورہ اور دیگر علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔ امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے انھیں ان کے علاقوں کی طرف لوٹا دیا اور تمام اہل قبط کو ذمی قرار دیا جو اہلِ قبط کے نسبی بھائی تھے۔ (معجم البلدان: 492/1)



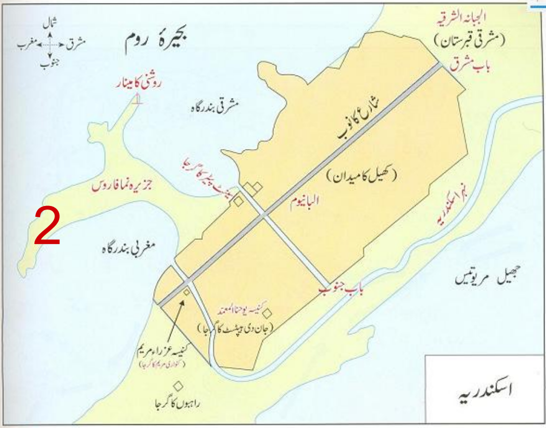
نقشہ 103

فتح اسلامی کے وقت نیل کا ڈیلٹا اور وسطی مصر

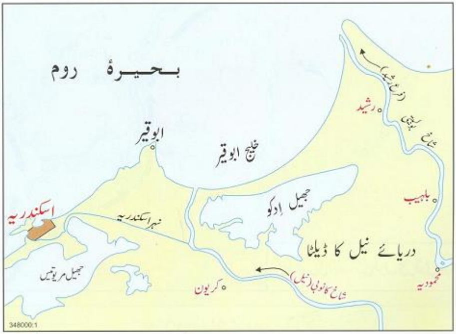


مسلمانوں کی اسکندریہ کی طرف پیش قدمی اور ڈیلٹا کی فتح

نقشہ 104



نقشہ 105



نقشہ 106

اسکندریہ (مصر) کی فتح

7

فتح اسکندریہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ پہنچ کر اس کی فصیل پر حملہ کیا تو اس پر نصب رومی منجنیقوں نے مسلمانوں پر سنگباری شروع کر دی چنانچہ اسلامی فوج شہر سے اتنی پیچھے آن ٹھہری جہاں وہ منجنیقوں کی زد سے محفوظ تھی۔ اس دوران میں عمرو رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کے گردونواح کے علاقے پر قبضہ جمانے کی تدبیر کی۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرنے کے بعد انھوں نے اسکندریہ کے بالمقابل ایک دستہ تعینات کیا اور باقی فوج کے ساتھ کریون اور پھر دَمَنْہور [1] پر دھاوا بول دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دریائے نیل پار کیا اور ڈیلٹا کے علاقے میں سخا پر حملہ آور ہوئے لیکن اس کی مضبوط فصیل کے باعث اسے فتح نہ کر سکے۔ اب انھوں نے جنوب کی طرف یلغار کی اور طوخ کو فتح کرتے ہوئے دمسیس [2] پہنچ گئے جو نیل کی شاخ دمیاط کے مشرقی جانب واقع تھا۔ دمسیس فتح نہ ہوا مگر یہاں سے خاصا مالِ غنیمت ملا۔

حنا نقیوسی کہتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ اس یلغار کے دوران میں دمیاط تک جا پہنچے تھے، پھر حصنِ بابلیون کی طرف پلٹ آئے تھے اور عین شمس کے واقعے سے لے کر اس تمام معرکہ آرائی میں انھیں بارہ مہینے لگے تھے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ صوبہ الفیوم کی فتح میں مصروف ہو گئے تھے۔

جب عمرو رضی اللہ عنہ بابلیون میں تھے تو مُقَوقَس نے صلح کی پیشکش کی تھی اور پھر ان شرائط پر صلح ہو گئی تھی:

① گیارہ مہینوں کے اندر انھیں اسکندریہ سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

② انھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا جو فی کس 2 دینار ہوگا اور بچوں اور بوڑھوں پر کوئی جزیہ نہ ہوگا۔ (اس طرح ایک کروڑ بیس لاکھ دینار جمع ہوئے، یعنی 60 لاکھ افراد پر جزیہ عائد کیا گیا۔)

③ مصر کے باشندوں کو، ان کے جان و مال کو، ان کے عقائد، گرجوں اور صلیبوں وغیرہ کو، اور اُن کے خشک و تر علاقوں کو امان حاصل ہوگی۔

بٹلر کی تحقیق کے مطابق صلح نامے پر 28 ذی قعدہ 20ھ / 8 نومبر 641ء کو دستخط ہوئے۔ مقوقس نے اس صلح نامے کا اپنی قوم کے سامنے اعلان نہیں کیا تھا حتی کہ ذی قعدہ 21ھ / اکتوبر 642ء میں ایک روز اچانک انھوں نے دیکھا کہ مسلمان اسکندریہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ تب مقوقس نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ جنگ جاری رکھنے کی کوشش ان کے مفاد میں نہیں اور انسان کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ دو دو دینار کے عوض ایک سال کے لیے دین اور جان و مال کی امان حاصل کر لے جبکہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں اور لڑائی کی استطاعت نہ رکھنے والوں پر کوئی فدیہ نہیں۔

[1] دَمَنْہور: مصر کے صوبہ بحیرہ کا صدر مقام دمنہور بازنطینی (رومی) عہد میں ہرموپولس پروا کہلاتا تھا۔ قاہرہ سے اسکندریہ جانے والی ریل یہاں ٹھہرتی ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 431/9)۔ دمنہور نیل کی شاخ ''فرع کانوبی'' کے بائیں کنارے اسکندریہ سے تقریباً 90 کلومیٹر پر واقع ہے۔

[2] دَمسیس: یہ ضلع دمسیس ومنوف کا ایک قصبہ ہے (معجم البلدان: 463/2)۔ دمسیس دریائے نیل کی شاخ فرع دمیاط کے دائیں کنارے واقع ہے۔



قاہرہ کی جامع مسجد ابن طولون

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کے بجائے فسطاط [1] کو دارالحکومت بنایا۔ انھوں نے دریائے نیل اور بحیرۂ احمر پر واقع شہر قلزم کے مابین نہر دوبارہ کھدوائی جو "خلیج امیر المومنین" [2] کہلائی۔ اس طرح بحیرۂ روم (البحر الأبیض) کو دریائے نیل کے ذریعے سے بحیرۂ احمر سے ملا دیا گیا۔ یہ خلیج یا سمندری نہر قدیم زمانے میں عدم توجہی سے ریت کے نیچے دب گئی تھی، چنانچہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کی دوبارہ کھدائی کروائی۔

مصر مُدّتوں رومی سلطنت کا گوہر تابدار رہنے کے بعد اب سلطنت اسلامیہ کے زیرِ نگیں آ گیا تھا۔

[1] فسطاط: فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کیا ہم یہاں رہائش رکھ سکتے ہیں؟ امیر المومنین نے جواب بھیجا: "مسلمانوں کو ایسی جگہ مت ٹھہراؤ کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی دریا یا سمندر حائل ہوتا ہو۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا: "اے امیر! آپ کے خیمے (فسطاط) کے پاس ہی ٹھہرنا چاہیے، وہاں پانی بھی ہے اور صحرا بھی ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے لشکر کو حکم دیا اور وہ دریائے نیل کے مشرقی کنارے فسطاط (خیمے) کی جگہ آ گئے اور وہ آپس میں کہتے تھے: "میں فسطاط کے دائیں جانب ہوں" اور "میں فسطاط کے بائیں جانب ہوں۔" اسی سے اس شہر کا نام فسطاط پڑ گیا۔ (معجم البلدان: 263/4۔) فتح مصر کے بعد نیا صدر مقام بابلیون کے نزدیک بسایا گیا جس کی نوعیت خالص عسکری تھی۔ یہ نیا شہر دریائے نیل کے ساتھ ساتھ تقریباً تین میل تک پھیلا ہوا تھا۔ بابلیون کے شمال میں گورنر مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ تھی جس کی نشان دہی مسجد عمرو کرتی ہے۔ 254ھ / 868ء میں احمد بن طولون کی خودمختاری سے تاریخ مصر کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس کی یادگار جامع ابن طولون آج بھی موجود ہے۔ آخری فاطمی خلیفہ العاضد کے عہد (555ھ - 567ھ) میں صلیبی جنگجو مصر آئے تو مورچہ بند قاہرہ کے برعکس فسطاط کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا، لہٰذا اس پر عیسائیوں کے ممکنہ قبضے کے پیشِ نظر وزیر شاور نے 19 صفر 564ھ / 22 نومبر 1168ء کو اسے نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ 20 ہزار سے زائد نفط (آتش گیر مادہ، یعنی پٹرولیم وغیرہ) کے ظروف سارے شہر میں جگہ جگہ رکھوا دیے گئے اور آگ 45 دن جلتی رہی۔ اس کے بعد قاہرہ (تعمیر شدہ 358ھ / 969ء) تجارت کا مرکز بن گیا۔ بچے کھچے فسطاط کو اب مصر العتیقہ یا قدیم قاہرہ کہا جانے لگا، چنانچہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں حملہ آور فرانسیسیوں نے اسے Le Vieux kaire (پرانا قاہرہ) کا نام دیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/180-185)

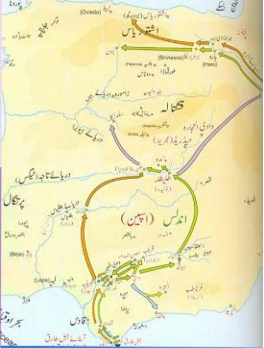
[2] خلیج امیر المومنین: یہ نہر فسطاط کے شمال میں دریائے نیل سے نکلتی اور قدیم عین الشمس (Heliopolis) میں سے گزرتی تھی اور (شرقی) میدان عبور کر کے آخر کار جدید قصبہ سُوَیس (سویز) کے قریب سمندر (خلیج قلزم) میں جا گرتی تھی۔ یہ نہر گاد اور مٹی سے اٹ گئی تھی۔ اسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے صاف کرایا تا کہ اس کے ذریعے سے فسطاط اور حجاز کے درمیان مقامات مقدسہ کو اناج کی رسد پہنچائی جائے۔ اب اسے "خلیج امیر المومنین" کا نام ملا۔ فاطمی خلیفہ الحاکم کے عہد میں یہ خلیج الحاکمی کہلائی۔ بعد میں اس کے مختلف قطعوں کے الگ الگ نام ہو گئے۔ آخری صدیوں میں سمندر تک جانے کے بجائے یہ نہر قاہرہ کے شمال میں برکۃ الجب پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس کی گزرگاہ اب تک قابل شناخت ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان "قاہرہ": 16-1/188)

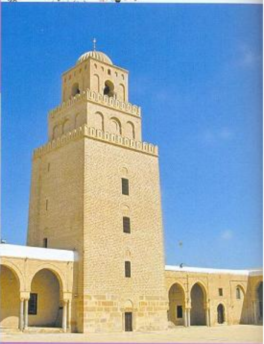
حصّہ سوم

- باب اول — فتوحاتِ اسلامیہ کا دوسرا مرحلہ (اموی و عباسی)
- باب دوم — اندلس (اسپین) کی فتح

2

- باب سوم — فتحِ سندھ
- باب چہارم — بحیرۂ روم کی فتوحات








بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
یونان
کریٹ
مالٹا
صقلیہ
خلیج حمامات
خلیج قابس
قابس
جربہ
تیونس
زوارہ
طرابلس
خمس
مصراتہ
غریان
مزدہ
جبل نفوسہ
نالوت
غدامس
سرت
خلیج سرت
سدرہ
صحرائے سرت
عقیلہ
بریقہ
اجدابیہ
بن غازی
جبل اخضر
مرج
البیضاء
سوسہ
درنہ
طبرق
بردیہ
جغبوب
سیوہ
مصر
ودان
نخلستان جفرہ
جبل سوداء
حمادۃ الحمراء
مرادہ
اوجلہ
نخلستان جالو
میدان قلنشو
زالہ
الفقہاء
ادہنا اوباری
وادی شاطی
سبہا
ہروج اسود
زویلہ
وادی آجال
اوباری
مرزق
غات
حماہ مرزق
قطرون
تجرہی
الجزیرہ
لیبیا
بحر رمال ربیانا
واحات الکفرہ
(نخلستان کفرہ)
جوف
خط سرطان
میدان تبستی
نائیجر
تموم
صحرائے اعظم
جبل العوینات
کوہ توسید
جبل تبیستی
چاڈ
سوڈان
لیبیا (طرابلس)
دارالحکومت
اہم شہر
ریلوے لائن
شاہراہ
بین الاقوامی سرحد
پہاڑی چوٹی
کلومیٹر 0
100
200
300
400
2

نقشہ 107

فتوحات اسلامیہ کا دوسرا مرحلہ (اموی دور)

1

2

بَرقہ (لیبیا) اور مغرب کی فتوحات کا چارٹ

مسلمانوں کی برقہ اور مغرب کی طرف پیش قدمی کے دوران میں والیانِ مصر کی قیادت میں یا ان کے زیرِ نگرانی دس سے زیادہ جنگیں لڑی گئیں جن کا یہاں ہم مختصر ذکر کیے دیتے ہیں:

نمبر شمار	خلیفہ	والیٔ مصر	جنگ	سپہ سالار
1	عمر بن خطاب ؓ	عمرو بن عاص ؓ	① برقہ وطرابلس: 23ھ/ 644ء ② زویلہ: 23ھ ③ ودان: 23ھ	① عمرو بن عاص ؓ ② عقبہ بن نافع ؓ ③ بسر بن ارطاۃ ؓ
2	عثمان بن عفان ؓ	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ	① سبیخہ: 27ھ/648ء ② سبیطلہ: 29ھ/650ء	① عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ ② عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ
3	معاویہ بن ابوسفیان ؓ	① معاویہ بن حُدیج ② مسلمہ بن مُخلَّد	① جربہ وبنزرت: 47ھ/668ء ② افریقیہ: 49ھ/669ء	① معاویہ بن حُدیج ② عُقبہ بن نافع ؓ / ابوالمہاجر دینار
4	یزید بن معاویہ ؒ	مسلمہ بن مُخلَّد	طنجہ سے آگے سوس ادنیٰ: 62ھ/682ء	① عُقبہ بن نافع ؓ
5	عبدالملک بن مروان	عبدالعزیز بن مروان	① تیونس: 69ھ/688ء ② حسان نے بربروں سے پہلے شکست کھائی، پھر ان پر فتح پائی (78ھ/697ء)	① زہیر بن قیس بَلَوی ② حسان بن نعمان
6	ولید بن عبدالملک	عبدالعزیز بن مروان	طنجہ اور سوس ادنیٰ کی فتح: 89ھ/709ء	① موسیٰ بن نُصَیر

2

فتح طرابلس

ماہِ شوال 21 ھ / ستمبر 642ء میں اسکندریہ فتح ہوا جبکہ برقہ [1] رومی عہد سے اسکندریہ کے ماتحت تھا، چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 19 شعبان 23ھ / 8 جون 644ء کو برقہ کی طرف پیش قدمی کی۔ رومیوں نے اس کا نام پنٹاپولس رکھا ہوا تھا جس کے معنی ان کی زبان میں ''پانچ شہر'' ہیں اور وہ درج ذیل تھے: طوشیر (طوکرہ)، سیرین (قرنہ)، برنیق (بن غازی)، بولونیا (سوسہ) اور بارش (مرج)۔

طرابلس پہنچنے سے پہلے عمرو رضی اللہ عنہ نے برقہ سے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر صوبہ فزان [2] میں زویلہ [3] کی طرف بھیجا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ زویلہ فتح



فزان (لیبیا) میں چشمہ ''ام الماء''

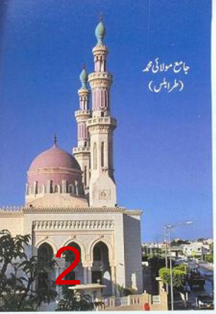


بن غازی کا جدید شہر (لیبیا)

[1] **برقہ**: عرب مصنفین یہ نام لیبیا کے ایک شہر (موجودہ المرج) اور اس کے گردوپیش کے علاقے، یعنی سریئیکا (Cyrenaica) کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک جزیرہ نما ہے اور مشرقی بحیرۂ روم میں خلیج بمبہ اور خلیج سرتس الکبیر (Syrtis) کے درمیان واقع ہے۔ اس کے جنوب میں مشرقی لیبیا کا وسیع و عریض صحرا ہے۔ اس جزیرہ نما میں جبل اخضر (سبز پہاڑ) ہے جس کی بلند ترین چوٹی سرنہ (Cyrene کرِ نا یا قورینا) کے کھنڈروں کے جنوب میں واقع ہے اور 868 میٹر اونچی ہے۔ المرج کے سامنے بن غازی کا ساحلی میدان ہے۔ یونانی دور میں یہاں پنٹاپولس، یعنی پانچ بستیاں (عربی میں انطابلس) بسائی گئی تھیں، یعنی سرنہ، اپولونیا (مرسیٰ سوسہ)، برکہ یا برقہ (المرج)، یوہسپریڈس (برنیک یا بن غازی) اور تیوچیرہ (توکرہ)۔ اسی زمانے میں شاہ بطلیموس سے منسوب Ptolemais (طلمیثہ) اور Dornis (درنہ) وجود میں آئے۔ 1911ء میں یہاں اطالوی حملہ آور ہوئے تاہم وہ بمشکل 1931ء میں برقہ پر قبضہ کر سکے۔ اطالوی دسمبر 1942ء تک برقہ (سریئیکا) پر قابض رہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 425/4)

[2] **فزان**: لیبیا کا یہ صوبہ طرابلس کے جنوب میں صحرائے اعظم کی سطح مرتفع کا ایک حصہ ہے۔ یہ شمال میں جبل السوداء، جبال الشرقیہ اور حروج الاسود اور جنوب مغرب میں طوارق (الجزائر) کی سطح مرتفع تاسیلی کے مشرقی بازو سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا 90 فیصد رقبہ لق ودق صحرا ہے۔ غدامس، مُرزق اور سبہا اس کے مشہور قصبے ہیں۔ فزان کا رقبہ ایک لاکھ 86 ہزار مربع میل ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 353/15، المنجد فی الأعلام)

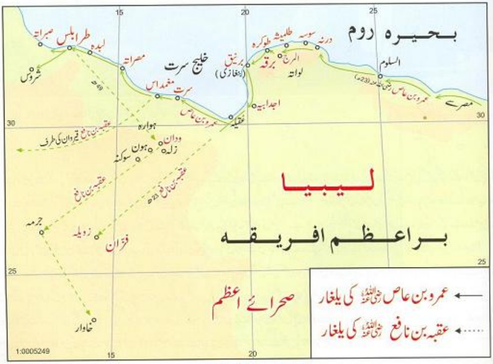
[3] **زَوِیلہ**: یہ جنوبی لیبیا کے صحرائی راستوں کا سنگم ہے اور محافظہ سبہا میں واقع ہے۔ زویلہ (بقول ادریسی زاویلہ) فزان کے دارالحکومت وَدّان (وَدّان) سے دس دن کی مسافت پر بلاد السودان کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں کے رہنے والے اِباضی مسلمان تھے۔ یہاں خراسان، کوفے اور بصرے سے تاجر آتے۔ چمڑا اور غلام زویلہ سے دساور کو بھیجے جاتے تھے۔ تونس میں واقع زویلہ المہدیہ یا ''زُوَیلہ'' عبیداللہ المہدی (متوفی 322ھ) نے تعمیر کرایا تھا اور یہ اس کے دارالحکومت مہدیہ (تونس) کے مضافات میں تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 516/10)



جامع مولائی محمد
(طرابلس)

طرابلس الغرب (لیبیا کا طرابلس یا ٹریپولی)

طرابلس الغرب بحیرۂ روم کی مشہور بندرگاہ اور لیبیا کا دارالحکومت ہے۔ آبادی تقریباً 10 لاکھ ہے۔ لیبیا کا دوسرا دارالحکومت بن غازی یہاں سے 400 میل مشرق میں ہے۔ طرابلس یا اطرابلس (یونانی میں Tripolis) فنیقیوں کے زمانے میں تین شہروں صبراطہ، اویا (Oea) اور لبتس (Leptis) کے علاقے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ فنیقیوں کے بعد اس پر اہل قرطاجنہ قابض رہے اور 106 ق م میں یہاں رومیوں کا تسلط ہو گیا۔ تیسری صدی عیسوی میں اس علاقے کو ٹریپولیٹیا کا نام دے دیا گیا جسے سُرت (Sirtica) بھی کہتے تھے۔ عرب فاتحین نے ''طرابلس'' پر ''الغرب'' بڑھا دیا تا کہ اسے شام کے طرابلس سے ممیّز کیا جا سکے۔ 439ء تا 535ء اس پر وینڈال (ایک یورپی قوم) قابض رہے، انھوں نے طرابلس سمیت افریقیہ کے تمام شہروں کی فصلیں توڑ ڈالیں۔ 45ھ۔ 46ھ میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے طرابلس میں قلعہ گیر فوج تعینات کی۔ 131ھ میں والیٔ افریقیہ عبدالرحمٰن بن حبیب نے طرابلس پر چڑھائی کر کے اباضی خارجیوں عبدالجبار اور حارث کو قتل کیا۔ 184ھ سے یہاں اغلبی اور ان کے بعد عبیدی (فاطمی) حکمران رہے، پھر زیری اور صقلیہ کے نارمن (1146ء تا 1158ء) غالب آئے، پھر موحدون اور بنو حفص کی حکمرانی رہی۔ 1354ء میں جنوا (اٹلی) کے فلپو ڈوریا نے یہاں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ 1510ء سے ہسپانوی اور مالٹا کے حملہ آور طرابلس پر مسلط رہے حتی کہ 1551ء میں عثمانی ترک امیر البحر سنان پاشا نے اسے فتح کر لیا۔ 1042ھ/1632ء سے ساقزلی اور قرہ مانلی یہاں خودمختار حکمران رہے حتی کہ 1835ء میں طرابلس اور برقہ میں براہ راست عثمانی حکمرانی قائم ہو گئی۔ 1911ء میں اطالوی فوجیں طرابلس میں اتر آئیں۔ 1951ء میں طرابلس (لیبیا) کو آزادی ملی۔ (ملخص از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 12/430-438)

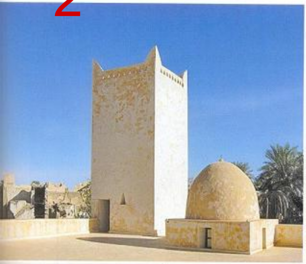


نقشہ 108

برقہ (لیبیا) اور طرابلس کی فتوحات

کر کے کامیاب لوٹے۔ ادھر عمرو ؓ نے 23ھ/644ء میں سرت [1]، لبدہ اور طرابلس یکے بعد دیگرے فتح کر لیے، پھر حضرت زبیر بن عوام ؓ کو صبراتہ [2] کی مہم پر روانہ کیا۔ انھوں نے صبراتہ والوں کو شکست فاش دی۔ اس اثناء میں عمرو ؓ بھی ان کے پیچھے چلے آئے اور انھوں نے مل کر شروس فتح کر لیا جو نفوسہ نامی پہاڑیوں پر آباد تھا۔ اب انھوں نے بُسر بن ارطاۃ ؓ کو ودان [3] کی مہم پر بھیجا۔ بُسر ؓ نے 23ھ/644ء ہی میں ودان فتح کر لیا۔ دریں اثناء عمرو بن عاص ؓ خلیفہ عمر بن خطاب ؓ کے حکم پر اپنے صدر مقام فُسطاط لوٹ آئے کیونکہ امیر المومنین بذات خود اسلامی سلطنت میں مزید توسیع نہیں چاہتے تھے۔ عمرو بن عاص ؓ نے پیچھے برقہ میں عقبہ ؓ کو نائب مقرر کیا۔

2



یونس مسجد، غدامس (لیبیا)

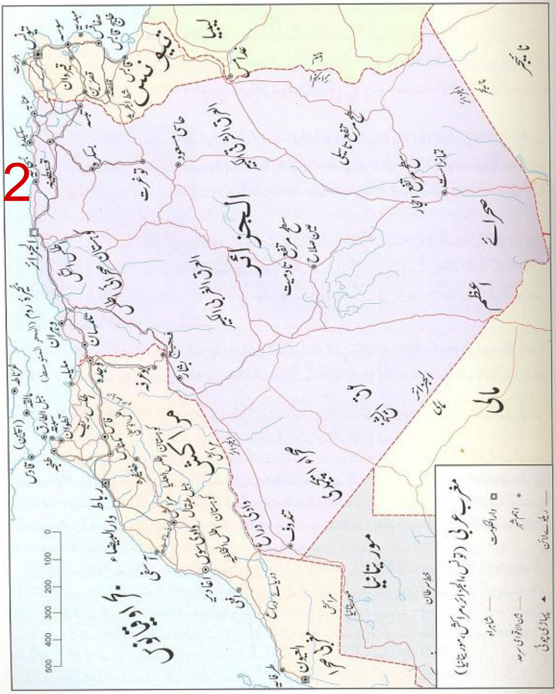


صبراتہ (لیبیا) کے رومی کھنڈر

[1] سِرت (سُرت): یہ بحیرۂ روم کے ساحل پر برقہ اور طرابلس الغرب کے مابین واقع ہے (معجم البلدان: 206/3)۔ سرت بحیرۂ روم کی جس خلیج کے ساحل پر واقع ہے، اسے خلیج سرت (Sirte) یا خلیج سِدرہ کہا جاتا ہے۔ اس خلیج کا ایک قدیم نام سرتس الکبیر (Syrtis) بھی ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 426/4)

[2] صبراتہ: لیبیا کا یہ شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے اور محافظۃ الزاویہ کا ایک انتظامی مرکز ہے۔ (زاویہ، طرابلس اور صبراتہ کے مابین واقع ہے۔) صبراتہ کی بنیاد دسویں صدی ق م میں فنیقیوں نے رکھی تھی، پھر یہ رومی نو آبادی بن گیا اور ہاتھی دانت کی تجارت کے لیے مشہور ہوا۔ (المنجد في الأعلام، ص: 344)

[3] وَدّان: یہ افریقیہ کے جنوبی حصے میں واقع ایک شہر ہے۔ دراصل یہ دو شہر ہیں جن میں سہمی اور حضرمی عرب آباد ہیں اور ان کی جامع مسجد ایک ہے۔ بُسر بن ابی ارطاۃ ؓ کے ہاتھوں فتح ودان (23ھ) کے بعد یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی تھی، چنانچہ عہد معاویہ میں عقبہ بن نافع ؓ غدامس (سرحد الجزائر پر شمال مغربی لیبیا کا ایک قصبہ) کی فتح سے فارغ ہو کر 8 سو سواروں کے ہمراہ ودّان پہنچے اور ان لوگوں کی بغاوت فرو کی۔ انھوں نے (بطور تعزیر) باغیوں کے سردار کی ناک کاٹ ڈالی۔ ان دنوں ودّان لیبیا کے صوبہ فزّان کا دارالحکومت ہے اور یہ بندرگاہ سرت سے تقریباً 280 کلومیٹر جنوب میں ہے۔
(معجم البلدان: 366/5، أطلس المملكة العربية السعودية والعالم)


مغرب عربی (تونس، الجزائر، مراکش، موریتانیا)
دارالحکومت
اہم شہر
ریلوے لائن
شاہراہ
بین الاقوامی سرحد
پہاڑی چوٹی
تیونس
لیبیا
الجزائر
مراکش
موریتانیا
مالی
نائیجر
بحر اوقیانوس
صحرائے اعظم
الصحرا الکبریٰ
بحیرہ روم (البحر المتوسط)
رباط
دار البیضاء
قسطنطینہ
وہران
تلمسان
قیروان
طنجہ
0 100 200 300 400 500

نقشہ 109

3

تیونس، الجزائر اور مراکش کی فتح

امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ کے عہد خلافت میں مغرب کی طرف اسلامی فتوحات کا دوسرا دور 27ھ/647ء میں شروع ہوا تا کہ مصر کو مغرب کی طرف سے درپیش رومی حملے کا خطرہ زائل ہو جائے، چنانچہ 20 ہزار کا اسلامی لشکر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ کی قیادت میں فتح کے پھریرے لہراتا سَبخہ [1] پہنچ گیا جو اس مقام کے قریب تھا جہاں بعد میں قیروان آباد ہوا۔ وہاں کے رومی حاکم جُرجیر نے صلح کے لیے 25 لاکھ دینار کی پیشکش کی۔ عبداللہ بن سعد ؓ نے پیشکش قبول کر لی اور لوٹ آئے۔

بعد میں جُرجیر نے عہد شکنی کی تو عبداللہ بن سعد ؓ 29ھ/649ء میں پلٹ کر گئے اور سبیطلہ [2] کے مقام پر اسے شکست دی۔ جرجیر مارا گیا اور اس کی بیٹی گرفتار کر لی گئی۔ مسلمانوں نے اہل علاقہ کی جانب سے تاوان کی ادائیگی قبول کر لی اور شہر اُن کے ہاتھ میں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ مسلمانوں کا یوں جزیہ قبول کرنا اور اہلِ شہر کو امان دینا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ جہاد سے اُن کا مقصد محض اپنی سلطنت کو وسعت دینا نہیں تھا بلکہ وہ دعوتِ اسلام کی راہ میں پیش آمدہ خطرات دور کرنا چاہتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد میں بربروں نے دوسری بار عہد شکنی کی تو انھوں نے 45ھ/665ء میں معاویہ بن حُدیج سکونی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے 47ھ/667ء میں جربہ [3] فتح کر لیا، پھر وہ قیروان کے علاقے میں یلغار کرتے ہوئے

[1] سَبخہ: شمالی افریقہ اور صحرائے اعظم میں کھاری پانی کی چھوٹی جھیلیں سَبخہ کہلاتی ہیں جن سے نمک حاصل ہوتا ہے۔ سبخہ سیدی الھانی قیروان (تونس) کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام، نقشہ 6) تونس کو اُردو میں عموماً تیونس لکھا جاتا ہے۔

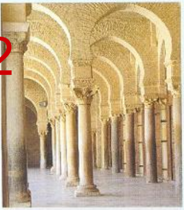
[2] سُبَیطِلہ یا صُبَیطلہ: افریقیہ کا شہر سُبَیطلہ رومی حکمران جُرجیر کا دارالحکومت تھا (معجم البلدان: 187/3)۔ صُبَیطلہ یا ''ہنشیر'' قدیم تونس کا ایک شہر ہے جو قیروان سے 81 میل دور جنوب مغرب میں ہے۔ بلاذری کے بقول جُرجیر (Gregorios) سے جنگ عقوبہ میں وقوع پذیر ہوئی اور اس سے ایک سال پہلے جرجیر نے قیصر قسطنطنیہ سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جرجیر عبداللہ بن زُبیر ؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ غیر اغلب ہے کہ بطریق جُرجیر نے اپنے دارالحکومت کے طور پر قرطاجنہ کے بجائے صبیطلہ کو منتخب کیا ہو (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 53,52/12)۔ سُبیطلہ ولایت القصرَین کا مرکز ہے۔ یہاں رومی شہر سفیتولا (Sufetula) کے کھنڈر ہیں۔ (المنجد في الأعلام)

[3] جَربہ: یہ المغرب (شمالی افریقہ) کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 514 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ تونس کی خلیج قابس (Gabes، قدیم Little Syrtis سرتس الصغیر) میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ بوغرارہ اور آبنائے القنطرہ اور مشرق میں آبنائے اجم ہے۔ جزیرے کے گرد دس میٹر سے کم گہرا پانی ہے، چنانچہ 253 ق م میں پہلی کارتھیجی جنگ (Punic War) کے دوران میں ایک رومی بیڑا سمندری جزر کے وقت جربہ کی ریت پر چڑھ کر گڑ گیا تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں جب یروشلم (بیت المقدس) کو لوٹا گیا تو بہت سے یہودی بھاگ کر جربہ آ گئے تھے۔ اس کے بعد یہ جزیرہ یکے بعد دیگرے ریاست طرابلس الغرب (Tripolitania)، ونڈال قوم اور بازنطینی حکومت کے زیر اقتدار رہا۔ 1135ء سے 1432ء تک صقلیہ (سسلی) اور ارغون (Aragon اسپین) کے مسیحی حکمران بار بار جربہ پر حملہ آور ہوتے رہے۔ سولھویں صدی عیسوی میں جربہ اسپین اور عثمانیوں کے مابین کشمکش کا مرکز بنا رہا حتی کہ عثمانی امیر البحر طورغود نے 31 جولائی 1560ء کی جنگ جربہ میں ہسپانوی بیڑے کو تباہ کر دیا۔ ہسپانوی حملہ آوروں کی ہڈیوں سے یہاں برج الرؤس (کھوپڑیوں کا قلعہ) تعمیر کیا گیا۔ اگلی صدیوں میں جربہ افریقہ اور یورپ کے مابین غلاموں کی تجارت کا بڑا مرکز تھا حتی کہ احمد بائے نے 1846ء میں غلاموں کی تجارت پر پابندی لگا دی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 141/7-149)

بنزرت [1] پہنچے اور اسے فتح کر لیا۔ امیر معاویہ ؓ نے 48ھ/668ء میں معاویہ بن حُدیج کی جگہ عقبہ بن نافع فہری ؓ کو والی مقرر کیا۔

اس دوران میں رومیوں نے قرطاجنہ (تونس) [2] کے لیے کمک بھیج دی تو معاویہ بن خدیج ؓ نے سیطلہ کی طرف پیش قدمی کی جہاں الجم کے قریب فریقین میں خونریز جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے فتح پائی۔ اس دوران میں رومیوں نے جلولاء میں 30 ہزار کا لشکر جمع کر لیا تو معاویہ بن حُدیج نے اُن کو بھی شکست سے دوچار کیا اور مسلمان شہر جلولاء میں داخل ہو گئے۔ 49ھ/669ء میں عقبہ بن نافع ؓ برقہ سے اس

قیروان: صحابیِ رسول کا آباد کردہ شہر



جامع مسجد (قیروان) کا اندرونی منظر

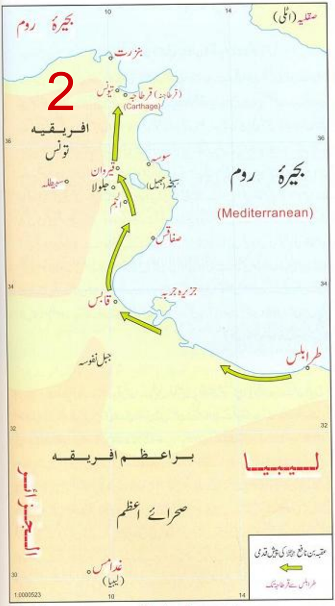
اس کا نام فارسی لفظ ''کاروان'' (قافلہ) سے معرّب ہے۔ قیروان، تونس شہر سے 112 میل جنوب میں اور سُوسہ سے 40 میل مغرب میں واقع ہے۔ درحقیقت یہ دو شہروں پر مشتمل ہے۔ ایک خاص شہر جس کے گرداگرد کنگرہ دار فصیل ہے، دوسری شمال اور شمال مغرب میں بیرونی بستی جسے جلاس کہتے ہیں۔ امیر معاویہ ؓ کے عہد میں ایک رومی قصبے قمودہ یا قمونیہ کے محل وقوع پر 50ھ/670ء میں عقبہ بن نافع ؓ نے یہ شہر بسایا۔ اس کی سب سے اہم عمارت سیدی عقبہ کی جامع مسجد ہے جس کی بنیاد قیروان کی بنیاد کے ساتھ ہی رکھی گئی تھی۔ ان سے پہلے معاویہ بن حُدیج ؓ نے قرن نامی مقام پر قیروان بسانے کے لیے حد بندی کی تھی مگر عقبہ ؓ کو وہ جگہ پسند نہ آئی، چنانچہ وہ ساتھیوں کے ہمراہ سوار ہو کر اس مقام پر گئے جو آج قیروان کہلاتا ہے۔ بنو اغلب کے عہد (800ء - 909ء) میں قیروان کی خوشحالی نقطۂ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ موجودہ جامع مسجد زیادۃ اللہ اول اغلبی کی بنوائی ہوئی ہے۔ فاطمی خلافت کا بانی عبید اللہ المہدی یہیں 910ء میں تخت نشین ہوا۔ 334ھ/946ء میں فاطمی خلیفہ اسماعیل المنصور نے قیروان سے کچھ فاصلے پر ''صبرہ'' آباد کیا اور ابو یزید خارجی پر فتح پانے کے بعد اس کا نام منصوریہ رکھا۔ بعد میں یہ شہر کئی بار اُجڑا اور کئی بار آباد ہوا۔ اکتوبر 1881ء میں اس پر فرانسیسی قابض ہو گئے۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-2/536-541، معجم البلدان: 420/4، أسد الغابة: 58/4)

[1] بنزرت (Bizerta): یہ تونس کے شمالی ساحل پر قدیم شہر ''ہپودیاریتس'' کے محل وقوع پر واقع ہے۔ یہ شہر یکے بعد دیگرے فنیقی، قرطاجنی، رومی اور بازنطینی حکومتوں کے ماتحت رہا۔ چوتھی صدی ہجری میں حسن بن نعمان نے قرطاجنہ کے ساتھ بنزرت پر بھی قبضہ کر لیا۔ 940ھ/1534ء میں اس شہر نے خیر الدین باربروسا کی اطاعت اختیار کی اور پھر 941ھ تا 980ھ یہ ہسپانویوں کے قبضے میں رہا۔ 1199ھ/1785ء میں اہل وینس کی گولہ باری نے بنزرت (بزرتہ) کو بالکل تباہ کر دیا۔ 1881ء میں فرانسیسی اس پر قابض ہو گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 925,926/4)

[2] قرطاجنہ یا قرطاجہ (Carthage): شمالی افریقہ کے ساحل پر موجودہ تونس شہر کے قریب کارتھیج (قرطاجنہ) فنیقیوں نے 814 ق م میں آباد کیا تھا۔ تیسری صدی ق م میں سلطنت قرطاجنہ کا یونانیوں سے ٹکراؤ ہوا اور پھر اس نے تین پیونک جنگوں میں رومیوں سے رزم آرائی کی۔ دوسری پیونک جنگ (218 تا 201 ق م) میں قرطاجنہ کے ہنی بال نے روم پر چڑھائی کی۔ 146 ق م میں رومیوں نے کارتھیج تباہ کر دیا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ قرطاجنہ اور تونس کے درمیان 12 میل کا فاصلہ ہے۔ قرطاجنہ کا عظیم شہر سفید سنگ مرمر اور متنوع رنگوں کے سنگ رخام (مرمر) سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس شہر کے کھنڈروں کے سنگ رخام سے کئی شہر تعمیر کیے۔ شہر تونس بھی قرطاجنہ کے خرابے سے آباد کیا گیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حسان بن نعمان ازدی کو افریقیہ کا والی مقرر کیا تو اس نے قرطاجنہ کے باغیوں کو شکست دی اور شہر مسمار کر دیا۔ دوسرا قرطاجنہ اندلس (اسپین) کے ساحل پر ہے اور وہ بھی سمندر کا پانی چڑھ آنے سے برباد ہو چکا ہے (معجم البلدان: 323/4)۔ ہسپانوی قرطاجنہ کو کارتاجینا (Cartagena) کہا جاتا ہے اور اسی نام کا کہیں بڑا شہر کولمبیا (جنوبی امریکہ) کے شمال مغربی ساحل پر بھی آباد ہے جس کا تلفظ ''کارتاہینا'' ہے۔

لشکر کی قیادت میں آن پہنچے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا تھا۔ راستے میں نومسلم بربر بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ سرت پہنچ کر 400 گھڑ سواروں کے ہمراہ نکلے اور اہلِ ودان کو شکست دے کر دوسری بار اطاعت پر مجبور کر دیا۔ پھر انھوں نے جرمہ فتح کر کے جنوب کو یلغار کی اور زویلہ تک ''کاوار'' کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد اپنی فرودگاہ (معسکر) مغمداس (موجودہ غدامس) لوٹ آئے۔



نقشہ 110 المغرب (تیونس) کی فتح (47ھ)



قرطاجنہ (کارتھیج) کے کھنڈر



روشنی کا مینار (بنزرت)



جربہ کا ساحلی شہر (تیونس)

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی شہادت

اب عقبہ رضی اللہ عنہ نے ساحل سے دُور جبل نفوسہ کے جنوب کی طرف سے لشکر کشی کی۔ وہ قیروان کے مقام تک پہنچ گئے اور انھوں نے وہاں اس شہر کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ چند سال اس ولایت (صوبے) سے دور رہے (جبکہ ابوالمہاجر دینار اُن کے جانشین بنے۔) پھر 62ھ / 681ء میں یزید بن معاویہ نے دوبارہ انھیں ولایت (افریقیہ) پر مامور کیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر المغرب [1] کے جہاد کا پھر آغاز کیا حتی کہ وہ البحر المحیط (بحراوقیانوس) کے ساحل پر پہنچ گئے۔ [2] فتح مراکش سے فارغ ہو کر عقبہ رضی اللہ عنہ نے قیروان کی جانب واپسی کا ارادہ کیا۔ انھوں نے زیادہ تر فوج آگے روانہ کی اور 300 مجاہدین کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ راستے میں بربروں اور رومیوں کی ایک جمعیت نے انھیں گھیر لیا۔



مسجد حسن ثانی (دارالبیضاء)

مراکش (Morocco): شمالی افریقہ کا ملک مراکش (المملكة المغربية یا المغرب) بحیرۂ روم، آبنائے جبل طارق اور بحراوقیانوس کے ساحلوں پر الجزائر کے مغرب میں اور موریتانیا کے شمال میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 7 لاکھ 10 ہزار 850 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً پونے تین کروڑ ہے۔ موجودہ دارالحکومت رباط ہے اور فاس، دارالبیضاء (کاسابلانکا)، مکناس، طنجہ، وجدہ اور تطوان اہم شہر ہیں۔ اس میں کوہستان اطلس کے تین سلسلے اطلس الاعلیٰ، اطلس المتوسط اور اطلس الصغیر شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔ شمال میں جبال ریف اور مغرب میں ساحل اوقیانوس کا میدان اور جنوب میں صحرا (مغربی صحرا) واقع ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی سے اس پر ادریسی، مرابطون، موحدون، مرینی، وطاسی اور سعدی خانوادے حکمران رہے۔ 1666ء سے یہاں علوی (حسنی) خاندان حکمران چلا آ رہا ہے۔ 1904ء میں مراکش پر فرانس قابض ہو گیا۔ 1956ء میں آزادی ملی۔ 1976ء میں مراکش نے اسپین سے (مغربی) صحرا واپس لے لیا (المنجد في الأعلام، ص: 538-540)۔ سابق دارالحکومت مراکش (شہر) کی بنیاد یوسف بن تاشفین نے 1062ء میں رکھی تھی۔ عہد موحدون میں یہ شہر بہت پھلا پھولا۔ مرینیوں نے اسے چھوڑ دیا اور سعدیوں نے سولھویں صدی عیسوی میں اسے پھر دارالحکومت بنا لیا۔ یہاں بارھویں صدی عیسوی کا مینار الکتبیہ مشہور ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 528)

[1] **المغرب:** یہ نام عرب مصنفین افریقیہ (شمالی افریقہ) کے اس علاقے کے لیے استعمال کرتے ہیں جسے بربرستان یا افریقہ کوچک (Africa Minor) کہتے ہیں اور جس میں طرابلس (لیبیا)، تونس، الجزائر اور مراکش شامل ہیں۔ بعض اہل مشرق ہسپانیہ (اندلس) کو بھی المغرب میں شامل کرتے ہیں۔ بعض مصنفین (ابن حوقل وغیرہ) نے مصر اور برقہ (مشرقی لیبیا) کو بھی المغرب میں شمار کیا ہے، تاہم ابن خلدون کہتا ہے کہ المغرب کے لوگ مصر اور برقہ کو اپنے ملک کا حصہ شمار نہیں کرتے۔ المغرب کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: افریقیہ (مغربی لیبیا و تونس)، المغرب الاوسط (الجزائر) اور المغرب الاقصیٰ (مراکش)۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 390/21)۔ ان دنوں المغرب جغرافیائی لحاظ سے مراکش، الجزائر، تونس، لیبیا اور موریتانیا پر مشتمل ہے، چنانچہ 1989ء میں ان ملکوں پر مشتمل اتحاد المغرب العربی کا قیام عمل میں آیا، تاہم عمومی طور پر اب المغرب سے مراد ملک مراکش ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 538، ملحق خریطہ: 17)

[2] 62ھ میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے مغرب کو روانہ ہوئے۔ انھوں نے باغانہ، اربہ اور طنجہ (تنجیر) کے مقامات پر رومیوں کو شکست دی اور تمام مراکش کو فتح کرتے ہوئے بحرظلمات (اطلانطک یا اوقیانوس) کے ساحل تک پہنچ گئے۔ ساحل پر عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر کہا: ''الٰہی! یہ سمندر اگر میرے راستے میں حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک زمین ملتی، میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔'' (تاریخ اسلام، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 662,661/1)

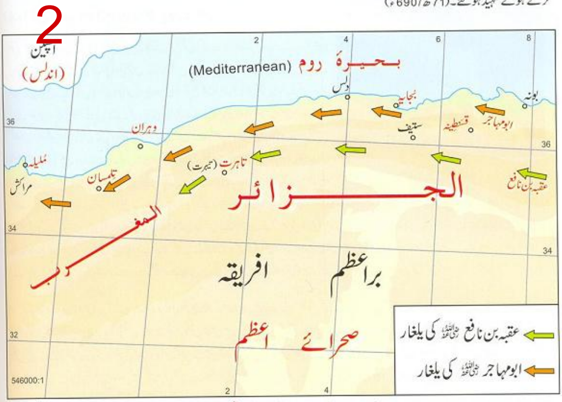
''شکوہ'' کے ایک شعر کے دوسرے مصرع میں علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے   بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

بحرظلمات (بحراوقیانوس) کے ساحل پر جہاں عقبہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑا سمندر میں ڈالا تھا، وہ مقام ان دنوں شرف العقاب کہلاتا ہے۔ (سفرنامہ محمود نظامی)

عقبہ ؓ اور ان کے تمام ساتھی لڑتے ہوئے شہید ہوگئے، پھر بربروں نے ایک بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی تو مسلمان طرابلس کی طرف پسپا ہوگئے۔ بربر سردار کسیلہ [1] محرم 64ھ / ستمبر 683ء میں قیروان پر قابض ہوگیا۔ پانچ سال اس علاقے پر اُس کا تسلط رہا۔

69ھ / 688ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے برقہ سے زُہیر بن قیس بلوی ؓ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ زُہیر کی پیش قدمی کی خبر سنتے ہی کسیلہ قیروان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ زُہیر نے اس کا تعاقب کر کے ممس کے مقام پر بربروں کو شکست فاش دی۔ کسیلہ اور اس کی بیشتر فوج ماری گئی۔ واپسی پر زُہیر کو رومیوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑا جو اچانک صقلیہ کی طرف سے برقہ پر چڑھ آئے تھے۔ زُہیر بن قیس ؓ یہاں درنہ کی جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ (71ھ / 690ء)



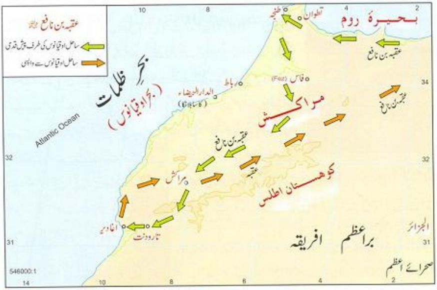
نقشہ 111 — المغرب (الجزائر اور مراکش) کی فتح (62ھ)

[1] والیٔ افریقیہ ابوالمہاجر دینار نے اپنے جانشین عقبہ بن نافع ؓ کو وصیت کی تھی کہ بربری نو مسلم کسیلہ سے ہوشیار رہنا۔ کسیلہ کو ابوالمہاجر نے مسلمان کیا تھا اور وہ اس کے مزاج سے واقف تھے۔ لیکن عقبہ ؓ نے ان کی اس بات پر زیادہ توجہ نہ دی اور کسیلہ کو بدستور اپنی فوج کے ایک چھوٹے دستے پر فائز رہنے دیا۔ مغرب (مراکش) کی فتح سے واپسی پر جب عقبہ ؓ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ہمراہ ہتوذا کے مقام پر پہنچے تو رومی اور بربری مقابلے پر اُتر آئے۔ کسیلہ بھی موقع پا کر ان سے جا ملا اور ایک عظیم لشکر چڑھا لایا جس نے چاروں طرف سے مسلمانوں کی قلیل جمعیت کو گھیر لیا۔ عقبہ اور ان کے ساتھی مجاہدین داد شجاعت دیتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہوگئے۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 662،661/1)

قرطاجنہ کی بغاوت اور مراکش کی ازسرِ نو فتح

77ھ/696ء میں حسان بن نعمان نے 40 ہزار کے لشکر کے ہمراہ قرطاجنہ کا رُخ کیا اور رومیوں کو شکست دے کر قرطاجنہ پر قبضہ کر لیا (78ھ/697ء) مگر بربروں نے کاہنہ کی قیادت میں وادیٔ سکتانہ کی جنگ میں حسان کو شکست دی اور انھیں قابس [1] تک پسپا کر دیا۔ اسی اثناء میں رومی پھر قرطاجنہ پر آن قابض ہوئے لیکن حسان بن نعمان کو 40 ہزار کی کمک مل گئی تو وہ 84ھ/703ء میں لوٹ کر حملہ آور ہوئے اور الجم کے مقام پر کاہنہ کو شکست دی۔ کاہنہ ماری گئی اور حسان نے دوبارہ قرطاجنہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ دمشق لوٹ آئے۔ ان کی جگہ 88ھ/706ء میں موسیٰ بن نصیر [2] کو افریقیہ و مغرب کا گورنر مقرر کیا گیا تو انھوں نے فتوحات کا دائرہ مراکش (المغرب) اور اندلس تک پھیلا دیا۔

2



نقشہ 112

المغرب (مراکش) کی فتح (62ھ)

[1] قابس: یہ خلیج قابس پر واقع تونس کی بندرگاہ ہے۔ یہاں پندرھویں تا تیرھویں صدی ق م کے فنیقی کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ (المنجد في الأعلام)

[2] موسیٰ بن نُصَیر بن عبدالرحمٰن بن زید خلیفہ ولید بن عبدالملک کے تین نامور سپہ سالاروں میں سے ایک تھا۔ وہ 19ھ/640ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ نُصَیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں افسر تھا۔ موسیٰ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قبرص پر چڑھائی کی اور وہاں اُن کے نائب کے طور پر کام کیا۔ مرج راہط کی جنگ میں شرکت کے بعد موسیٰ عراق میں خلیفہ عبدالملک کے بھائی بشر بن مروان کا وزیر اور مشیر رہا۔ 78ھ میں اسے والیٔ افریقیہ بنا دیا گیا۔ موسیٰ نے بربر قبائل ہوارہ، زناتہ، کتامہ اور صنہاجہ کو مطیع کیا۔ اس کے بیٹے عبداللہ نے غزوۃ الشراف میں صقلیہ (جزیرہ سسلی) کا ایک شہر فتح کیا اور جزیرہ سردانیہ (اٹلی) پر حملہ کر کے اس کے بعض شہروں کو مطیع کیا۔ عبداللہ بن موسیٰ کو (ہسپانوی جزائر) میورقہ (Majorca) اور منورقہ (Minorca) کا فاتح بھی کہا جاتا ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے 88ھ یا 89ھ میں موسیٰ کو والیٔ مصر عبداللہ بن مروان کی ماتحتی سے آزاد کر کے افریقیہ و مغرب کا مستقل گورنر بنا دیا۔ فتح اندلس کے بعد موسیٰ کا ارادہ تھا کہ یورپ کو فتح کرتے ہوئے براستہ قسطنطنیہ شام پہنچے مگر خلیفہ ولید کو تشویش ہوئی اور اس نے قاصد بھیج کر موسیٰ کو واپس آنے کا حکم دے دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 806-803/21)۔ جب عین التمر فتح ہوا (12ھ) تو وہاں ایک خانقاہ میں 40 لڑکے پائے گئے جو انجیل کی تعلیم پا رہے تھے، ان میں سے ایک لڑکے کا نام نُصَیر تھا۔ اسی نُصَیر کے بیٹے موسیٰ بن نُصَیر نے بطور سپہ سالار تاریخ میں شہرت پائی (تاريخ الطبري: 577/2)

اندلس (اسپین) کی فتح

1

فتح اندلس کا پس منظر



مسجد قرطبہ کا ایک منظر

جب المغرب (شمالی افریقہ) کی فتح مکمل ہوئی، اس وقت اندلس (اسپین) [1] کی گاتھ سلطنت داخلی تنازعات اور انتشار کا شکار تھی۔ کچھ عرصہ پہلے راڈرک (Radrigo) نے سابق شاہ اسپین وٹیزا (غیطشہ) کے کم سن بیٹے وقلہ (Achila) سے تخت چھین لیا تھا، چنانچہ وقلہ اور اس کے ہمدردوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنی حکومت واقتدار واپس لینے کے لیے مسلمانوں سے مدد طلب کریں۔ اس سلسلے میں جس شخص نے مسلمانوں سے گفت وشنید کی وہ گاتھ حکومت کی طرف سے حاکم سبتہ [2] کاؤنٹ جولین تھا۔ یہ امر طارق بن زیاد کے سمندر پار اندلس میں اپنی فوج اتارنے کا سبب بنا۔ اندلس میں پہلی فتح کے بعد مسلمانوں نے دیکھا کہ اگر انھوں نے باقی علاقے فتح کیے بغیر چھوڑ دیے تو وہاں از سرِ نو انارکی پھیل جائے گی اور اس سے اندلس کے بہت قریب ہونے کے باعث بلادِ مغرب متاثر ہو سکتے تھے۔

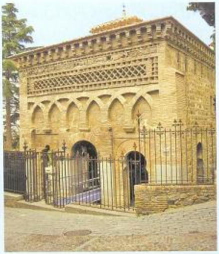
فتح اندلس میں کاؤنٹ جولین کا کردار

اسپین میں رواج تھا کہ اُمرا اور اعلیٰ حکام اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو دارالحکومت طلیطلہ (Toledo) کے شاہی محل میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ شاہی

1 اسپین: عرب یورپی ملک اسپانا (Espana) یا ہسپانیہ (اسپین) کو عام طور پر اُندلس کہتے تھے۔ یہ دراصل ہسپانیہ کے جنوبی حصے کا نام تھا جس پر کچھ مدت وندال قوم قابض رہی اور انھوں نے مقبوضہ علاقے کا نام وندالیسیہ (Vandalicia) رکھ دیا۔ اسی کو عربوں نے اُندلس کہنا شروع کر دیا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 17/1) اُندلس کی نسبت سے آج کل اسپین کے جنوبی صوبے کا نام اندلوسیہ (Andlucia) ہے جس میں قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کے تاریخی شہر واقع ہیں۔ ابن اثیر اندلس اور اسپین کی وجوہات تسمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے جس قوم نے یہ سرزمین آباد کی وہ ''اندلش'' کہلاتی تھی، چنانچہ ان کے نام سے ملک موسوم ہوا، پھر یہ نام معرب ہو کر ''اُندلس'' کہلایا۔ نصاریٰ اسے اشبانس کے نام پر اشبانیہ (Espana) کہتے ہیں جسے یہاں سُولی دی گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بادشاہ اشبان بن طیطس کے نام سے موسوم ہے جو بطلیموس کے زمانے میں یہاں حکمران تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا نام اندلس بن یافث بن نوح کے نام پر رکھا گیا جو یہاں پہلا آباد کار تھا۔ (الكامل في التاريخ: 264/4)

2 سبتہ (Ceuta): یہ مراکش کے شمالی ساحل پر ایک ہسپانوی مقبوضہ ہے۔ اسپین نے اس پر 1580ء میں قبضہ کیا تھا۔ سبتہ ایک آزاد بندرگاہ اور فوجی چھاؤنی پر مشتمل ہے جو آبنائے جبل الطارق کے دہانے پر واقع ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ پانچویں صدی ق م میں اہل قرطاجنہ نے مراکش کے ساحلوں پر جو سات نو آبادیاں قائم کیں ان میں سے ایک سپتم (Septem) یا سبتہ بھی تھا۔ ہسپانویوں سے پہلے 1415ء میں پرتگالیوں نے سبتہ پر قبضہ جما لیا تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 20/309-314)۔ سبتہ ہر لحاظ سے مراکش کا حصہ ہے مگر اسپین مغربی طاقتوں کی پشت پناہی کی بنا پر اس پر قابض ہے۔

آداب سیکھ لیں۔ کاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا کو بھی شاہی محل میں رہنا پڑا۔ وہ بہت خوبصورت دوشیزہ تھی۔ اس نے اپنے باپ سے شکایت کی کہ شاہ راڈرک (عربی میں رزریق یا لذریق) نے اس کی عزت لوٹ لی ہے۔ جولین نے راڈرک پر ناراضی ظاہر کی اور طارق بن زیاد سے رابطہ کر کے مسلمانوں کو اندلس پر حملے کی ترغیب دی اور اس سلسلے میں تعاون کی پیشکش کی۔ طارق اس وقت طنجہ کا حاکم تھا۔ طارق، جولین کے قلعوں پر حملہ کرتا رہتا تھا لیکن ان کے استحکام کے باعث وہ ان پر قابض نہ ہو سکا۔ ایک دن اچانک جولین بنفس نفیس طارق کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے آبنائے پار کر کے اندلس میں داخل ہونے کا منصوبہ پیش کیا۔ طارق اپنے امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس قیروان پہنچا۔ موسیٰ نے اس کا منصوبہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں دمشق پہنچایا اور خلیفہ کی رضامندی حاصل کر کے [1] طریف بن مالک کی قیادت میں 500 مجاہدین روانہ کیے جن میں 100 گھڑسوار تھے تاکہ جولین کے بیان کی سچائی کا اندازہ ہو سکے اور پھر مسلمان اس کے ہمراہ بڑی یلغار کر سکیں۔ اس لشکر نے اندلس کے ساحل پر کئی کامیاب کارروائیاں کیں۔ اور طریف جس جگہ ساحل پر اُترا وہ آج تک اس کے نام سے موسوم ہے۔ [2] طریف کامیابی اور کثیر مال غنیمت کے ساتھ لوٹا اور اس نے جولین کی فراہم کردہ اطلاعات کی تصدیق کی۔



مسجد باب المردوم (طلیطلہ) جو گرجا بن چکی ہے

طلیطلہ: یہ شہر میڈرڈ کے جنوب میں دریائے تاجہ (Tagus) پر واقع ہے۔ اس نے عہدِ اندلس (92ھ/711ء تا 897ھ/ 1492ء) میں شہرت پائی۔ پانچویں صدی ہجری میں ملوک الطوائف کے دور میں یہ بنی ذوالنون کا دارالحکومت رہا (المنجد في الأعلام، ص: 357)۔ رومیوں نے طلیطم (Toletum) کو 193 ق م میں فتح کیا تھا۔ ان کے عہد میں اسپین میں مسیحیت کا دور دورہ ہوا۔ 418ء میں طلیطلہ پر فسیقوطی (Visigoth) قابض ہوئے۔ انھوں نے طلیطلہ کو پایۂ تخت بنا لیا اور جب شاہ رکارڈ نے 587ء میں مسیحیت قبول کی تو یہ شہر جزیرہ نما آئبیریا کا مذہبی صدر مقام بن گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 532/12)۔ مسجدِ مسیح نُور (Mezquita de Cristo de la Luz) طلیطلہ کی دس مسجدوں میں سے باقی ماندہ واحد مسجد ہے۔ یہ مسجد مرفہ الحال مسلمانوں کی آبادی ''مدینہ'' میں واقع تھی اور ''مسجد باب المردوم'' کہلاتی تھی۔ کوفی رسم الخط میں اس کے صدر دروازے پر یہ تحریر نمایاں ہے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم احمد ابن حدیدی نے اپنے سرمائے سے یہ مسجد تعمیر کرائی، اس کے لیے وہ اللہ سے جنت کا خواستگار ہے۔ یہ اللہ کی مدد سے موسیٰ بن علی ماہر تعمیرات کے زیر ہدایت محرم 390ھ میں مکمل ہوئی۔'' 1085ء میں الفانسو ششم نے طلیطلہ فتح کیا تو اسے گرجا قرار دے دیا گیا۔ 1186ء میں الفانسو ہشتم نے مسجد سینٹ جان کے نائٹس کو دے دی اور پھر اس کا نام کلیسائے صلیب مقدس (Ermita de la Santa Cruz) قرار پایا۔ (وکی پیڈیا)

[1] موسیٰ بن نُصَیر کے خط کے جواب میں امیر المومنین نے لکھا: ''مسلمانوں کو خشکی کی جنگوں تک محدود رکھو اور انھیں سمندر کے شدید خطرات میں نہ ڈالو۔'' موسیٰ نے ولید کو جواب بھیجا: ''سمندر زیادہ وسیع نہیں اور وہ صرف ایک خلیج (آبنائے) ہے جو ماوراء (براعظم یورپ) کو الگ کرتی ہے۔'' خلیفہ ولید نے جواب میں لکھا: ''اگر صورت حال ویسی ہی ہے جیسی تم نے بیان کی ہے تو چھاپہ مار دستے بھیج کر وہاں کی معلومات حاصل کرو۔'' (الكامل في التاريخ لابن الأثير: 267/4)

[2] بقول رازی ابوزرعہ طریف بن مالک معافری موسیٰ بن نُصَیر کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھا۔ وہ رمضان 91ھ/ جولائی 710ء میں جس مقام پر اترا تھا اسے جزیرۂ طریف کہنے لگے اور اب اس کو طریفہ کہتے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 457/12)

2

طارق بن زیاد کی یلغار

اب موسیٰ بن نصیر نے 7 ہزار کا لشکر تیار کیا جس میں اکثر بربر تھے۔ لشکر کی قیادت طارق بن زیاد کو تفویض کی جو راجح قول کے مطابق بربر تھا۔ طنجہ سے سمندر پار یہ حملہ 5 رجب 92ھ / 28 اپریل 711ء کو کیا گیا۔ اسلامی لشکر بحری جہازوں میں سوار تھا جن میں چار جہاز کاؤنٹ جولین کے تھے۔ مسلمان ساحل اندلس پر جبل کالپی (Calpe) کے پاس اترے جس کا نام اس وقت سے "جبل الطارق" معروف ہے۔

2

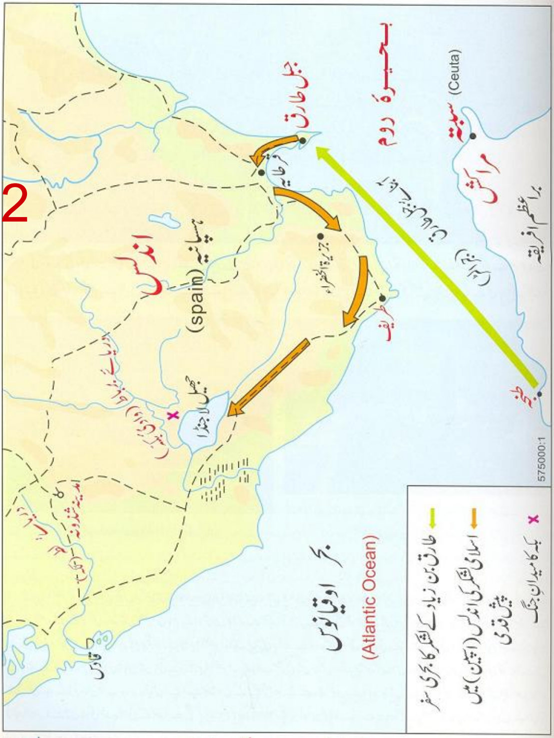
اس وقت راڈرک انتہائی شمال میں پمپلونہ کے علاقے میں مصروف پیکار تھا جہاں نوارے کے باشندوں نے بشکنس واسکوس (Vascons) کی قیادت میں بغاوت کر رکھی تھی۔ ادھر طارق فوری طور پر اپنے لشکر کو ایک ایسے مقام پر لے گیا جس کے گرد ایک دیوار تھی جسے سور العرب کا نام دیا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ نے اس دیوار کی باقیات کا مشاہدہ کیا۔ طارق نے وہاں سبتہ (مراکش) سے آنے والے جہازوں

جبل الطارق (جبرالٹر): اسپین اور المغرب (مراکش) کے مابین آبنائے جبل طارق ہے جو یورپ اور افریقہ کے براعظموں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے اور بحیرۂ روم کو بحر اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ اس آبنائے کی چوڑائی 14 کلومیٹر اور لمبائی 50 کلومیٹر ہے۔ اس کا نام فاتح اندلس طارق بن زیاد کے نام پر رکھا گیا۔ جنوبی اسپین میں جزیرہ نما جبل الطارق (جبرالٹر) پر اس نام کا شہر آباد ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 197-198)

جبل الطارق شہر کا دوسرا نام مدینۃ الفتح ہے۔ یہ نام سلطنت موحدین کے بانی عبدالمومن نے 555ھ/1160ء میں دیا تھا۔ 709ھ/1309ء میں جبل الطارق شاہ قشتلہ فرڈیننڈ چہارم نے فتح کر لیا، تاہم 733ھ/1333ء کے بعد اس پر مراکش کے بنومرین اور پھر غرناطہ کا تسلط رہا حتی کہ 866ھ/1462ء میں اس پر ہنری چہارم شاہ قشتلہ نے قبضہ جما لیا۔ 1704ء میں جبل الطارق برطانیہ کے ہاتھ آ گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 102/7)۔ جبل الطارق یا جبرالٹر پر برطانوی قبضہ اب تک برقرار ہے۔

جبل الطارق (جبرالٹر) کے دامن میں مسجد ابراہیم بن ابراہیم جو شاہ فہد رحمہ اللہ (م 2006ء) نے بنوائی اور جس کا افتتاح امام کعبہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس نے کیا۔





نقشہ 113
وادیٔ بکہ کی جنگ (92ھ) اور فتح (مدینہ) شذونہ

کے لیے ایک بندرگاہ بھی تعمیر کرائی تھی۔

اس طرح یہ مقام مسلمانوں کے لیے جنگی نقطۂ نظر سے بہت موزوں تھا جو ایک طرف سمندر کے ذریعے سے ساحلِ افریقہ پر واقع سبتہ سے ملا ہوا تھا اور دوسری طرف اسے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا جنھیں عبور کرنا گاتھ فوج کے لیے مشکل تھا۔ طارق نے عبدالملک بن ابی عامر کی قیادت میں ایک چھاپہ مار دستہ جبل الطارق کے نواح میں بھیج کر قرطایہ (Corteyo) پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے مغرب کی طرف پیش قدمی کر کے اس علاقے پر تسلط جما لیا جو بعد میں جزیرۃ الخضراء [1] کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر ایک گاتھ فوج کے ساتھ ان کی جھڑپ ہوگئی جس کا سالار بونکو تھا۔ بالآخر مسلمانوں نے مسیحی لشکر کا صفایا کر دیا۔

راڈرک کو خبر ملی تو وہ پلٹ کر طلیطلہ (Toledo) آیا اور اس نے اِدھر اُدھر سے فوجیں اکٹھی کر کے بہت بڑا لشکر تیار کیا جس کی تعداد 40 ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان تھی۔ اس لشکر جرار کے ساتھ راڈرک قرطبہ کی طرف بڑھا۔ ادھر موسیٰ بن نُصیر نے طریف بن مالک کی قیادت میں 5 ہزار کی کمک بھیج دی جن میں اکثر شہ سوار تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد 12 ہزار ہوگئی۔ دریں اثناء راڈرک نے اپنے لشکر کے ہمراہ مدینہ شذونہ کا رُخ کیا۔ اِدھر سے طارق، طریف سے ہوتے ہوئے شذونہ (Sidonia) کی طرف بڑھا حتیٰ کہ جھیل جنڈا نظر آنے لگی جو ایک کشادہ



جزیرۃ الخضراء (Algeciras) کی خوش رنگ پہاڑی



مدینہ شذونہ میں سانتا ماریالا کرونیڈا نامی گرجا جو پہلے ایک مسجد تھا۔
مسجد سے پہلے یہاں ایک گاتھک قلعہ تھا۔

[1] جزیرۃ الخضراء: یہ شہر ان دنوں الجسیراس (Algeciras) کہلاتا ہے۔ اس کا عربی نام Isla Verde (سبز جزیرہ) سے ماخوذ ہے۔ رومی عہد میں اسے ایڈپورٹم ایلبم کہتے تھے۔ مسیحی مآخذ میں الجسیراس نام کے دو شہروں کا ذکر ہے: ایک تو جزیرے پر واقع تھا جو بعد میں ویران ہوگیا اور دوسرا اندرون ملک سمندر سے 18 میل ہٹ کر تھا جس کی اہمیت اور نام برقرار رہا۔ جزیرۃ الخضراء ایک پہاڑی پر آباد ہے جو ساحل بحر تک چلی گئی ہے۔ وادی العسل (شہد کا دریا) شہر کے درمیان سے بہتا ہے۔ اس کا نام ہسپانوی زبان میں باقی ہے۔ جزیرۃ الخضراء کے جنوب مشرق میں ساحل سمندر پر مسجد تھی۔ اس کا نام مسجد الرایات رکھا گیا تھا کیونکہ یہاں طارق بن زیاد کے زیر کمان عرب اور بربر قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ نارمنوں نے 245ھ میں اسے جلا دیا تھا۔ 743ھ میں الفانسو یازدہم (شاہ قشتالہ) نے بیس ماہ کی شدید لڑائی کے بعد اسے فتح کر لیا۔ 771ھ/1369ء میں سلطان غرناطہ نے اسے دوبارہ تسخیر کیا مگر چند سال بعد عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا بنایا ہوا شہر منہدم کر دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 7/237-239)



مسجد قرطبہ کا اندرونی صحن

قرطبہ: اسلامی اندلس کا ہیرا جو مسلمانوں نے کھو دیا

قرطبہ ہسپانوی زبان میں Cordoba اور انگریزی میں Cordova کہلاتا ہے۔ اسے اہل قرطاجنہ نے دریا "وادی الکبیر" (Guadalqivir) کے کنارے آباد کیا تھا۔ دوسری کارتھیجی جنگ کے بعد کارڈوبنس (Cordubense) ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا اور کارڈوبا (Corduba) کہلانے لگا۔ 152 ق م میں رومی قبضے کے بعد یہ شہر Colonia Paticra کے نام سے صوبہ Hispania Ulterior (ہسپانیہ اقصیٰ) کا دارالحکومت قرار پایا۔ 711ء میں قرطبہ کی فتح کے بعد تین سو گاتھ مسیحی تین ماہ تک قلعہ بند کلیسا میں مزاحمت کرتے رہے۔ امیر اندلس سَمح بن مالک خولانی نے 100ھ/ 719ء میں اسے مرکزِ حکومت بنایا۔ امویانِ اندلس کے زوال (1031ء) کے بعد بنوجہور کے دور (70-1031ء) میں قرطبہ ایک جمہوریت بن گیا، پھر بنوعباد، مرابطون اور موحدون کے قبضے میں رہا۔ 1236ء میں قشتالہ کے مسیحی حکمران فرڈی ننڈ ثالث نے اسے فتح کر لیا۔ اموی خلافت اندلس کی بے نظیر یادگار مسجد قرطبہ ہے جسے عیسائیوں نے فتح کے بعد گرجا بنا لیا۔ عبدالرحمٰن اول اموی نے 785ء میں مسجد قرطبہ کی تعمیر شروع کی تھی اور اس کے جانشینوں نے اس کی تکمیل کی۔ مسجد قرطبہ کا بیرونی احاطہ "صحن نارنگیاں" (Patio de los Naranjos)، مسجد کے بے شمار ستون اور نام La Mezquita یعنی "المسجد" آج بھی اس کی یاد دلاتے ہیں۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر (متوفی 350ھ/961ء) نے قرطبہ کے شمال مغرب میں مدینۃ الزہراء تعمیر کرایا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-2/54-57)۔ اُس کے عہد میں دس لاکھ آبادی کا شہر قرطبہ وادی الکبیر کے کنارے چوبیس میل تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن اب اس کی آبادی تقریباً سوا تین لاکھ ہے جبکہ ارجنٹینا کے وسطی شہر کارڈوبا (قرطبہ) کی آبادی 12 لاکھ سے زائد ہے، نیز وسطی امریکہ کے ملک نکاراگوا کے سکے کا نام بھی کارڈوبا ہے جو قرطبہ سے تعلق رکھنے والے ہسپانوی گورنر فرنانڈس ڈی کارڈوبا (1524ء) کے نام پر ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ مسلم عہد اقتدار کی یادگار مسجد قرطبہ "Mezquita Cathedral" یعنی "مسجد گرجا" کہلاتی ہے۔ سرکاری طور پر یہاں نماز ادا کرنا ممنوع ہے۔ علامہ اقبال نے 1931ء میں یہاں گارڈ کی نگرانی کے باوجود موقع پا کر نماز ادا کی تھی۔ ڈائریکٹر دارالسلام مولانا عبدالمالک مجاہد چند سال پہلے اپنے گائیڈ عبدالغنی میلارا کی رہنمائی میں مسجد قرطبہ کی زیارت کو گئے تو گارڈ نے ان پر نگاہ رکھی کہ وہ نماز ادا نہ کرنے پائیں مگر کب تک! گارڈ تھک ہار کر اِدھر اُدھر ہوا تو انھوں نے ستونوں کے پیچھے دو نفل ادا کر لیے۔ یاد رہے جناب عبدالغنی میلارا نے قرآن مجید کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا ہے جسے دارالسلام (الریاض) نے شائع کیا ہے۔ مسجد قرطبہ سیاحوں کے لیے باعث کشش ہے۔ علامہ اقبال نے "بالِ جبریل" میں اسے "حرمِ قرطبہ" اور "کعبۂ اربابِ فن" قرار دیتے ہوئے کہا:

کعبۂ اربابِ فن سطوتِ دینِ مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمین

اور اس کے سینکڑوں ستونوں کی یوں تعریف کی:

تیری بنا پائیدار، تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

("اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات" دارالسلام لاہور، ص 199-200)

میدان میں گھری ہوئی ہے اور اس میدان کے پار کوہ رتین (Retin) واقع ہے۔ طارق پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے برباط (Barabate) کے کنارے پہنچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے اس تمام ساحلی علاقے پر قبضہ جما لیا جو تقریباً 80 کلومیٹر کی لمبائی اور 15 کلومیٹر کی چوڑائی میں افریقی ساحل کے بالمقابل پھیلا ہوا تھا۔



دریائے برباط زہراء (اٹونز) نامی گاؤں کے قریب

وادیٔ بَکّہ کا تاریخ ساز معرکہ

دونوں لشکروں میں اتوار 28 رمضان 92ھ / 19 جولائی 711ء کو دریائے برباط (وادیٔ بَکّہ) [1] کے کنارے گھمسان کا رن پڑا۔ یہ جنگ تقریباً آٹھ دن جاری رہی۔ راڈرک کے میمنہ اور میسرہ کی قیادت غیطشہ کے دو بیٹے کر رہے تھے۔ آخر کار دونوں میمنہ اور میسرہ کے ہمراہ پسپا ہوگئے کیونکہ اس سے پہلے وہ طارق اور جولین کے ساتھ خفیہ مفاہمت کر چکے تھے، جس کے مطابق غیطشہ کے بیٹوں کو عین دورانِ جنگ میں اپنے دستوں کے ہمراہ پسپا ہو جانا تھا۔ اس مفاہمت میں نصرانی قلب کے بعض سالار بھی شامل تھے، چنانچہ وہ بھی بھاگ نکلے۔ جب راڈرک پر یہ انکشاف ہوا تو وہ بھی راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اندازہ ہے کہ مسلمانوں نے آٹھ دنوں میں سے تین دن مسلسل تلوار چلائی۔ بعض روایات کے مطابق راڈرک میدان جنگ میں مارا گیا۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ راڈرک بعد میں شمال میں لڑی جانے والی جنگ میں قتل ہوا جس میں وہ ''سگویلا دی لوس کورنیجوس'' (Segouela de los Cornejos) کے مقام پر موسیٰ بن نصیر کے مقابل آیا تھا۔ وادیٔ برباط کی جنگ میں کئی ہزار مسیحی مارے گئے جبکہ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

[1] عام مؤرخین کی طرح فاضل مؤلف نے بھی میدان جنگ وادیٔ لکہ کے کنارے بتایا ہے جبکہ جنگ دراصل وادیٔ بَکّہ کے کنارے ہوئی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ''ہسپانیہ کے جنوبی وغربی گوشے میں دو دریا بہتے ہیں جن کے درمیان خاصا فاصلہ ہے۔ ایک دریائے لطہ یا لکہ (Guadalete) ہے۔ دوسرا دریائے برباط (Barabate) یا بَکّہ ہے جس کے راستے میں جھیل لاجنڈا آتی ہے۔ اس دریا کے کنارے دو بڑے شہر آباد ہیں۔ ایک برباط اور دوسرا بَکّہ جسے ہسپانوی Vejer کہتے ہیں، لہٰذا دریا کے دو نام پڑ گئے۔ اب یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ طارق اور راڈرک میں فیصلہ کن جنگ البُحیرہ (جھیل لاجنڈا) کے قریب وادیٔ برباط یا وادیٔ بکہ کے کنارے ہوئی تھی۔ گاتھوں کو عرب قوط کہتے تھے اور راڈرک کو رزریق یا لزریق'' (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 18/1، حاشیہ مولانا غلام رسول مہر)۔ دراصل مذکورہ جھیل کا نام جنڈا (Janda) ہے، ہسپانوی زبان میں ''لا'' (La=The) محض حرف تعریف ہے۔ اسی طرح عربی میں ''وادی'' یا ''واد'' کے معنی Valley (وادی) کے علاوہ ''دریا'' بھی ہیں۔

جنگِ برباط (یا جنگ بکّہ) کس خاص مقام پر لڑی گئی، اس حوالے سے تاریخی روایات کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ جنگ وسیع علاقے میں کئی دنوں تک لڑی گئی تھی اور کئی مقامات پر دونوں فوجوں میں رزم آرائی ہوئی تھی۔ [1]

اس فتح عظیم کے بعد عرب اور بربر مسلمان فتح اندلس کے جہاد میں جوق در جوق شامل ہونے لگے۔ اس طرح طارق بن زیاد کے لشکر میں خاصا اضافہ ہوگیا۔ طارق نے مدینہ شذونہ کی طرف پیش قدمی کی اور جنگ کرکے اسے فتح کرلیا، پھر انھوں نے المدور (Almodovar) پر

بشارتِ نبوی اور طارق بن زیاد کا ایمان افروز خطبہ

2

اندلس میں پیش قدمی کرتے ہوئے ایک رات طارق محوِ خواب تھا کہ نبی ﷺ اور چاروں خلفاء پانی پر چلتے نظر آئے۔ وہ طارق کے پاس سے گزرنے لگے تو نبی ﷺ نے اسے فتح کی بشارت دی اور حکم دیا کہ مسلمانوں سے نرمی اختیار کرے اور عہد پورا کرے (وفيات الأعيان: 320/5)۔ مرسیہ اور گردونواح میں تدمیر (تھیوڈور) راڈرک کی طرف سے حاکم تھا۔ جب طارق اپنے لشکر کے ہمراہ پہاڑوں سے اُترا تو تدمیر نے شاہ راڈرک کو لکھا ''ہماری سرزمین میں ایک ایسی قوم آن داخل ہوئی ہے کہ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں وہ آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکلے ہیں۔'' (وفيات الأعيان: 321/5)

جب طارق دشمن کے قریب پہنچے تو انھوں نے اپنی فوج کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد اور شہادت کی ترغیب دلائی اور کہا: ''اے لوگو! اب راہِ فرار کہاں ہے؟ سمندر تمھارے پیچھے ہے اور دشمن تمھارے آگے۔ اللہ کی قسم! تمھارے لیے صدق و صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جان لو! تم اس جزیرہ نما میں اس قدر بے وقعت ہو کہ کم ظرف لوگوں کے دسترخوان پر یتیم بھی اتنے بے وقعت نہیں ہوتے۔ تمھارا دشمن اپنے لشکر، اسلحے اور وافر خوراک کے ساتھ تمھارے مقابلے میں نکلا ہے۔ اِدھر تمھارے پاس کچھ نہیں سوائے اپنی تلواروں کے۔ یہاں اگر تمھاری احتیاج کے دن لمبے ہوگئے تو تمھارے لیے خوراک بس وہی ہے جو تم اپنے دشمن کے ہاتھوں سے چھین لو۔ اگر تم یہاں کوئی معرکہ نہ مار سکے تو تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور تمھاری جرأت کے بجائے تمھارے دلوں پر دشمن کا رعب بیٹھ جائے گا۔ اس سرکش قوم کی کامیابی کے نتیجے میں تمھیں جس ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ دشمن نے اپنے قلعہ بند شہر تمھارے سامنے ڈال دیے ہیں۔ اگر تم جان کی بازی لگانے کو تیار ہو جاؤ تو تم اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ میں تمھیں ایسے کسی خطرے میں نہیں ڈال رہا جس میں کودنے سے خود گریز کروں...... اس جزیرہ نما میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کو فروغ دینے پر اللہ کی طرف سے ثواب تمھارے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ یہاں کے غنائم خلیفہ اور مسلمانوں کے علاوہ خاص تمھارے لیے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کامیابی تمھاری قسمت میں لکھ دی ہے، اس پر دونوں جہانوں میں تمھارا ذکر ہوگا۔ یاد رکھو! میں تمھیں جس چیز کی دعوت دیتا ہوں اس پر خود لبیک کہہ رہا ہوں۔ میں میدانِ جنگ میں اس قوم کے سرکش راڈرک پر خود حملہ آور ہوں گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اسے قتل کر ڈالوں گا۔ تم سب میرے ساتھ ہی حملہ کر دینا۔ اگر اس کی ہلاکت کے بعد میں مارا جاؤں تو تمھیں کسی اور ذی فہم قائد کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور اگر میں اس تک پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جاؤں تو میرے عزم کی پیروی کرتے ہوئے جنگ جاری رکھنا اور سب مل کر اس پر ہلّہ بول دینا۔ اس کے قتل کے بعد اس جزیرہ نما کی فتح کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچانا۔ راڈرک کے بعد اس کی قوم مطیع ہو جائے گی۔'' (وفيات الأعيان: 322,321/5)

[1] ابن خلدون لکھتے ہیں: ''دونوں فوجوں میں میدان شریش میں جنگ ہوئی'' (تاريخ ابن خلدون: 141/4)۔ شریش کو انگریزی میں Xeres لکھا جاتا ہے۔

کامیاب یلغار کی اور وہاں سے قرمونہ (Carmona) پلٹ آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اشبیلیہ (Sevilla) کا رُخ کیا۔ اہل اشبیلیہ نے جزیے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس دوران میں گاتھ دستے قلعہ استجہ (Ecija) میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ طارق نے آگے بڑھ کر استجہ فتح کر لیا۔ وہاں سے طارق نے کئی دستے مختلف سمتوں میں روانہ کیے:

① خلیفہ ولید کے آزاد کردہ غلام مغیث رومی کو 7 سو گھڑ سواروں کے ساتھ قرطبہ کی طرف بھیجا گیا۔ مغیث نے تین ماہ کے محاصرے کے بعد شہر فتح کر لیا۔ ② جولین کے ایک سالار کو مالقہ (Malaga) بھیجا گیا جسے اس نے فتح کر لیا۔ ③ ایک اور دستہ البیرہ (Elvira) [1]

اشبیلیہ: اس کا قدیم نام ہسپالس (Hispalis) تھا۔ یہ دریائے الکبیر کے کنارے سمندر سے 60 میل کے فاصلے پر ہے۔ جولیس سیزر نے 45 ق م میں اسے فتح کر کے Colonia Julia Romula (جولیس کی رومی نو آبادی) کا نام دیا۔ اس دوران میں یہ صوبہ قرطبہ کا صدر مقام بھی رہا۔ 411ء میں یہ ونڈال سلطنت کا پایۂ تخت بن گیا۔ فاتح اشبیلیہ موسیٰ بن نُصَیر کے بیٹے عبدالعزیز نے اسے اندلس کا دارالحکومت قرار دیا۔ یہیں خلیفۂ دمشق سلیمان کے فرستادوں نے رجب 97ھ میں عبدالعزیز کو شہید کر دیا۔ اس دور میں اشبیلیہ کو بعض اوقات ''حمص'' کا بھی نام دیا گیا۔ 414ھ/1023ء میں بنو عباد نے اسے پایۂ تخت بنایا۔ بنو عباد کے تیسرے حکمران المعتمد کی درخواست پر یوسف بن تاشفین نے افریقہ سے آ کر شاہ قشتالہ الفانسو ششم کو جنگ زلاقہ 479ھ/1086ء میں شکست دے کر اس کی ہوس ملک گیری کے آگے بند باندھا۔ مرابطون اور موحدون کے اقتدار کے بعد 1247ء میں فرڈی ننڈ (فرنانڈو) سوم نے اشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا اور سولہ ماہ کی ناکہ بندی کے بعد شعبان 646ھ/ نومبر 1248ء میں اسے فتح کر لیا۔ 674ھ، 676ھ، 684ھ اور 690ھ میں مراکش کے مرینی سلطان نے اشبیلیہ کے محاصرے کیے مگر اسے واپس لینے میں ناکام رہا۔ موحدون کی یادگاروں میں سے ایک شاندار مسجد کا تین سو فٹ اونچا مینار Giralda اور القصر (Alcazar) باقی ہیں۔ محدث ابن عربی اور شیخ اکبر ابن عربی، اشبیلیہ کے رہنے والے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 777-774/2)۔ اشبیلیہ کی آبادی تقریباً 8 لاکھ ہے۔ (المنجد في الأعلام)



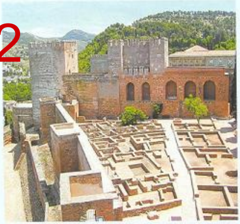
جیرالڈا ٹاور (اشبیلیہ)

اسلامی اشبیلیہ کی یادگار اب جیرالڈا ٹاور رہ گیا ہے۔ الموحد سلطان یوسف بن یعقوب المنصور کی تعمیر کردہ مسجد کا 320 فٹ اونچا یہ ماذنہ ماہر تعمیرات احمد ابن باسو نے بنانا شروع کیا اور اس کی تکمیل 1198ء میں ابو اللیث الصقلی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس میں سیڑھیوں کے بجائے اتنی کشادہ 34 ڈھلانیں تھیں جہاں سے مؤذن گھوڑے پر سوار ہو کر اذان دینے کے لیے اوپر جاتا تھا۔ یہ ماذنہ (موجودہ جیرالڈا ٹاور) اُس وقت دنیا کا بلند ترین مینار تھا۔ شاہ فرنانڈو سوم نے فتح اشبیلیہ سے پہلے اس مینار کے تحفظ کا حکم دیا تھا، چنانچہ مسجد گرجا بنالی گئی مگر یہ مینار محفوظ رہا۔ (وکی پیڈیا)

[1] البیرہ (Elvira): اس کا نام قدیم آئبیرین نام Elberri (نیا شہر) سے ماخوذ ہے۔ اسلامی (اموی) عہد میں شامی عرب یہاں آباد ہوئے۔ تب یہ ایک صوبے کا نام بھی تھا جو بعد میں غرناطہ کہلایا۔ 400ھ سے البیرہ کا مسلسل تنزل شروع ہو گیا۔ قرطبہ اور صوبجات میں بغاوتوں کی وجہ سے البیرہ کے باشندے اسے چھوڑ کر غرناطہ چلے گئے اور کچھ عرصے میں یہ شہر ویران ہو گیا۔ مدینۃ البیرہ (قسطیلیہ)، غرناطہ کے شمال مغرب میں سو امیل دور تھا۔ اب اس کا نام صرف جبل البیرہ (Sierra de Alvira)، بُرالبیرہ اور باب البیرہ کی شکل میں باقی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 71/3)

روانہ کیا گیا، اس نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ ④ طارق نے اصل لشکر کے ساتھ قوطی دارالحکومت طلیطلہ کی طرف پیش قدمی کی۔

طارق استجہ سے جیان (Jean) کی طرف بڑھا اور وادی الکبیر [1] کو مَنجبار (Menjibar) کے مقام پر عبور کر کے منزلیں مارتے ہوئے طلیطلہ جا پہنچا۔ اہل شہر فرار ہو گئے اور مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے طلیطلہ میں داخل ہو گئے۔ طارق مفرورین کے تعاقب میں نکلا۔ اس نے وادی الحجارہ [2] کو پار کر کے المائدہ تک ان کا پیچھا کیا اور طلیطلہ پلٹ آیا۔ طارق نے سردیاں وہیں گزاریں۔



قلعہ القصبہ (مالقہ)

مالقہ: یہ جبل الفارہ (Gibrafaro) کے دامن میں واقع ساحل بحیرۂ روم پر ایک بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ اس شہر میں سے دریائے رملہ (عربی ''رملہ'') گزرتا ہے جسے گواد المدینہ (وادی المدینہ) کہتے ہیں۔ مالقہ ''ملاگا'' (Malaga) کا معرب ہے جس کی بنیاد فنیقیوں نے ڈالی تھی۔ ملوک الطوائف کے عہد میں یہاں بنو حمود حکمران رہے جن سے 449ھ / 1056ء میں شاہ غرناطہ زیری بادیس نے اقتدار چھین لیا، پھر یہاں مرابطون، موحدون اور بنو احمر قابض رہے حتیٰ کہ فرڈیننڈ اور ازابیلا نے سخت ناکہ بندی کے بعد 18 اگست 1487ء کو یہ شہر مسلمانوں سے ہتھیا لیا۔ مالقہ کی پانچ دالانوں اور پانچ دروازوں والی جامع مسجد کلیسا میں تبدیل ہو چکی ہے جبکہ یہاں کا اسلامی دور کا قلعہ اب تک القصبہ (Alcazaba) کہلاتا ہے۔ مالقہ میں سعودی امداد سے تعمیر شدہ مسجد یورپ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 370/18)

[1] وادی الکبیر: یہ اسپین کا ایک مشہور دریا ہے۔ ''واد'' یا ''وادی'' (ہسپانوی Guad یا Guadi) ہسپانیہ کے متعدد دریاؤں یا شہروں کے ناموں میں آتا ہے، مثلاً: وادی الکبیر (Guadalquivir)، وادی آنہ (Guadiana)، وادی الرمان (Guadroman)، وادی آش (Guadix)۔ وادی الکبیر شمال مشرق سے جنوب مغرب کو بہتے ہوئے بحر اوقیانوس میں جا گرتا ہے۔ وادی الاحمر (Guadalimor)، وادی شوس (Guadajoz) اور غرناطہ، لوشہ اور استجہ سے آنے والا دریائے شنیل (Genil) اس کے اہم معاون ہیں۔ وادی الکبیر کے کنارے القلعیہ (Alcolia)، قرطبہ، عبیدہ (Ubeda)، حصن المدور (Almadover)، حصن لورہ (Lora del Rio)، اشبیلیہ اور حصن القصر (Aznalcozar) نامی شہر واقع ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 22/563-567)۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' میں وادی الکبیر کا ذکر یوں کیا ہے ؎

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

[2] وادی الحجارہ (Guadalajara): یہ اسپین کے اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے جو قشتالہ یا قشتالیہ (Castile) کی شمال مشرقی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ دریائے ہینارس (Henarss) کے کنارے آباد ہے جس کو عرب واد الحجارہ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس شہر کو مدینۃ الفرج بھی کہتے تھے۔ 474ھ/1081ء میں اس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ مؤرخ عبداللہ بن ابراہیم الحجاری، محدث سعید بن مسعدہ الحجاری (م 427ھ) اور قاضیٔ شہر ابن الطویل (متوفی 382ھ) مشہور ہوئے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 564/22)۔ گاڈل اجارہ (وادی الحجارہ) دارالحکومت میڈرڈ کے شمال مشرق میں ہے۔ آبادی 70 ہزار کے لگ بھگ ہے جبکہ اسی نام سے مغربی میکسیکو کا شہر گاڈل اجارہ تقریباً 30 لاکھ آبادی کا شہر اور ریاست جالسکو (Jalisco) کا دارالحکومت ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

3

موسیٰ بن نُصیر کی لشکر کشی

اندلس پر طارق کی یلغار کے 14 ماہ بعد رمضان 93ھ / جون 712ء میں موسیٰ بن نُصیر 18 ہزار کا لشکر لے کر جبل طارق کے ساحل پر اُترے۔ ان کے لشکر میں زیادہ تر عرب تھے۔ جبل طارق سے انھوں نے جزیرۂ خضراء کا رُخ کیا، پھر انھوں نے اشبیلیہ اور وہاں سے مغربی اندلس کی طرف یلغار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یوں ان کی لشکر کشی طارق کی لشکر کشی سے مختلف سمت میں ہوئی تھی۔

موسیٰ منزلیں مارتے شذونہ [1] پہنچے، پھر انھوں نے قلعہ رعواق فتح کیا جسے قلعہ وادی ابرہ یا قلعہ جابو بھی کہا جاتا ہے۔ ہسپانوی زبان میں اس کا نام Alcala de Guadiara ہے۔ اس کے بعد انھوں نے قرمونہ (Carmona)، اشبیلیہ اور پھر ماردہ (Merida) [2] پر لشکر کشی کی۔ یوں لقنت (Alicante) اور ماردہ کے مابین شاہراہ ''فج موسیٰ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

ماردہ میں عیسائیوں کی ایک فوج جمع تھی۔ بعض روایات کے مطابق اس کی قیادت راڈرک کر رہا تھا۔ موسیٰ نے اسے محاصرے کے بعد اوائل شوال 94ھ / جولائی 713ء میں فتح کر لیا۔ انھوں نے ماردہ میں ایک ماہ آرام کیا۔

دریں اثناء اشبیلیہ میں ذمی عیسائیوں نے بغاوت کر دی اور وہاں تعینات حفاظتی دستے کے تقریباً 80 افراد شہید کر دیے۔ باقی اپنی جانیں بچا کر موسیٰ کے پاس ماردہ چلے آئے۔ یہ موسیٰ کی فوجی پیشرفت کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی، لہٰذا انھوں نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اشبیلیہ بھیجا جس نے بغاوت کچل دی اور باغیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس دوران میں لبلہ میں باغی مسیحی اکٹھے ہو گئے۔ عبدالعزیز نے لشکر کشی کر کے انھیں بھی تتر بتر کر



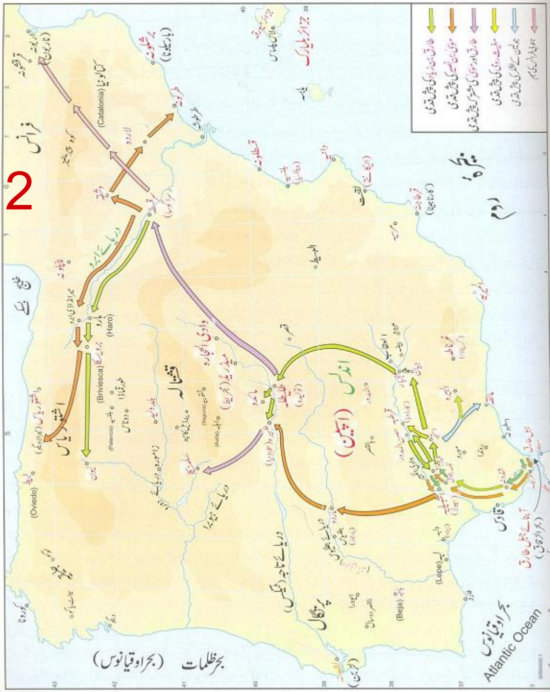
ماردہ میں وادی آنہ (Guadiana) پر رومی پُل



قرمونہ شہر کا ایک منظر

1 شذونہ یا مدینہ شذونہ: یہ ہسپانیہ کے جنوب مغرب میں صوبہ قادس کا ایک شہر ہے جو جزیرۃ الخضراء اور الشریش سے تقریباً برابر فاصلے پر ہے۔ اسلامی دور میں یہ اسی نام کے صوبے کا صدر مقام تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 261/20)

2 ماردہ (Merida): یہ نام اس کے لاطینی نام ''امریتا'' (Emerita) سے ماخوذ ہے۔ ماردہ جنوب مغربی اسپین میں صوبہ بادجوز (Badjoz) میں ہے۔ یہ دریائے گاڈیانا (وادی آنہ) کے دائیں کنارے واقع ہے۔ لوزیٹانیا کے قدیم پایۂ تخت Augusta Emerita کی بنیاد 23 ق م میں ڈالی گئی۔ ماردہ 1228ء میں شاہ لیون الفانسو نہم نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 312/18)



نقشہ 114

فتح اندلس (اسپین)

دیا۔ بچے کھچے عیسائیوں نے مارده سے تقریباً 4 سو کلو میٹر شمال میں سیرادی فرانسیا کی گھاٹیوں میں جا پناہ لی۔

موسیٰ نے طارق کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ مارده اور طلیطلہ کے مابین اس کی فوج سے آملے، چنانچہ دونوں کی ملاقات دریائے تاجہ (Tagus) پر واقع طلبیره (Telavera)[1] کے مقام پر ہوئی۔ موسیٰ نے مقدمۃ الجیش کی قیادت طارق کے سپرد کی اور پھر دونوں نے مارده سے شلمنقہ (Salamanca) کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ ایک ندی کے پاس سے گزرے جو وادی موسیٰ (Valmuza) کے نام سے مشہور ہوئی، پھر وہ سیرادی فرانسیا کی شمالی چوٹیوں کے پیچھے ہیو براندی کے سرچشموں کی ڈھلانوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ موسیٰ کی اس پیش قدمی کے دوران میں مسیحی فوج ''سگو یلا دی لوس کورنیجوس'' کے سامنے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوئی جو کہ شہر تمامس (Tamames) اور بار بالقن نامی ندی کے قریب واقع تھا۔ یہ ہسپانوی عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین دوسرا بڑا معرکہ تھا۔ اس خونریز جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق راڈرک اس جنگ میں مروان بن موسیٰ بن نُصَیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

سردیوں کی آمد ہوئی اور موسیٰ بن نصیر طلیطلہ واپس آ گئے۔ اور جب موسم سرما اختتام کو پہنچا تو انھوں نے اپنے لشکر طارق کی قیادت میں جمع کیے اور سرقسطہ (Zaragoza) کی طرف پیش قدمی کی جو دریائے ابره (Ebero) کے کنارے واقع ہے۔ سرقسطہ والوں نے 94ھ/712ء میں موسیٰ سے امان حاصل کر کے اطاعت کر لی، پھر موسیٰ نے شمال کی طرف یلغار کی اور وشقہ (Huesca)، لارده (Laredo) اور طرکونہ فتح کر لیے۔ اس کے بعد انھوں نے کیٹالونیا (Catalonia) اور برشلونہ[2] کی طرف جنگی مہمات بھیجیں بلکہ ان عساکر نے گال (فرانس)[3] میں داخل

[1] طلبیره: ہسپانوی نام ''تلاویرادی لارینا'' ہے جسے رومی دور میں قیصروبریگا (Caesarobriga) کہتے تھے۔ یہ دریائے تاجہ کے کنارے طلیطلہ سے کوئی ایک سو میل مغرب میں آباد ہے۔ عربی عہد کے برج آج بھی یہاں موجود ہیں۔ اس نام کا دوسرا شہر ''تلاویرالاوانجا'' اول الذکر کے جنوب میں 20 میل پر واقع ہے۔ اسے قدیم عہد میں آگسٹوبریگا (Augustobriga) کہتے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 527/12)

[2] برشلونہ (Barcelona): یہ اسپین کی بندرگاہ ہے جو ساحل بحیرۂ روم پر واقع ہے۔ بارسلونا صوبہ کیٹالونیا کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی 40 لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ ملک کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے (المنجد في الأعلام، ص:120)۔ 230ھ میں اہل برشلونہ نے وہاں کی اسلامی فوج قتل کر کے جنوب مغرب کی جانب پیش قدمی کی۔ سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے سپہ سالار عبدالکریم نے 231ھ میں باغیوں کو قرار واقعی سزا دی اور اقرار اطاعت لے کر یہ ریاست اس کے والی کے سپرد کر دی۔ خلیفہ حَکَم ثانی (350ھ تا 366ھ) کے عہد میں برشلونہ میں بغاوت ہوئی تو وہاں کے حاکم یعلی بن محمد نے ان کی سرکوبی کی اور عیسائیوں کو اقرار اطاعت پر مجبور ہونا پڑا (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 173,172/2)۔ بَرشلُونہ (برشنونہ یا برجلُونہ) عبدالعزیز بن موسیٰ نے 96ھ تا 98ھ میں فتح کیا۔ 185ھ/801ء میں شاہ فرانس شارلیمان (Charlemagne) کے بیٹے لوئی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 375ھ/985ء میں حاجب المنصور نے اسے فتح کر لیا مگر 987ء میں یہ پھر عیسائیوں کے تسلط میں چلا گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 410/4)۔ اس کے بعد ریاست برشلونہ ہمیشہ اسلامی تسلط سے آزاد رہی۔ 1992ء میں بارسلونا میں عالمی اولمپک کھیل منعقد ہوئے۔

[3] گال (Gaul): قدیم یورپ کا ایک علاقہ ہے جس میں جدید فرانس، بلجیم، جنوب مغربی نیدرلینڈ، جنوب مغربی جرمنی اور شمالی اٹلی شامل تھے۔ کوہستان الپس کے جنوب کا گال رومیوں نے 222 ق م میں فتح کیا اور الپس کے شمال کا گال جولیس سیزر نے 58-51 ق م میں فتح کر لیا اور پھر اگلی پانچ صدیوں تک یہاں رومی قابض رہے۔ شمالی گال کا جنوبی صوبہ Gallia Narbonensis کہلاتا تھا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانسیسی رہنما جنرل چارلس ڈی گال نے فرانس کو مستحکم کیا۔ ان دنوں وہاں گالسٹ پارٹی برسراقتدار ہے۔

ہو کر اربونہ (Narbonne) [1]، ماؤنٹ ایوینون (Avignon) [2]، وادیٔ رون (Rhone) میں قلعہ لورون اور قرقشونہ بھی فتح کر لیے۔
سرقسطہ سے مغرب میں قشتالہ [3] کی طرف دو راستے نکلتے تھے۔ موسیٰ نے لشکر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک فوج کی قیادت طارق کے سپرد کی اور اسے ہدایت کی کہ وہ کوہستان قنطابریہ (Cantabria) کے دامن میں لشکر کشی کرے، چنانچہ طارق دریائے ابرہ کے ساتھ ساتھ ہارو (Haro) تک



سرقسطہ کی قدیم جامع مسجد جس کو گرجا بنا دیا گیا



گیارھویں صدی عیسوی کا قصر الجعفریہ (سرقسطہ)

سرقسطہ یا سارا گوسا (Saragossa): یہ اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے اور دریائے ابرہ کے دائیں کنارے واقع ہے۔ ہسپانوی نام قدیم لاطینی (رومی) نام Caesarea Augusta کے مطابق ہے۔ اس کی جغرافیائی حیثیت کی بنا پر عرب اسے الثغر الاعلیٰ کہتے تھے۔ ملوک الطوائف کے دور میں سرقسطہ میں بنو ہود کی حکومت قائم ہوئی۔ 503ھ / 1110ء میں اسے مرابطون نے فتح کیا حتیٰ کہ 512ھ / 1118ء میں یہ عیسائیوں کے مستقل تسلط میں چلا گیا۔ سرقسطہ کی قدیم جامع مسجد کی جگہ اب کیتھیڈرل ڈیل سالویڈور (کلیسائے منجی) یا ''لاسیو'' ایستادہ ہے۔ یہ مسجد ایک تابعی حنش بن عبداللہ الصنعانی (متوفی 100ھ) نے بنوائی تھی۔ گیارھویں صدی عیسوی میں سلطان منذر اول نے اس میں اضافہ کیا۔ 1121ء میں شاہ الفانسو کے حکم پر یہ مسجد گرجا بنا لی گئی۔ 1140ء میں مسجد شہید کر کے ازسرنو گرجا تعمیر کیا گیا۔ 1999ء میں گرجے کی بحالی کے دوران میں اس کی بیرونی دیوار سے مسجد کے مینار کی منبت کاری، مسجد کا فرش اور صدر دروازہ نمایاں ہو گئے۔ ابوجعفر مقتدر (بنو ہود کا چوتھا بادشاہ) سے منسوب قصر الجعفریہ میں اسلامی عہد کی یادگار ایک مسجد ہے جو 25 گز مربع ہے اور جس پر 45 فٹ بلند بہت حسین گنبد ہے۔ مسجد کے قریب اسی فٹ اونچا ایک مینار ہے۔ سرقسطہ کے ایک بڑے محدث ابن سُکَّرہ صدفی جنگ قتندہ (514ھ / 1120ء) میں شہید ہوئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 828-824/10۔ وکی پیڈیا)

[1] **ناربون:** جنوبی فرانس کا یہ شہر رومیوں نے ناربو مارٹیس کے نام سے 118 ق م میں آباد کیا تھا۔ یہ رومی صوبے گالیا ناربونیسز کا دارالحکومت تھا۔
(آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:961)

[2] **ایوینون:** دریائے رون پر واقع جنوب مشرقی فرانس کا یہ شہر 1309ء سے 1377ء تک پاپایانِ روم کی جلاوطنی کے زمانے میں ان کا مسکن رہا۔ جب پاپائیت روم لوٹ گئی تو پاپائے روم کے مقابل دو پوپ (Antipopes) یکے بعد دیگرے ایوینون میں 1448ء تک برسرِ اقتدار رہے۔ یہ شہر انقلاب فرانس تک پاپائے روم کی ملکیت رہا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:94)

[3] **قشتالہ (قشتلہ یا قشتالیہ) یا کاستیلا (Castilla):** وسطی اسپین کے اس علاقے کو پہاڑوں نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ قشتالہ قدیم میں بُرگوس، بلنسیہ (Valencia)، شقوبیہ، صوریہ اور بلد الولید (Valladolid) شامل تھے جنھیں دریائے دویرو (Duero) سیراب کرتا ہے اور قشتالہ جدید وادی الحجارہ، میڈرڈ، طلیطلہ (Toledo) وغیرہ پر مشتمل ہے جہاں دریائے تاجہ اور گواڈیانا بہتے ہیں۔ 9ویں صدی عیسوی میں ریاست قشتالہ قائم ہوئی جس کا دارالحکومت بُرگوس (Burgos) تھا۔ 1230ء میں قشتالہ، لیون میں ضم ہو گیا اور 1469ء میں ملکہ ازابیلا اور شاہ اراگون فرڈی ننڈ کی شادی سے لیون اور اراگون متحد ہو گئے۔

(المنجد في الأعلام، ص:439)

فتوحات کرتا چلا گیا۔اس نے ابرہ کے کنارے بشکنس کے لشکر کو شکست دی اور پھر برفیسکا (Brwiesca)، امایہ، لیون[1] اور استرقہ تک فتوحات حاصل کرتا چلا گیا۔ان سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔اس کے بعد طارق نے صوبہ شیہ (Ejea) کے عیسائیوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

موسیٰ بن نُصیر نے اپنے لشکر کے ہمراہ دریائے ابرہ کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کی۔ انھوں نے حصن بارو (Villa Baruz) فتح کرلیا، پھر شمال میں استوریاس کا رُخ کیا جو لیط (Oviedo) کے قریب واقع تھا اور اس پر فتح کا پرچم لہرا دیا۔انھوں نے اِدھر اُدھر کئی جنگی مہمات روانہ کی۔اسلامی لشکر فتوحات حاصل کرتے گئے حتیٰ کہ وہ بحرِ اوقیانوس کے ساحل پر ماؤنٹ پیلائی جا پہنچے۔ادھر موسیٰ نے پیش قدمی کر کے خیحون پر قبضہ کرلیا اور وہ بھی ساحلِ اوقیانوس تک فتح کے پھریرے لہراتے چلے گئے۔

اندلس کی فتوحات سے فارغ ہوکر موسیٰ نے شمال میں فرانس کے اندر داخل ہوکر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ لشکر کشی کا ارادہ کیا تاکہ مغرب کی طرف سے قسطنطنیہ پر یلغار کر کے اسے فتح کیا جائے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کو موسیٰ کے اس ارادے کا پتہ چلا تو اس نے مسلمانوں کے نقصان کے پیشِ نظر پے بہ پے دو قاصد بھیج کر موسیٰ کو فتوحات مزید جاری رکھنے سے روک دیا اور تاکید کی کہ وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ یوں مجبور ہوکر موسیٰ نے ''فج موسیٰ'' میں سے واپسی کی راہ لی۔ اور طارق بھی ان سے آملا جو شمال مغربی کوہستانی علاقے سے لوٹ رہا تھا، پھر دونوں طلیطلہ اور قرطبہ سے ہوتے ہوئے اشبیلیہ پہنچے۔موسیٰ نے اشبیلیہ کو اندلس کا دارالحکومت قرار دیا۔ اس کے بعد وہ طارق کے ہمراہ آبنائے جبل الطارق عبور کر کے افریقیہ چلے آئے اور پھر دمشق کی راہ لی۔



اشبیلیہ کا القصر جواب Alcazares Reales de Sevilla کہلاتا ہے دراصل ایک اسلامی قلعہ تھا جسے موحدین نے محل کی شکل دی۔

[1] لیون : شمال مغربی اسپین کا یہ شہر ماضی میں ریاست لیون کا دارالحکومت تھا اور ان دنوں صوبائی دارالحکومت ہے۔ ماضی کی ریاست لیون آج کل کاستیلا لیون ریجن میں شامل ہے۔(آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 820)

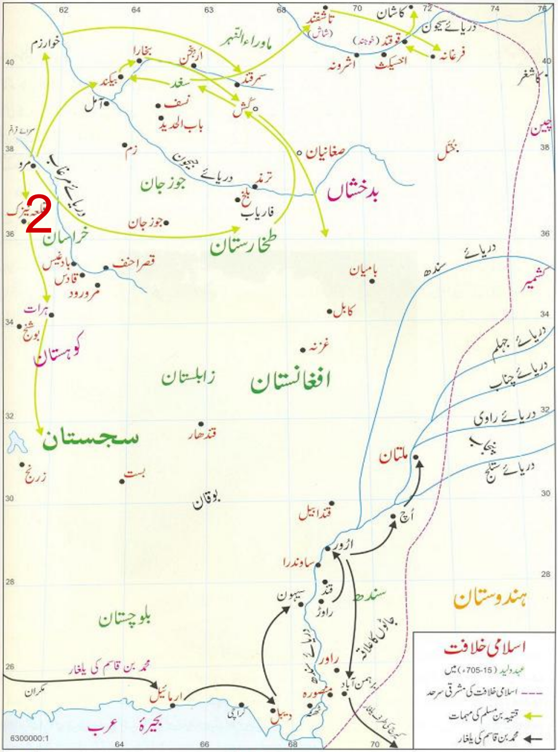
موسیٰ بن نصیر اور طارق نے اندلس کے شمال مغربی کونے پر قبضہ نہیں کیا تھا، چنانچہ ہسپانوی عیسائیوں نے پیلائیو (Pelayo) نامی شخص کو اپنا قائد بنا لیا (109ھ/ 727ء) اور اس نے اونجا (Onga) کے پہاڑی علاقے پر تسلط جما لیا۔ ان لوگوں نے ''کوواڈونگا'' (Cova donga) نامی غاروں (صخرہ بلائی) میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے ان سے صرفِ نظر کیا، چنانچہ وہ اسپین میں مسلمانوں کے خلاف تحریکِ مزاحمت کے پیشرو بن گئے۔ ہسپانیہ کو مسلمانوں سے واپس لینے کی اس تحریک نے بتدریج زور پکڑا، چنانچہ پہلے شمال میں عیسائیوں نے لیون واپس لیا، پھر قلعوں کے علاقے میں قشتالہ کی مسیحی ریاست نے جنم لیا جس نے بالآخر سرزمین اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکال باہر کیا۔

طارق بن زیاد کے سرزمینِ اندلس پر اُترنے سے لے کر موسیٰ کے ہمراہ اس کی واپسی تک تین برس گزرے۔ موسیٰ بن نُصیر کے فرزند عبدالعزیز نے مشرق کی طرف فتوحات جاری رکھیں اور اس کے ہاتھوں مرسیہ (Murcia) [1] فتح ہوگیا۔



مرسیہ کا گرجا سانتا ماریا جو 1358ء میں ایک مسجد کی جگہ پر تعمیر ہوا

[1] مُرسیہ: یہ جنوب مشرقی اسپین میں دریائے سگورہ (شقورہ) کی وادی میں واقع ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں 40 میل دور بحیرۂ روم کے ساحل پر قرطاجنہ (کارتاجینا) نامی بندرگاہ ہے۔ اموی دور میں مُرسیہ صوبہ تدمیر کا صدر مقام تھا۔ یہ امیر عبدالرحمٰن ثانی کے عہد 210ھ/ 825ء میں تعمیر ہوا۔ اموی سلطنت کی شکست و ریخت پر مرسیہ ایک چھوٹی سی ریاست کا پایۂ تخت بنا اور امرائے صقالبہ (Slavs) کے قبضے میں رہا، پھر کچھ عرصہ یہ بلنسیہ (Valencia) سے ملحق رہا۔ 484ھ/ 1091ء میں مرابطی سپہ سالار ابن عائشہ نے اسے تسخیر کر لیا۔ ان کے بعد مرسیہ پر موحدون، ہسپانوی نژاد ابن مردنیش اور بنواحمر (بنونصر) قابض رہے حتی کہ 640ھ/ 1143ء میں یہ شہر نصرانیوں کے تسلط میں چلا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 20/449-452)



نقشہ 115

سندھ اور وسط ایشیا کی فتح

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی سندھ پر یلغار

فتوحاتِ مشرق کے دوران میں محمد بن قاسم بن محمد ثقفی ابھرتے ہوئے قائد تھے۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے خلافت ولید کے زمانے میں اپنے سپہ سالار بنایا اور انھوں نے فوج کے ساتھ جنوبی فارس میں پیش قدمی کی۔ حجاج نے انھیں حدودِ سندھ کا حکمران مامور کرتے ہوئے 6 ہزار شامیوں اور دیگر افراد کا لشکر ان کے ہمراہ کیا۔ محمد بن قاسم نے شیراز میں پڑاؤ ڈالا حتی کہ اُن کے تمام ساتھی اُن سے آن ملے۔ پھر انھوں نے مکران [1] پر دھاوا بولا اور قنز پور اور پھر ارمائیل فتح کر لیے۔ اس کے بعد انھوں نے دیبل [2] پر لشکر کشی کی اور شدید لڑائی کے بعد وہ فتح ہو گیا۔ پھر انھوں نے دریائے


مکران (پاکستان) کے نشیب و فراز


دیبل یا بھنبھور کے کھنڈر

[1] **مکران**: یہ بلوچستان (پاکستان) کا ساحلی علاقہ ہے جو کوہ سیاہان تک پھیلا ہوا ہے۔ یونانی اسے گیڈروشیا کہتے تھے۔ یونانی فاتح اسکندر ہندوستان سے واپسی پر مکران میں سے گزرا تھا۔ یونانیوں کے بعد یہ علاقہ ایران کے قبضے میں آیا۔ مارکو پولو (اطالوی سیاح) 1290ء میں لکھتا ہے: "یہ (مکران) ہندوستان کا انتہائی مغربی علاقہ ہے جو ایک سردار کے ماتحت ہے اور غالباً وہ مسلمان ہے۔" اٹھارھویں صدی کے وسط میں خان قلات احمد زئی نے اسے اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ 1879ء میں کرنل گولڈسمڈ نے ایرانی مکران کی حد بندی کر دی اور مشرقی مکران خان قلات کے ماتحت رہا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 485,484/21)۔ قیام پاکستان کے بعد نواب مکران نے اپنی ریاست پاکستان میں ضم کر دی۔ مکران اب گوادر، تربت، پنجگور اور آواران کے اضلاع میں منقسم ہے۔

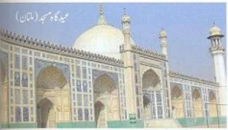
[2] **دیبل**: سندھ کی یہ قدیم بندرگاہ دریائے مہران (دریائے سندھ) کی ایک کھاڑی کے مغربی جانب واقع تھی۔ محمد بن قاسم سے پہلے سندھ پر عربوں کے دو بحری حملے ناکام رہے تھے جن کے قائد علی الترتیب عبید اللہ بن نبہان اور بُدَیل بن طَہفہ بجلی تھے۔ دیبل کے بدھ مندر کا قُبّہ 40 گز اُونچا تھا جس پر ایک بڑا جھنڈا لہراتا تھا۔ اس بدھ سٹوپا یا "دَیول" کے نام پر شہر بھی دَیول (عربی میں دیبل) کہلاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے فتح دیبل کے بعد یہاں ایک مسجد بنوائی جو سرزمین سندھ کی پہلی مسجد تھی، نیز ایک نئے محلے میں چار ہزار عرب بسائے۔ 280ھ / 893ء میں ایک ہولناک زلزلے نے دیبل شہر کا بیشتر حصہ تباہ کر دیا۔ 618ھ / 1221ء میں جلال الدین خوارزم شاہ نے تاتاریوں سے شکست کھانے کے بعد دیبل پر قبضہ کر لیا اور ایک مندر کی جگہ جامع مسجد تعمیر کرا دی۔ 1958ء میں کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان بھنبھور کے کھنڈر دریافت ہوئے لیکن اصطخری شہر دیبل اور بھنبھورا (بھنبھور) کا ذکر الگ الگ کرتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ بھنبھور کے کھنڈر ہی دیبل کے کھنڈر ہیں۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 523,522/9)



منجنیق کا نمونہ جو فتح دیبل کا باعث بنی
(بھمبور میوزیم)

سندھ کی ایک شاخ مہران ندی پار کی جہاں مہاراجہ سندھ داہر بن چچ کے ساتھ خونریز جنگ ہوئی۔ داہر اپنے ہاتھی پر سوار تھا۔ گھمسان کا رن پڑا تو وہ عماری سے اتر کر پیدل کمان کرنے لگا۔ اس اثناء میں ایک مجاہد نے اسے قتل کر دیا اور اس کی فوج نے شکست کھائی۔ محمد بن قاسم نے سندھ کے دارالحکومت راوڑ [1] پر قبضہ کر لیا۔ پھر شدید لڑائی کے بعد برہمن آباد فتح ہو گیا، وہاں دشمن کے 8 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد الرور، بغرور اور ساوندرا والوں نے صلح کر لی، پھر اسلامی لشکر بسمند کی طرف بڑھا تو اس کے باشندوں نے خراج کی ادائیگی کے علاوہ اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کے بتوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ محمد بن قاسم نے ان کی یہ شرائط قبول کر لیں، پھر انھوں نے سکہ پر لشکر کشی کی جو دریائے بیاس [2] کے پاس تھا۔ اس کے بعد دریائے بیاس پار کر کے ملتان پر ہلّہ بول دیا۔ ملتان والوں نے شدید مزاحمت کی اور خونریز جنگ کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ مسلمانوں کو یہاں سے کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

حجاج کی وفات کے بعد محمد بن قاسم ملتان سے راور اور پھر بغرور لوٹ گئے، پھر انھوں نے کیرج پر چڑھائی کی۔ اور جب سلیمان بن عبدالملک منصب خلافت پر فائز ہوا تو اس نے صالح بن عبدالرحمٰن کو عراق کی حکومت تفویض کی اور محمد بن قاسم کو معزول کر دیا۔ صالح کے حکم سے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق لایا گیا جہاں صالح نے اسے واسط [3] کے قید خانے میں ڈال دیا اور قید ہی میں انھیں اذیت دے دے کر ہلاک کر دیا گیا۔



عید گاہ مسجد (ملتان)

سلیمان بن عبدالملک نے جہادِ سندھ کی قیادت اب حبیب بن مہلّب کے سپرد کی، پھر سلیمان کی وفات پر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو انھوں نے اس علاقے کے راجاؤں

[1] اَرُور: یہ سندھ کا قدیم شہر ہے۔ سندھ کا دارالحکومت راوڑ یا راور نہیں بلکہ اَرُور یا الرُّور (اروڑ) تھا۔ راجہ داہر 10 رمضان 93ھ / جون 712ء کی جنگ راوڑ میں مارا گیا تھا جبکہ اس کا پایۂ تخت ارور آخر میں (95ھ / 714ء) سے پہلے فتح ہوا۔ سکندر اعظم نے اَرُور کے راجہ ''موسیقانوس'' کو شکست دی تھی۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے سفرنامے (632ء) میں ارور کا ذکر کیا ہے۔ اسلامی دور میں دریائے سندھ نے اپنا راستہ بدل لیا جس سے ارور کی رونق جاتی رہی۔ اس شہر کے آثار ابھی تک قصبہ روہڑی کے جنوب میں چھ سات میل کی مسافت پر موجود ہیں۔ یہاں راجہ داہر کے قلعے کی دیواروں کے آثار ہنوز باقی ہیں۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 475,474/2، 347/19)

[2] دریائے بیاس: اس سے مراد یا تو دریائے ستلج ہے یا دریائے بیاس کی پُرانی گزرگاہ ''سکراوا'' ہے جو دیپالپور کے پاس سے گزرتا ہے اور شجاع آباد اور جلال پور پیر والا کے درمیان دریائے چناب میں جا گرتا ہے۔ (کتابستان ورلڈ اٹلس، ص: 35,34)

[3] واسط: یہ کوفہ اور بصرہ کے مابین دونوں سے پچاس پچاس فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اسے گورنر عراق حجاج بن یوسف نے 85-86ھ میں تعمیر کرایا۔ محمد بن قاسم نے فتح سندھ کے بعد حجاج کے لیے ایک ہاتھی واسط بھجوایا تھا (معجم البلدان: 384/5)۔ اس کا نام واسط (درمیانہ) خود حجاج نے تجویز کیا کیونکہ یہ کوفہ اور بصرہ کے علاوہ اہواز سے تقریباً برابر فاصلے پر تھا۔ عہد بنی عباس میں واسط نام کے بیس سے زیادہ شہر تھے، لہٰذا اسے اکثر واسط الحجاج، واسط العظمٰی یا واسط العراق کہتے تھے۔ واسط الحجاج دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر بسایا گیا تھا۔ اس کے بالمقابل مشرقی کنارے پر کسکر کا شہر آباد تھا۔ بعد میں واسط اور کسکر پھیل کر جڑواں شہر بن گئے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں واسط کے زوال کی ابتدا ہوئی۔ اس کی وجہ دجلہ کی شاخوں کے پانی کے بہاؤ کا تغیر و تبدل تھا۔ سولہویں صدی کے نصف اول کا ایک ترک جغرافیہ نویس لکھتا ہے کہ یہ وسطِ صحرا میں واقع ہے اور وہاں کی نہر (شاخ دجلہ) کے کنارے کے نرسلوں کی قلمیں بہت مشہور ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 577/22)۔ واسط کے کھنڈرات الحی کے شمال مشرق میں دجلہ کی اس شاخ کے مشرقی کنارے پر ہیں جو کوت الامارہ کے مقام سے نکلتی ہے۔ (مڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ)

کواسلام قبول کرنے اوراس شرط پر اطاعت کرنے کی دعوت دی کہ انھیں حکومت پر برقرار رکھا جائے گا اور ان کے حقوق وفرائض وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں، تب وہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انھوں نے عربوں کے سے نام رکھ لیے۔

برہمن آباد (منصورہ): برہمن آباد کا قدیم شہر دریائے سندھ کی مرکزی گزرگاہ ''دریائے جلوالی'' کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ دوسری صدی ہجری کے شروع میں دریائے سندھ کی گزرگاہ میں تبدیلی رونما ہوئی تو برہمن آباد پانی کی کمیابی سے اجڑنے لگا، چنانچہ 116/115 ھ میں برہمن آباد کے مغرب میں پانچ چھ میل کے فاصلے پر نیا شہر ''منصورہ'' بسایا گیا تھا۔ منصورہ گورنر سندھ حکَم بن عوانہ کلبی کے ایما پر عمرو بن محمد بن قاسم نے ہند کی فوجی مہمات سے واپس آ کر بسایا تھا۔ اس کے کھنڈر سنجھورو ضلع سانگھڑ سے تقریباً 7 میل جنوب میں اور شہداد پور سے سات میل جنوب مشرق میں ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں پرانا برہمن آباد ویران ہو گیا تو عموماً منصورہ ہی کو ''برہمن آباد'' کہا جانے لگا بلکہ سندھی عوام بانھن (برہمن) کی نسبت سے پہلے برہمن آباد کو اور پھر منصورہ کو ''بانھنا'' یا ''بانھڑا'' کہتے ہیں۔ مؤرخ بلاذری (متوفی 279 ھ / 892 ء) کے بقول ''برہمن آباد منصورہ سے دو فرسخ (پانچ چھ میل) دور ہے۔'' دریائے جلوالی برہمن آباد کے قریب مشرق میں بہتا تھا۔ شہر جھول (تعلقہ سنجھورو) سے 2 میل مغرب میں قدیم دریا (جلوالی) کی گزرگاہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس گزرگاہ سے مغرب کی طرف ڈیپر گھانگھرو نامی جگہ پر ایک بدھ مندر (کنوو بار ستوپا) شکستہ حالت میں باقی ہے۔ غالباً یہیں قدیم برہمن آباد واقع تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں منصورہ کی پایۂ تخت والی حیثیت ختم ہو گئی، نیز ساتویں صدی ہجری میں دریائی نالے خشک ہونے لگے تو منصورہ بے آباد ہو گیا۔

129 ھ تا 134 ھ کے عرصے میں خلیفہ مروان ثانی کے کمانڈر منصور بن جُمہور کلبی نے منصورہ (سندھ) میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی حتیٰ کہ خلیفہ منصور کے نامزد گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی نے آ کر اسے بیدخل کر دیا۔ 255 ھ / 868 ء کے بعد عمر بن عبدالعزیز ہباری نے منصورہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کی جس میں سندھ کے علاوہ کچھ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ پھر سلطان محمود غزنوی نے سومنات سے واپسی (1027 ء) پر ہباری خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ یوں پانچویں صدی ہجری میں منصورہ کی مرکزی حیثیت ختم ہو گئی، نیز ساتویں صدی ہجری میں اردگرد کے دریائی نالے خشک ہونے لگے تو منصورہ بتدریج ویران ہو گیا۔ علمائے منصورہ میں ''فقہ ظاہری'' کے امام قاضی ابوالعباس احمد بن محمد تمیمی، محدث فضل بن احمد منصوری، کتاب الادویہ کے مصنف عبدالوہاب فزاری اور ابراہیم بن حبیب فزاری نمایاں ہیں۔ ابراہیم نے ہندو مصنف برہم گپتا کی کتب ''کرن کھنڈر کھادیک'' (الارکند) اور برہم سدھانت (سند ہند) کا عربی میں ترجمہ کیا۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 685-676/21)

بحیرۂ روم کی فتوحات

1

قسطنطنیہ کی بحری مہم

2

مسلمانوں کے شام اور مصر پر قبضے اور مغرب کی طرف پورے ساحل افریقہ پر ان کی فتوحات کا دائرہ پھیلنے کے بعد پورا بحیرۂ روم اب ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ بحیرۂ روم کے پانیوں پر پہلے رومیوں کی کلی اجارہ داری تھی، مگر اب مسلمان بھی اس میں شریک اور غالب تھے، اس بنا پر رومی عیسائی شام اور مصر کو مسلمانوں سے واپس لینے میں ناکام رہے تھے۔

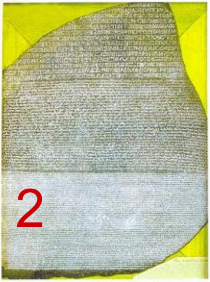
شروع میں مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی اس امر پر مرکوز تھی کہ بحیرۂ روم کے ساحل کا دفاع کیا جائے اور وہاں قلعے قائم کیے جائیں جہاں مجاہدین تعینات رہیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے انطاکیہ، عرقہ، طرابلس، جُبَیل، بیروت، صیدا، صور، عکا، تِنّیس [1]، دمیاط، بُرلّس [2]، رشید [3] اور اسکندریہ کے قلعے مضبوط بنائے گئے۔ اب مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے طویل ساحل کے دفاع کے لیے بحری بیڑا تیار کرنے کا تہیہ کیا۔ اس کے بعد انھوں نے رومیوں پر جتنے بھی حملے کیے اور ان کے خلاف جو بھی جنگیں لڑیں ان میں بحری بیڑا استعمال کیا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے جہاز رانی کے لیے اہل یمن کی خدمات حاصل کیں۔ بحری جہازوں کی تیاری کے لیے ایک کارخانہ اسکندریہ میں اور دوسرا عکا میں قائم کیا گیا۔

1 تِنّیس: یہ بحر مصر یا بحر اعظم (بحیرۂ روم) سے ملحقہ ایک جھیل (بحیرۂ تنیس) کے وسط میں ایک جزیرہ نما ہے جو فرما اور دمیاط کے درمیان واقع ہے۔ اس کے قریب سے دریائے نیل کی شاخ ''فرع تامیسی'' بہتی ہے جو جھیل تنیس (موجودہ بحیرۂ منزلہ) میں گرتی ہے۔ تنیس کی بنیاد تنیس بنت ملکہ دلوکہ نے رکھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوران سیاحت تنیس سے گزرے تھے اور انھوں نے یہاں کے باسیوں کو فراخیٔ رزق کی دعا دی تھی۔ قصبہ تنیس اور جھیل منزلہ کے جنوب میں تانیس (موجودہ صان الحَجَر) واقع ہے جو مصر کے چرواہے بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا۔

(معجم البلدان: 51/2، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 41/12' نیز دیکھیے نقشہ 92 کتاب ہذا)

2 بُرلّس (Borollos): یہ نیل کے ڈیلٹا کے شمال میں ایک ضلع نیز ایک جھیل کا نام ہے۔ یہ جھیل دریائے نیل کی دو شاخوں رشید اور دمیاط کے درمیان واقع ہے اور اسے بحیرۂ روم سے صرف ریت کے ٹیلوں کی تنگ پٹی جدا کرتی ہے۔ اس کا نام یونانی لفظ Paralos کی معرب شکل ہے جس کے معنی ہیں ''ساحلی علاقہ''۔ اب علاقہ بُرلّس صوبہ الغربیہ میں شامل ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 449/4)

3 رشید (Rosetta): یہ دریائے نیل کی شاخ رشید کے مغربی کنارے پر دہانے سے کوئی دس میل اُوپر واقع ہے۔ ماضی میں رشید سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر مربع شکل کا قلعہ تھا۔ 307ھ / 920ء میں طرطوس (شام) کے عباسی بیڑے نے یہاں عبیداللہ المہدی کے افریقی بیڑے کو شکست دی۔ 1799ء میں رشید کے نواحی علاقے سے وہ مشہور سنگ رشید دستیاب ہوا تھا جو اب برطانوی عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس پر ہیروغلفی، دیموطیقی اور یونانی تین زبانوں میں شاہ بطلیموس پنجم کا فرمان کندہ تھا جس کی مدد سے فرانسیسی عالم شمپولین نے ہیروغلفی رسم الخط کی کلید معلوم کر لی۔ (یوں فرعونی اہرام و مقابر میں کندہ نامعلوم تحریریں پڑھی جانے لگیں اور قدیم مصریات کا ایک پورا علم وجود میں آ گیا۔) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 263/10، المنجد في الأعلام)



حجر رشید جو علم مصریات کی کلید بن گیا (برٹش میوزیم، لندن)



ازمیر شہر کی نادر مسجد

پھر 34ھ/654ء میں ساحل لیکیا [1] کے پاس ''ذات الصواری'' نامی بحری جنگ ہوئی۔ مسلمان 200 بحری جہازوں میں سوار تھے جبکہ رومی جہازوں کی تعداد 500 تا 700 تھی۔ مسلمانوں نے اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح جنگ لڑی کہ دشمن کے جہاز کوئی معرکہ نہ مار سکے۔ انھوں نے رومی بحری بیڑا آناً فاناً تباہ کر دیا اور یہ بحری لڑائی میں مسلمانوں کی پہلی فتح تھی۔ اس کے بعد 42ھ/662ء میں قیصر روم کونستنس نے صقلیہ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں سے اپنے مقبوضہ ممالک اٹلی، صقلیہ اور افریقیہ کے دفاع کی تدبیریں کرنے لگا۔

ادھر مسلمانوں نے رومی سلطنت کے علاقوں پر بار بار یلغار کی، مثلاً: 43ھ/663ء کی سردیوں میں بُسر بن ارطاۃ کی قیادت میں غزوۂ قسطنطنیہ لڑا گیا، پھر ان کے زیرِ قیادت 44ھ میں ایک بحری جنگ ہوئی۔ 46ھ/666ء میں مالک بن ہبیرہ بن عبید کی سپہ سالاری میں روم کے علاقے میں ایک شاتیہ (سرمائی جنگ) لڑی گئی۔ ایک اور شاتیہ 47ھ میں مالک بن ہبیرہ السکونی کی قیادت میں سرزمین روم پر بپا ہوئی، پھر 48ھ/668ء میں ایک صائفہ (گرمائی جنگ) عبداللہ بن قیس فزاری کی قیادت میں، مالک بن ہبیرہ کی بحری لڑائی اور مصر کی طرف سے عقبہ بن عامر جہنی کے بحری حملے کے واقعات پیش آئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 49ھ/669ء میں سفیان بن عوف کی قیادت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک بحری مہم بھیجی۔ مسلمان قسطنطنیہ کی بندرگاہ تک جا پہنچے۔ اسی جنگ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس دوران میں مسلمانوں نے اِزمیر [2]، لیکیا، جزیرۂ روڈس [3]،

[1] لیکیا (Lycia): یہ جنوبی ترکی (ایشیائے کوچک) کے ساحل پر قدیم علاقہ ہے۔ اس کے بالمقابل 655ء میں ذات الصواری (مستولوں) کی بحری جنگ میں عربوں نے فتح پائی اور رومیوں کی بحری اجارہ داری کا خاتمہ ہوگیا (المنجد في الأعلام بہ عنوان ''لیقیا'')۔ ذات الصواری کے معرکے میں اسلامی فوج کی قیادت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

[2] اِزمیر: بحیرۂ ایجین کے ساحل پر ترکی کا یہ شہر ماضی میں سمرنا کہلاتا تھا۔ یہ صوبائی دارالحکومت ہے۔ ازمیر میں کئی بڑے زلزلے آئے۔ 1821ء اور 1922ء میں یہاں خانہ جنگی اور آتش زدگی کے واقعات پیش آئے (المنجد في الأعلام)۔ 1922ء میں یونانی قبضے کے دوران میں عیسائیوں نے مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے۔

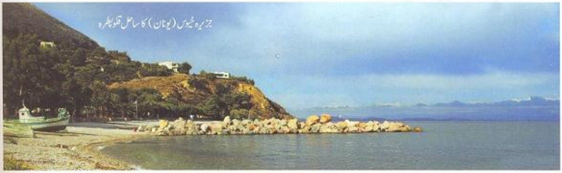
[3] روڈس: یہ مجمع الجزائر دوازدہ (Dodecanese) میں اناطولیہ کے جنوبی ساحل سے بارہ میل دور ہے۔ مسلمانوں نے 52ھ میں اسے فتح کیا اور اس کے دیو پیکر برنجی مجسمے (Clossus of Rhodes) کو توڑ پھوڑ کر حمص کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں روڈس صلیبی جنگجوؤں (Knights Templers) کا مرکز بن گیا جنھوں نے ازمیر پر قبضہ کرنے کے علاوہ اسکندریہ اور نیقیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ 1440ء میں مملوک بحری بیڑے نے روڈس کا ناکام محاصرہ کیا۔ 1480ء میں سلطان محمد فاتح نے اس کا محاصرہ کیا لیکن اس پر باقاعدہ عثمانی قبضہ دسمبر 1521ء میں ممکن ہوا۔ 1912ء کی جنگِ بلقان میں اس پر اٹلی قابض ہوگیا۔ 1947ء میں اتحادیوں نے اسے یونان کے حوالے کر دیا اور اب یہ یونانی حلقہ ڈوڈیکانیز کا صدر مقام ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 380,379/10)

کوس [1]، خیوس [2] اور ارواد [3] پر قبضہ کر لیا اور یہ مقامات ان کی مزید پیش قدمی کے مراکز بن گئے۔ 54ھ/673ء میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے طویل محاصرے کا آغاز کیا۔ وہ سردیوں میں محاصرہ اُٹھا لیتے، پھر گرمیوں میں جا محاصرہ کرتے۔ یہ محاصرہ 60ھ/679ء تک جاری رہا۔ اسی برس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر قسطنطین چہارم کے ساتھ 30 برس کے لیے صلح کر لی۔

98-99ھ/717-718ء میں عساکر اسلام نے ایک بار پھر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اس حملے میں مسلمانوں کے 1800 بحری جہاز شریک تھے مگر ناسازگار موسمی حالات اور نفت یونانی [4] کے باعث شہر فتح نہ ہوسکا۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مسلمہ بن عبدالملک کو واپس چلے آنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی بحری قوت کے آغاز کا سہرا اس وقت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے سر بندھا جب وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے والی تھے۔

2

مغرب میں اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ وہاں مسلمانوں کا بحری بیڑا بھی تھا جو بحیرۂ روم میں کارروائیاں کرتا تھا۔ یوں بحیرۂ روم کے مشرقی، جنوبی اور مغربی ساحلوں پر مسلمانوں کا تسلط تھا۔ اُنھوں نے اپنے بحری بیڑوں کو وسعت دینے کا کام جاری رکھا اور پہلے جزائر بحیرۂ روم کی جنگوں اور پھر اٹلی کے جنوبی اور مغربی ساحلوں اور مشرقی و شمال مغربی ساحلوں اور ساحل فرانس کی جنگوں میں بحری بیڑے استعمال کیے حتی کہ وہ اٹلی کے ساحل پر اتر کر سوئٹزرلینڈ تک پیش قدمی کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے روم پر بھی حملہ کیا اور پوپ جان ہشتم کو 25 ہزار مثقال سونے کی شکل میں سالانہ جزیے کی ادائیگی پر مجبور کر دیا۔



1 کوس (Cos): جزائر دوازدہ (Dodecanese) میں شامل یہ جزیرہ، روڈس کے مغرب میں واقع ہے۔

2 خیوس (Chios): یہ بحیرۂ ایجین میں ساحل ترکی کے نزدیک واقع یونانی جزیرہ ہے۔ عرب اسے ''ساقز'' کے نام سے جانتے تھے۔ (المنجد في الأعلام)

3 ارواد: قسطنطنیہ کے قریب واقع جزیرہ اَرواد جنادہ بن ابی امیہ نے عہدِ معاویہ میں 54ھ میں فتح کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں لوگوں کو آباد کیا۔ فتح اَرواد میں قاری مجاہد بن جبر اور تُبیع بھی شریک ہوئے تھے اور وہیں مجاہد رحمہ اللہ نے تُبیع کو قرآن پڑھایا (معجم البلدان: 162/1)۔ شام کا ایک جزیرہ بھی اَرواد کہلاتا ہے جو طرطوس کی بندرگاہ کے بالمقابل ساحل کے قریب واقع ہے۔ ماضی قدیم میں یہ فنیقی سلطنت کا دارالحکومت رہا۔ (المنجد في الأعلام)

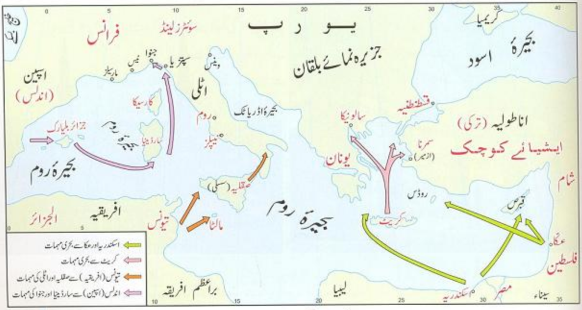
4 نفت یونانی یا النار الیونانیہ (Greek Fire): یہ دھماکہ خیز مواد تھا جو دشمن کے بحری جہازوں اور تحصیبات وغیرہ کو آگ لگانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ آگ شعلہ زن ہتھیار کے ذریعے سے لگائی جاتی تھی۔ اسے نفت یونانی (گریک فائر) کا نام اس لیے دیا جاتا تھا کہ اسے سب سے پہلے یونانیوں نے محاصرۂ قسطنطنیہ (673-78ء) میں استعمال کیا تھا۔ پانی سے مس ہوتے ہی یہ مواد بھڑک اٹھتا تھا اور غالبًا یہ نفت (Naphtha) یعنی خام پٹرولیم اور ان بجھے چونے (Quick lime) کا آمیزہ ہوتا تھا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 614)

2

بحیرۂ روم کے جزائر کی فتوحات

مؤرخین بحیرۂ روم کی جنگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ① مشرقی بحیرۂ روم کی جنگیں جن کا آغاز شام اور مصر سے ہوا۔ ان میں قبرص، روڈس، کریٹ، اور جزائر ایجین کی جنگیں شامل ہیں۔ ② مغربی بحیرۂ روم کی جنگیں جو تونس اور اندلس سے لڑی گئیں اور یہ صقلیہ، مالٹا، سارڈینیا اور جزائر بلیارک کی جنگیں ہیں۔ یہ جزائر اسلامی ساحلوں اور ان یورپی ساحلوں کے مابین آڑ بن گئے جو رومی اور فرنگی سلطنتوں کے تسلط میں تھے۔

قُبرص (سائپرس): بحیرۂ روم کا یہ جزیرہ ساحل ترکی سے 65 کلومیٹر اور ساحل شام سے 85 کلومیٹر دور ہے۔ اس کا رقبہ 9251 مربع کلومیٹر اور آبادی 7 لاکھ (سے اوپر) ہے۔ دارالحکومت نکوشیا ہے۔ اس کا یونانی نام Kypros ہے۔ اس وقت جزیرہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے: ''ترک جمہوریہ شمالی قبرص'' اور ''یونانی جمہوریہ قبرص'' (المنجد في الأعلام)۔ 69ھ/ 688ء میں خلیفہ عبدالملک اور قیصر جسٹینین دوم کے مابین معاہدے میں قبرص کا خراج نصف نصف بانٹنا طے پایا تھا۔ 1191ء میں تیسری صلیبی جنگ کے دوران میں شاہ انگلستان رچرڈ نے قبرص کو حکمران بازنطینی شہزادے سے چھین کر ٹمپلرز کے ہاتھ بیچ دیا۔ یوں فرنگی (Franks) چار سو سال اس پر حکمران رہے حتیٰ کہ خلیفہ سلیم دوم کے عہد (71-1570ء) میں قبرص فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ ترکوں نے غلامی منسوخ کر کے تمام غلام آزاد کر دیے، نیز یونانی کلیسا بحال کر دیا۔ جون 1878ء میں قبرص برطانیہ کی عملداری میں آ گیا۔ اگست 1960ء میں جزیرہ قبرص آزاد قرار پایا۔ 1974ء میں قبرصی یونانی جنرل گریواس نے حکومت پر قبضہ کر لیا تو ترکی نے (جزیرے کے یونان میں ضم ہونے کے خدشے سے) اپنی فوجیں جزیرے کے شمالی حصے میں اتار دیں جہاں قبرصی ترکوں کی اکثریت ہے اور وہاں ان کی حکومت قائم کر دی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/246-249)



نقشہ 116

بحیرۂ روم کی جہادی مہمات

یہ بات پیش نظر رہے کہ مؤرخین نے بُحیرۂ روم کی جن جنگی کارروائیوں کو غزوات یا جنگیں کہا ہے، ان میں سے اکثر باقاعدہ فتوحات نہیں بلکہ چھاپہ مار کارروائیاں تھیں جن کا مقصد دشمن پر اپنا رُعب بٹھانا اور مالِ غنیمت کا حصول تھا۔ اسی لیے غیر مسلم مؤرخین نے انھیں قَرْصَنَہ (سمندری ڈاکے) قرار دیا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ یہ تو دو مملکتوں کے درمیان جنگیں تھیں اور جنگوں میں ہر فریق دوسرے کی املاک چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ جس طرح مسلمان رومیوں کی املاک پر چھاپے مارتے تھے، اسی طرح رومی، مسلمانوں کے ساحلوں اور زیرِ قبضہ علاقوں پر چھاپہ مار کارروائیاں کرتے تھے اور ان کے بحری جہاز چھین لیتے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ابتدا میں جو چھاپہ مار کارروائیاں کیں وہ بعد میں مستقل فتوحات میں بدل گئیں۔ اس قسم کی فتوحات کے بارے میں ہمیں اس طرح کی تفصیلات نہیں ملتیں جس طرح عراق، ایران، شام اور مصر کی فتوحات کے متعلق میسر ہیں۔

2

مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے جو جزائر فتح کیے وہ درج ذیل ہیں:

① قبرص: یہ شام کی طرف سے 33ھ/653ء میں فتح ہوا۔

② روڈس: یہ بھی شام کی طرف سے 52ھ/672ء میں فتح کیا گیا۔

③ کریٹ: یہاں 210ھ/825ء میں اسکندریہ کی طرف سے اسلام کا پرچم لہرایا گیا۔

④ صقلیہ (سسلی): صقلیہ کی فتح 212ھ/827ء میں سوسہ (تونس) کی طرف سے عمل میں آئی۔

⑤ مالٹا: اسے بھی تونس کی طرف سے 256ھ/869ء میں فتح کیا گیا۔

⑥ جزائر بلیارک: یہ جزیرے 290ھ/902ء میں فتح ہوئے۔

⑦ سارڈینیا: اس جزیرے کی فتح 406ھ/1015ء میں عمل میں لائی گئی۔



نکوشیا (قبرص) کی سلیمیہ مسجد



کریٹ کی خانیہ مسجد

3

قُبرص اور روڈس کی فتح

امیر معاویہ ؓ نے قبرص کی پہلی بحری جنگ 27ھ / 647ء میں لڑی۔ اس سے پہلے مسلمان بحیرۂ روم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ معاویہ ؓ نے حضرت عمر ؓ سے اس جنگ کی اجازت لینے کے لیے حمص سے انھیں یہ باور کرانے کے لیے کہ قبرص ہمارے قریب واقع ہے، اس مضمون کا خط لکھا تھا:

”حمص کے قصبوں میں سے ایک قصبے کے لوگ قبرص کے کتوں کے بھونکنے اور مُرغوں کے بانگ دینے کی آوازیں سنتے ہیں۔“

حضرت عمر ؓ نے عمرو بن عاص ؓ کو لکھا کہ وہ انھیں بحیرۂ روم کی خصوصیات لکھ کر بھیجیں۔ تب عمرو ؓ نے امیر المومنین کو جواب لکھا:

”یہ (سمندر) ایک بہت بڑی مخلوق ہے جس پر بہت چھوٹی مخلوق (نسل انسانی) سواری کرتی ہے۔ اوپر آسمان ہوتا ہے اور نیچے پانی۔ اگر سمندر میں ٹھہراؤ آ جائے تو دلوں کو ہول آتا ہے اور اگر اس میں طوفان اُٹھے تو عقل گم ہو جاتی ہے۔ سمندر میں مسافر کا یقین کم ہوتا اور شک بڑھ جاتا ہے۔ اور سمندر (میں کشتی) کا سوار لکڑی پر کیڑے کے مانند ہوتا ہے۔ اگر لکڑی جھک جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے اور اگر کنارے جا لگے تو وہ خوشی سے چمک اٹھتا ہے۔“

امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے امیر معاویہ ؓ کو سمندری سفر کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت عثمان غنی ؓ نے 27ھ / 647ء میں انھیں اجازت دے دی، تاہم انھوں نے سمندری جنگ کے بارے میں مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے امیر معاویہ ؓ کو لکھا:

”اگر آپ جہاز پر سوار ہوں اور آپ کے ہمراہ آپ کی اہلیہ بھی ہو تو آپ کو بحری سفر کی اجازت ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو بحری سفر نہ کریں۔“

اور یہ بھی ہدایت کی کہ اس جنگ میں وہی لوگ شریک ہوں جو اپنے ارادے اور اختیار سے شرکت کریں۔

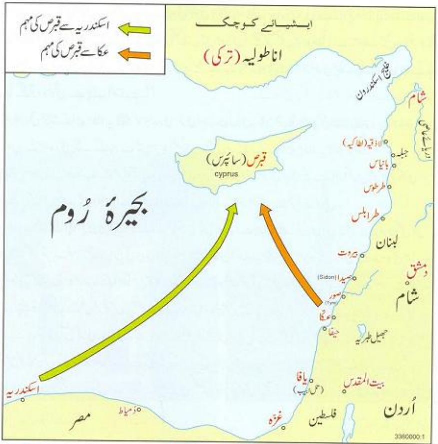
حضرت امیر معاویہ ؓ نے اپنا بحری بیڑا عکا سے روانہ کیا جس میں بہت سے جہاز تھے۔ ان کی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ عبادہ بن صامت ؓ بھی شریک غزا تھے اور ان کی بیوی ام حرام بنت ملحان انصاریہ ؓ بھی ہمراہ تھیں۔ ان کے علاوہ کئی صحابہ ؓ اس مہم میں شریک تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے موسم سرما کے اختتام پر عکا سے لنگر اٹھاتے وقت شہر کی فصیل کو مرمت کرایا۔ پھر جب مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ بھی آن پہنچے تو انھوں نے مل کر قبرص پر لشکر کشی کی۔ جب وہ قبرص کے پاس جا کر لنگر انداز ہوئے تو وہاں کے حاکم نے مسلمانوں کو 7200 دینار ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس نے رومیوں سے بھی ایسی ہی شرط پر صلح کر رکھی تھی۔ اس طرح وہ اس شرط پر دوہرا خراج ادا کرتا تھا کہ مسلمان اہلِ قبرص کو رومیوں کے ساتھ مصالحت سے منع نہیں کریں گے۔ اس مہم سے واپسی پر ام حرام ؓ جب جہاز سے اتر کر سواری کے جانور پر بیٹھیں تو گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی انھیں بذریعہ وحی یہ خبر دے دی تھی۔[1] پھر 32ھ / 652ء میں اہلِ قبرص نے

[1] صحیح البخاري، الجهاد و السیر، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء، حدیث: 2788، وصحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الغزو في البحر، حدیث: 1912.

مسلمانوں کے خلاف جنگ میں رومیوں کی جہازوں سے مدد کی، چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 33ھ میں 500 جہازوں کے ساتھ حملہ کر کے قبرص فتح کر لیا، پھر انھوں نے قبرص والوں کی صلح بحال کر دی۔ قبرص پر قبضہ کرنے والے اسلامی لشکر کی نفری 12 ہزار تھی۔ انھوں نے وہاں مسجدیں بنائیں اور بعلبک سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے وہاں پہنچ کر ایک شہر آباد کیا۔ پھر جب وہاں بغاوت ہوئی تو اس جزیرے پر کئی لڑائیاں لڑی گئیں جن کی تفصیلات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو ان کے فرزند یزید نے قبرص میں تعینات جیشِ شام واپس بلا لیا اور وہاں آباد کردہ شہر مسمار کر دینے کا حکم دیا۔

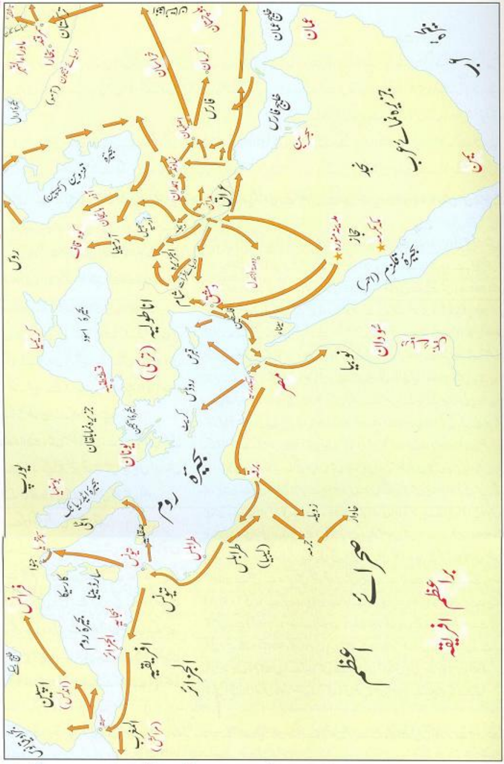
روڈس

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنادہ بن ابی امیہ ازدی نے 52ھ/672ء میں روڈس پر یلغار کی اور اسے فتح کر لیا۔ مسلمان سات سال اس جزیرے میں ایک قلعے میں مقیم رہے۔ اس دوران میں انھوں نے 54ھ/673ء میں قسطنطنیہ کے قریب واقع جزیرۂ ارواد (کزیکوس) بھی فتح کر لیا۔ پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ان کے فرزند یزید نے جنادہ بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قلعہ مسمار کر کے واپس چلے آئیں جیسے کہ انھوں نے قبرص میں کیا تھا۔



نقشہ 117

عکا اور اسکندریہ سے فتح قبرص



نقشہ 118

عہد بنی امیہ میں فتوحات اسلامیہ کی وسعت (ماوراء النہر سے فرانس تک)

4

اقریطش یا کریٹ (Crete) کی فتح

اسلام میں سب سے پہلے جس نے کریٹ پر حملہ کیا وہ جنادہ بن ابی امیہ ازدی تھے جنھوں نے عہد معاویہ 55ھ/674ء میں اس جزیرے پر یلغار کی۔ پھر عہد یزید بن معاویہ میں جنادہ نے کریٹ کا کچھ حصہ فتح کیا،[1] تاہم وہ اس وقت شام لوٹ آئے جب مسلمانوں کا محاصرۂ قسطنطنیہ (60ھ/679ء) ناکام رہا۔ جنادہ نے 80ھ/699ء میں رحلت کی۔

پھر حمید بن معیون (یا ''بن معیوف'') نے کریٹ پر لشکر کشی کی جسے ہارون الرشید نے ساحل شام کا والی مامور کیا تھا۔ حمید نے کریٹ فتح کر لیا (190ھ/805ء)، پھر مسلمان اسے چھوڑ کر چلے آئے۔

211ھ/826ء میں مسلمانوں نے دس یا بیس بحری جہاز کریٹ روانہ کیے جو کثیر تعداد میں قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ اس مہم میں انھوں نے اس جزیرے کو اچھی طرح کھنگالا تھا۔

کریٹ کی وہ فتح جس کے نتیجے میں یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی، اس کے متعلق ہمارے پاس تفصیلات نہیں ہیں جن سے اس فتح کے واقعات کی تصویر کشی میں مدد مل سکے۔ دراصل اندلس کے امیر حَکَم بن ہشام اموی کے عہد میں غالبًا 13 رمضان 202ھ/25 مارچ 818ء کو دریا کے کنارے آباد محلّہ

اقریطش (کریٹ): 135 اور 350 برس کے دو اسلامی ادوار میں

یہ صقلیہ، سارڈینیا اور قبرص کے بعد بحیرۂ روم کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ابوحفص عمر البلوطی کے ہاتھوں کریٹ کی فتح کے بعد یہ جزیرہ 135 برس مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ 961ء میں بازنطینی سپہ سالار نقفور س فوکاس نے کئی ماہ کے محاصرے کے بعد الخندق (کینڈیا) پر قبضہ کر لیا اور پھر جزیرے کے باقی حصے بھی مسخر کر لیے۔ اقریطش کے آخری امیر عبدالعزیز کا انتقال قسطنطنیہ میں ہوا اور اس کے لڑکے ''انیماس'' (Anemas) نے قیصر روم کی ملازمت اختیار کر لی۔ مسلم آبادی اس جزیرے کو چھوڑ کر چلی گئی اور جو باقی رہے انھیں عیسائی بنا لیا گیا۔ 1304ء میں یہ جزیرہ اہل وینس کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ 1645ء میں ترکوں کے مصر جانے والے جہازوں پر وینس والوں نے حملہ کیا تو عثمانیوں نے پہلے خانیہ (Kanea) اور ریتھو (Rethymno) فتح کر لیے اور پھر 21 برس کے محاصرے کے بعد 1669ء میں کینڈیا بھی سر کر لیا۔ ترک، کریٹ پر سوا دو سو برس حکمران رہے۔

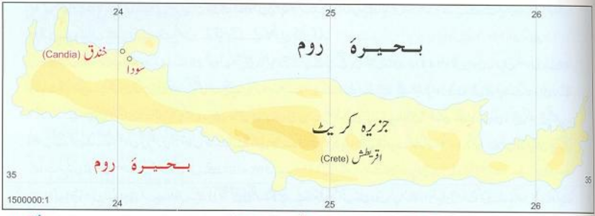
1897ء میں خانیہ کے گلی کوچوں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، پھر یورپی طاقتوں اور یونان نے اپنی افواج جزیرے پر اتار دیں۔ اس کے نتیجے میں یونان اور ترکی میں جنگ ہوئی جو یونان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ 1898ء میں جرمنی اور آسٹریا نے اپنی افواج واپس بلا لیں مگر برطانیہ، فرانس، اٹلی اور روس نے اس جزیرے کو چار حصوں میں بانٹ لیا۔ نومبر 1898ء میں آخری ترک سپاہ بھی جزیرہ خالی کر کے چلی گئی۔ اسی ماہ یونانی شہزادہ جارج کریٹ کا ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ مسلمان بے بسی کے عالم میں کثیر تعداد میں یہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔ معاہدۂ لندن (1913ء) کی رو سے کریٹ یونان کے حوالے کر دیا گیا۔ 1941-45ء میں کریٹ پر نازی جرمن قابض رہے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/24-28)۔ یوں بحیرۂ روم کا خوبصورت جزیرہ کریٹ پہلی مرتبہ 826ء تا 961ء اور دوسری بار 1521ء تا 1898ء مسلمانوں کے قبضے میں رہنے کے بعد آج پھر عیسائیوں (یونانیوں) کے تسلط میں ہے اور وہاں شاید ہی کوئی اسلام کا نام لیوا ہوگا۔ کریٹ کی یہ تاریخ اسپین (اندلس) اور صقلیہ (سسلی) کی طرح اہلِ اسلام کے لیے عبرتناک ہے!

[1] اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں ''عہد یزید بن معاویہ'' کے بجائے ''عہد ولید'' میں جنادہ کے ہاتھوں کریٹ کے کچھ حصے کی فتح کا ذکر ہے جو درست نہیں کیونکہ جنادہ 80ھ میں رحلت کر گئے جبکہ ولید بن عبدالملک کا عہد خلافت 86ھ سے 96ھ تک تھا۔

"الربض القبلی"[1] کے لوگوں نے امیر کے خلاف بغاوت کردی لیکن شاہی فوجوں نے ان پر قابو پالیا اور تین دنوں میں دس ہزار سے زائد باغی ہلاک کردیے۔ جو باقی بچے وہ تتر بتر ہوگئے۔ ان میں سے ایک گروہ سمندر پار کر کے مغرب (مراکش) کے شہر فاس میں جا بسا۔ اس دوران میں دوسرے گروہ کا کیا حشر ہوا، اس میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ 15 ہزار (محتاط اندازے کے مطابق 4 ہزار) باغی 40 جہازوں میں سوار ہو کر اسکندریہ روانہ ہوئے۔ ان دنوں بحیرۂ روم کے ساحلوں پر جو فتنے اٹھ رہے تھے وہ ان میں کود پڑے حتی کہ ابوحفص عمر بن عیسٰی بن شعیب البلوطی الاندلسی کی قیادت میں وہ اسکندریہ پر قابض ہوگئے اور حکومت کرنے لگے۔ ان کے بارے میں تواریخ میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ لوگ اندلسی تھے مگر ان کا الربض القبلی کی بغاوت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

خلیفہ مامون عباسی نے 210ھ / 825ء میں اپنے سپہ سالار عبداللہ بن طاہر کو خراسانیوں کا ایک لشکر دے کر بھیجا جس نے ان پر غلبہ پا کر ان سے اسکندریہ چھین لیا۔ اندلسی باغیوں نے اس وعدے پر امان طلب کی کہ وہ سلطنت روم کے اطراف کے کسی علاقے کی طرف نکل جائیں گے۔ ان کی



نقشہ 119

ابوحفص عمر البلوطی کے ہاتھوں فتح کریٹ (اقریطش 210ھ)

[1] سلطانِ اندلس حکم بن ہشام کے عہد (180ھ تا 206ھ) میں افریقہ اور ایشیا کے غلاموں اور حربی قیدیوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا تھا۔ عجمیوں اور عیسائیوں کی اس بھرتی پر مالکی فقہاء و علماء کے زیر اثر گروہ نے، جو قرطبہ شہر میں وادی الکبیر کے جنوبی کنارے کے محلے (الرَّبَض القبلی) میں آباد تھے، قصر سلطانی پر حملہ کر کے امیر حکم کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ دریں اثنا امیر کے حکم پر ان کے چچا زاد بھائی اصبغ بن عبداللہ نے محاصرے سے نکل کر وادی الکبیر پار کیا اور جنوبی محلے میں جا کر آگ لگا دی۔ قصر سلطانی کا محاصرہ کرنے والے باغیوں نے یہ دیکھا تو وہ اپنے مکانوں کو بچانے کے لیے اس طرف دوڑے اور قصر باغیوں سے خالی ہوگیا۔ امیر حَکم نے اپنے محافظ دستے کے ساتھ باغیوں کا پیچھا کیا۔ اُدھر سے اصبغ کی فوج نے اور اِدھر سے امیر نے باغیوں کو خوب قتل کیا، اور ہزاروں باغی گرفتار کر لیے گئے۔
امیر حکم اس قدر حاضر دماغ اور مستقل مزاج تھا کہ جب باغیوں نے قصر سلطانی کا محاصرہ کر رکھا تھا تو وہ ہرگز پریشان نہ ہوا بلکہ امیر نے اپنے خدمتگار حسن سے بالوں میں لگانے کے لیے خوشبودار تیل منگوایا۔ حسن نے جرأت کر کے کہا کہ باغیوں نے قصر سلطانی کے کواڑوں کو آگ لگا دی ہے اور وہ لوگوں کو قتل کرتے مارتے بڑھے چلے آتے ہیں، اِدھر آپ کو تیل لگانے اور زینت کرنے کی سوجھی ہے۔ امیر نے جواب دیا: "احمق! اگر میں اپنے بالوں میں خوشبودار تیل نہ لگاؤں تو باغیوں کو میرا سر کاٹتے وقت کیسے پتہ چلے گا کہ یہ بادشاہ کا سر ہے۔" (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 2/111-113)



''سفید پہاڑ'' اور خلیج سوداء (کریٹ)

درخواست قبول کر لی گئی اور انھوں نے اقریطش چلے جانا پسند کیا۔ اس جزیرے کی زمین سلطنت روم میں زرخیز ترین تھی۔ وہ چالیس جہازوں میں کریٹ کے ساحل پر اُترے۔ اس بنا پر ان کا قائد ابوحفص عمر اقریطشی کہلایا۔ وہاں انھوں نے ایک بلند میدان کو اپنا مرکز بنایا جس کے اردگرد لکڑیوں کی حفاظتی باڑ کھڑی کر لی جسے خاراکس (Charaa) یعنی ''دیوار'' کہا جاتا تھا۔ پھر وہ ایک زیادہ محفوظ جگہ منتقل ہوگئے اور اس کے چاروں طرف ایک خندق کھود لی۔ اس خندق کو مقامی یونانی زبان میں Candia یا Chandar کہا گیا۔ یہ مقام جزیرے کے شمالی ساحل کے مغرب میں خلیج سوداء میں واقع تھا۔ [1] عجیب بات یہ ہے کہ وہ لوگ جزیرے کے شمالی ساحل پر لنگر انداز ہوئے، حالانکہ وہ جنوب سے آئے تھے۔ کریٹ کا جنوبی ساحل جس نوعیت کا ہے اس کے پیشِ نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس پر اپنا مرکز بناتے۔ انھیں پہلے اندلس اور پھر اسکندریہ سے نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا، لہٰذا وہ جزیرے کے اس حصے پر اُترے جسے انھوں نے قیام کے لیے بہترین خیال کیا۔

ابوحفص نے کریٹ (اقریطش) کے 29 شہروں کو مطیع بنا لیا اور جزیرے کی فتح کی تکمیل 230ھ/844ء میں ہوئی۔ وہاں انھوں نے 40 مقامات آباد کیے۔ چونکہ ان لوگوں کی تعداد کم تھی اور پیچھے مراکز اسلام سے ان کے رابطے کٹ چکے تھے، لہٰذا انھوں نے اہل جزیرہ سے سسرالی رشتے استوار کر لیے، ان کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ یوں خاصی تعداد میں بچوں نے جنم لیا جن کے باپ اندلسی مسلمان تھے اور ان کی مائیں کریٹی تھیں۔ انھوں نے کریٹ کے جنگلوں کی لکڑی استعمال کر کے اپنے بحری بیڑے کو مضبوط بنایا اور اس جزیرے کو مرکز بنا کر اردگرد کے ان جزیروں پر جنگی مہمات سر کیں جو رومی سلطنت کی عملداری میں تھے۔

رومی بادشاہوں نے دو بار کریٹ واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ پہلی کوشش میں رومی سپہ سالار دامیان مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا۔ دوسری مہم میں ان کا سپہ سالار جہاز میں بیٹھ کر فرار ہوگیا مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا اور مار ڈالا۔ رومی سلطنت کی طرف سے مستقل خطرے کے پیشِ نظر ان مسلمانوں نے مصر کی ماتحتی اختیار کر لی جو کہ ان دنوں سلطنت عباسیہ کی عملداری میں تھا۔

214ھ/829ء میں کریٹ کے بحری بیڑے کو جزیرہ تھاسوس [2] کے قریب رومی بیڑے پر فتح حاصل ہوئی، پھر مسلمانوں نے اناطولیہ کے ساحل پر حملہ کر دیا اور جزائر سیکلر (Cyclades) اور دیگر رومی جزائر پر دھاوے مارے۔ قیصر تھیوفیلوس (26-214ھ/40-829ء) اور مائیکل سوم (52-226ھ/66-840ء) کے ادوار میں جزیرہ متیھلین پر حملے کیے گئے۔ پھر 23 جمادی الآخرہ 229ھ/18 مارچ 843ء کو رومی سپہ سالار تھیوکٹیسٹ ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ کریٹ پر حملہ آور ہوا۔ شروع میں اسے فتح حاصل ہوئی مگر پھر وہ شکست کھا کر بھاگ نکلا اور کریٹ کے اسلامی بیڑے کی دوبارہ سلطنت قسطنطنیہ کے ساحلوں پر دھاک بیٹھ گئی۔

1 یونان کے موجودہ نقشوں میں ''خندق'' کو Chania لکھا جاتا ہے اور اسے خلیج سوداء پر واقع شہر ''سوداء'' (Souda) کے مغرب میں دکھایا جاتا ہے۔
(ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 117)

2 تھاسوس: بحیرۂ تھریس میں واقع یہ جزیرہ صدیوں ترکوں کے پاس رہا مگر اب یونان میں شامل ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 117)



قدیم کورنتھ کے آثار



2

شام کی بندرگاہ طرطوس

یوم عرفہ 238ھ/22 مئی 852ء کو 300 رومی بحری جہازوں نے دمیاط کی بندرگاہ پر دھاوا بولا کیونکہ مصر کریٹ کے مسلمانوں کے لیے مرکز کا کام دیتا تھا۔ رومیوں نے مسلمانوں کی محافظ فوج کی غیر موجودگی میں 1600 عورتوں کو قیدی بنا لیا جن میں سے 125 مسلمان تھیں۔ انھوں نے شہر میں لوٹ مار کی، اور اس کی مساجد اور کلیسا جلا دیے، پھر وہ دمیاط سے نکل کر اشتوم تنیس پر حملہ آور ہوئے، وہاں بھی لوٹ مار کی اور پھر اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔

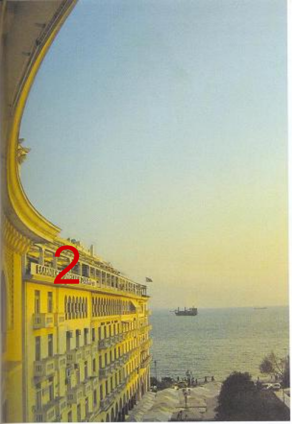
248ھ/862ء میں کریٹ کے بحری بیڑے نے جزیرہ آتوس پر حملہ کیا اور 252ھ/866ء میں جزیرہ نیون پر دھاوا کیا جو کہ آتوس کے قریب ایک چھوٹا جزیرہ ہے۔ اسے انھوں نے اپنا اڈا بنا لیا۔ رومی، کریٹ کے مسلمانوں کی ان چھاپہ مار مہمات کو روکنے میں ناکام رہے۔ 266ھ/879ء میں رومی بیڑے نے نیکتاش اریوا کی قیادت میں کریٹی بیڑے کو خلیج کورنتھ [1] کی جنگ میں تتر بتر کر دیا۔ پھر مسلمانوں کی بحری مہمات 20 سال تک رکی رہیں۔ اس کے بعد انھوں نے پھر طاقت پکڑی، سیکلر کی جنگ جیتی اور بحیرۂ مرمرہ تک دھاوے مارے۔

شام کی بندرگاہ طرطوس [2] میں لیو طرابلسی کے زیرِ قیادت جو اسلامی بحری بیڑا تعینات تھا، اس کے تعاون سے کریٹ کے بحری بیڑے نے 291ھ/904ء میں تھسلی کے ساحل پر سالونیکا اور

سالونیکا: تھسلونیکی (Thessaloniki) یا سالونیکا شمال مشرقی یونان کی ایک بندرگاہ ہے۔ اس کی 315 ق م میں بنیاد پڑی تھی۔ 1430ء میں اس پر عثمانی ترک قابض ہوئے اور 1912ء میں یہ عثمانیوں کے قبضے سے نکل گیا۔ ان دنوں سالونیکا یونان کا دوسرا بڑا شہر ہے (آبادی تقریباً 4 لاکھ) اور یونان کے صوبہ وسطی مقدونیہ (Kentriki Makedonia) کا دارالحکومت ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1498، ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 117)۔ عثمانی خلافت کو ختم کر کے ترکی کو سیکولر سٹیٹ بنانے والا مصطفیٰ کمال پاشا سالونیکا میں پیدا ہوا تھا۔

1 کورنتھ: خلیج کورنتھ اسی نام کے شہر سے موسوم ہے جو جزیرہ نما پیلو پونیز کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ خلیج کورنتھ اس جزیرہ نما کو وسطی یونان سے الگ کرتی ہے۔ جدید کورنتھ شہر قدیم کورنتھ کے شمال مشرق میں 1858ء میں آباد کیا گیا جبکہ قدیم کورنتھ قدیم یونان کی ایک مشہور شہری ریاست تھا جہاں (مسیحیت کے بانی) سینٹ پال (پولوس) نے اپنی تعلیمات کا پرچار کیا تھا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:319)

2 طرطوس: فاضل مؤلف کو اشتباہ ہوا، چنانچہ اٹلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں ''طرطوس'' کی جگہ ''طرسوس'' درج ہے، حالانکہ طرسوس ترکی (اناطولیہ) کی بندرگاہ مرسین کے شمال مشرق میں ساحل سے ہٹ کر واقع ہے جبکہ طرطوس شام کی بندرگاہ ہے جو بانیاس اور حمیدیہ کے ساحلی شہروں کے درمیان واقع ہے (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ:142-144)۔ 1099ء میں صلیبیوں نے طرطوس پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان (محمد بن) قلاوون نے 1291ء میں اسے آزاد کرایا۔ (المنجد فی الاعلام: ص356)



سالونیکا (یونان) کا ساحل

ساکا پر یلغار کی جس میں 22 ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے جو طرابلس الشام اور الخندق (کریٹ) کے بازاروں میں فروخت کر دیے گئے۔

چند برس بعد 298ھ / 910ء میں رومی بیڑے نے کریٹ پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ یوں کریٹ تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں مشرقی بحیرۂ روم کے اسلامی بحری اڈوں میں اہم ترین حیثیت اختیار کر گیا حتی کہ رومی قیصر رومانوس ایکیپنوس نے 312ھ /924ء میں جزیرہ لمنوس [1] کے قریب لیو طرابلسی کو شکست دی، پھر رومی سپہ سالار نقفور دستق نے یکم محرم 350ھ / 20 فروری 961ء کو ایک بہت بڑے بحری بیڑے کے ساتھ کریٹ پر حملہ کیا جس میں 2600 جنگی جہاز تھے اور 1360 امدادی جہاز ان کے علاوہ تھے۔ بعض جہازوں پر اڑھائی اڑھائی سو چپو چلانے والے چار صفوں میں تعینات تھے۔ اس بحری بیڑے نے چاروں طرف سے جزیرے کے ساحلوں کو گھیر لیا۔ کریٹ کے مسلمانوں نے جزیرے کے دفاع میں جان کی بازی لگا دی مگر باہر سے کوئی ایک مسلمان بھی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ آخر 16 محرم 350ھ / 7 مارچ 961ء کو مسلمانوں کے مرکزی شہر الخندق پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔ یوں رومیوں نے کریٹ واپس لے لیا۔ اس وقت مسلمانوں کو یہاں حکمرانی کرتے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ مسلمان شکست کھا گئے تو قیصر روم ارمانوس بن قسطنطین نے امیر کریٹ عبدالعزیز بن عبدالعزیز بن شعیب کے ہاتھ سے جزیرے کی حکومت چھین لی۔ اس کے بعد 354ھ / 965ء میں رومیوں نے قبرص پر قبضہ کر لیا۔ [2] یوں مشرقی بحیرۂ روم میں دوبارہ رومیوں کی سمندری برتری قائم ہو گئی۔

[1] لمنوس (Limnos): یہ جزیرہ ترکی اور یونان کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحیرۂ تھریس ہے اور جنوب میں بحیرۂ ایجین (ارخبیل)۔ لمنوس صدیوں عثمانی ترکوں کے زیر قبضہ رہا مگر اب یہ یونان میں شامل ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 117)

[2] یزید بن معاویہ نے اگرچہ قبرص خالی کر دیا تھا لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کا قبرص پر تسلط چلا آ رہا تھا۔ 69ھ میں عبدالملک بن مروان اور قیصر جسٹینین دوم کے درمیان قبرص کا خراج باہم بانٹ لینے کا معاہدہ طے پایا، نیز خلیفہ ولید ثانی نے 125ھ میں جن قبرصی باشندوں کو ملک بدر کر کے شام بلا لیا تھا، یزید بن ولید نے انھیں واپس بھجوا دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/247)



پلرمو کے نارمن گرجے میں سابقہ مسجد کے ستون کا ایک حصہ جس پر قدیم کوفی رسم الخط کی تحریر نمایاں ہے

5

فتح صِقلیہ

صقلیہ (سسلی) رقبے میں بحیرۂ روم کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اسے جنگی سٹرٹیجی اور اچھی بندرگاہوں کے لحاظ سے اوروں پر برتری حاصل ہے۔ مسلمانوں نے صقلیہ کے لیے پہلی جنگ 46ھ/ 666ء میں عبداللہ بن قیس فزاری کی قیادت میں لڑی۔ انھیں خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں افریقیہ سے معاویہ بن حُدَیج نے مامور کیا تھا۔ ہمیں اس جنگ کی تفاصیل میسر نہیں، بس یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ غلام اور مال غنیمت ساتھ لیے لوٹ آئے تھے۔

پھر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے 49ھ/ 669ء میں مصری فوج کے ساتھ صقلیہ پر حملہ کیا۔ ان کے بعد عطاء بن رافع ہذلی نے 83ھ/ 702ء میں مصری بیڑے کے ساتھ اس پر دھاوا بولا۔ پھر موسیٰ بن نُصَیر کی گورنری میں عیاش بن اجیل نے ''المغرب'' کے بحری بیڑے کے ساتھ صقلیہ پر یلغار کی اور سرقوسہ کی جنگ میں عیسائیوں کو شکست دی اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا، پھر 86ھ/ 705ء میں اس نے اس جزیرے پر دوبارہ حملہ کیا۔

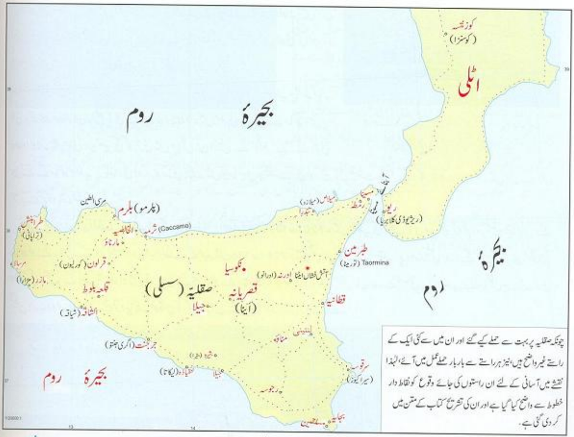
خلیفہ یزید بن عبدالملک کے عہد میں محمد بن ادریس انصاری نے 102ھ/ 720ء میں صقلیہ کی جنگ لڑی اور کثیر غنائم اور جنگی قیدیوں کے ساتھ لوٹے۔ اس کے بعد ہشام بن عبدالملک کے عہد میں 108ھ/ 726ء میں قثم بن عوانہ نے صقلیہ پر دھاوا کیا اور اگلے سال بشر بن صفوان صقلیہ کی جنگ کے بعد کثیر تعداد میں قیدیوں کے ہمراہ لوٹے، پھر 113ھ/ 731ء میں مستنیر بن حارث حُریشی نے صقلیہ کے ساحل پر جنگ لڑی لیکن جب وہ لوٹ رہے تھے تو اچانک طوفان آ گیا اور ان کے جہاز سمندر میں ڈوب گئے۔

سرقوسہ (سیراکیوز) کی بندرگاہ



خلیفہ ہشام ہی کے عہد میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے پوتے حبیب بن ابی عبیدہ نے 116ھ/734ء میں صقلیہ پر دھاوا بولا اور رومی جہازوں کو شکست دی۔ دوسری بار 122ھ/739ء میں حبیب کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی شریک جہاد تھا۔ عبدالرحمٰن کو اس کے باپ نے گھڑ سوار دستے کا سالار مقرر کیا اور وہ لڑتا مارتا سرقوسہ (Syracuse) تک پہنچ گیا جو صقلیہ کا دارالحکومت تھا۔ اہلِ سرقوسہ نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ عبدالرحمٰن جزیہ لے کر اپنے باپ کے پاس چلا آیا اور پھر دونوں افریقیہ واپس آ گئے۔ پھر 130ھ/747ء میں عبدالرحمٰن بن حبیب نے صقلیہ اور افریقیہ کے وسط میں واقع جزیرہ قوصرہ پر قبضہ کر لیا۔ 135ھ/752ء میں عباسی دور میں عبدالرحمٰن نے ایک بار پھر صقلیہ پر حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے لوٹ آیا۔ اس دوران میں مسلمان فتنوں میں مبتلا رہے، چنانچہ رومیوں نے صقلیہ پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا اور وہاں ہر پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کر لیا۔

صقلیہ کی یہ تمام فتوحات مستقل قبضے کے لیے عمل میں نہیں لائی گئیں بلکہ ان کی حیثیت بس یہ تھی کہ مسلمان بحری مہم پر نکلتے، جزیرے کے ساحل پر

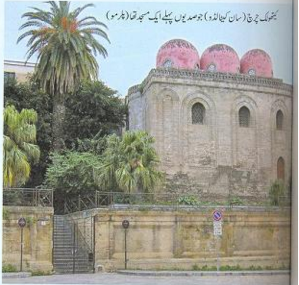


نقشہ 120

صقلیہ (سسلی) کی فتح (211ھ)

صِقلیہ: اسلامی تہذیب کا گہوارہ

بحیرۂ روم کے وسط میں واقع اٹلی کا جزیرۂ سِسلیہ (Sicilia) یا سِسلی فنقی، یونانی، رومی اور اسلامی تہذیبوں کا گہوارہ رہا۔ فنقی یہاں 734 ق م میں سرقوسہ (Syracuse) میں آباد ہوئے۔ 209 ق م میں قرطاجنی سپہ سالار ہنی بال نے سِسلی پر یلغار کی۔ ان فنقی جنگوں (Punic Wars) میں سِسلی بڑی طرح متاثر ہوا۔ اسلامی عہد میں بلرم (Palermo) صقلیہ کا دارالحکومت رہا۔ یہیں سے ابراہیم بن عبداللہ بن اغلب نے 220ھ تا 236ھ / 835ء تا 851ء صقلیہ پر آن بان سے حکومت کی حتی کہ نیپلز (اٹلی) کے ساتھ اس نے 50 سال کے لیے رشتۂ اتحاد قائم کیا اور اہلِ نیپلز نے مسینا (صقلیہ) کی بندرگاہ کے محاصرے اور فتح (843ء) میں مسلمانوں کی مدد کی۔ اس کے بعد ابراہیم نے سرزمین اٹلی پر حملوں کی ابتدا کی اور برندزی اور طارنت پر قبضہ کرلیا جس سے بحیرۂ ایڈریاٹک کا سارا ساحل ان کی زد میں آ گیا۔ دریں اثنا افریقیہ میں عُبیدی (فاطمی) حکمران ہوئے اور صقلیہ بھی ان کے تسلط میں آ گیا تو اس جزیرے میں مسلمانوں کی باہمی کشاکش کا آغاز ہوا۔ دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے یہاں بنوکلب خاندان برسرِ اقتدار آیا جو بتدریج خودمختار ہو گئے۔ اس دوران میں جزیرے کا مشرقی حصہ کم وبیش بازنطینیوں کے قبضے میں رہا اور اسلامی صقلیہ ان سُنّی مسلمانوں کے لیے پناہ گاہ بن گیا جو افریقیہ میں فاطمی اقتدار برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کلبی حکمرانوں کی عیش طلبیوں اور سازشیوں کے نتیجے میں زوال نے آ لیا اور بلرم، اطرابنش (ترا پانی)، مازر، جرجنت اور اقطانیہ میں الگ الگ ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ آخر کار بلرم (پلرمو) اور سرقوسہ کے حکمران ابن ثمنہ نے اپنے برادرِ نسبتی سے ہار کر جنوبی اٹلی کے نارمن حکمران کاؤنٹ راجر کو صقلیہ کی پیشکش کر ڈالی۔ یوں فروری 1061ء میں نارمن صقلیہ میں اترنے شروع ہوئے اور 1072ء میں بلرم پر قابض ہونے کے بعد 1091ء تک وہ تمام جزیرے پر چھا گئے۔ مشہور مسلمان جغرافیہ نویس شریف الادریسی نارمن حکمران راجر (دوم) کے دربار سے وابستہ تھا۔ (کہا جاتا ہے کہ اس نے جغرافیہ کی کتاب نزهة المشتاق تصنیف کی، نیز چاندی کے قرص پر راجر کے لیے دنیا کا نقشہ بنایا تھا جو ایک طرح کا پہلا گلوب تھا۔) فریڈرک دوم کے خلاف 640ھ / 1242ء میں محمد بن عباد اور اس کی بیٹی نے زبردست بغاوت کی مگر شکست کھائی۔ بچے کھچے لوگ لوسیرا (واقع ''پگلیا'' یا ''اپولیا'') جنوبی اٹلی منتقل کر دیے گئے جہاں وہ محنت مزدوری کر کے گزارا کرتے رہے۔ 1257ء میں اُنھوں نے آنجو (فرانس) کے والی چارلس اول کے خلاف سر اُٹھایا۔ آخر کار چارلس دوم آف آنجو نے اگست 1300ء میں اُنھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ صقلیہ کا رقبہ 25708 مربع کلومیٹر اور آبادی 51 لاکھ ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 12/149-165، 2/251، المنجد في الأعلام)۔ اندلس (اسپین) اور جزیرہ اقریطش (کریٹ) کے علاوہ جزیرہ صقلیہ یورپ کا تیسرا علاقہ تھا جو 263 سال عرب مسلمانوں کے زیر تسلط رہنے کے بعد واپس عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا اور وہاں کے مسلمان حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ اسی لیے شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ نے صقلیہ کو ''تہذیبِ حجازی کا مزار'' قرار دیا ہے۔ 1931ء میں گول میز کانفرنس (لندن) میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے ان کا بحری جہاز سِسلی کے ساحل کے نزدیک سے گزرا تو انھوں نے ''صقلیہ (جزیرۂ سِسلی)'' کے عنوان سے جو پُردرد نظم کہی، اس کے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔


کیتھولک چرچ (سان کیٹالڈو) جو صدیوں پہلے ایک مسجد تھا (پلرمو)

رو لے اب دل کھول کے اے دیدۂ خوننابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
آہ! اے سِسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تُو
غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

(کلیاتِ اقبال، بانگِ درا، ص: 133)

حملہ بولتے اور مالِ غنیمت حاصل کر کے اپنے مرکز لوٹ آتے۔ چونکہ دو بڑی سلطنتوں سلطنتِ روم اور خلافت اسلامیہ میں عداوت اور جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا، لہٰذا جنگی ماحول میں بحیرۂ روم کی یہ مہمات بروئے کار لائی جاتی تھیں۔

اسد بن فرات کا حملہ

211ھ/826ء میں قیصر روم نے صقلیہ کی حکومت پر قسطنطین کو مامور کیا جس کا لقب سودہ تھا۔ اس نے وہاں ایک بحری بیڑا تیار کیا اور یوفیمیوس (Euphemius) کی قیادت میں اسے ساحلِ افریقیہ پر دھاوا بولنے کا حکم دیا۔ وہ افریقی ساحل پر رأس جسر پر قابض ہوگیا، پھر قیصر روم کے پاس یوفیمیوس کے خلاف شکایت پہنچی تو اس نے قسطنطین کو حکم دیا کہ یوفیمیوس کو معزول کر کے سزا دے۔ اس پر یوفیمیوس نے بغاوت کر دی اور سرقوسہ پر قبضہ کر کے قسطنطین کو قتل کر دیا۔ اس دوران میں بلاطہ (پلاتو) نامی ارمنی سپہ سالار یوفیمیوس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چچا زاد میخائیل اس کی مدد کر رہا تھا جو بلرمو (صقلیہ) کا حکمران تھا۔ بلاطہ نے یوفیمیوس کو شکست دی، اس کے ایک ہزار سپاہی ہلاک کر دیے اور سرقوسہ پر قابض ہو گیا۔ یوفیمیوس جان بچا کر قیروان پہنچ گیا اور اس نے زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب سے مدد مانگی جو وہاں خلیفہ مامون کی طرف سے گورنر تھا۔ زیادۃ اللہ نے اسے سوسہ [1] کی بندرگاہ میں لنگر انداز رہنے کو کہا حتی کہ اسلامی بحری بیڑا آ گیا۔ زیادۃ اللہ نے اپنی فوج جمع کر کے قاضیٔ قیروان اسد بن فرات کو سپہ سالار مقرر کیا۔ قاضی اسد بن فرات قیروان سے اس مہم پر روانہ ہوئے اور سوسہ سے ان کا لشکر جہازوں میں سوار ہوا۔ اس بحری بیڑے میں ایک سو جہاز تھے اور یوفیمیوس کے جہاز ان کے علاوہ تھے۔ یہ لشکر جس میں آٹھ نو سو گھڑسوار اور 10 ہزار پیادے تھے، 15 ربیع الاول 212ھ/14 جون 827ء کو روانہ ہوا۔ وہ 18 ربیع الاول کو ''مازر'' یا مزارا (صقلیہ) کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے اور وہاں سے بلاطہ (پلاتو) کی طرف پیش قدمی



قیروان (تونس) کی ایک مسجد

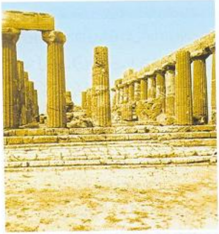


سوسہ (تونس) کی جامع مسجد

[1] سُوسہ: تونس کی یہ بندرگاہ خلیج الحمامات پر واقع ہے۔ اس کی آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے۔ اسے فنیقیوں نے 9 ویں صدی ق م میں آباد کیا تھا۔ اغلبی دور میں اس نے بہت ترقی کی تھی (المنجد في الأعلام)۔ سوسہ کے مغرب میں تقریباً 40 کلومیٹر دور قیروان واقع ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 77)

کی اور وہ اس وقت مرج بلاطہ میں مقیم تھا۔ اسلامی فوج نے راستے میں قلعہ بلوط، فش، قلعہ دب اور قلعہ طواویس یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ قاضی اسد بن فرات نے یوفیمیوس سے مدد حاصل کیے بغیر بلاطہ کی ڈیڑھ لاکھ فوج کو شکست دی۔ بے شمار عیسائی مارے گئے اور ان کے اموال مسلمانوں کو غنیمت میں ملے۔ بلاطہ فرار ہو کر قصریانہ (Castrogiovanni) والوں سے جا ملا لیکن پھر اس پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا۔ وہ بھاگ نکلا اور آبنائے مسینا پار کر کے ''قلوریا'' یا کلابریا (اٹلی) پہنچ گیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔

اب قاضی اسد بن فرات نے ساحل سمندر پر کنیسۂ افیمیہ کا رُخ کیا جو پہلے فیمیاس کہلاتا تھا۔ انھوں نے ابوزکی الکنانی کو مازر کا حاکم تعینات کیا۔ چونکہ مازر اور قلعہ بلوط سے سرقوسہ تک خاصی مسافت تھی اور بیچ میں کئی شہر اور قلعے پڑتے تھے جن کا ذکر جنگ یا صلح کے حوالے سے نہیں آیا، لہٰذا ہمارے خیال میں قاضی اسد نے اپنی افواج صقلیہ کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف منتقل کیں، چنانچہ انھوں نے کنیسۂ مُسلقین کی طرف پیش قدمی کی۔ اس دوران میں سرقوسہ کے بطریق ان کے پاس آئے اور فریب کاری سے امان طلب کی تاکہ اس دوران میں ان کے قلعے کی مرمت ہو جائے اور وہ اپنے اموال، جو قلعے سے باہر تھے، اندر لے جائیں۔ ادھر یوفیمیوس کی سوچ بدل گئی اور وہ عیسائیوں کو مسلمانوں سے جنگ پر اکسانے لگا۔ مسیحی لشکر قلعہ کراث میں جمع ہو چکا تھا۔ قاضی اسد نے ان سے جنگ کی اور کثیر مال غنیمت اور بڑی تعداد میں قیدی ان کے ہاتھ لگے۔



جرجنت (سسلی) کا رومی مندر

اس اثناء میں افریقیہ اور اندلس سے بحری جہاز کمک لے کر آن پہنچے۔ اب اہل سرقوسہ نے دوبارہ امان طلب کی۔ اسد بن فرات امان دینا چاہتے تھے مگر مسلمانوں نے انکار کیا اور جنگ کو ترجیح دی۔ انھوں نے خشکی اور سمندر کی طرف سے سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں شعبان 213ھ / اکتوبر 828ء میں قاضی اسد بن فرات بیماری یا زخموں کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ اب مسلمانوں نے محمد بن ابی الجواری [1] کو اپنا امیر بنا لیا اور سرقوسہ کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا۔ دریں اثناء قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑا رومی بیڑا آن پہنچا اور عیسائی خشکی کی طرف سے بھی حملہ آور ہوئے، چنانچہ ناسازگار حالات میں مسلمانوں نے افریقیہ واپسی کا ارادہ کیا اور جہازوں میں سوار ہو گئے لیکن رومی بیڑے نے ان کا گھیرا تنگ کر کے ان کے لیے بندرگاہ سے نکلنا ناممکن بنا دیا۔ یوں مسلمانوں کی سرقوسہ فتح کرنے اور جہازوں میں بیٹھ کر نکل جانے کی اُمید جاتی رہی، چنانچہ انھوں نے اپنے جہاز جلا دیے اور اندرونِ جزیرہ ''قلعہ مناؤ'' کا رُخ کیا۔ یوفیمیوس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ قلعہ مناؤ پر قابض ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ اسی طرح انھوں نے جنوبی ساحلی شہر قلعہ جرجنت (Girjanti) پر بھی قبضہ کر لیا۔

یوفیمیوس نے اب قصریانہ کا رُخ کیا۔ قصریانہ کے لوگ اُسے دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے ہلاک کر دیا۔ اس اثناء میں قسطنطنیہ سے بطریق تھیوڈیت ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ گیا جس میں بحری و بری فوج شامل تھی۔ رومیوں نے قصریانہ کی طرف پیش قدمی کی تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر

[1] اطلس الفتوحات الاسلامیہ کے عربی نسخے میں یہ نام ایک بار ''محمد بن ابی الحواری'' اور دوسری جگہ ''محمد بن الحواری'' یا ''ابن ابی الجواری'' دیا گیا ہے مگر ہم نے اس مسلمان سپہ سالار کا نام الکامل فی التاریخ (437/5) کے حوالے سے ''محمد بن ابی الجواری'' لکھنے کو ترجیح دی ہے۔



طرابنش (تراپانی) کا ساحل

انھیں شکست فاش دی۔ اس جنگ میں بے شمار عیسائی مارے گئے اور 90 بطریق گرفتار ہوئے۔ پھر آخر 213ھ یا اول 214ھ/ فروری 829ء میں محمد بن ابی الجواری کو موت نے آلیا۔ ان کی جگہ مسلمانوں نے زہیر بن برغوث (یا "بن عوف") کو اپنا امیر چُن لیا۔ زہیر کی فوج کے تھیوڈیت کے لشکر سے کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار تھیوڈیت نے مسلمانوں کو مناؤ میں گھیرے میں لے لیا حتی کہ ان کے پاس خوراک ختم ہوگئی اور وہ اپنے جانور اور کتے ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اس دوران میں 214ھ/ 829ء میں اندلس سے اصبغ بن وکیل بہت سے جہازوں میں کمک لے کر آگئے۔ دوسری طرف سلیمان بن عافیہ طرطوشی بحری بیڑا لے آئے۔ یوں 300 جہازوں پر مشتمل متحدہ اسلامی بیڑا طرابنش (Trapani) کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا۔ ساحل پر اُتر کر مسلمانوں نے مناؤ کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں پڑنے والے تمام قلعوں پر انھوں نے قبضہ کرلیا۔ مناؤ سے قصریانہ کی طرف بڑھتے ہوئے مسلمانوں نے تھیوڈیت کی فوجوں کو شکست دی اور جمادی الآخرہ 215ھ/ جولائی اگست 830ء میں مناؤ پہنچ کر محصور مسلمانوں کے گرد عیسائیوں کا محاصرہ توڑ دیا۔

پلرمو کی فتح

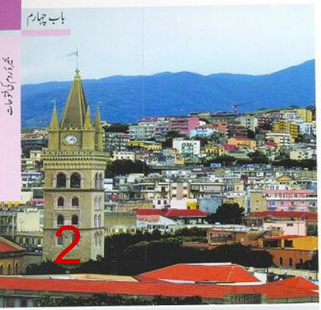
اس کے بعد مسلمانوں نے بلرم یا پلرمو [1] کی بندرگاہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ جمادی الآخرہ 215ھ تا رجب 216ھ/ جولائی 830ء تا اگست 831ء جاری رہا۔ پھر محمد بن عبداللہ بن اغلب کی گورنری میں یہ شہر صلح و امان کے ساتھ فتح ہوگیا۔ بعد ازیں اسلامی لشکر نے گلیانو (Galiano) کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے اردگرد کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد تھیوڈیت سے جنگ ہوئی۔ تھیوڈیت نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ 221ھ/ 835ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں قلعہ تندارو کا سقوط ہوا جو شمالی ساحل پر واقع تھا۔ 225ھ/ 839ء میں کئی قلعوں نے امان طلب کی اور وہ صلح کے ساتھ فتح ہوگئے۔ ان میں جرصہ (Geragia)، قلعۃ البلوط (Caltabellota) [2]، ابلاطنو (Platani)، قرلون (Corleone) اور مرناؤ (Marineo) شامل تھے۔



بازنطینی گرجا جو اسلامی دور میں مسجد بنا اور اب پھر گرجا سانتا ماریا کہلاتا ہے (پلرمو)

1 پلرمو (Palermo): یہ صقلیہ کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ عربوں نے اسے بلرم لکھا ہے۔ یہ اٹلی کے جزیرہ سسلی کا دارالحکومت ہے۔ اسے فنیقیوں نے 8 ویں صدی ق م میں آباد کیا تھا۔ اس پر 254 ق م میں رومی اور 831ء میں عرب قابض ہوئے۔ 1072ء میں یہ نارمن (مسیحی) بادشاہت کا دارالحکومت بنا۔
(آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

3 قلعۃ البلوط: یہ شہر مغربی صقلیہ میں الشاقہ کے شمال میں واقع ہے۔ بلوط (شاہ بلوط نامی درخت) سے منسوب اس شہر کو عربوں نے قلعۃ البلوط کا نام دیا، چنانچہ آج بھی اطالوی اسے Caltabellota کہتے ہیں۔



مسینا شہر (سسلی)

228ھ/842ء میں فضل بن جعفر ہمدانی نے مسینا (Messina)[1]، مسکان اور دیگر شہر فتح کر لیے۔ اور 232ھ/846ء میں فضل بن یعقوب نے سخت محاصرے کے بعد لنتینی پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح مسلمان جنوبی اٹلی کے شہر تارنتو (Taranto)[2] پر قابض ہو گئے۔ 234ھ/848ء میں مسلمانوں نے ارگوس فتح کر کے اس کا قلعہ مسمار کر دیا۔ 10 رجب 236ھ/ 18 جنوری 851ء کو محمد بن عبداللہ بن اغلب کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ مسلمانوں نے عباس بن فضل کو اپنا حکمران بنا لیا۔ اس نے ان لوگوں کے خلاف جہاد شروع کیا جنھوں نے ابھی تک امان طلب نہیں کی تھی۔ عباس نے انھیں سزا دی اور ان سے مالِ غنیمت حاصل کیا۔ تب ان شہروں نے جزیے اور غلاموں کی شرط پر صلح کر لی۔ یوں مسلمانوں نے 238ھ/852ء میں بثیرہ اور قلعہ ابی ثور (Caltavuturo) بھی فتح کر لیے۔

فتح قصریانہ

سرقوسہ، صقلیہ کا دارالحکومت تھا۔ جب مسلمانوں نے پلرمو فتح کر لیا تو رومیوں نے دارالحکومت قصریانہ منتقل کر لیا کیونکہ وہ محفوظ تر تھا۔ 243ھ یا 244ھ/857ء یا 858ء میں عباس بن فضل نے قصریانہ اور سرقوسہ پر یلغار کی۔ اس دوران میں علی بن فضل بحری بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا تو اس کا کریٹ کے بحری بیڑے سے تصادم ہو گیا جس میں 40 جہاز تھے۔ ان میں شدید جنگ ہوئی حتیٰ کہ علی نے اقریطشی (کریٹ کے) بیڑے کو شکست دی اور ان کے دس جہاز ملاحوں سمیت قبضے میں لے لیے اور لوٹ آئے۔

عباس نے ایک ہزار گھڑسواروں اور 700 پیادوں کے ہمراہ سرقوسہ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ ایک رات وہ جبل غدیر تک پہنچے اور اس کے دامن میں چھپ گئے۔ عباس کے چچا رباح نے منتخب ساتھیوں کے ہمراہ جبل مدینہ کا رُخ کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس کی فصیل تک جا پہنچے۔ قلعے کے محافظ سوئے ہوئے تھے اور انھیں ان کی آمد کا پتہ ہی نہ چلا۔ مجاہدین فصیل کے ایک شگاف میں سے اندر داخل ہو گئے جہاں سے پانی اندر آتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی انھوں نے اپنی تلواریں سونت کر قلعے کے محافظوں پر ہلہ بول دیا اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ یوں 16 شوال 243ھ/ 5 فروری 858ء کو عباس کی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ انھوں نے شہر کی محافظ فوج موت کے گھاٹ اتار دی، وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اگلے روز نماز جمعہ ادا کی۔ دریں اثناء 300 جہازوں پر مشتمل رومی بیڑا سرقوسہ پہنچ گیا جس کی قیادت قسطنطین کندومیتس کر رہا تھا۔ رومیوں کے ساحل پر اترتے ہی عباس کی

[1] مسینا: یہ اٹلی کو اس کے جزیرہ سسلی سے الگ کرنے والی آبنائے مسینا کے مغربی ساحل (سسلی) پر واقع بندرگاہ ہے۔ 1908ء کے زلزلے میں یہ شہر تباہ ہو گیا تھا۔ اب اس کی آبادی تقریباً 3 لاکھ ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص:834)

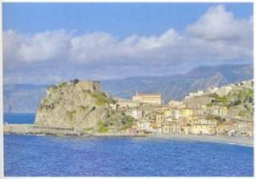
[2] طارنت (تارنتو): یہ جنوب مشرقی اٹلی میں ایک بحری اڈا ہے جس کی آبادی اڑھائی لاکھ ہے۔ اسے آٹھویں صدی ق م میں یونانیوں نے آباد کیا تھا۔ 272 ق م میں اس پر رومی قابض ہو گئے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:1475)

فوج ان پر ٹوٹ پڑی اور انھیں تہ تیغ کر کے ان کے 100 بحری جہاز چھین لیے۔ عباس نے جہادِ صقلیہ جاری رکھا حتی کہ جمادی الآخرہ 247ھ / 14 اگست 861ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔

سرقوسہ (سیراکیوز) کی فتح

رمضان 264ھ / مئی 877ء میں احمد بن اغلب نے سرقوسہ (Syracuse) فتح کرلیا۔ انھوں نے نو ماہ اِس شہر کا محاصرہ کیے رکھا تھا۔ اس جنگ میں 4 ہزار سے زیادہ رومی مارے گئے۔ سرقوسہ سے اتنا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا جتنا پہلے کہیں ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مسلمان وہاں 2 ماہ مقیم رہے، اس کی فصیل ڈھادی اور وہاں سے چلے آئے۔ یہ واقعہ افریقیہ میں ابراہیم بن احمد بن محمد بن اغلب کی حکمرانی کے زمانے میں پیش آیا۔

جمادی الآخرہ 284ھ / جولائی 897ء میں ابراہیم بن احمد نے اپنے بیٹے ابوالعباس (عبداللہ) کو صقلیہ بھیجا۔ ابوالعباس نے صقلیہ کے باغیوں کو خونریز جنگ میں شکست دی۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے: ''وہ تیغ زنی کے بل پر شہر (سرقوسہ) میں داخل ہوا۔'' وہ اس شہر ہی تک محدود نہ رہے بلکہ تمام شہروں میں چھا گئے، پھر جب صقلیہ میں امن ہوگیا تو اس نے آبنائے مسینا پار کی اور جنوبی اٹلی پر ہلہ بول دیا۔ اس جنگ میں بے شمار رومی قتل ہوئے، پھر ابوالعباس صقلیہ لوٹ آیا۔ 288ھ / 900ء میں اس نے اپنے بحری بیڑے کے ساتھ دمنش (دیمونا) کا محاصرہ کرلیا جو کئی دن جاری رہا۔ اس کے بعد اس نے آبنائے مسینا پار کرکے اٹلی کے ساحل پر واقع ریو (Reggio) پر دھاوا کیا اور اس پر قابض ہوگیا۔ یہاں سے کثیر مالِ غنیمت ملا، پھر وہ مسینا واپس آیا تو وہاں قسطنطنیہ سے آیا ہوا بحری بیڑا لنگر انداز پایا۔ ان میں ٹکراؤ ہوگیا۔ مسلمان کامیاب رہے اور 30 رومی جہاز ان کے ہاتھ لگے۔



ریو (کلابریا، اٹلی)

تبرینا (طبرمین) کی فتح

289ھ میں عباسی خلیفہ معتضد نے ابراہیم بن احمد اغلبی سے ناراض ہوکر اسے ولایت افریقیہ سے معزول کر دیا اور اس کے بیٹے ابوالعباس کو اس منصب پر فائز کیا، چنانچہ ابوالعباس باپ کے پاس افریقیہ چلا آیا اور ابراہیم نے افریقیہ کی زمامِ حکومت بیٹے کے سپرد کی اور خود نوبہ (افریقیہ) [1] سے بحری جہاز میں روانہ ہو کر 17 ربیع الاول 289ھ / یکم مارچ 902ء کو



تبرینا (سسلی) کا ساحل بوگین ویل

[1] نُوبہ: یہ تُونس شہر اور اقلیبیا کے درمیان افریقیہ کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کے علاوہ نوبہ (سوڈان) مصر کے جنوب میں ایک وسیع وعریض خطہ ہے۔ مدینہ منورہ سے تین دن کے فاصلے پر ایک مقام بھی نوبہ کہلاتا ہے، نیز بحرِ تہامہ (خلیج فارس یا الخلیج العربی) کے ساحل پر بھی نوبہ آباد ہے جسے نوبہ (سوڈان) سے آنے والوں نے بسایا تھا۔ بنوعبداللہ بن ابی بکر بن کلاب کی سرزمین بھی نوبہ کہلاتی تھی جو کہ سرخ چٹانوں پر مشتمل سطح مرتفع ہے۔ (معجم البلدان: 309/5)



سرقوسہ (سسلی) کا ساحل

نقشہ 121 سرقوسہ کی فتح (211ھ)



2 ترا پانی (صقلیہ) کا ساحل

طرابنش Trapani (صقلیہ) کے ساحل پر اُترا۔ وہ 28 رجب کو پلرمو میں داخل ہوا۔ جن لوگوں سے ظالمانہ طور پر مال وغیرہ چھین لیا گیا تھا، اس نے وہ لوٹانے کا حکم دیا، پھر 9 شعبان 289ھ / 19 جولائی 902ء کو اس نے طبرمین یا طرمین (Taormina) پر یلغار کی۔ اس جگہ خونریز جنگ ہوئی۔ ان گنت عیسائی قتل اور بہت سے قید ہوئے۔ ابراہیم نے اپنے پوتے زیادۃ اللہ بن ابوالعباس [1] کو قلعہ میقش (Mikasc-Miques) کی طرف اور اپنے بیٹے ابوالاغلب کو دمنش (Demona) کی طرف یلغار کا حکم دیا۔ اہل دمنش فرار ہو گئے اور مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔ دریں اثناء ابراہیم کے حکم پر اس کے بیٹے ابوحجر نے رمطہ (Rametta) پر دھاوا کیا تو اہل رمطہ نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ سعدون جلوی نے فوج کے ساتھ لیاج (Aci-Costella) کی طرف یا ماؤنٹ ایٹنا کے قریب پیش قدمی کی تو وہاں کے باشندوں نے جزیہ دینا اور قلعے کو خالی کرنا قبول کر لیا۔ سعدون نے قلعہ توڑ کر اس کے پتھر سمندر میں ڈال دیے۔

سمندر پار قلوریہ پر یلغار

اب ابراہیم اپنے لشکر کے ساتھ مسینا (Messina) پہنچا اور 2 دن وہاں مقیم رہا، پھر اس نے آبنائے پار کر کے اٹلی کے شہر قلوریہ (Calabria) پر لشکر کشی کی (26 رمضان 289ھ / 3 ستمبر 902ء)۔ وہاں سے کسنتہ (Cosenza) کی طرف پیش قدمی کی جو خلیج تارنتو کے قریب واقع تھا۔ 25 شوال 289ھ کو اس نے کسنتہ پر ہلّہ بولنے کا حکم دیا، اپنے بیٹوں اور فوجی افسروں کو شہر کے دروازوں پر الگ الگ تعینات کیا اور وہاں منجنیقیں نصب کرا دیں۔ اس دوران میں 18 ذی قعدہ کو ابراہیم نے بیمار ہو کر غالباً 54 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اہل شہر کو اس کے فوت ہونے



رومن ایمفی تھیٹر میں سے ماؤنٹ ایٹنا کا منظر



قلعہ کوسنزا (اٹلی)

1 عربی نسخے میں ”زیادۃ اللہ“ کا نام کسی وجہ سے ”زیاداللہ“ کمپوز ہوا ہے جو درست نہیں۔



اراگونی قلعہ تارنتو (اٹلی)

کی خبر نہ لگی اور انھوں نے صلح کی پیشکش کی جو قبول کر لی گئی۔ لشکرِ اسلام وہاں خیمہ زن رہا حتیٰ کہ وہ دستہ جو کلابریا (قلوریہ) بھیجا گیا تھا، لوٹ آیا، پھر اسلامی فوج ابراہیم کی لاش کے ساتھ واپس پلرمو پہنچی۔ وہاں ابراہیم کی تدفین ہوئی اور ساری فوج افریقیہ لوٹ آئی۔

اس کے بعد صقلیہ پر کئی مسلم حکمران مقرر ہوئے۔ ان میں سے بعض مقامی باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور بعض معزول کر دیے گئے۔ 316ھ / 928ء میں صابر صقلبی افریقیہ سے 30 جنگجوؤں کے ہمراہ وارد ہوا۔ والیٔ صقلیہ سالم بن ابی راشد کنانی کو ساتھ لیا اور آبنائے مسینا پار کر کے قلوریہ کا رخ کیا۔ راستے میں انھوں نے شہر تارنتو (Taranto) پر قبضہ کر لیا، پھر شہر اذرنت کا جا محاصرہ کیا اور اس کے برج گرا دیے۔ لشکرِ اسلام قلوریہ پہنچا تو اہلِ شہر نے ادائیگیٔ جزیہ پر صلح کر لی۔ وہ اس وقت تک جزیہ ادا کرتے رہے جب تک مہدی (فاطمی خلافت کا بانی) افریقیہ میں مقیم رہا۔

تبرمینا (طبرمین) پر دوسرا حملہ

343ھ / 954ء میں فاطمی خلیفہ المعزلدین اللہ ابن المنصور نے ابوالحسین بن الحسن کلبی کو صقلیہ کی حکومت پر فائز کیا۔ اس کے زمانے میں مسلمانوں نے 25 ذی قعدہ 351ھ / 25 دسمبر 962ء کو طبرمین (طبرمین یا طرمین) Tabrmina فتح کر لیا۔ یہ رومیوں کا سب سے شاندار قلعہ تھا جو ساڑھے سات ماہ کے محاصرے کے بعد فتح ہوا اور اس کا نام المعزیہ رکھا گیا۔ یہاں سے 1570 قیدی خلیفہ المعز کی خدمت میں بھیجے گئے۔ مسلمانوں نے طبرمین شہر اور اس کے قلعوں میں سکونت اختیار کی۔

رومیوں کا جوابی حملہ

دریں اثنا اہلِ رمطہ نے سرکشی کی اور قیصرِ دمستق سے مدد طلب کی۔ اس پر حسن بن عمار نے رجب 352ھ / اگست 963ء میں شہر کا محاصرہ کر لیا اور اس کے گرد منجنیقیں نصب کر دیں۔ دمستق نے مینوئل کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا جو شوال 353ھ / اکتوبر 964ء میں مسینا پہنچ گیا۔ رومی فوج کی یہ بہت بڑی تعداد تھی جو نو دن تک بحیرۂ روم عبور کر کے صقلیہ پہنچتی رہی۔

رومیوں نے مسینا میں قلعہ بند ہو کر اس کی فصیل مضبوط کر لی اور اردگرد خندق کھود لی، پھر یہ عظیم مسیحی لشکر رمطہ کی طرف بڑھا۔ اس میں مجوسی، ارمنی اور روسی شامل تھے جو پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں جزیرے میں داخل ہوئے تھے۔ حسن بن عمار نے ایک فوج "جنگی متقر میقش" (مقس۔ نفش۔ بنفش) میں تعینات کی اور دوسری "متقر دمنش" بھیج دی۔ ادھر مینوئل نے اپنی دو فوجیں میقش اور دمنش کی طرف روانہ کیں اور تیسری فوج شاہراہِ رمطہ کی طرف بھیجی۔ اس حکمتِ عملی کا مقصد یہ تھا کہ رمطہ کا محاصرہ کرنے والی اسلامی فوج کو کمک نہ مل سکے۔ خود مینوئل نے چھ دستوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرنے کی کوشش کی تو رمطہ کی طرف سے مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے۔ حریفوں میں گھمسان کا رن پڑا حتیٰ کہ مسلمان اپنے خیموں میں لوٹ آئے۔

مینوئل کو اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ ادھر حسن نے بلند آواز سے اللہ کو پکارا: اے اللہ! آدم زادوں نے مجھے دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے مگر تو میرا

ساتھ نہ چھوڑنا!'' غرض جنگ کا بازار گرم ہوا اور ایک مجاہد نے رومی سپہ سالار مینوئل کو قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی عیسائی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اس دوران میں سیاہ گھٹا چھا گئی، بادل گرجنے لگا اور بجلی کڑکی۔ مسلمان شہ سواروں نے رومیوں کا تعاقب کیا۔ اِدھر رومیوں نے جسے ہموار میدان خیال کیا تھا وہ دشوار گزار ثابت ہوا اور اس کے آگے گہری خندق تھی۔ رومی اس خندق میں گرتے رہے اور مسلمانوں کے تیز رفتار گھوڑے انھیں کچلتے چلے گئے۔ مسلمان تمام رات ہر طرف عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ انھوں نے رومیوں کے سرکردہ لوگ گرفتار کر لیے اور انھیں مال غنیمت میں دشمن کا ساز و سامان، گھوڑے اور ہتھیار ملے۔ اس جنگ میں دس ہزار سے زیادہ مسیحی قتل ہوئے۔ بہت کم رومی گھوڑوں پر فرار ہو سکے۔

المعز لدین اللہ کی صلح

ان دنوں فاطمی خلیفہ المعز افریقیہ کی جنگوں میں مصروف تھا اور مصر فتح کرنے کی تگ و دو کر رہا تھا، لہٰذا اس نے 356ھ / 966ء میں اس شرط پر قیصر روم دمستق سے صلح کر لی کہ مسلمان طبر مین اور رمطہ خالی کر دیں گے۔ یوں مسلمانوں کو طبر مین اور رمطہ سے نکلنا پڑا اور وہ اِس صورت حال سے سخت غمزدہ ہوئے۔ انخلا کے وقت انھوں نے ان دونوں شہروں کو مسمار کر دیا اور آگ لگا دی۔ پھر صقلیہ کی حکومت شعبان 359ھ / جون 970ء میں ابو القاسم کو سونپی گئی۔ ابو القاسم نے 365ھ / 975ء میں صقلیہ کے باغیوں کے خلاف جنگ کی اور قلعہ رمطہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس نے جہاد جاری رکھا حتیٰ کہ 372ھ / 982ء کی جنگ میں شہادت سے سرخرو ہو گیا۔



طبر مین شہر (سسلی) اور اُس کے بالمقابل ایٹنا کا آتش فشاں پہاڑ

صقلیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا

مسلمان صقلیہ پر اڑھائی سو سال سے حکمران تھے مگر اس دوران میں وہ باہمی اختلافات اور فتنوں میں اُلجھ گئے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر فرنگی بادشاہ راجر [1] نے 372ھ / 982ء میں ملطیہ پر قبضہ کر لیا (غالباً موجودہ شہر Millazo کو عرب ملطیہ کہتے تھے) پھر ستر سال بعد رجب 444ھ / ستمبر، اکتوبر 1052ء میں فرنگیوں نے پیش قدمی کی اور پے بہ پے شہروں کو فتح کرتے ہوئے قصریانہ پہنچ گئے جہاں ابن الجواش نے شکست کھا کر قلعے میں پناہ لی۔ ناسازگار حالات کی بنا پر صقلیہ سے کثیر تعداد میں علماء اور صالحین افریقیہ ہجرت کر گئے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے امیر افریقیہ سے صقلیہ پر مسیحی غلبے کی شکایت کی۔ اس پر امیر افریقیہ نے ایک بحری بیڑا تیار کیا اور اس پر ایک فوج قوصرہ کی طرف روانہ کی۔ یہ موسم سرما تھا۔ اچانک سمندر میں طوفان اُٹھا۔ بیشتر جہاز غرق ہو گئے اور ان پر سوار غازیوں میں سے بہت کم زندہ بچے۔

اب عیسائیوں کے لیے راستہ ہموار تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے جزیرے کے اِرد گرد کے شہروں اور قصبوں کو فتح کرتے گئے اور انھیں کہیں مزاحمت پیش نہ آئی حتیٰ کہ مسلمانوں کے پاس صرف قصریانہ اور جرجنت دو شہر رہ گئے۔ عیسائیوں نے ان دونوں کا محاصرہ کر لیا۔ 481ھ / 1088ء میں جرجنت نے اور 484ھ / 1091ء میں قصریانہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح اٹلی کے شاہ راجر نے پورے صقلیہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان تقریباً 272 سال یہاں برسرِ اقتدار رہے اور اس کے بعد رومی اور فرنگی (نارمن) اور مسلمان یہاں (تقریباً ڈیڑھ سو برس) اکٹھے بستے رہے۔

اٹلی کے اندر ایک مسلم ریاست "لوسرا"



لوسرا کا ایک گرجا جو مسجد کی جگہ پر تعمیر ہوا

سسلی (صقلیہ) پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد ہولی رومن ایمپائر کے فریڈرک دوم کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس نے 1224ء میں سسلی کے تمام مسلمانوں کو جزیرے سے جلاوطن کر دیا اور اگلی دو دہائیوں میں بہت سے مسلمان اٹلی کے صوبہ اپولیا میں لوسرا (Lucera) منتقل کر دیے گئے جسے مشرقی رومی حکمران کونستنس دوم نے 663ء میں فتح کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اردگرد کے مسیحی علاقوں میں گھرے یہ مسلمان مسیحی شاہی اقتدار کو چیلنج نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں وہ مسیحی بادشاہوں کو ٹیکس دیتے اور فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر کار ان کی تعداد پندرہ بیس ہزار ہو گئی اور لوسرا کو (Lucaera Saracenorum (شامیوں، یعنی مسلمانوں کا لوسرا) کہا جانے لگا کیونکہ یہ اٹلی میں مسلمانوں کی آخری مضبوط آبادی تھی۔ 75 سال تک یہ مسلم "ریاست" پروان چڑھی حتیٰ کہ آنژو (فرانس) کے بادشاہ چارلس دوم نے 1300ء میں حملہ کر کے انھیں جلاوطن کر دیا یا غلام بنا کر بیچ دیا۔ بہت سوں نے البانیہ میں جا پناہ لی۔ ان کی مسجدیں تباہ کر دی گئیں یا ان کو گرجے بنا لیا گیا جن میں سانتا ماریا ڈیلا وٹوریا نامی گرجا بھی شامل ہے۔ (وکی پیڈیا)

[1] راجر جنوبی اٹلی کا نارمن حکمران تھا۔ فرینکش (فرانسیسی) اور سکینڈے نیوین (نارسمین) مخلوط نسل کے جو لوگ فرانس کے علاقے نارمنڈی میں 912ء میں آباد ہوئے تھے، وہ نارمن کہلاتے ہیں۔ وہ گیارہویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ کے حکمران بن گئے تھے۔ نارمنڈی کے ولیم نے 1066ء میں انگلستان فتح کر لیا اور ولیم فاتح کہلایا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 990)۔ فرینک (Frank) کی معرب شکل فرنج یا افرنج ہے جن سے فارسی الفاظ "فرنگ" یا "افرنگ" اور "فرنگی" وجود میں آئے۔

6

مالٹا، جزائر بلیارک اور سارڈینیا کی مہمات

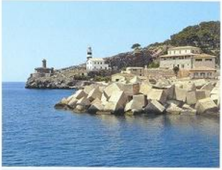
مسلمانوں نے مالٹا[1] 256ھ/70-869ء میں ابوالغرانیق محمد بن احمد بن اغلب کی قیادت میں فتح کیا۔ انھوں نے یہاں صنوبر کی لکڑی سے جہاز سازی کا کارخانہ (دارالصناعۃ للسفن) قائم کیا۔ 440ھ/1048ء کے بعد رومیوں نے اس جزیرے کو واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 483ھ/1090ء میں نارمنوں نے مالٹا پر حملہ کیا اور فتح صقلیہ کے بعد وہ اس پر بھی قابض ہو گئے، تاہم مسلمانوں کو 647ھ/1249ء تک یہاں رہنے کی اجازت حاصل رہی۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان اس وقت تک مالٹا میں مقیم تھے جب سولھویں صدی عیسوی میں امیر البحر لا فالیٹ نے اس پر قبضہ کیا۔ اس دوران میں عربی ہی مالٹا کی زبان ہو گئی تھی، حالانکہ صقلیہ اور سارڈینیا میں اس کو زوال آ چکا تھا۔



اسلامی عہد کی یادگار مالٹا کا پرانا دارالحکومت ''مدینہ''

جزائر بلیارک

یہ بلنسیہ (اندلس) کے مشرق میں بحیرۂ روم میں واقع تین جزیرے ہیں۔[2] سب سے بڑا جزیرہ میجورکا (میورقہ) ہے، پھر مائنورکا (منورقہ) ہے اور تیسرا چھوٹا جزیرہ یابسہ ہے۔ جزائر بلیارک پر پہلا حملہ موسیٰ بن نُصَیر نے 89ھ/707ء میں کیا تھا، پھر امیر عبدالرحمٰن اوسط نے 300 بحری جہازوں میں ان پر یلغار کی (234ھ/848ء) کیونکہ اہلِ بلیارک نے عہد شکنی کی تھی اور وہاں آنے جانے والے مسلمانوں کو تکالیف پہنچاتے تھے۔ انھوں نے امیر سے رحم کی درخواست کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، چنانچہ 235ھ/849ء میں امیر نے انھیں معاف کر دیا۔ پھر 290ھ/902ء میں عصام خولانی اندلس سے بحری جہاز میں حج کو روانہ ہوا لیکن سمندری طوفان کے باعث اُسے طویل



پورٹو سولر (میجورکا)

[1] مالٹا: وسطی بحیرۂ روم کا یہ جزیرہ سسلی سے 100 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ 1991ء میں اس کی آبادی 3 لاکھ 56 ہزار تھی۔ دارالحکومت ولیٹا ہے۔ اس پر فنیقی، یونانی، قرطاجنی اور عرب قابض رہے۔ 1090ء میں نارمن شاہ راجر نے مالٹا پر قبضہ کر لیا۔ 1530ء میں چارلس پنجم (شاہ سپین و ہالینڈ) نے یہ جزیرہ صلیبی نائٹس ہاسپٹلرز کو دے دیا۔ 1565ء میں 30 ہزار عثمانی سپاہ اور 181 بحری جہازوں نے تین ماہ یہاں مختلف قلعوں کا محاصرہ کیے رکھا مگر شدید نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا۔ 1798ء میں اس پر فرانسیسی اور 1814ء میں برطانوی قابض ہوئے۔ 1964ء میں مالٹا آزاد ہو گیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، تاریخ ترکیہ، ص:111)

[2] جزائر بلیارک: دراصل ان میں تین بڑے جزیرے میجورکا (Majorca)، مائنورکا (Minorca) اور یابسہ (Ibiza) اور دو چھوٹے جزیرے فورمنٹرا (Formentra) اور کبریرا (Cabrera) شامل ہیں۔ عربی میں انھیں جُزُر البلیار کہا جاتا ہے۔

عرصہ جزیرہ میجورکا میں لنگر انداز ہونا پڑا۔ وہاں اسے اُن جزائر کے حالات جاننے کا موقع ملا اور اُس کے دل میں انھیں فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حج سے واپسی پر اُس نے امیر عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن [1] کو جزائر بلیارک کے چشم دید حالات سے آگاہ کیا، چنانچہ اُس نے عصام خولانی کے ہمراہ فوج روانہ کی جس نے جزائر بلیارک کے قلعے یکے بعد دیگرے فتح کیے۔ امیر عبداللہ نے عصام ہی کو جزائر بلیارک کا حاکم مقرر کیا۔ عصام دس برس حکمران رہا اور اُس کے بعد اُس کے بیٹے عبداللہ کو وہاں کی حکومت ملی۔ جزائر بلیارک مسلمانوں کے تسلط میں رہے حتی کہ فرنگیوں نے سلطنتِ موحدین [2] کے آخری زمانے میں یہ جزیرے مسلمانوں سے چھین لیے۔

جزیرہ سارڈینیا

اس کوہستانی جزیرے [3] میں پانی کی قلت ہے۔ اس میں تین آبادیاں تھیں: فیطنہ (جنوب میں)، قالمرہ اور قشتالہ۔ موسیٰ بن نُصیر نے 89ھ/707ء میں عبداللہ بن مُرہ کو بحیرۂ افریقیہ [4] کی مہم پر مامور کیا تھا۔ عبداللہ نے سارڈینیا کے ساحل پر اُتر کر اس کے کئی شہر فتح کر لیے اور بھاری مالِ غنیمت حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ 92ھ/711ء میں فتح اندلس کے بعد پیش آیا۔ واپسی پر ان کے جہاز افراد اور مالِ غنیمت کی کثرت کے باعث سمندر میں غرق ہوگئے۔ 103ھ/721ء اور 106ھ/724ء میں سارڈینیا کی دو جنگیں ہوئیں اور 117ھ/735ء میں عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حبیب بن ابی عبیدہ نے سارڈینیا پر چڑھائی کی اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر 135ھ/752ء میں عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری نے صقلیہ اور سارڈینیا پر یلغار کی اور وہاں سے قیدی اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے۔ سارڈینیا والوں نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔



ولاسڈرو (سارڈینیا) کا ایک منظر

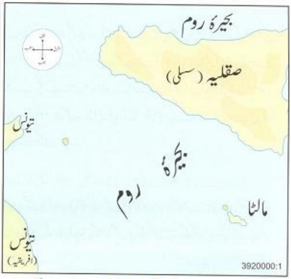
[1] اندلس کے ساتویں اموی حکمران عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط نے 275ھ سے 300ھ تک حکومت کی۔ اس کا نام اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں غلطی سے ''عبداللہ بن موسیٰ بن نُصیر'' لکھا گیا ہے۔ امیر عبداللہ کا جانشین اُس کا پوتا عبدالرحمٰن ثالث الناصر بن محمد بن عبداللہ بنا جس نے ''خلیفہ'' کا لقب اختیار کر کے اندلس میں اموی خلافت کا آغاز کیا۔

[2] موحدین نے مرابطین کے بعد المغرب اور اندلس پر 515ھ - 667ھ/1121ء - 1269ء کے دوران میں حکومت کی۔ جنگِ عقاب (609ھ/1212ء) میں عیسائیوں کے ہاتھوں موحدین کی شکست سے اندلس میں اُن کی حکومت ختم ہوگئی (المنجد في الأعلام: 553)۔ جنگ عقاب جس مقام پر لڑی گئی اس کا ہسپانوی نام (Los Navas de Tolosa) ہے۔ جغرافیہ نگاروں نے اسے تلسہ یا طلسہ (طلوشہ) لکھا ہے۔ تلسہ غرناطہ کے شمال میں صوبہ جیان (Jaen) میں واقع ہے۔ عرب مؤرخوں نے اسے جنگ عقاب لکھا ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا عقابی علم چھن گیا تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 37/1، حاشیہ از مولانا غلام رسول مہر)

[3] جزیرہ سارڈینیا: یہ جزیرہ مغربی بحیرۂ روم میں جزیرہ سسلی کے شمال مغرب میں واقع ہے اور ان دنوں اٹلی میں شامل ہے۔ سارڈینیا کے شمال میں فرانسیسی جزیرہ کارسیکا ہے، جہاں نپولین پیدا ہوا تھا۔ سسلی کے بعد سارڈینیا بحیرۂ روم کا دوسرا بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 24 ہزار مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے۔

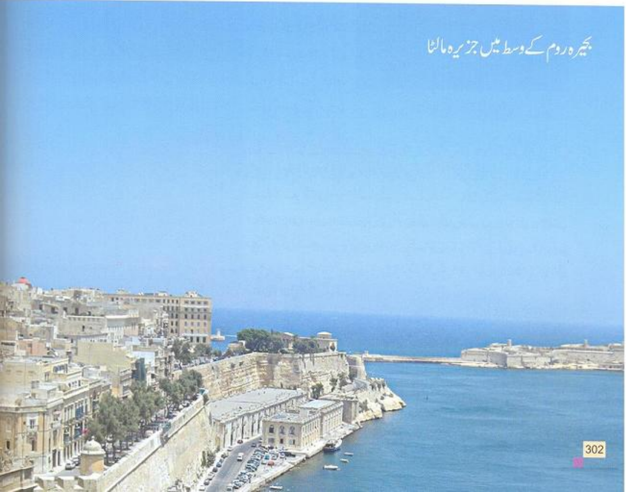
[4] بحیرۂ افریقیہ: مغربی بحیرۂ روم کے اس حصے کو عرب بحیرۂ افریقیہ کا نام دیتے تھے جس کے شمال میں سسلی، سارڈینیا اور بلیارک کے جزائر ہیں اور جنوب میں افریقیہ (تیونس اور الجزائر) واقع ہے۔



نقشہ 122 مالٹا کی فتح (256ھ)

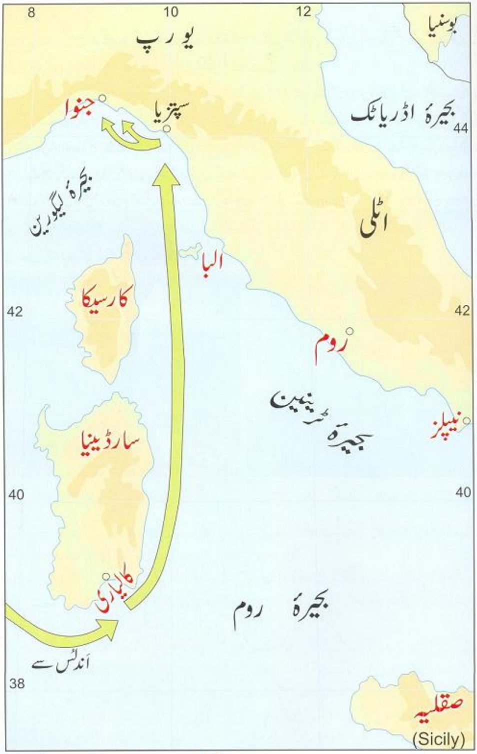


نقشہ 123 فتح میورقہ (Majorca)



بحیرہ روم کے وسط میں جزیرہ مالٹا

2

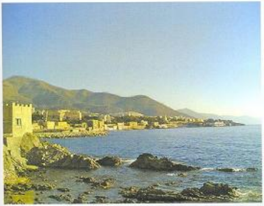


نقشہ 124 سارڈینیا اور جنوا کی مہم

دریں اثناء رومیوں نے یہاں مضبوط قلعے بنا لیے تو اغلبیوں نے 201ھ/816ء میں سارڈینیا پر ہلّا بول دیا اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹے۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ تمیمی نے 206ھ/821ء میں سارڈینیا پر حملہ کیا مگر وہ اسے فتح نہ کر سکا۔

323ھ/937ء میں فاطمی خلیفہ القائم بن المہدی نے یعقوب بن اسحاق کی سرکردگی میں ایک بحری بیڑا سارڈینیا بھیجا۔ یعقوب بن اسحاق نے اس جزیرے کو فتح کر کے وہاں قدم جما لیے، کچھ باشندے قیدی بنا لیے اور ان کے جہاز جلا دیے۔ پھر ابو الجیش الموفق مجاہد العامری والیٔ دانیہ [1] وجزائر شرقیہ ربیع الاوّل 406ھ/ستمبر 1015ء میں 120 بحری جہازوں اور 8 ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ سارڈینیا کے شہر کالیاری (Cagliari) کے پاس اُترا اور اس نے جزیرے کے پہاڑی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے مغربی اٹلی کے ساحلوں پر دھاوا مارا اور خلیج سپزیا (Spezia) پر اور دریائے ماجرا کے شمال میں واقع شہر لونی پر قبضہ کر لیا، پھر اسے مرکز بنا کر مجاہد العامری نے پیسا (Pisa) [2]، جنوا اور دیگر شہروں پر یلغار کی۔ [3] اس دوران میں پیسا، جنوا اور فرنگستان (فرانس) [4] کے بحری بیڑوں نے اس کے خلاف اتحاد قائم کر کے اس کی سارڈینیا واپسی کا راستہ روک دیا۔ یوں مسیحی، مجاہد العامری سے پہلے سارڈینیا پہنچ گئے اور انھوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا۔


کالیاری (سارڈینیا) جہاں اسلامی لشکر اترا تھا


جنوا (اٹلی) کی راس سانتا چیارا

1 دانیہ: یہ بلنسیہ (Valencia) کے جنوب میں اسپین کی ایک بندرگاہ ہے۔ یہ اندلس کے ملوک الطوائف کے عہد میں مجاہد العامری کا دارالحکومت تھا۔ اس کی ریاست میں دانیہ اور جزائر بلیارک (جزائر شرقیہ) شامل تھے۔ (المنجد في الأعلام، ص:240)

2 پیسا (Pisa): شمالی اٹلی کے مغربی ساحل پر واقع یہ شہر قرون وسطیٰ میں ایک بحری شہری ریاست تھا۔ پہلے یہ بحیرۂ روم کے عین ساحل پر واقع تھا مگر دریائے آرنو کی گاد جمع ہوتے رہنے سے اب سمندر سے تقریباً 10 کلومیٹر دور چلا گیا ہے۔ پیسا کا ترچھا مینار مشہور ہے جو 55 میٹر بلند ہے۔ یہ مینار بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں تعمیر کیا گیا تھا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:1104)

3 اٹلی پر مسلمانوں کے حملوں کا آغاز 889ء کے آس پاس ہوا۔ جنوبی اٹلی میں انھوں نے نوآبادیاں قائم کر لی تھیں اور ایک مرکز ایسا بنا لیا تھا جہاں سے کوہستان ایلپس کے تمام دروں پر قبضہ رکھا جا سکتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا میں اس مرکز کا نام فرائی نٹ (Freinet) بتایا گیا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 189/2)

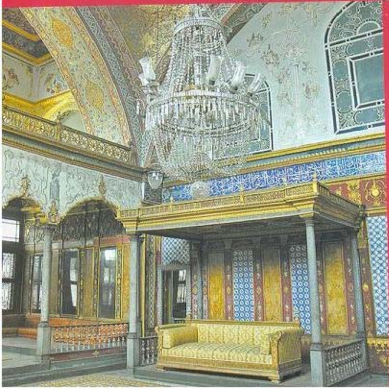
4 فرانس (فرنگستان): مغربی یورپ کے اس ملک کو پہلی صدی ق م میں جولیس سیزر نے فتح کر کے رومی صوبہ ''گال'' بنا لیا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں جرمانک نسل کے فرینکس (Franks) نے گال فتح کر لیا۔ قرون وسطیٰ میں اس پر انگریز قابض رہے حتیٰ کہ سولھویں تا اٹھارویں صدی کے دوران میں فرانس ایک بڑی طاقت بن گیا۔ نپولین کے عہد میں فرانسیسی بیشتر یورپ پر قابض رہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: ص 549)۔ فرینکوں کی نسبت ہی سے ''افرنج'' یا ''افرنگی''، ''فرنگ'' اور ''فرنگستان'' کی اصطلاحات وجود میں آئیں۔

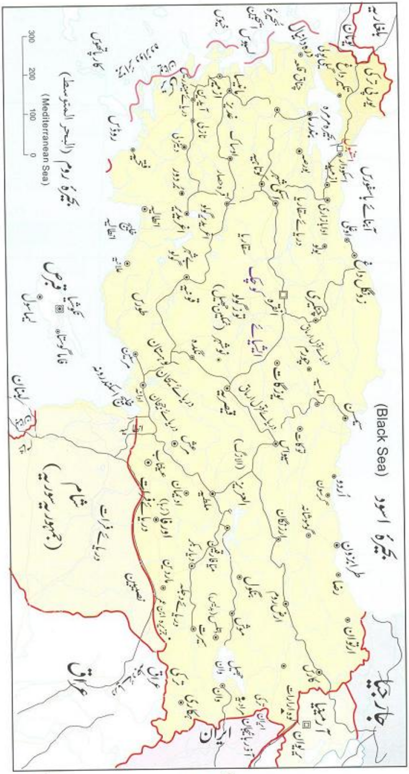


حصہ چہارم



- باب اول — سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں فتوحاتِ اسلامیہ
- باب دوم — سلطنتِ عثمانیہ کی بحالی اور نئی فتوحات
- باب سوم — سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ
- باب چہارم — سلطنتِ عثمانیہ کا عروج





نقشہ 125

ترکی (جدید)

حصہ چہارم

باب اول

سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں فتوحاتِ اسلامیہ

1

عثمانی ترکوں کی ابتدا اور نقل مکانی

عثمانی ترکوں نے اناطولیہ میں اسلامی سلطنت قائم کر کے اسے مختلف سمتوں میں وسعت دی اور یہ سلطنت سات صدیوں سے زیادہ عرصے تک برقرار رہی۔ مغرب میں عثمانی سلطنت دریائے ڈینیوب [1]، مشرق میں خلیج عربی (خلیج فارس)، شمال میں بحیرۂ ازوف [2] (کے شمال میں یوکرین) اور جنوب میں حبشہ تک پھیل گئی۔

دولت عثمانیہ کی تاریخی تشکیل وسیع دائرے میں یورپ اور مشرق قریب کی تاریخ سے گہرا تعلق رکھتی ہے، چنانچہ عثمانیوں کی تاریخ قرونِ وسطیٰ اور عہد جدید کی تاریخ یورپ سے مربوط ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رشتہ مشرق عربی کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے۔



وزیگراڈ (ہنگری) کے مقام پر دریائے ڈینیوب



بندرگاہ ازوف سے بحیرہ ازوف کا ایک منظر

1 دریائے ڈینیوب: 2850 کلومیٹر لمبا ڈینیوب دریائے وولگا کے بعد یورپ کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اسے جرمن زبان میں Donau کہا جاتا ہے۔ ڈینیوب جرمنی کے جنوب مغرب میں واقع بلیک فارسٹ سے نکلتا ہے اور مشرق آسٹریا، ہنگری، سربیا، بلغاریہ اور رومانیہ کے جنوب مشرق میں بہتا ہوا بحیرۂ اسود میں جا گرتا ہے۔ مشرق میں اس کا طاس ہنگری سے بحیرۂ اسود تک جن علاقوں میں واقع ہے، وہ سب دولتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں آ گئے تھے۔ رومانیہ اور بلغاریہ کی زیادہ تر سرحد دریائے ڈینیوب ہی بناتا ہے۔ یہ سلاویکیا، کروشیا اور یوکرین کی حدود پر بھی بہتا ہے۔ اس کے کنارے یورپ کے تین دارالحکومت وی آنا (آسٹریا)، بوڈاپسٹ (ہنگری) اور بلغراد (سربیا) واقع ہیں۔ (أطلس العالم، مكتبة لبنان، بيروت، آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

2 بحیرۂ ازوف: یہ جنوبی روس اور یوکرین میں گھرا ہوا سمندر ہے۔ جزیرہ نما کریمیا (یوکرین) اسے بحیرۂ اسود سے الگ کرتا ہے اور ایک تنگ آبنائے بحیرۂ ازوف (Azov Sea) کو بحیرۂ اسود سے ملاتی ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 97)

یورپ میں اسلامی فتوحات اوّلین فتوحاتِ اسلامیہ ہی کا تسلسل تھیں جو عہد خلافتِ راشدہ میں اور اس کے بعد عمل میں آئی تھیں۔ سلطنت عثمانیہ نے بھی اسلام کے نام پر شاندار فتوحات حاصل کیں اور عثمانی عساکر نے جنوب مشرقی اور وسطی یورپ میں دور دور تک مسیحی ممالک روند ڈالے، اور یہ وہ ممالک تھے جو اس سے پہلے کسی مسلم حکمران کے زیر تسلط نہیں آئے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ نے ان ممالک کی فتوحات سے یورپ میں اسلام کے فروغ واشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

تیرھویں صدی عیسوی کے ربع اول میں چنگیز خاں کے حملوں سے دنیا بھر میں خوف و دہشت اور سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے شمالی چین پر قبضہ کر کے ترکستان کا رُخ کر لیا۔ اس زمانے میں کوئی انسانی قوت ایسی نہ تھی جو ان کے مقابلے میں کھڑی ہوتی، چنانچہ 617ھ/1220ء میں چنگیز خاں کے اہم سپہ سالاروں جبی نویان اور سوبدائی نویان نے ترکستان کا علاقہ زیروزبر کر ڈالا اور لوٹتے مارتے ایران تک پہنچ گئے۔

ترکستان: مؤرخ طبری کے مطابق دریائے جیحون (آمو دریا) ترکستان اور سلطنت فارس کی سرحد بناتا تھا۔ 1886ء میں پروفیسر مشکلوف نے ''ترکستان'' یا ''طاس ترکستان'' کا نام اس علاقے کے لیے تجویز کیا جو وسط ایشیا کے وسطی پہاڑوں، بحیرۂ خزر (کیسپین)، سطح مرتفع ایران اور برفانی سمندر (بحرِ منجمد شمالی) کے درمیان واقع ہے۔ اس سے پہلے روس نے ترکستان پر قبضہ کر کے تاشقند کو گورنر جنرل کا صدر مقام بنایا تھا (1867ء)۔ انقلاب روس (1917ء) کے بعد چند سال جمہوریہ ترکستان قائم رہی اور تاشقند اس جمہوریہ کا بھی صدر مقام تھا۔ اس دور میں مغربی ترکستان (روسی ترکستان) اور مشرقی ترکستان (چینی ترکستان) کی اصطلاحیں مستعمل رہیں۔ اُزبک دور سے سیر دریا (سیحون) کے وسطی حصے پر ایک شہر ترکستان کے نام سے آباد ہے۔ اس سے پہلے بارھویں تا چودھویں صدی عیسوی ترکستان شہر کو ''یسی'' کہتے تھے۔ ترکستان کی وجہ تسمیہ غالبًا ''حضرتِ ترکستان'' ولی اللہ احمد یسوی تھے جن کی تبلیغ سے ترکوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ترکستان شہر ''تاشقند۔ اورن برگ'' ریلوے لائن پر واقع ہے۔ 1924ء میں جب سوویت رُوس نے قومیتوں کی بنیاد پر ترکستان کی تقسیمِ نو کی تو ملک کا مشہور نام ''ترکستان'' متروک ہو گیا اور قومیتی نام استعمال ہونے لگے، مثلاً: اُزبکستان، ترکمانستان اور تاجکستان، تاہم مجموعی طور پر روسیوں کے ہاں سرِدنیائے ایزیا (Srednyaya Aziya) یعنی وسطی ایشیا کی اصطلاح استعمال ہوتی رہی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 6/359-362)۔ وسطی ایشیا کا بحیرۂ کیسپین سے صحرائے گوبی تک پھیلا ہوا علاقہ ترکستان ہے۔ اسے پامیر اور تھیان شان کے پہاڑ دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں: ① مغربی ترکستان جس میں موجودہ دور کے ترکمانستان، اُزبکستان، تاجکستان، کرغیزستان اور قازاقستان شامل ہیں۔ ② مشرقی ترکستان جو چین کے مغربی صوبہ شن جیانگ (سابق ''سِنکیانگ'') پر مشتمل ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1551)۔ دسمبر 1991ء میں ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان، کرغیزستان، قازاقستان اور آذربائیجان روسی تسلط سے آزاد ہو گئے۔ آذربائیجان جو بحیرۂ کیسپین کے مغرب میں روایتی ترکستان اور ترکی کے مابین واقع ہے، وہ بھی ترکی زبان بولنے والوں کا ملک ہے۔ ترکستان کے روسی نام میں ''سرِ دُنیا'' (دُنیا کی چھت) سے مراد سطح مرتفع پامیر ہے۔ سمرقند، بخارا، خوارزم، مرو، ترمذ اور فرغانہ ترکستان کے تاریخی شہر ہیں۔



کوکل داش مسجد (تاشقند)



ترفان (شن جیانگ) میں امین مینار



صوبہ قونیہ میں قصبہ سلجوقلو

تاتاری یا منگول (مغل) اس وقت شامانی مذہب [1] کے پیروکار تھے۔ تاتاریوں کی غارت گری سے وسط ایشیا کے ترک مسلمانوں میں جو سراسیمگی پھیلی تھی، اس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوئے۔ ترکوں میں ایک چھوٹا قبیلہ ''قابی'' نام کا تھا جس نے اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور ہو کر اناطولیہ کا رُخ کیا۔ ان کی نفری 400 خیمے، یعنی تقریباً 4 ہزار افراد تھی اور ان کا سردار ایک مالدار شخص تھا جس کا نام کندوزالپ تھا۔

اناطولیہ میں عثمانیوں کا پہلا معرکہ

اس پرآشوب دور میں آذربائیجان کے علاقے میں جو آج ترکی کے شمال مشرق میں واقع ہے، قونیہ [2] کے سلجوقی سلطان [3] اور خاقانِ ترکستان جلال الدین خوارزم شاہ کے مابین وہ معرکہ برپا ہوا جو ''یاسی جمن'' کے نام سے معروف ہے۔ [4] قریب تھا کہ سلطان قونیہ شکست کھا جاتا مگر عین اس وقت کوندوزالپ [5] کمزور فریق کی حمایت میں معرکۂ کارزار میں کود پڑا اور اس کے ساتھ ہو کر لڑائی کے ایسے جوہر دکھائے کہ وہ سلطان قونیہ کی فتح کا سبب بن گیا۔ فتح کے بعد سلطان قونیہ کو پتہ چلا کہ یہ معزز ترک قبیلہ وطن کی تلاش میں ہے۔ تب سلجوقی سلطان نے اس قبیلے میں حصولِ قوت اور جنگجوئی کے اوصاف محسوس کرتے ہوئے انھیں اپنی سلطنت اور بازنطینی (رومی) سلطنت کی درمیانی حدود پر بسا دیا۔ اور دُنیا کا موجودہ نقشہ دیکھا

[1] **شامانیت:** یہ ارواح پرستوں کا مذہب ہے جو شمالی ایشیا اور شمالی امریکہ کی قدیم اقوام میں رائج تھا۔ ''شامان'' (ارواح پرست) روس کی تنگوشی زبان ''سامان'' کے لفظ کی ایک شکل ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:1331)

[2] **قونیہ:** یہ جنوبی وسطی ترکی کا مشہور شہر ہے جس کا قدیم نام ایکونیم (Icunium) ہے۔ معرکہ سلازکرد یا Battle of Manzikert (1071ء) کے بعد سلجوقی ترکوں نے قونیہ پر قبضہ کر لیا۔ 1074ء میں سلجوقی شہزادہ سلیمان بن قتلمش قونیہ میں تخت نشین ہوا۔ یہاں مولانا جلال الدین رومی کا مرقد ہے۔ قونیہ کی سلجوقی سلطنت کا نشان ہلال تھا۔ جسے عثمانیوں نے بھی اختیار کیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-482/2، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 40/1، تاریخ ترکیہ: 26)

[3] یہ سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد اول تھا جس نے 616ھ تا 634ھ / 1219ء تا 1236ء اناطولیہ پر حکومت کی۔ سلجوقی ترکوں نے پانچویں صدی ہجری میں دریائے جیحون سے لے کر بحیرۂ روم تک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ قونیہ کی سلجوقی سلطنت اسی کی ایک شاخ تھی۔ (أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص:222)

[4] مؤلف کو شاید غلط فہمی ہوئی، یہ معرکہ سلجوقی سلطان اور جلال الدین خوارزم شاہ کے مابین برپا نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تاریخ ساز جنگ 621ھ میں سلجوقی فرمانروا علاء الدین کیقباد اول اور مغلوں (تاتاری فوج) کے درمیان لڑی گئی تھی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 426/2، تاریخ ترکیہ از نصیر احمد ناصر، ص:24)

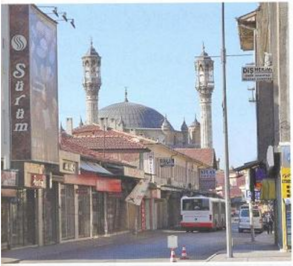
[5] یہ درست نہیں کہ سلجوقی سلطان (علاء الدین کیقباد اول) کی مدد کو پہنچنے والا ترک سردار ''کوندوزالپ'' تھا بلکہ ''درحقیقت وہ ترکمان سردار سلیمان کا بیٹا ارطغرل تھا جو اپنے 444 ہمراہیوں کو لے کر کمزور فریق کی طرف سے زبردست فریق پر ٹوٹ پڑا تھا۔ مغلوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بہت سی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس پر علاء الدین سلجوقی نے ارطغرل کو انگورہ کے قریب جاگیر عطا کی اور اس کے باپ سلیمان خان کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا (تاریخ اسلام: 427/2)۔ ارطغرل کے تین بیٹے تھے: عثمان، گوندوز اور سَرُوبَتی۔ ارطغرل نے علاء الدین کیقباد اول کے عہد میں نقلِ وطن کیا۔ اس نے قرہ جہ حصار اور کوتاہیہ کو فتح کیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 386/2)۔ ارطغرل کے بیٹے گوندوز کو مؤلف نے غلط فہمی میں ''کوندوزالپ'' لکھ کر علاء الدین کیقباد اوّل کا مددگار ٹھہرایا ہے جو صحیح نہیں۔ علاء الدین سلجوقی اور جلال الدین خوارزم شاہ میں لڑائی 627ھ / 1230ء میں ارزنجان کے مقام پر ہوئی تھی جس میں سلجوقی سلطان کو الملک الاشرف ایوبی کی مدد حاصل تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 323/7)

جائے تو وہ حدود آج کے ترکی میں ''اسکی شہر''[1] ''بلیجک''[2] اور کوتاہیہ[3] کے صوبوں میں پڑتی ہیں۔

اس سلطان کے عہد میں قونیہ کی سلجوقی سلطنت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ اس نے ترکمان قبیلہ ''قائی'' کو جب سرحدی جاگیر عطا کی، اس جاگیر کی وسعت غالباً 2 ہزار مربع کلومیٹر سے زیادہ نہ تھی، تاہم ارطغرل نے رومیوں کے خلاف جہاد کرکے اس کا رقبہ 4800 مربع کلومیٹر تک وسیع کر لیا اور جب 90 سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا (680ھ/1281ء) تو اُس کا بیٹا عثمان اس کا جانشین بنا۔



اسکی شہر کے وسط میں رشادیہ مسجد



کوتاہیہ (ترکی) کا بازار

1 اسکی شہر: ترکی میں ''اسکی'' کے معنی ہیں ''پرانا''۔ ''اسکی شہر'' وسطی مغربی اناطولیہ کا ایک شہر ہے۔ یہ ولایت اسکی کا صدر مقام ہے اور گرم چشموں کے لیے مشہور ہے۔ اسکی شہر نے قدیم ڈوری لیون (عربی میں دَرَوْلیہ) کی جگہ لی ہے۔ 89ھ/708ء میں عباس بن ولید اُموی نے ڈوری لیون کو فتح کیا۔ یکم جولائی 1097ء کو صلیبی محاربین ڈوری لیون کی لڑائی جیت کر سلجوقی مملکت میں سے گزرنے کے قابل ہوگئے۔ اکتوبر 1147ء (دوسری صلیبی جنگ) میں یہاں عیسائیوں نے شکست کھائی اور ان کی پیش قدمی رُک گئی۔ 1175ء میں سلجوقیوں نے (صلیبی حملے کے پیشِ نظر) اس شہر کو برباد کر دیا۔ 22-1920ء کی یونان ترکی جنگ میں یہ شہر پھر برباد کیا گیا۔ ان دنوں ''اسکی شہر'' ایک صنعتی شہر اور ریلوے جنکشن ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/ 667,666)

2 بلجک یا بیلہ جک: یہ شہر انقرہ کے مغرب میں اور ''اسکی شہر'' کے نزدیک شمال مغرب میں واقع ہے۔ اسے ماضی میں بلوکومہ کہا جاتا تھا۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/523)

3 کوتاہیہ: یہ قدیم Cotyaeum ہے جو ایک سنجق (صوبہ یا ڈویژن) کا صدر مقام ہے۔ یہ پُرسق (دریائے سقاریہ کا معاون) کے کنارے واقع ہے۔ اس کے مضافات میں گرم پانی کے چشمے ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی (783ھ/1381ء) میں یہ قصبہ ترکمانی حکمران گرمیان اوغلی (سلیمان شاہ) کا دارالحکومت تھا اور اس نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دے دیا جس کی شادی بایزید اول (یلدرم) سے ہوئی تھی۔ جنگِ انقرہ (1402ء) کے بعد تیمور نے افسوس کی طرف پیش قدمی کی تو کوتاہیہ میں اپنے بیٹے شاہ رُخ کو والی بنا گیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 17/ 442 اور: 17/ 546)۔ ''کوتاہیہ'' اسکی شہر کے جنوب مغرب میں ہے۔

2

عثمان اوّل اور فتوحات کا آغاز

ارطغرل کے جانشین عثمان اول کی حکومت 726ھ/1326ء تک رہی۔ یہی عثمان اول سلطنتِ عثمانیہ کا حقیقی بانی شمار ہوتا ہے۔[1] جب سے اس نے اقتدار سنبھالا، اس کی فوج نے ہر میدان میں رزم آرائی اور جنگی مہارت کے اعلیٰ معیار کا مظاہرہ کیا۔ اس کے لشکری ہر آن غزاو جہاد کے مشتاق رہتے تھے، اس طرح سلطنت عثمانیہ کو سیاسی منظر پر اُبھرنے کا موقع مل گیا۔ عثمان خان کے سامنے دو محاذ تھے جن پر وہ جنگ کر سکتا تھا: ① بازنطینی محاذ ② ترکمانی امارات کا محاذ۔ اور اس نے اپنا نصب العین یہ طے کیا کہ وہ اپنی سلطنت کی توسیع بازنطینی سلطنت کی حدود میں کرے گا اور اناطولیہ کی ترکمانی امارات سے تصادم مول نہیں لے گا۔

عثمان خان کا قرہ جہ حصار پر قبضہ

691ھ/1291ء میں عثمان نے قرہ جہ حصار[2] نامی قلعہ فتح کر لیا جو اِسکی شہر کے جنوب میں واقع تھا۔ اس نے قرہ جہ حصار کو اپنا دارالحکومت بنا لیا اور اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ یہیں سے اس نے بحیرۂ مرمرہ[3] اور بحیرۂ اسود[4] کی طرف فوجی مہمات سر کیں۔

1 699ھ میں تاتاریوں نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد ثالث مدافعت کرتا ہوا شہادت سے ہمکنار ہوا اور اس کا بیٹا غیاث الدین بھی مارا گیا۔ مغل حکمران غازان لوٹ مار کر کے واپس چلا گیا۔ بعد میں سلجوقی سلطنت کا کوئی حقیقی وارث نہ ہونے کے باعث لشکریوں اور شہریوں نے عثمان خاں ہی کے سر پر تاج رکھ دیا (تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص: 28,27)۔ عثمان خاں بانیٔ دولت عثمانیہ کی تخت نشینی یکم محرم 699ھ/ 28 ستمبر 1299ء کو عمل میں آئی (تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی، ص: 175)۔ غازان چار پانچ سال پہلے اسلام قبول کر کے ''غازان محمود خان'' بن چکا تھا مگر ابھی اس میں خوئے خونریزی بدستور موجود تھی۔ غیاث الدین کیخسرو (ثالث) شاہ قونیہ نے عثمان خان کو اپنی فوج کا رئیس العسکر بنا کر اپنی بیٹی (اکلوتی اولاد) اس سے بیاہ دی۔ بہت جلد عثمان وزیراعظم بن گیا۔ 699ھ میں علاء الدین کیقباد ثالث مغلوں کے ایک ہنگامے میں قتل ہوا تو ارکان سلطنت نے عثمان خان کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ یوں اسرائیل بن سلجوق کی اولاد نے 429ھ میں جو سلطنت قائم کی تھی وہ 699ھ میں ختم ہو گئی اور اس کی جگہ سلطنت عثمانیہ نے لے لی۔ یاد رہے اسرائیل بن سلجوق وہی شخص تھا جس کو سلطان محمود غزنوی کے حکم سے قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید رہنا پڑا تھا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 429/2)

2 قرہ جہ حصار (قرہ حصار): یہ مغربی اناطولیہ میں دریائے اقار چائی کے کنارے قونیہ کوتاہیہ ریلوے لائن پر واقع ہے۔ ترکی زبان میں ''قرہ حصار'' کے معنی ہیں ''سیاہ قلعہ'' اچھی افیون پیدا ہونے کے باعث اسے افیون قرہ حصاری یا قرہ حصار افیون بھی کہتے ہیں۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/3، 16-72,71/2) آج کل یہ شہر صرف ''افیون'' کہلاتا ہے۔

3 بحیرۂ مرمرہ: اس کا قدیم نام Propontis تھا۔ یہ یورپی ترکی کو ایشیائی ترکی سے جدا کرتا ہے۔ بحیرۂ مرمرہ (Sea of Marmara) کو آبنائے باسفورس بحیرۂ اسود سے ملاتی ہے اور درۂ دانیال اسے بحیرۂ ایجین سے ملاتا ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 884)

4 بحیرۂ اسود: یہ مدوجزر سے خالی تقریباً خشکی بند سمندر ہے جو روس، جارجیا، ترکی، بلغاریہ، رومانیہ اور یوکرین میں گھرا ہوا ہے اور آبنائے باسفورس، بحیرۂ مرمرہ اور درۂ دانیال کے ذریعے سے بحیرۂ ایجین اور بحیرۂ روم سے ملا ہوا ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 149)

701ھ/1301ء میں عثمان خان نے بازنطینی سپہ سالار موزایون کو اقیون حصار نامی قلعے کے نزدیک شکست دی جو کہ ازمیت [1] اور نیقیہ [2] کے درمیان واقع ہے۔ اس کی کامیابی سے عثمان کے بروسہ [3]، نیقیہ اور ازمیت پر عسکری قبضے کی راہ ہموار ہوگئی۔ پھر اس نے ینی شہر [4] فتح کرلیا جسے اس نے اپنا دارالحکومت بنالیا۔ اور 704ھ/1304ء میں سلجوقی رُومی سلطنت کے زوال پر عثمان کو موقع ملا تو اس نے اناطولیہ کی بٹی ہوئی ریاستوں کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔


ازمید (ترکی) اور بحیرۂ مرمرہ


ازنیق (نیقیہ) کی سبز مسجد


بُرسہ شہر (ترکی)

[1] **ازمیت**: یونانی، اناطولیہ کے اس قدیم شہر کو نیقومیڈیا کہتے تھے، ترکوں نے اسے ازمید یا ازمیت کا نام دیا جو ولایت کوکائلی میں واقع ہے۔ خلیج ازمیت دراصل بحیرۂ مرمرہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

[2] **نیقیہ**: یہ قدیم یونانی شہر اسی نام کی جھیل کے کنارے بیلہ جک کے شمال میں واقع ہے۔ آج کل اسے ازنیق کہتے ہیں۔ ازنیق (نیقیہ) قدیم عثمانی دارالحکومت بروسہ سے تقریباً 80 کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے۔ نیقیہ (Nicaea) دوکلیسائی کونسلوں کے لیے مشہور ہے۔ 325ء کی نیقیہ کونسل نے اسکندریہ کے پادری ایریس (Arius) کے اس نظریے کو رد کردیا کہ عیسیٰ خدا نہیں اور اس کے بجائے ''نظریۂ نیقیہ'' یعنی الوہیت مسیح کا نظریہ مسیحیت کی بنیاد قرار پایا۔ دوسری نیقیہ کونسل (787ء) نے بت شکن عیسائیوں (Iconoclasts) کی مذمت کرکے بت پرستی کو جزو عیسائیت بنا دیا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 979)۔ عربوں نے 717ء اور 725ء میں نیقیہ کا ناکام محاصرہ کیا۔ 1081ء میں یہ سلیمان بن قُتُلمش سلجوقی کے قبضے میں آگیا جس نے یہاں رہائش اختیار کرلی۔ 1096ء میں سلیمان کے بیٹے اور جانشین آلپ ارسلان نے نیقیہ کے سامنے والٹر کے زیر قیادت پہلے صلیبیوں کو شکست فاش دی مگر آئندہ سال 20 جون 1097ء کو یہ شہر گوڈفرے کی سرکردگی میں حملہ آور صلیبیوں کا مقابلہ نہ کرسکا اور اس نے بوزنطیوں کی اطاعت قبول کرلی جو صلیبیوں کے حلیف تھے۔ عثمانی سلطان اورخان نے طویل محاصرے کے بعد 731ھ/1331ء میں نیقیہ پر قبضہ کیا اور کچھ دنوں کے لیے اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ 1402ء میں تیمور کی فوج کے ایک دستے نے اس شہر پر قبضہ کرکے اسے ویران کردیا۔ اولیا چلپی اور ابوبکر فیضی اس کا ایک نام ''چینِ ماچینِ روم'' بتاتے ہیں کیونکہ یہاں کی چینی کی ٹائلوں کی صنعت مشہور تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/507، 508)

[3] **بُرسہ یا بورسہ**: بُرسہ (Bursa) ایک مشہور شہر ہے جو ترکی کے شمال میں بحیرۂ مرمرہ کے قریب واقع ہے۔ بحیرۂ مرمرہ سے اس کا فاصلہ 35 کلومیٹر ہے۔ یہ اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت بھی ہے۔ بُرسہ 1326ء سے 1362ء تک سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت رہا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 196)۔ بُرسہ یا بُورسہ جسے ترکانِ آلِ عثمان قدیم شہر پروسہ (Prusa) کے نام کی رعایت سے بروسہ بھی کہتے ہیں، کوہسار کشیش طاغ (Mysian Olympus) کے شمال میں واقع ہے۔ 804ھ/1402ء میں جب تیمور نے بایزید اول (یلدرم) پر فتح پائی تو برسہ کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد جلا ڈالا۔ اس کے بعد سے برسہ کی جگہ ادرنہ (ایڈریانوپل) کو عثمانی دارالسلطنت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ 1248ھ/1832ء میں برسہ ایالت خداوندگار کا صدر مقام بن گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 4/402-405)

[4] **ینی شہر**: اس نام کے معنی ہیں ''نیا شہر'' اور یہ بروسہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ ترکوں نے بعد میں یونان فتح کرکے وہاں بھی ایک ینی شہر بسایا جو اب Neapoli کہلاتا ہے اور مغربی مقدونیہ میں واقع ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 117)

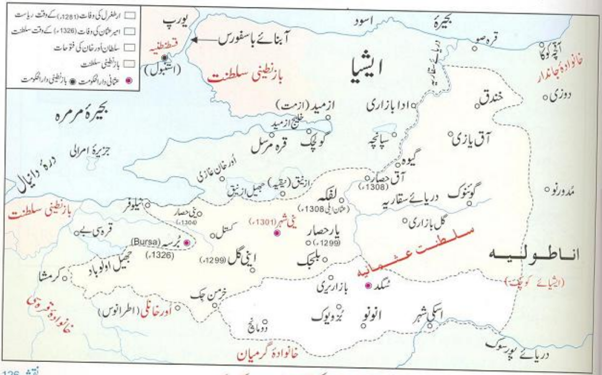
عثمانی عساکر کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ انھوں نے بُرسہ اور نیقیہ کے درمیان واقع قلعہ ''تریکوکا'' پر قبضہ کرلیا جو نیقیہ اور نیقومیڈیا (ازمیت) کو ملانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ اس کے نتیجے میں عثمانی آبنائے باسفورس سے قریب ہوگئے اور جلد ہی اورخان بن عثمان خان کے ہاتھوں بُرسہ فتح ہوگیا (2 جمادی الاولی 726ھ / 6 اپریل 1326ء)۔ یہاں تعینات رومی فوج پسپا ہوگئی اور اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوگیا۔ اُورخان نے اہل شہر سے کوئی تعرض نہ کیا اور انھوں نے جزیے کی ادائیگی پر صلح کرلی، پھر عثمان نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا اورخان تخت نشین ہوا۔ عثمان خان نے بستر مرگ سے اپنے بیٹے کو گرانقدر وصیت کی تھی جس میں اسلام کی روح نمایاں طور پر نظر آتی ہے:

''اے میرے بیٹے! کسی ایسے کام میں مشغول ہونے سے بچنا جس کا اللہ رب العالمین نے حکم نہیں دیا۔ جب تمھیں کسی مشکل امر کا فیصلہ کرنا ہو تو علمائے دین کے مشورے سے مدد حاصل کرنا۔

اے میرے بیٹے! تم (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی) اطاعت کرکے عزت حاصل کرنا اور اپنے لشکریوں کو نوازتے رہنا۔ اور شیطان تمھیں تمھارے لشکر اور مال پر مغرور نہ کردے اور تم اہلِ شریعت سے دُور رہنے کی روش اختیار نہ کرنا۔

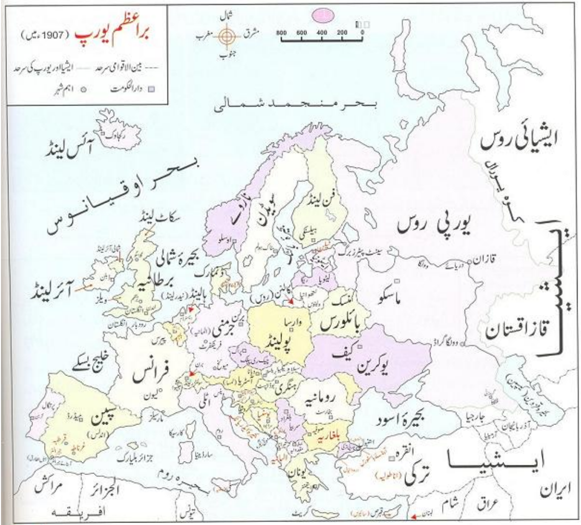
اے میرے بیٹے! تم جانتے ہو کہ ہماری غایت اللہ رب العالمین کی رضا مندی ہے اور بے شک جہاد سے ہمارے دین کی روشنی زمانے بھر میں عام ہوجائے گی، یوں اللہ جل جلالہ کی مرضی پوری ہوکے رہے گی۔

اے میرے بیٹے! ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی سلطنت قائم کرنے یا انسانوں کو غلام بنانے کے لیے جنگیں لڑتے ہیں۔ پس ہم تو اسلام کے لیے جیتے اور اسلام کے لیے مرتے ہیں۔ اور اے میرے بیٹے! یہی ہمارا طریقہ ہے، تم اس پر کاربند رہنا۔''



نقشہ 126

سلطنت عثمانیہ کی توسیع (1326ء تک)


براعظم یورپ
(1907ء میں)
بین الاقوامی سرحد
ایشیا اور یورپ کی سرحد
دارالحکومت
اہم شہر
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
800
600
400
200
0
بحر منجمد شمالی
آئس لینڈ
بحر اوقیانوس
ایشیائی روس
فن لینڈ
یورپی روس
سکاٹ لینڈ
بحیرہ شمالی
برطانیہ
آئرلینڈ
ڈنمارک
ہالینڈ
جرمنی
برلن
وارسا
پولینڈ
بائلورس
ماسکو
قازان
سینٹ پیٹرز برگ
قازاقستان
فرانس
پیرس
خلیج بسکے
کیف
یوکرین
ہنگری
رومانیہ
اٹلی
سپین
میڈرڈ
مارسلز
بحیرہ اسود
بلغاریہ
جارجیا
آذربائجان
انقرہ
ترکی
ایشیا
یونان
بحیرہ روم
مراکش
الجزائر
افریقہ
تیونس
شام
عراق
ایران
ایشیا

نقشہ 127

3

اُورخان فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتا ہے

اُورخان بن عثمان 726ھ/1326ء میں تختِ حکومت پر براجمان ہوا اور اس کی حکومت 761ھ/1359ء تک قائم رہی۔ اورخان کو اپنے والد کی طرف سے روحِ جہادِ اسلامی کے احیا کے لیے کوشاں رہنے کا جو جذبہ حاصل ہوا تھا اسے بروئے کار لاتے ہوئے اس نے اپنے عہد میں سلطنت کی توسیع کا کام جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں ازمیت، ازنیق اور بحیرۂ مرمرہ کے جنوب میں امارت قرہ سی [1] کی فتح عطا فرمائی۔

758ھ/1356ء میں اورخان کے بیٹے سلیمان نے ایک رات 40 جانبازوں کے ساتھ درۂ دانیال کو پار کیا اور اس کے مغربی کنارے جا پہنچے۔ وہاں سے اُنھوں نے رومی کشتیاں چھینیں اور مشرقی ساحل پر لوٹ آئے۔ اس وقت عثمانیوں کے پاس بحری بیڑا نہیں تھا کیونکہ ابھی ان کی سلطنت کے قیام کے ابتدائی مراحل طے ہو رہے تھے۔ مشرقی کنارے پہنچ کر سلیمان نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ان کشتیوں میں سوار ہو جائیں، پھر انھوں نے ان کشتیوں میں یورپی ساحل پر ہلا بول دیا اور قلعہ ترنب (Tzympe) کی بندرگاہ اور گیلی پولی [2] فتح کر لیے۔ وہاں چناق قلعہ [3] بھی تھا۔ ان کے علاوہ عثمانیوں نے ابسالا اور رودستو پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ دونوں درۂ دانیال کے یورپی ساحل پر واقع تھے۔ یہ چاروں اہم مقامات درۂ دانیال کے مغربی ساحل پر جنوب سے شمال تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان پر قبضہ کر کے اس عظیم مسلم سپہ سالار نے یورپی ساحل پر ایسے مراکز حاصل کر لیے جن سے بعد میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے آنے والوں نے استفادہ کیا۔



گیلی پولی کا ساحل

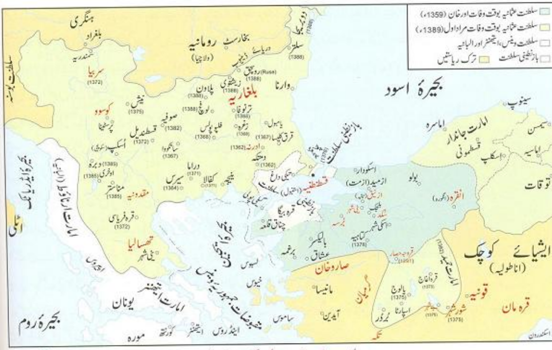
اس حکمران (اُورخان) کا اہم ترین کارنامہ عثمانی سلطنت کے ڈھانچے کی تشکیل تھا۔ اسی کے عہد میں وزیر اول (صدر اعظم) کا منصب قائم ہوا۔

[1] قرہ سی: ترکوں کی یہ چھوٹی سی ریاست بحیرۂ ایجئین کے شمال میں بحیرۂ مرمرہ کے کنارے واقع تھی۔ 737ھ/1336ء میں اس پر اُورخان کا قبضہ ہوا۔

[2] گیلی پولی: یہ درۂ دانیال کے یورپی ساحل پر جزیرہ نما گیلی پولی میں واقع ہے۔ یورپی ترکی (تھریس) کے اس شہر نے پہلی جنگ عظیم کے دوران میں 1915ء میں شہرت پائی جب اتحادیوں نے درۂ دانیال سے گزرنا چاہا تاکہ بحیرۂ اسود کی روسی بندرگاہوں تک رسد پہنچا سکیں لیکن ترکوں نے شدید مزاحمت کی۔ اس پر اتحادیوں بشمول آسٹریلیا و نیوزی لینڈ کی افواج نے جزیرہ نما گیلی پولی (Gallipoli) پر حملہ کر دیا۔ اس خونریز جنگ میں طرفین کے ڈھائی ڈھائی لاکھ فوجی مارے گئے اور ترکوں نے اتحادیوں کو ناکوں چنے چبوائے حتیٰ کہ جنوری 1916ء میں اتحادی فوجیں بے نیل مرام پسپا ہو گئیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 568)

[3] چناق قلعہ (Canakkale): دراصل درۂ دانیال کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)

اس کے عہد میں فوج کو دو مستقل حصوں ''پیادہ'' اور ''سوار'' میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور دولتِ عثمانیہ کے نام کے سونے اور چاندی کے سکے جاری کیے گئے۔ عثمانی سکوں کا اجرا اُورخان کے بھائی علاء الدین [1] کی تدبیر سے ہوا جو صدرِ اعظم کے منصب پر فائز اور داخلی امور کی انجام دہی کا ذمہ دار تھا۔ اس طرح اُورخان کو فتوحات اور اسلام کے فروغ کی مہم جاری رکھنے کے لیے فراغت میسر آ گئی تھی۔ اس نے فتوحات جاری رکھیں حتی کہ 761ھ / 1359ء میں اسے موت نے آ لیا۔



نقشہ 128

سلطنت عثمانیہ (مراد اول کے عہد میں)

[1] علاء الدین علی، اُورخان کا بڑا بھائی تھا۔ اُورخاں نے تخت نشین ہو کر سلطنت کو باہم تقسیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی مگر علاء الدین باپ کی وصیت کا پاس کرتے ہوئے نہ مانا، تاہم اُورخان کے اصرار پر اس نے انتظام مملکت کی ذمہ داری قبول کی۔ وہ سلطنت عثمانیہ کا پہلا وزیر اور پہلا خطاب یافتہ ''پاشا'' تھا۔
(تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ص:40)

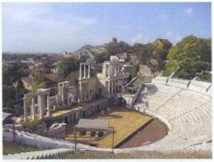
4

سلطان مراد اول کی فتوحات

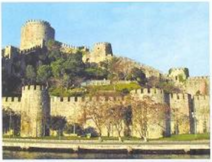
اورخان کی وفات کے بعد زمام سلطنت اس کے بیٹے مراد اول کے ہاتھ آئی (761 ھ/1360ء) اور اس کا عہد حکومت 791 ھ / 1389ء تک محیط رہا۔ اس عثمانی حکمران نے اپنے پیشروؤں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے جہاد کا پرچم اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے اسے 763 ھ / 1362ء میں ادرنہ [1] کی فتح عطا کی۔ اس کے ساتھ ہی مراد اپنا دارالحکومت بروسہ سے ادرنہ لے گیا تاکہ یورپ میں دعوت اسلام و جہاد کے فروغ میں مدد ملے اور وہ یورپی جہادی مہمات پر قریب کے اس مقام سے روانہ ہو سکے۔ جلد ہی اس کے ہاتھوں شہر فلپو پولس (فیلبہ) [2] فتح ہو گیا (1368 ھ) جو آج کل جنوبی بلغاریہ میں صوبہ مشرقی رومیلیا [3] کا دارالحکومت ہے۔ یوں قسطنطنیہ عثمانیوں کے گھیرے میں آ گیا۔ یہ اس امر کی بشارت تھی کہ قسطنطنیہ فتح ہونے کے قریب ہے۔



ادرنہ کی ایک شاندار مسجد



فلپو پولس (بلغاریہ) کا رومی ایمفی تھیٹر



حصار رولی

[1] ادرنہ: یہ شہر یورپی ترکی، یعنی تھریس کی سرحد پر واقع ہے۔ رومی حکمران ہیڈریان کے نام پر اس کا یونانی نام ایڈریا نوپل (Adrianople) ہے۔ ادرنہ فتح قسطنطنیہ تک عثمانی دارالحکومت رہا۔ جنگ بلقان (1913ء) کے دوران میں بلغاری افواج حملہ آور ہوئیں اور ترک جرنیل شکری پاشا حصار ادرنہ میں محصور ہوا تو اس نے وہاں مارشل لاء نافذ کر کے شہریوں سے جبری حصول رسد کا حکم دیا مگر شہر کے مفتیٔ اعظم نے فتویٰ دیا کہ "ذمیوں (یہود و نصاریٰ) کا مال مسلمانوں پر حرام ہے۔" اس پر عثمانی لشکر نے ذمیوں کے اموال کو چھونا بھی گوارا نہ کیا۔ علامہ اقبال نے اس واقعے کو "بانگِ درا" کی نظم "محاصرۂ ادرنہ" میں بیان کیا ہے۔ اس کا دوسرا شعر ہے۔

گردِ صلیب گردِ قمر حلقہ زن ہوئی　　　شکری حصارِ درنہ میں محصور ہو گیا

1920-23ء میں یونانی ادرنہ پر قابض رہے۔ معاہدہ لوزان (جولائی 1923ء) کے تحت مشرقی تھریس اور ادرنہ ترکوں کو واپس مل گئے۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 270/1)

[2] فلپو پولس (فیلبہ): قدیم مقدونیہ کا یہ شہر ان دنوں بلغاریہ میں شامل ہے اور Plavdiv کہلاتا ہے۔ یہ بلغاریہ کے دارالحکومت صوفیہ اور ادرنہ کے مابین نصف مسافت پر واقع ہے۔ اسے مراد اول کے جنرل لالہ شاہین نے فتح کیا۔ (تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص: 50)

[3] رومیلیا (رُوملی): عثمانیوں نے بلقان کے علاقوں تھریس اور مقدونیہ کو مجموعی طور پر "روم ایلی" یا "رُوملی" (Romelia) کا نام دیا تھا (المنجد في الأعلام: 271) چنانچہ سلطان محمد فاتح کے رومیلیا کے ساحل پر تعمیر کردہ قلعے کو حصار رولی یا رومیلی حصاری کہا جانے لگا۔

سلطان مراد مشرقی یورپ میں فتوحات کا دائرہ مسلسل آگے بڑھاتا رہا حتی کہ 772ھ/1370ء میں وہ دریائے ڈینیوب تک پہنچ گیا۔ 775ھ/1373ء میں اس نے سربیا و بلغاریہ کی متحدہ افواج پر فتح حاصل کی جو اس کی پیش رفت کی راہ میں حائل ہوئی تھیں۔ اس نے مقدونیہ [1] اور ساحل دلماسیا [2] پر قبضہ کرلیا اور سرب اور بلغاری امراء کو اطاعت پر مجبور کردیا۔ ان سب کو سالانہ خراج کی ادائیگی پر معاہدۂ صلح کرتے ہی بنی۔ صلح نامے کی ایک شرط کے مطابق مراد نے شاہ بلغاریہ کی بیٹی سے رشتۂ ازدواج استوار کیا۔ اس نے ان دگرگوں حالات سے فائدہ اٹھایا جن سے یورپ اور بازنطینی سلطنت دوچار تھے۔ عثمانی افواج نے مغربی بلقان کی طرف پیش قدمی کی اور مناستر [3]، برلبہ [4]، استیب اور صوفیہ [5] کے شہر فتح کر لیے۔ صوفیہ کا سقوط تین سال کے محاصرے (85-783ھ/83-1381ء) کے بعد عمل میں آیا۔ اسی دوران میں مشرقی بلغاریہ میں تورنوفو، شومن اور تقعان پر بھی عثمانی پرچم لہرانے لگا۔ ترکوں نے جزیرہ نمائے بلقان میں پیش قدمی جاری رکھی اور 788ھ/1386ء میں جنگی اہمیت کا شہر نیش (سربیا) فتح ہوگیا۔ ادھر عثمانی سپہ سالار خیر الدین پاشا قرہ خلیل جاندرلی نے گیلی پولی سے مقدونیہ پر یلغار کی اور 789ھ/1387ء میں عثمانیوں نے سالونیکا فتح کرلیا۔ خیر الدین پاشا کے فرزند علی پاشا نے، جو عثمانی وزیر تھا، شاہ بلغاریہ سیسمن کو فرار ہونے پر مجبور کردیا اور اُس نے نکوپولس [6] میں جا پناہ لی



سکوپجی (مقدونیہ) کی مصطفیٰ پاشا مسجد



صوفیہ (بلغاریہ) کی این مُوئی مسجد



مناستر (بتولا) کی ایک شاندار مسجد (مقدونیہ)

1 **مقدونیہ یا میسی ڈونیا (Macedonia)**: جنوب مشرقی یورپ میں مقدونیہ کی بادشاہت شاہ فلپ ثانی اور سکندر اعظم کے زمانے میں ایک عالمی طاقت بن گئی تھی۔ ماضی کا مقدونیہ ان دنوں یونان، بلغاریہ اور جمہوریہ مقدونیہ میں بٹا ہوا ہے۔ شمالی یونان کے علاقہ مقدونیہ کا اہم ترین شہر سالونیکا ہے۔ خشکی بند جمہوریہ مقدونیہ کا دار الحکومت سکوپجی ہے۔ جمہوریہ مقدونیہ نے 1991ء کے ریفرنڈم کے بعد یوگوسلاویہ سے علیحدگی اختیار کی۔ مقدونیہ کی 25 فیصد آبادی مسلمان ہے۔
(آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:861)

2 **ڈلمیشیا (دلماسیا)**: جنوب مغربی کروشیا کا یہ علاقہ بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں بوسنیا و ہرزیگوینا واقع ہے۔

3 **مناستر**: یہ شہر جمہوریہ مقدونیہ کے جنوبی علاقے میں واقع ہے اور ان دنوں بٹولا (Bitola) کہلاتا ہے۔

4 **برلبہ**: یہ شہر سابق یوگوسلاویہ اور البانیہ کی حدود کے قریب واقع ہے۔

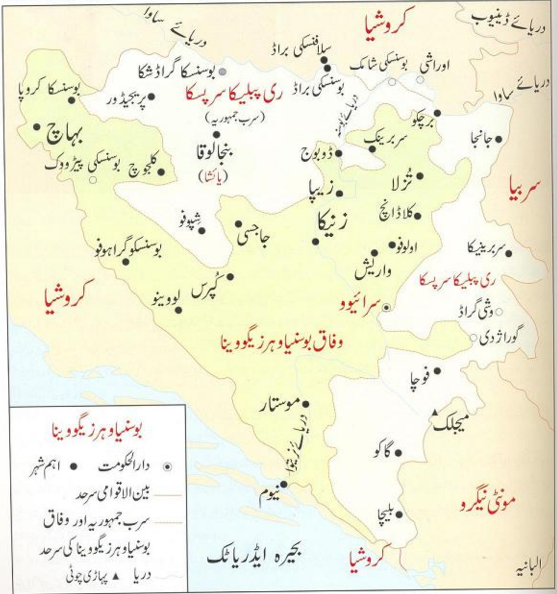
5 **صوفیہ (Sofia)**: اسے تھریس (تراقیا) والوں نے آباد کیا۔ پہلی صدی عیسوی میں یہ سلطنت روم کا ایک صوبہ بنا، پھر یہ بازنطینیوں اور ترکوں کے قبضے میں رہا۔ 1879ء میں صوفیہ (آزاد) بلغاریہ کا دار الحکومت قرار پایا۔ اس کی آبادی 13 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:1376)

6 **نکوپولس (Nicopolis)**: شمالی بلغاریہ کا یہ شہر دریائے ڈینیوب کے کنارے واقع ہے اور ان دنوں Nikopol کہلاتا ہے۔

(ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ:116)

(790ھ /1388ء)۔علی پاشا نے نکوپولس کا جامحاصرہ کیا۔سیسمن نے شکست کھائی اور ترکوں نے اسے قیدی بنالیا۔مراد نے اس کا نصف ملک سلطنت عثمانیہ میں ضم کرلیا اور باقی نصف پر اس کی عملداری تسلیم کرلی۔

بجائے اس کے کہ یورپ کے امراء وحکمران اللہ رب العالمین کی طرف پلٹ آتے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے، انھوں نے فوجیں اکٹھی کرنی شروع کردیں۔وہ عالم عیسائیت کو عثمانی حکمرانوں کے خلاف اُبھارنے لگے، چنانچہ قسطنطنیہ کے اعیان حکومت نے مغربی یورپ کے حکمرانوں اور پاپائے روم کو خطوط لکھے جبکہ عثمانی اُن کے سروں پر پہنچ چکے تھے۔ان خطوط میں مسلمان ترکوں کے خلاف فوجی امداد کی مانگ کی گئی تھی۔دریں اثناء پوپ اربن پنجم نے یورپی بادشاہوں کو نئی صلیبی جنگ شروع کرنے کی ترغیب دی تا کہ اس نئی اسلامی یلغار کے مقابلے میں نصرانیت کا تحفظ کیا جا



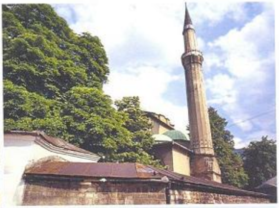
نقشہ 129

سکے۔ یوں سربیا [1]، بوسنیا، افلاق (جنوبی رومانیہ کا علاقہ ولاچیا) [2] اور ہنگری [3] کا دفاعی اتحاد وجود میں آگیا اور ان سب کی متحدہ افواج پر مشتمل ایک لشکر جرار عثمانی دارالحکومت ادرنہ کی طرف بڑھا۔ دریائے مرتزا [4] کے کنارے چراگاہ میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عثمانی فوج نے مسیحیوں کو عبرتناک شکست دی اور یورپی حکمرانوں نے جزیے کی شرط پر صلح کی درخواست کی جو سلطان مراد نے قبول کر لی۔

ادھر اللہ تعالٰی کی رضا یہ تھی کہ سلطان مراد اول کو اس کی بارگاہ میں شہادت کی عظیم سعادت حاصل ہو، چنانچہ مشیتِ الٰہی سے



دریائے مرتزا



مسجد غازی خسرو بیگ (سرائیوو)

[1] سربیا: بلقان کی جمہوریہ سربیا کی آبادی 1986ء میں تقریباً ایک کروڑ تھی۔ سربیا نے 1878ء میں ترکی سے آزادی حاصل کی۔ سربیا اور آسٹریا کی مخاصمت کے باعث پہلی جنگ عظیم (18-1914ء) چھڑی۔ جنگ ختم ہونے پر سربیا کو نوتشکیل شدہ یوگوسلاویہ میں ضم کر دیا گیا۔ 92-1991ء میں یوگوسلاویہ کی چھ میں سے چار جمہوریاؤں نے علیحدگی کا اعلان کیا تو سربیا کے فوجی تربیت یافتہ سرب کروشیا سے مسلح تصادم، بوسنیا کی خانہ جنگی اور کوسوو میں البانوی قوم پرستی کو دبانے میں ملوث رہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1322)۔ حقیقت یہ ہے کہ 95-1992ء میں یوگوسلاویہ کی سرب نژاد فوج اور سربیا و بوسنیا کے سرب دہشت گردوں نے مل کر بوسنیا کے مسلمانوں کا وحشیانہ طور پر قتل عام کیا اور تقریباً 2 لاکھ بوسنوی مسلمان شہید کر دیے گئے۔ پھر 1999ء میں سربیا کی فوج نے کوسوو کے حریت پسند مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ یوگوسلاویہ کی شکست وریخت پر اپریل 1992ء میں سربیا و مونٹی نیگرو کا جو وفاق قائم ہوا تھا، جون 2006ء میں مونٹی نیگرو اس سے الگ ہو کر آزاد ملک بن چکا ہے۔

[2] افلاق (ولاچیا): جنوب مشرقی یورپ کی یہ سابق ریاست دریائے ڈینیوب اور کوہ ٹرانسلوینین ایلپس کے مابین واقع ہے۔ 1861ء میں ولاچیا نے مولڈیویا کے ساتھ اتحاد کر کے مملکت رومانیہ تشکیل دی۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1626)

[3] ہنگری: وسطی یورپ کے اس ملک کو ہنگروی زبان میں (Magyarorszag) کہا جاتا ہے۔ اسے 9 ویں صدی عیسوی میں مگیار قوم نے آباد کیا تھا۔ مگیار بادشاہت کو 16 ویں صدی (عیسوی) میں ترکوں نے اور 17 ویں صدی (عیسوی) میں ہیپس برگ سلطنت (آسٹریا) نے فتح کر لیا۔ 1918ء میں آسٹرو ہنگرین سلطنت کی شکست وریخت کے نتیجے میں ہنگری آزاد ہو گیا۔ اس کا دارالحکومت بوڈاپسٹ دو شہروں بوڈا اور پسٹ کا مجموعہ ہے۔ اس کی آبادی ایک کروڑ 6 لاکھ ہے (1990ء)۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 691)

[4] دریائے مَرتزا (Maritsa): یہ دریا بلغاریہ کی پہاڑیوں سے نکل کر جنوب مشرق کو بہتا ہے اور پھر جنوب کی طرف ترکی یونان سرحد کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا بحیرۂ ایجین میں آن گرتا ہے۔

بوسنیا میں تاریخِ انسانی کا سب سے وحشتناک قتل عام

سربیا، کروشیا اور مونٹی نیگرو سے گھری یورپی ریاست بوسنیا و ہرزیگووینا پر 1000ء تا 1200ء ہنگری کا تسلط رہا۔ 1463ء میں اس پر ترک قابض ہوئے۔ وہ اسے بوسنہ وہرسک کہتے تھے۔ بوسنیا و ہرزیگووینا کا دارالحکومت سرائیوو ہے۔ اس کا بانی عیسیٰ بیگ اسحاق تھا، تاہم صحیح معنوں میں اسے غازی خسرو بیگ نے تعمیر کرایا۔ خسرو بیگ سلطان بایزید ثانی کا نواسا تھا۔ وہ 1521ء میں بوسنیا کا گورنر بنا۔ 1525ء میں اس نے بوسنیا کا آخری مسیحی دارالحکومت یائشا (Jajce موجودہ بنجالوقا) فتح کیا اور 1541ء میں مونٹی نیگرو کی ایک مہم میں اس نے شہادت پائی۔ 1878ء میں بوسنیا و ہرزیگووینا پر آسٹریا کا قبضہ ہوا اور پہلی جنگ عظیم کے بعد اسے یوگوسلاویہ میں شامل کر دیا گیا۔ بوسنیا و ہرزیگووینا نے 15 اکتوبر 1991ء کو یوگوسلاویہ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا اور 29 فروری 1992ء کے ریفرنڈم نے اس کی آزادی کی توثیق کر دی۔ اس پر سربوں نے بوسنوی مسلمانوں کے قتل و غارت کی منظم مہم شروع کر دی۔ 95-1992ء میں سرب دہشت گردوں اور کروٹ ملیشیا نے بدترین دہشت گردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوسنیا و ہرزیگووینا میں نسلی دھلائی کی مہم کے تحت لاکھوں بوسنوی مسلمان شہید کیے اور ہزاروں مسلم خواتین کی عصمت دری کی۔ آخرکار بوسنوی سربوں کے ٹھکانوں پر نیٹو کی ''بمباری'' کے بعد 14 دسمبر 1995ء کو پیرس میں ''امن معاہدہ'' پر دستخط ہوئے۔ معاہدے کے تحت بوسنیا و ہرزیگووینا اب مسلم کروٹ فیڈریشن اور ریپبلکا سرپسکا (سرب جمہوریہ) کا اتحاد ہے جس کی اجتماعی صدارت پر منتخب مسلمان، سرب (گریک آرتھوڈکس عیسائی) اور کروٹ (کیتھولک عیسائی) نمائندے ایک ایک سال کے لیے فائز ہوتے ہیں۔ اگست 2001ء میں اقوام متحدہ کے ٹربیونل نے بوسنوی سرب جنرل راڈیلاف کرسٹک کو سربریڈکا کے مسلمانوں کے قتل عام کا مجرم قرار دیا۔ بوسنیا و ہرزیگووینا میں مسلمان 38 فیصد، سرب 40 فیصد اور کروٹ 22 فیصد ہیں (جبکہ 1992ء سے پہلے یہاں مسلم آبادی 45% فیصد تھی اور سرب 31.5 فیصد اور کروٹ 17 فیصد تھے)، اب بوسنیا و ہرزیگووینا کی کل آبادی 38 لاکھ ہے جو 1991ء میں تقریباً 44 لاکھ تھی۔ (ورلڈ المانک 2002ء)

سربیا کا سابق صدر سلوبودان مالوسیوک جس پر ہیگ (نیدر لینڈ) میں جنگی جرائم کے ٹربیونل میں مقدمہ چل رہا تھا، 11 مارچ 2006ء کو ہیگ میں دوران حراست انتقال کر گیا۔ مالوسیوک کی حکومت، افواج، انٹیلی جنس اور دہشت گرد سرب تنظیموں نے 2 لاکھ سے زیادہ بوسنوی مسلمان شہید کر دیے تھے۔ 30 ہزار سے زیادہ مسلم خواتین اغوا کر لیں اور ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ بوسنوی مسلمانوں کو اجتماعی کیمپوں میں بند کر دیا جو پورے ملک میں 600 کی تعداد میں قائم کیے گئے تھے۔ اس ظلم اور دہشت گردی کی مثال تاریخ میں ہسپانوی کلیسا کے زیر اہتمام ''دیوان تفتیش'' کے مظالم کے سوا کہیں نہیں ملتی۔ اس دوران میں 25 لاکھ بوسنوی مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ 15 لاکھ ملک سے باہر چلے گئے اور 10 لاکھ بوسنیا کے اندر ہی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ ظالموں نے سرائیوو کے چار سالہ محاصرے کے دوران میں 12 ہزار مسلمان شہری شہید کیے حتیٰ کہ آزاد بوسنیا کے نائب وزیراعظم ہوائی اڈے سے شہر جاتے ہوئے سرب دہشت گردوں کی گولہ باری سے شہادت پا گئے۔ مگر نام نہاد آزاد دنیا اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جولائی 1995ء میں تین دنوں کے اندر سربریڈکا میں 10 ہزار سے زیادہ افراد شہید کر دیے گئے اور بوسنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان شہداء کی جو اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں، ان سے 25 ہزار سے زیادہ انسانی ڈھانچے دریافت ہو چکے ہیں۔ اس قتل عام کے اصل ذمہ دار بوسنوی سرب جنگی منصوبہ ساز راڈووان کراجک اور جنرل راتکوملاڈک کو ابھی تک گرفتار کر کے جنگی جرائم کے ٹربیونل (ہیگ) میں پیش نہیں کیا جا سکا۔ (الفرقان، کویت، 20 صفر 1427ھ/20 مارچ 2006ء، ص:34)

تاریخ میں بوسنیا کے اندر کبھی کوئی سرب ریاست قائم نہیں ہوئی تھی، تاہم متحدہ یوگوسلاویہ (1919ء تا 1991ء) کے زمانے میں نقل مکانی کے باعث بوسنیا کے اندر سرب عیسائیوں کی آبادی 31.5 فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ یوگوسلاویہ کی شکست وریخت شروع ہوئی تو بوسنیا کے سربوں نے بوسنیا کا بیشتر علاقہ ہتھیانے کے لیے ہمسایہ سربیا (یوگوسلاویہ) کی مدد سے مسلح اور منظم ہوکر ''بوسنین سرب اسمبلی'' قائم کرلی۔ 12 مئی 1992ء کو اسمبلی کے 16 ویں اجلاس میں خونخوار سرب لیڈر رراڈوان کراجک نے اعلان کیا: ہم ایک متحدہ ریاست میں نہیں رہ سکتے......سرب اور کروٹ، اپنی شرح پیدائش کے پیش نظر، یورپ میں اسلام کے دخول پر قابو نہیں پا سکتے۔ یوں متحدہ بوسنیا میں پانچ چھ سال کے اندر مسلمانوں کی آبادی 51 فیصد سے بڑھ جائے گی۔'' اسی خوف کے تحت مسلح سرب دہشت گردوں نے مسلم بستیوں اور شہروں پر حملے شروع کر دیے جبکہ ان کے پاس ٹینکوں سمیت سربیا کی فوج کا فراہم کردہ ہر طرح کا اسلحہ حتی کہ طیارے بھی تھے۔ ادھر بوسنوی مسلمان کم وبیش نہتے تھے۔ درندہ صفت کراجک کے بقول ''مسلمانوں کی نسلی دھلائی'' کے لیے ان کا قتل عام کیا گیا اور وحشت وبہیمیت کے ایسے ایسے مظاہرے کیے گئے کہ چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اس قتل عام سے متعلق حق گو اور جرأت مند مغربی صحافیوں ایڈ ولیامی اور ''لی مونڈ'' (پیرس) کی نامہ نگار فلورنس ہارٹ مین کی رپورٹیں چشم کشا ہیں۔ ان کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

⊙ ''وفشی گراڈ (Visegrad) میں میلان لوکک کے دستے نے بوڑھوں اور بچوں سمیت سینکڑوں شہریوں کو مکانوں میں بند کر کے زندہ جلا دیا اور دریائے ڈرینا پر خوبصورت عثمانی پل پر سے اس قدر انسانی لاشیں دریا میں پھینکی جاتی رہیں کہ ان سے دریا کا نیلگوں پانی سُرخ ہوگیا۔

⊙ اسی دریا کے بالائی جانب فوچا (Foca) کے ایک خصوصی کیمپ میں مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی رات رات بھر آبروریزی کی جاتی رہی حتی کہ وہ پاگل ہو جاتیں اور بعض خودکشی کرلیتیں۔ یہ ظلم ان سرب دہشت گردوں نے کیا جو دن بھر (مسلمانوں کا) قتلِ عام کرتے، پھر شام کو شراب کے نشے میں دھت ہوکر رات بھر ان مظلوم عورتوں سے اپنی جنسی تسکین کرتے تھے۔

⊙ اومارسکا بھی ایک قتل گاہ تھا جہاں سرب درندے (مسلمانوں کو) تفریحاً قتل کرتے، انھیں غیر انسانی اذیتیں دیتے، ان کے اعضاء کاٹ دیتے اور ان کو وحشیانہ طور پر پیٹتے تھے۔ یہاں ایک قیدی کو دوسرے قیدی کے ساتھ ایک ایسا شرمناک فعل کرنے پر مجبور کیا گیا جو ناقابل بیان ہے اور اس بدنصیب کی چیخیں روکنے کے لیے اس کے منہ میں کبوتر ٹھونس دیا گیا حتی کہ وہ شہید ہوگیا۔ ہیگ ٹربونل میں ایک گواہ نے بیان کیا کہ اس وحشتناک منظر کو دیکھنے والے سرب سپاہی یوں لگتا تھا جیسے کسی میچ میں داد دے رہے ہوں۔ ان مسیحی ظالموں نے اپنا سینٹ پیٹر کا تہوار اس طرح منایا کہ بے بس مسلمان قیدیوں کے گلے کاٹ کر انھیں شہید کرتے رہے، ان کے جسموں میں گولیاں اتارتے رہے، یا ان کو جلتے ہوئے ٹائروں کے ساتھ باندھ کر اذیت ناک موت سے دوچار کرتے رہے۔ اومارسکا کیمپ کے کمانڈر ژیلکو میجا کچ پر اب سرائیوو میں مقدمہ چل رہا ہے۔

⊙ اَہمچی گاؤں میں کروٹ عیسائیوں نے نہتے مسلمانوں کو کوٹھڑیوں میں بند کر کے انھیں آگ لگادی۔ اس سے پہلے سربوں نے یہی ظلم زورنک کے بدنصیب مسلمانوں پر کیا تھا۔

⊙ کراٹرم، لوکا اور سوشیکا کے ارتکازی کیمپوں (Concentration Camps) میں بھی سربوں نے مسلمانوں کا وحشیانہ قتل عام کیا جبکہ کروٹوں نے یہ درندگی ڈرٹیلج کیمپ میں دہرائی۔ سربوں نے بہاچ اور گوراژدی اور کروٹوں نے مشرقی موستار کے خونیں محاصرے کیے رکھے۔ بجل جینا، برچکو، بوسنکا، شامک، کلوچ اور فلاسنکا میں وحشت اور درندگی کا راج رہا اور مسلمانوں کے ہزاروں دیہات ملیامیٹ کر دیے گئے اور دنیا کی نظروں کے سامنے ساڑھے تین برس تک سرائیوو کے مسلمانوں کو تباہی وہلاکت سے دوچار کیا جاتا رہا جہاں سرب جنرل راتکو ملاڈک نے اپنے توپچیوں کو ''پاگل پن کی آخری حد تک'' قتل وغارت کی تلقین کی تھی۔

⊙ سرسکا نامی قصبہ مارچ 1993ء میں سربوں کے ہاتھ لگا۔ اس سے پہلے سال بھر میں وہاں کے 776 مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ سرسکا کے ایک سکول میں فلاسنکا سے آئے ہوئے مسلمان مقیم تھے جن میں زیادہ تر عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ خونخوار سربوں نے سکول پر بمباری کر کے

70 افراد شہید کردیے۔ سرسکا کی ایک زیرِکوہ مسجد میں کامیذکا کے مسلمان پناہ گزین تھے۔ ان میں بھی زیادہ تر عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ سربوں کی بمباری سے 75 افراد شہید ہوگئے۔

⊙ سربرینیکا میں سربوں نے صرف پانچ دنوں میں 8 ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کرڈالے جبکہ تین برسوں کے دوران میں مزید ہزاروں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ ان شہداء میں سرسکا سے آکر یہاں پناہ لینے والے بھی شامل تھے۔ 11 جولائی 1995ء کی رات سربرینیکا کے تقریباً 30 ہزار نہتے مسلمان پوٹوشتاری میں ڈچ بٹالین کے پاس پناہ لینے کے لیے نکلے اور جب وہ شہر کے 6 کلومیٹر شمال مغرب میں پوٹوشتاری گاؤں کے پاس پہنچے تو مسلح سرب دہشت گردوں نے انھیں آن گھیرا۔ انھوں نے عورتیں اور بچے الگ کرکے (سات ہزار سے زائد) مردوں اور لڑکوں کو وحشیانہ طور پر شہید کردیا، حالانکہ اقوام متحدہ نے سربرینیکا کو ''محفوظ پناہ گاہ'' قرار دے رکھا تھا۔ ستم یہ کہ اس ''محفوظ پناہ گاہ'' کی حفاظت پر مامور ڈچ فوجی اس قتل عام کو وقوع پذیر ہوتے دیکھتے رہے (بلکہ ڈچ کمانڈر سرب کمانڈر کے ساتھ نائو نوش میں مصروف رہا)۔ ڈچ فوجیوں نے جو ایک الیکٹرک بیٹری فیکٹری میں مقیم تھے، پوٹوشتاری کی قتل گاہ سے بچ کر آنے والوں کے لیے فیکٹری کا گیٹ کھولنے سے انکار کردیا بلکہ انھوں نے مردوں کو خواتین سے الگ کرنے میں قاتل سربوں کا ہاتھ بٹایا۔

دراصل بوسنوی مسلمانوں کے سہ سالہ اجتماعی قتل عام کے وقت یوں محسوس ہوا کہ ''بین الاقوامی برادری'' نے سرب قاتلوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کررکھا تھا (جیسا کہ پیرس اور لندن نے کیا) یا تماشائی بنی رہی حتی کہ اس نے بوسنوی مسلمانوں کو اسلحے کی فراہمی پر پابندی لگادی تاکہ وہ ظالم اور خونخوار سربوں کے خلاف مؤثر مزاحمت نہ کرسکیں۔ ادھر نام نہاد ریپبلکا سرپسکا کے خونخوار صدر راڈوان کراجک کا لندن یا جنیوا کے ایوانوں میں استقبال ڈیوڈ اوون اور لارڈ کیرنگٹن (برطانوی) اور سائرس وانس (امریکی) جیسے زعماء کرتے تھے جو اسے جنگی مجرم نہیں بلکہ ایک ''سیاستدان'' خیال کرتے ہوئے اس سے مذاکرات کرتے تھے۔ (بوسنین انسٹی ٹیوٹ نیوز، اپ لوڈ 12 جولائی 2007ء اور 16 اگست 2007ء)

دعائے سربرینیکا

بوسنیا کے مشرقی شہر سربرینیکا سے 6 کلومیٹر شمال مغرب میں پوٹوشتاری گاؤں کے پاس 7 ہزار مسلمان شہداء کی یادگاری لوح نصب ہے جس پر رئیس العلماء بوسنیا کی طرف سے ''دعائے سربرینیکا'' مرقوم ہے: (ترجمہ) ''اے ہمارے رب! ہم تجھ سے غم میں رحمت اور قصاص میں زندگی اور سانحۂ سربرینیکا پر ماؤں کے آنسوؤں میں چھپی دعا کا سوال کرتے ہیں، یہ کہ ایسا سانحہ دوبارہ برپا نہ ہو۔ اے حالات بدلنے والے! ہمارے حالات بدل کر بہتر کردے۔ اور ہماری آخری پکار یہی ہے کہ بے شک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

(یہ دعائیہ لوح 11 جولائی 2001ء کو نصب کی گئی)



70 افراد شہید کر دیے۔ سرسکا کی ایک زیرِ کوہ مسجد میں کامیذکا کے مسلمان پناہ گزین تھے۔ ان میں بھی زیادہ تر عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ سربوں کی بمباری سے 75 افراد شہید ہو گئے۔

⊙ سربرینیکا میں سربوں نے صرف پانچ دنوں میں 8 ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کر ڈالے جبکہ تین برسوں کے دوران میں مزید ہزاروں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ ان شہداء میں سرسکا سے آ کر یہاں پناہ لینے والے بھی شامل تھے۔ 11 جولائی 1995ء کی رات سربرینیکا کے تقریباً 30 ہزار نہتے مسلمان پوٹوشتاری میں ڈچ بٹالین کے پاس پناہ لینے کے لیے نکلے اور جب وہ شہر کے 6 کلومیٹر شمال مغرب میں پوٹوشتاری گاؤں کے پاس پہنچے تو مسلح سرب دہشت گردوں نے انھیں آن گھیرا۔ انھوں نے عورتیں اور بچے الگ کر کے (سات ہزار سے زائد) مردوں اور لڑکوں کو وحشیانہ طور پر شہید کر دیا، حالانکہ اقوامِ متحدہ نے سربرینیکا کو ''محفوظ پناہ گاہ'' قرار دے رکھا تھا۔ ستم یہ کہ اس ''محفوظ پناہ گاہ'' کی حفاظت پر مامور ڈچ فوجی اس قتلِ عام کو وقوع پذیر ہوتے دیکھتے رہے (بلکہ ڈچ کمانڈر سرب کمانڈر کے ساتھ ناؤ نوش میں مصروف رہا)۔ ڈچ فوجیوں نے جو ایک الیکٹرک بیٹری فیکٹری میں مقیم تھے، پوٹوشتاری کی قتل گاہ سے بچ کر آنے والوں کے لیے فیکٹری کا گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا بلکہ انھوں نے مردوں کو خواتین سے الگ کرنے میں قاتل سربوں کا ہاتھ بٹایا۔

دراصل بوسنوی مسلمانوں کے سہ سالہ اجتماعی قتلِ عام کے وقت یوں محسوس ہوا کہ ''بین الاقوامی برادری'' نے سرب قاتلوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا (جیسا کہ پیرس اور لندن نے کیا) یا تماشائی بنی رہی حتیٰ کہ اس نے بوسنوی مسلمانوں کو اسلحے کی فراہمی پر پابندی لگا دی تاکہ وہ ظالم اور خونخوار سربوں کے خلاف مؤثر مزاحمت نہ کر سکیں۔ ادھر نام نہاد ریپبلکا سرپسکا کے خونخوار صدر راڈوان کراجک کا لندن یا جنیوا کے ایوانوں میں استقبال ڈیوڈ اوون اور لارڈ کیرنگٹن (برطانوی) اور سائرس وانس (امریکی) جیسے زعماء کرتے تھے جو اسے جنگی مجرم نہیں بلکہ ایک ''سیاستدان'' خیال کرتے ہوئے اس سے مذاکرات کرتے تھے۔ (بوسنین انسٹی ٹیوٹ نیوز، اپ لوڈ 12 جولائی 2007ء اور 16 اگست 2007ء)

دعائے سربرینیکا

بوسنیا کے مشرقی شہر سربرینیکا سے 6 کلومیٹر شمال مغرب میں پوٹوشتاری گاؤں کے پاس 7 ہزار مسلمان شہداء کی یادگاری لوح نصب ہے جس پر رئیس العلماء بوسنیا کی طرف سے ''دعائے سربرینیکا'' مرقوم ہے: (ترجمہ) ''اے ہمارے رب! ہم تجھ سے غم میں رحمت اور قصاص میں زندگی اور سانحۂ سربرینیکا پر ماؤں کے آنسوؤں میں چھپی دعا کا سوال کرتے ہیں، یہ کہ ایسا سانحہ دوبارہ برپا نہ ہو۔ اے حالات بدلنے والے! ہمارے حالات بدل کر بہتر کر دے۔ اور ہماری آخری پکار یہی ہے کہ بے شک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

(یہ دعائیہ لوح 11 جولائی 2001ء کو نصب کی گئی)



5

بایزید اول کی فتوحات

مراد اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بایزید اول 791ھ/1389ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزری۔ وہ ایک مہم سے فارغ ہوتا تو یورپ سے اناطولیہ چلا آتا مگر جلد ہی دوبارہ یورپ کا رخ کرتا جہاں نئی فتح اس کے قدم چومتی یا مقبوضہ علاقوں کی تنظیم نو کا کام انجام دیتا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب ''یلدرم'' پڑ گیا جس کے معنی ترکی زبان میں ''بجلی'' کے ہیں کیونکہ اس کی فوجی نقل و حرکت بہت تیز ہوتی اور وہ اچانک دشمن پر جانازل ہوتا اور اس کی کمر توڑ ڈالتا تھا۔ [1]

794ھ/1391ء میں سلطان بایزید نے رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے پیش نظر قسطنطنیہ فتح کرنے کی سعی کی مگر اس کے لیے حالات ساز گار نہ پائے تو اس نے اپنی افواج کے ساتھ ولاچیا (جنوبی رومانیہ) پر دھاوا بول دیا اور شاہ ولاچیا کو ایک ایسے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا جس کے تحت اس نے سلطنت اسلامیہ کی سیادت تسلیم کرتے ہوئے خراج ادا کرنے کا عہد کیا۔ اس کے عوض اسے اپنی ریاست پر مقامی قوانین کے مطابق حکمرانی کا حق دیا گیا، پھر سلطان بایزید نے بلغاریہ پر یلغار کی اور اسے سلطنت عثمانیہ کی ایک ولایت (صوبہ) بنا لیا۔

دریں اثناء شاہ بلغاریہ کے بیٹے نے اسلام قبول کر لیا ''علی'' نام پایا، چنانچہ بایزید نے اسے سیمسن (Samsun) کا والی بنا دیا (797ھ/1394ء)۔ ان فتوحات کے پیش نظر اہل یورپ پریشان ہو گئے کہ اس طرح تو یورپ میں اسلام پھیلتا چلا جائے گا، چنانچہ سربیا نے ڈیوک آف برگنڈی (مشرقی فرانس)، آسٹریا اور بوریا (جنوبی جرمنی) کے بادشاہوں اور سینٹ جان کے شہسواروں سے اتحاد قائم کر لیا۔ سینٹ جان کے ان شہسواروں کو صلیبی جنگوں کے دوران میں عکاّ (فلسطین) سے نکال دیا گیا تھا اور وہ پہلے قبرص، پھر روڈس اور پھر مالٹا چلے گئے تھے۔ [2] یورپ کے اس

[1] سلطان مراد اول کا داماد علاء الدین ریاست کرمانیہ (قرامان) کا امیر تھا۔ 779ھ/1377ء میں دونوں میں جنگ ہوئی اور قونیہ میں علاء الدین کو بری طرح شکست ہوئی۔ مراد نے اپنی بیٹی نفیسہ کی درخواست پر علاء الدین کا قصور معاف کر دیا اور اس نے اطاعت قبول کر لی۔ جنگ قونیہ میں شہزادہ بایزید نے اپنے حملوں کی سرعت اور شدت کی بنا پر یلدرم (بجلی) کا لقب حاصل کیا۔ (''تاریخ ترکیہ'':53)

[2] سینٹ جان کے شہسوار (Knight-Templers of St.John) کلیسا سے وابستہ صلیبی عسکریت پسندوں میں سے تھے۔ وہ صلیبی جنگوں کے دوران میں شام کے شہروں میں آن براجے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بیت المقدس کی آزادی کے بعد انھیں عکاّ سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد کئی جزیرے یکے بعد دیگرے ان کا مسکن بنے۔ ان دنوں وہ دنیا بھر میں منتشر ہیں۔ ان کی کوئی مملکت یا حکومت نہیں لیکن ان کے اجتماعات وٹیکن میں منعقد ہوتے ہیں۔ دی آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری (ص: 788) کے مطابق ''نائٹس ٹیمپلرز'' نامی عسکری و مذہبی تنظیم 1118ء میں (بیت المقدس پر صلیبی قبضے کے دوران میں) ''مسیح و ہیکل سلیمانی کے مسکین شہسوار'' کی حیثیت سے ارض مقدس کے زائرین کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی تھی۔ انھیں یروشلم (بیت المقدس) میں ہیکل سلیمانی (Temple of Solomon) کے مقام پر رہائش دی گئی (گویا مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ رہائش کے لیے ان کی تحویل میں دے دیے گئے)۔ اس گروہ کی دولتمندی اور حکمرانوں اور ہاسپٹلرز سے ان کی رقابت کے باعث 1312ء میں انھیں (انگلستان میں) کچل دیا گیا۔

متحدہ لشکر نے شمالی بلغاریہ میں نکوپولس کا آن محاصرہ کیا۔ ادھر سلطان بایزید بے خبر نہیں تھا، اس کے لشکر نے تیزی سے دشمن کو جا لیا۔ عثمانی لشکر کی قیادت سٹیفن بن لازار کر رہا تھا جو یورپ کے ان نوجوانوں میں سے تھا جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ 23 ذیقعدہ 798ھ/9 ستمبر 1396ء کو کفر واسلام کا یہ معرکہ برپا ہوا۔ فتح نے عثمانیوں کے قدم چومے اور ڈیوک آف برگنڈی اور اس کے کئی سردار مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن گئے۔

جنگ نکوپولس عثمانیوں کی فتح اور بڑی تعداد میں فرانسیسی سرداروں کی اسیری پر منتج ہوئی۔ ان میں برگنڈی کی فوج کا سپہ سالار اور ولی عہد کاؤنٹ ڈی نوار بھی شامل تھا۔ اس صلیبی جنگجو نے قسم کھائی کہ وہ دوبارہ عثمانیوں سے جنگ کرنے نہیں آئے گا، نیز اس نے فدیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد ہی فرانسیسی سرداروں کی رہائی عمل میں آئی۔ پھر بایزید نے کاؤنٹ ڈی نوار کو اس کی قسم سے آزاد کرنے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا:

''اے کاؤنٹ! تمھیں چاہیے کہ ایک بار پھر مجھ سے جنگ کرنے واپس آؤ تاکہ تمھیں اپنی شکست پر جو شرمساری لاحق ہے وہ جاتی رہے۔ اور یاد رکھو کہ میں تمھاری واپسی سے نہیں ڈرتا۔ مجھے تم سے کوئی ڈر ہوتا تو میں تمھیں رہا نہ کرتا۔ تم جب چاہو لوٹ کر آؤ، مجھے اور میرے لشکر کو اپنے سامنے پاؤ گے کیونکہ میں پیدا ہی اس لیے ہوا ہوں کہ جو صلیبی محاربین میرے مدمقابل آئیں، میں ان پر فتح پاؤں۔''



علی آغا جامع مسجد (سیواس)

نکوپولس کی اس فتح کے بعد سلطان بایزید نے اس کامیابی کی خبر خلیفہ متوکل عباسی کو قاہرہ بھیجی اور خلیفہ نے جواب میں سند حکومت، خلعت اور تلوار اس کے پاس بھیجی جس کے معنی یہ تھے کہ اس نے روم کے علاقوں پر بایزید کو سلطان تسلیم کرلیا ہے۔ یوں بایزید پہلا عثمانی حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اور بایزید میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ پورے یورپ کو روند ڈالے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ اس دوران میں مشرق سے تیمور لنگ اچانک سلطنت عثمانیہ پر آپڑا [1] اور اس کی وجہ سے فتوحات اسلامیہ کی پیش رفت ایک مدت تک رکی رہی حتی کہ بایزید کے بیٹے محمد اول کے ہاتھوں سلطنت عثمانیہ کی وحدت ایک بار پھر قائم ہوئی۔ محمد اول کو محمد چلپی بھی کہا جاتا ہے اور وہ 781ھ/1379ء میں پیدا ہوا تھا۔

[1] ان دنوں امیر تیمور خراسان وایران میں اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کر کے اور ترکوں کی گوشمالی سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ ادھر قیصر روم جنگ نکوپولس اور یونان میں عثمانی فتوحات کے بعد خوفزدہ تھا، چنانچہ اس نے تیمور کو خط لکھا کہ ''بایزید یلدرم نے آپ کے مفرور باغیوں سلطان احمد جلائر اور قرہ یوسف ترکمان فرمانروائے آذربائیجان کو پناہ دے رکھی ہے جو اسے آپ کے خلاف جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں، لہٰذا آپ ایشیائے کوچک پر حملہ کریں اور ہمیں بھی یلدرم کے فتنے سے بچائیں۔'' اس پر تیمور نے یلدرم سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تیمور سمرقند واپس پہنچا اور پھر آذربائیجان وآرمینیا پر لشکر کشی سے فارغ ہو کر دمشق پر حملہ آور ہوا، پھر اس نے بغداد بزور شمشیر فتح کرلیا۔ وہیں اسے بایزید یلدرم کا خط ملا جس میں قرا یوسف کی حوالگی کی درخواست ٹھکرا دی گئی تھی۔ اب تیمور نے پیش قدمی کی اور سیواس (ترکی) کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا اور بایزید کا بیٹا ارطغرل اور دیگر محصورین ہتھیار ڈالنے پر فصیل کے ساتھ کھودی گئی خندق میں زندہ درگور کردیے گئے۔ آخر انگورہ میں تیمور کی پانچ لاکھ فوج اور بایزید کی ڈیڑھ لاکھ فوج کے مابین خونریز جنگ ہوئی (19 ذی الحجہ 804ھ/20 جولائی 1402ء)۔ سلطان بایزید کے مغل دستوں کی بے وفائی، سرب اور فرانسیسی سرداروں کی کمزوری اور عثمانی قلب پر ہاتھیوں کے ساتھ مغلوں کے حملے کے نتیجے میں بایزید کی فوج تباہ ہوگئی۔ اس کا بیٹا مصطفیٰ میدان جنگ میں مارا گیا اور سلطان خود اور بیٹا موسیٰ تیمور کے قیدی بنے۔ بایزید تیمور کی شدید قید ہی میں آٹھ ماہ بعد وفات پا گیا۔ تب تیمور نے موسیٰ کو رہا کیا اور اس نے باپ کی لاش بروسہ میں لے جا دفن کی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 2/459-473)



نقشہ 130
سلطنتِ عثمانیہ جنگ انگورہ کے وقت (28 جولائی 1402ء)

سلطنت عثمانیہ کی بحالی اور نئی فتوحات

1

سلطان محمد چلپی کی فتوحات

تیمور کے ہاتھوں دولت عثمانیہ کی شکست کے بعد بایزید کے چند بیٹوں نے اپنی اپنی ریاستیں قائم کرلیں جو کچھ قابل ذکر نہیں۔ اس دوران میں سلطنت عثمانیہ رُو بہ زوال رہی حتیٰ کہ محمد اول بن سلطان بایزید نے 816ھ /1413ء میں بلاشرکت غیرے زمام حکومت سنبھالی۔ سلطان محمد چلپی نے داخلی فتنوں اور تنازعات پر قابو پاکر سلطنت کو زوال سے نکالا اور اس کی وحدت ایک بار پھر قائم کر دکھائی۔

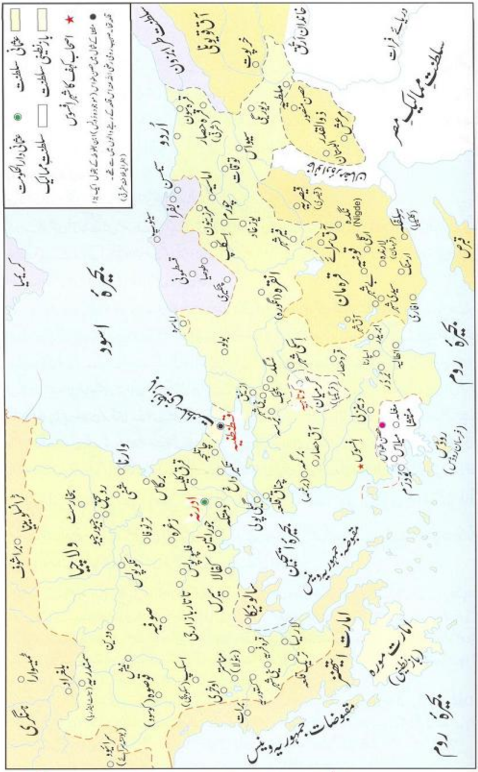
سلطنت عثمانیہ کی بحالیٔ کامل کے بعد سلطان محمد نے ہنگری اور بوسنیا کے حکمرانوں کے خلاف جہاد شروع کیا جو شاہ ہنگری سگمنڈ کی قیادت میں عثمانی سلطنت کی حدود کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس دوران میں سگمنڈ کو جرمنی کا بادشاہ چن لیا گیا تھا۔ عثمانی سپہ سالار اسحاق بیگ نے ان کو روکنے کے لیے پیش قدمی کی۔ کروشیا کے علاقے میں شاہ سگمنڈ کی فوج سے خونریز جنگ ہوئی جس میں عثمانیوں نے شاندار فتح حاصل کی۔ اس فتح سے بلقان کے حکمرانوں پر ترکوں کی دھاک بیٹھ گئی، چنانچہ ہرزیگووینا کے ڈیوک نے اپنی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ ہرزیگووینا کے بعض شہروں نے مسلمانوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔ اسحاق بیگ نے ایک طرف 818ھ /1415ء میں سرائے بوسنہ [1] فتح کرلیا اور دوسری طرف اس کا لشکر سلووینیا [2] تک عیسائیوں کی مزاحمت کچلتا چلا گیا، پھر اناطولیہ واپس آکر اسحاق بیگ نے ازمیر فتح کر کے اسے سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا دیا۔



موستار (ہرزیگووینا) میں ترکوں کا تعمیر کردہ تاریخی پل "ستاری موست" جسے کروٹ عیسائیوں نے 9 نومبر 1993ء کو تباہ کر دیا تھا۔ ایک منصوبے کے تحت اسے دوبارہ تعمیر کر کے 23 جولائی 2004ء کو آمدورفت کے لیے کھول دیا گیا۔ شہر موستار کا نام اسی پل سے منسوب ہے۔

[1] سرائے بوسنہ (سرائیوو): اسے "بوسنہ سرائے" یا صرف "سرائے" بھی کہتے ہیں۔ یہ بوسنہ (بوسنیا) کا صدر مقام ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یہاں "وِرہ بوسنہ" نامی مضبوط قلعہ تھا۔ 39-1438ء سے پہلے یہاں ایک ترک گورنر مامور تھا۔ 867ھ /1463ء میں جب سلطان محمد ثانی نے بوسنہ فتح کیا تو انھوں نے اسے مفتوحہ علاقے کا فوجی مرکز بنالیا، پھر سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں اس کا نام بوسنہ سرائے (سلافی نام "سرائیوو") شہرت پا گیا۔ 869ھ /1464ء کے ایک وقف نامے میں اس کا نام "سرائے مدینہ" بھی ملتا ہے۔ اگست 1878ء میں آسٹروی جرنیل جوزف فرائیہرفون فلیپووچ نے شدید معرکے کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔ 28 جون 1914ء کو آسٹروی ولی عہد فرڈیننڈ کو سرائیوو میں قتل کر دیا گیا۔ (سرب دہشت گرد کے ہاتھوں یہ قتل پہلی جنگ عظیم کے آغاز کا باعث بن گیا۔) 1918ء میں بوسنہ اور ہرسک (ہرزیگووینا) نوساختہ جنوبی سلافی ریاست (یوگوسلاویہ) میں مدغم کر دیے گئے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 10/776-778)۔ ان دنوں سرائیوو (Sarajevo) بوسنیا و ہرزیگووینا کے مسلمانوں، سربوں اور کروٹوں کے وفاق کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ ہے۔

[2] سلووینیا: اس ملک نے 1991ء میں یوگوسلاویہ سے علیحدگی حاصل کی۔ اس کا دارالحکومت جبلجانا ہے۔ یہ صدیوں سلطنت آسٹریا میں شامل رہا اور 1919ء میں اسے سرب کروٹ سلووین سلطنت (یوگوسلاویہ) میں شامل کیا گیا۔ یہ اٹلی، آسٹریا، ہنگری اور کروشیا کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)



نقشہ 131 عثمانی سلطنت دور تنازعات (1402ء-1413ء) میں

819ھ/1416ء میں سلطان محمد چلپی نے رومانیہ[1] کا رُخ کیا۔ رومانیہ میں داخل ہو کر اس نے دریائے ڈینیوب کے شمال میں دو قلعوں تورنو اور برکوئی پر قبضہ کر کے انھیں مستحکم بنایا۔ اس دوران میں اسحاق بیگ نے یورپ میں بستیریا فتح کر ڈالا۔ جرمن اور ہنگروی افواج اُس جزیرہ نما میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں جہاں ٹریسٹ کی بندرگاہ واقع تھی مگر وہ اس کا دفاع نہ کر سکیں اور اس جنگ میں 19 ہزار سے زیادہ مسیحی موت کے گھاٹ اُترے۔ یہ کامیابی حاصل کر کے اسحاق بیگ نے اپنی فوج ٹرانسلوینیا[2] میں داخل کر دی مگر وہاں اسے شدید لڑائی لڑنی پڑی جس میں یہ عظیم سپہ سالار عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔

شیخ بدرالدین کا فتنہ اور محمد چلپی کے ہاتھوں اس کا استیصال

دریں اثناء جب محمد چلپی فتوحات میں مصروف تھا، ایک مدعی شیخ بدرالدین کی تحریک نے سلطنت کے استحکام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ یہ اسلام کے خلاف ایک نئے مذہب کی تبلیغ واشاعت تھی جو موجودہ دور کے کمونزم کے بہت قریب تھا۔ اس مذہب کا مشہور ترین داعی بیر قلیجہ مصطفیٰ نامی شخص تھا اور ایک اور شخص طرلاق کمال تھا جو دراصل یہودی تھا۔

یہ شیطانی مذہب تیزی سے پھیلنے لگا اور اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھتی گئی تو سلطان محمد چلپی کے سامنے اور کوئی چارہ نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ اس فتنے کو فوری طور پر کچل ڈالے تاکہ ایسا نہ ہو کہ سلطنت ایک بار پھر شکست وریخت کا شکار ہو جائے، چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد کو جو اسلام قبول کر چکا تھا، ایک بڑی فوج دے کر اس مذہب کے بانی بدرالدین اور اس کے پیروکاروں سے لڑائی کے لیے بھیجا۔ یہ نومسلم سپہ سالار شاہ بلغاریہ کا بیٹا اور یمسن کا گورنر سیسمان تھا۔ لیکن سیسمان، بے ایمان بیر قلیجہ کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ یوں اس ملحد کا پروپیگنڈہ وسعت اختیار کرتا گیا، چنانچہ سلطان محمد چلپی نے اس فتنے کے استیصال کے لیے اول وزیر بایزید پاشا کی قیادت میں ایک اور لشکر بھیجا۔ بایزید پاشا نے بیر قلیجہ کو جا گھیرا اور قرہ بورنو کی جنگ میں اسے شکست فاش دی۔ بیر قلیجہ مصطفیٰ پکڑا گیا اور اس پر "حرابہ" کی حد جاری کی گئی۔ پھر اس شیطانی مذہب کے بانی بدرالدین کو مقدونیہ میں گرفتار کر لیا گیا اور علماء کا فتویٰ حاصل کر کے اس پر حد جاری کی گئی۔ اس فتوے کی سند رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان تھا:

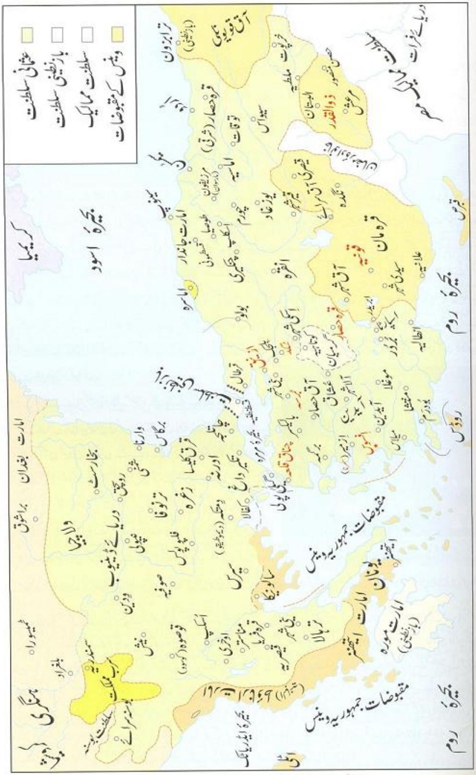
[مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُّرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْيُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ]

"جب تم سب لوگ امرِ حکومت کے متعلق کسی ایک شخص پر متفق ہو چکے ہو، پھر کوئی شخص تمھارے پاس آئے جو یہ چاہتا ہو کہ تمھاری وحدت کو پارہ پارہ کر دے یا تمھاری جمعیت میں تفریق ڈال دے تو اسے قتل کر دو۔"[3]

[1] رومانیہ: بحیرۂ اسود کے ساحل پر واقع رومانیہ کی آبادی اڑھائی کروڑ کے قریب ہے۔ اس کا دارالحکومت بخارسٹ ہے۔ رومن عہد میں یہ ڈاسیا (Dacia) کا شاہی صوبہ تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ ولاچیا اور مولڈیویا (موجودہ مولڈووا) کی ریاستوں میں منقسم تھا جب ترک اس علاقے پر قابض ہوئے۔ یہ دونوں ریاستیں عثمانی نظم کے تحت 1861ء میں متحد ہوئیں اور 1878ء میں انھوں نے رومانیہ کے نام سے آزادی حاصل کر لی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس میں بسریبیا اور ٹرانسلوینیا کے علاقے بھی شامل ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سوویت روس کے زیر اثر رومانیہ کمونسٹ مملکت بن گیا۔ 1989ء کے عوامی انقلاب میں کمونسٹ آمر چاؤشسکو کا تختہ الٹ دیا گیا (اور اسے پھانسی دی گئی۔) (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1250)

[2] ٹرانسلوینیا: یہ شمال مغربی رومانیہ کا میدانی علاقہ ہے جو کوہساروں کے ذریعے سے باقی ملک سے الگ تھلگ ہے۔ رومی دور میں یہ ڈاسیا (Dacia) کہلاتا تھا۔ 9ویں صدی عیسوی میں یہ ہنگری کا حصہ بنا۔ عثمانیوں کے زیر حکومت رہنے کے بعد سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک بار پھر ہنگری نے اس پر قبضہ جما لیا۔ 1918ء میں اسے رومانیہ میں ضم کر دیا گیا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1532)۔ ترک اسے "اردل" کہتے تھے۔

[3] صحيح مسلم، الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، حديث: (60)-1852.



نقشہ 132 عثمانی سلطنت محمد اول کی وفات (4 مئی 1421ء) کے وقت

2

سلطان مراد ثانی کی فتوحات

(824ھ-855ھ/1421ء-1451ء)

سلطان محمد اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد 824ھ/1421ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا، اس وقت اس کی عمر 18 سال تھی۔ امورِ حکومت سنبھالتے ہی مراد ثانی ایک مضبوط فوج کی تیاری، سلطنت کی معیشت مستحکم کرنے اور یورپ کے جارحیت پسندوں کی طرف سے عثمانی سرحدوں کی ممکنہ پامالی کو روکنے میں مصروف ہوگیا، تاہم یورپ کی طرف پیش قدمی سے پہلے اس نے طے کیا کہ تیمور کے حملے کے نتیجے میں ایشیائے کوچک میں سلطنت عثمانیہ کو جس خسارے سے دوچار ہونا پڑا، اس کا ازالہ کیا جائے اور ان علاقوں میں عثمانی اقتدار کو مستحکم بنایا جائے، چنانچہ اس نے ہنگری سے پانچ سال کے لیے امن کا معاہدہ کرلیا۔ علاوہ ازیں مراد ثانی نے بازنطینی حکمران مینوئل ثانی کو تجویز پیش کی کہ اس معاہدے کی تجدید کی جائے جو اس سے پہلے اس کے والد کے عہد میں طے پایا تھا لیکن مینوئل نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ معاہدے کے بحسن وخوبی نفاذ کی ضمانت کے طور پر اپنے دو بھائی قسطنطنیہ میں رہن رکھوائے۔ عثمانی سلطان نے انکار کیا تو قیصر روم نے دھمکی دی کہ وہ اس کے چچا مصطفیٰ کو رہا کردے گا جو کہ عثمانی تخت کا دعویدار تھا اور جسے قیصر نے اپنے ہاں قید کررکھا تھا۔



سلیمانیہ مسجد (استنبول) کے اندرونی نقش ونگار

سلطان مراد کی طرف سے بازنطینی مطالبہ مسترد کیے جانے کے بعد مینوئل ثانی نے مصطفیٰ کو رہا کردیا اور دل میں یہ ٹھان لی کہ جب اس کی بغاوت کامیاب ہوجائے گی تو وہ ان تمام بازنطینی شہروں کو واپس لے کے رہے گا جن پر عثمانی قابض ہوچکے تھے، چنانچہ اس نے مصطفیٰ کو دیمتریس لاسکاریس کی قیادت میں دس بحری جہاز دیے۔ مصطفیٰ نے شہر گیلی پولی کا محاصرہ کر کے اُس پر قبضہ کرلیا جبکہ وہ قلعہ فتح نہ کرسکا، لہٰذا وہاں ایک فوجی دستہ چھوڑ کر اس نے لشکر کے ساتھ ادرنہ کی طرف پیش قدمی کی۔

اب مراد ثانی اپنے خاندانی حریفوں سے نپٹنے پر مجبور ہوگیا۔[1] اس کے بعد وہ سلطنت اسلامیہ کی فتوحات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے وینس کی فوج کو دندان شکن شکست دی اور 6 رمضان 833ھ/29 مئی 1430ء کو سالونیکا فتح

2 مراد ثانی کے باغی چچا مصطفیٰ نے رومی فوج کے ساتھ عثمانی سلطنت کے یورپی ساحل پر ہلہ بول دیا تھا۔ مراد کا سپہ سالار بایزید پاشا جنگ میں مارا گیا تو مصطفیٰ آبنائے (درۂ دانیال) پار کر کے ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا مگر مراد سے شکست کھائی۔ مصطفیٰ بھاگا اور گیلی پولی سے ہوکر تھسلی وغیرہ پر قابض ہوگیا لیکن مراد نے تعاقب کر کے اسے پھر شکست دی۔ آخر کار مصطفیٰ کو ادرنہ میں گرفتار کر کے شہر کے ایک برج میں پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بعد مراد نے قسطنطنیہ کی حریف ریاست جنوا (اٹلی) سے صلح کرلی، پھر قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تیاریاں کیں اور 826ھ/جون 1422ء میں اس کا محاصرہ کرلیا لیکن قیصر قسطنطنیہ نے مراد کے چھوٹے بھائی مصطفیٰ کو اکسا کر ایشیائے کوچک میں بغاوت کرادی تو مراد کو قسطنطنیہ کا محاصرہ چھوڑ کر ادھر آنا پڑا۔ مصطفیٰ شکست کھا کر مقتول ہوا۔ آخر کار 828ھ میں سلطان مراد نے قیصر سے 30 ہزار ڈکات سالانہ خراج اور کئی اہم مقامات لے کر صلح کرلی (تاریخ اسلام، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: 2/482-484)۔ یاد رہے ڈکات (Ducat) ایک طلائی سکہ تھا جو قرونِ وسطیٰ میں بیشتر یورپی ملکوں میں رائج تھا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)



کونستنزا (رومانیہ) کی ایک مسجد کا خوبصورت گنبد



قرامان اکی (ترکی) کا کتب خانہ

کرلیا، پھر البانیہ میں اپنی فوجیں داخل کردیں۔ دریں اثنا افلاق (ولاچیا) کے حکمران نے سالانہ جزیے کی ادائیگی پر اطاعت کرلی (835ھ - 837ھ/ 1431ء - 1433ء)۔ اُس کے بعد سمندریہ (سینٹ اینڈریا) [1] کی فتح عمل میں آئی جو کہ بلغراد [2] کے قریب واقع تھا (843ھ/1439ء)۔ پھر اُس نے بلغراد کا محاصرہ کرلیا مگر جب یہ خبر ملی کہ پاپائے روم نے یورپی ملوک و امراء کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف صلیبی جنگ کی دعوت دی ہے تو اُسے محاصرہ اُٹھانا پڑا۔ پوپ کی دعوت کے جواب میں شاہ اراگون ونیپلز [3] الفانسو پنجم، شاہ ہنگری وپولینڈ لیڈسیلاس ثانی اور جان ہنیاڈی حکمران ٹرانسلوینیا نے لبیک کہا اور سیکسنی، جرمنی، ملک چیک، لاطین (روم)، فرانس، بشناق، قرامان [4] اور ولاچیا کی فوجیں بھی ان سے آن ملیں۔ ہنیاڈی کی قیادت میں اس جم غفیر کو عثمانی عساکر کے خلاف بعض فتوحات حاصل ہوئیں، خصوصاً اُس وقت جب سلطان مراد ثانی نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے بیٹے محمد ثانی کے سپرد کردی تھی (جمادی الاولیٰ 848ھ/ اگست 1444ء)

[1] سمندریہ (Smederevo): یہ بلغراد سے 45 کلومیٹر جنوب مشرق میں دریائے ڈینیوب کے دائیں کنارے واقع ہے جہاں ڈینیوب اور دریائے موراوا کے سنگم سے تکون بنتی ہے۔ یہ شہر سینٹ اینڈریا سے منسوب تھا، چنانچہ سرب زبان میں ''سمندریہ'' (سمدروفو) یا ''سمن اندریا'' سے مراد ہے ''سینٹ اینڈریا''۔ یہاں سے سلطان مراد ثانی اہل ہنگری کو وادیٔ موراوا (سربیا) میں داخل ہونے سے روک سکتا تھا۔ (وکی پیڈیا)

[2] بلغراد: سرب زبان میں اسے Beograd (سفید شہر) کہتے ہیں۔ یہ (سابق) یوگوسلاویہ اور (موجودہ) سربیا کا دارالحکومت ہے جو دریائے ساوا اور ڈینیوب کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 15 لاکھ ہے (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:131)۔ ترک اپنے زمانے میں اسے بلغراد یا دارالجہاد کہتے تھے۔ دسویں صدی ہجری میں شہر کی مسلم آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اولیا چلپی کا بیان ہے کہ بلغراد میں 38 محلے مسلمانوں کے اور 11 غیر مسلموں کے تھے۔ 90-1688ء اور 39-1718ء میں بلغراد آسٹریا کے قبضے میں رہا۔ 1867ء میں بلغراد، سربیا کے حوالے کردیا گیا۔ مسلمان یہاں سے ہجرت کر گئے اور بیشتر شمالی بوسنہ (بوسنیا) میں آباد ہوگئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 821-816/4)

[3] نیپلز: یہ اٹلی کے صوبہ کیمپانیا کا دارالحکومت ہے اور وفاقی دارالحکومت روم کے جنوب میں ''خلیج نیپلز'' پر واقع ہے۔ یہ اٹلی کی دوسری بڑی بندرگاہ ہے۔ ماضی میں یہ شہر سلطنتِ نیپلز و سسلی کا دارالحکومت رہا ہے۔ اُن دنوں نیپلز، ریاست اراگون (اسپین) کے ماتحت تھا۔

[4] قرامان: ترکی کا یہ شہر اسی نام کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ اس شہر کا قدیم نام ''لارندہ'' ہے۔ یہ قونیہ کے جنوب مشرق میں 35 میل دُور ہے۔ ضلع قرامان (قرہ مان ایلی) کی حدود بدلتی رہی ہیں۔ بعض اوقات لائیکونیا (قونیہ)، کیلیکیا اور عدالیہ تک جنوبی اناطولیہ کو قرامان یا قرہ مانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ سلجوقی عہد میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ترکمان سردار کریم الدین قرہ مان نے یہاں خودمختاری حاصل کرلی۔ قرامان سترھویں صدی میں آق سرائے، آق شہر، قونیہ، قیر شہر، قیصریہ اور نگدہ کی سنجاقوں پر مشتمل تھا۔ سلجوقی دور میں مولانا جلال الدین رُومی کے والد بہاء الدین وَلَد خراسان سے ترک وطن کرکے لارندہ چلے آئے تھے اور وہیں 623ھ /1226ء میں جلال الدین رومی نے شادی کی۔ چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں قرہ مان اوغلو خاندان نے قونیہ کے بجائے لارندہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ 1467ء میں سلطان محمد ثانی کے عہد میں لارندہ پر عثمانی ترکوں کا قبضہ ہوا اور پھر 1486ء میں بایزید ثانی نے اس سارے علاقے کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد لارندہ کا نام قرہ مان ہوگیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-5/2-8)



بلغاریہ کی بندرگاہ وارنا (یکم جنوری 2007ء)

اور اس وقت محمد ثانی کی عمر ساڑھے اٹھارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔[1]

سلطان مراد کی امورِ سلطنت سے علیحدگی کے بعد ایسا ہونا فطری امر تھا۔

اسی لیے کارڈینل جساریِنی نے شاہ بولونا[2] و ہنگری لیڈسلاس کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ اس نے ترکوں سے جو معاہدہ کیا تھا، وہ اسے توڑ سکتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ (بقول اُس کے) ''کافروں (مسلمانوں) کے ساتھ طے پایا تھا اور پوپ نے ایسے معاہدے کو باطل قرار دیا ہے۔'' اس کے نتیجے میں ہنگری، پولینڈ، جرمنی (المانیہ)، فرانس، وینس، بازنطینی سلطنت، پاپائے روم اور برگنڈی سب متحد ہوگئے اور یوں 848ھ/1444ء میں سلطنت عثمانیہ پر پانچواں صلیبی حملہ عمل میں آیا تاکہ اسے شکست سے دوچار کیا جائے۔ یہ صلیبی لشکر جس کی کمان لیڈسلاس اور ہنیاڈی کر رہے تھے، سلطنت عثمانیہ کی حدود میں در آیا اور وارنا[3] کے قریب بحیرۂ اسود کے ساحل پر پہنچ گیا۔ انھوں نے وِدین[4] اور نکوپولس کے قلعوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو دونوں شہروں میں لوٹ مار کی۔

اس دوران میں ادرنہ میں سلطنت کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور سلطان محمد ثانی کے سامنے یہ قرارداد پیش کی گئی:

''ہم دشمن کے حملے کو اسی صورت میں پسپا کر سکتے ہیں کہ امورِ حکومت آپ کے والد کو سونپ دیے جائیں۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے والد کو پیغام بھیجیں کہ وہ ادھر آ کر دشمن کو دنداں شکن جواب دیں اور صلیبیوں کے مقابلے میں جب یہ مہم پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو آپ پھر سلطنت کے مزے لوٹیے گا۔''



دریائے ڈینیوب پر ودین شہر کا قلعہ بابا وِیدا

اس قرارداد کو پڑھ کر محمد ثانی نے شخصی مفاد پر ملّی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے والد کو لکھا کہ آپ ادرنہ واپس آ کر اُمورِ حکومت سنبھالیں لیکن اس کے والد نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر محمد ثانی نے اسے ایک پُرحکمت خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

''اگر ہم بادشاہ ہیں تو ہم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنا لشکر لے کر آئیں، اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو بھی آئیں اور آ کر اپنی سلطنت کا دفاع کریں۔''

اس بلیغ خط کے نتیجے میں مراد ثانی کے پاس کوئی چارہ نہ رہا اور اس نے ملت کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ تیزی سے ادرنہ پہنچا۔ اس نے اپنے بیٹے محمد ثانی کو

1 سلطان محمد ثانی رجب 832ھ / اپریل 1429ء میں پیدا ہوا تھا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 358/19)۔ اس لحاظ سے 848ھ/1444ء میں پہلی بار زمامِ حکومت سنبھالتے وقت محمد ثانی کی عمر 16 سال سے زیادہ نہ تھی۔

2 بولونا (Bologna): یہ شمالی اٹلی کے صوبہ ایمیلیا (Emilia) کا دارالحکومت ہے۔ لیکن یہاں بولونا سے مراد وہ علاقہ ہے جسے ترک مؤرخین کی کتب میں بلادِ لہستان لکھا گیا ہے۔ آج کل اِسے پولینڈ (عربی میں بولندا) کہا جاتا ہے۔

3 وارنا (Varna): یہ مشرقی بلغاریہ میں بحیرۂ اسود کے کنارے واقع ایک شہر ہے۔

4 وِدین (Vidin): یہ بلغاریہ کا ایک معروف شہر ہے جو شمال مغرب میں رومانیہ و بلغاریہ کی سرحد پر دریائے ڈینیوب کے کنارے واقع ہے۔

حکومت سے الگ کیے بغیر 40 ہزار کا لشکر جمع کیا اور وارنا میں بحیرۂ اسود کے کنارے خیمہ زن دشمن کی طرف یلغار کی (شعبان 848ھ / نومبر 1444ء)۔ وارنا کی جنگ میں لیڈسلاس اور کارڈینل جسارینی مارے گئے اور ہنیاڈی نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ اسی نوے ہزار عیسائی قید ہوئے۔ ڈیڑھ سو عثمانیوں نے شہادت پائی۔ شہداء میں بیگلر بیگ قرہ جہ پاشا بھی شامل تھا جو سلطان مراد ثانی کا داماد تھا۔

اس فتح عظیم سے پوری سلطنت عثمانیہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا صرف سلطنت عثمانیہ ہی میں نہیں ہوا بلکہ پورا عالم اسلام اس خوشی میں شریک ہوا۔ جب فتح وارنا کی خبر قاہرہ پہنچی (22 ذی الحجہ 848ھ / یکم اپریل 1445ء) تو مصر کے مملوک سلطان چقماق نے حکم دیا کہ عباسی خلیفہ کے نام کے بعد سلطان مراد کا نام لیا جائے اور ملک بھر میں عثمانی شہداء کی روحوں کے لیے دعا مانگی جائے، نیز اس فتح پر پورے مصر میں جشن برپا ہوا۔

سلطان مراد ثانی اپنے بیٹے محمد ثانی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہوگیا تھا، پھر بیٹے کے مطالبے پر اُس نے بڑی سرعت سے زمام حکومت دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور دشمنان اسلام کو شکست دے کر اناطولیہ لوٹ آیا تھا۔ اس کے بعد محمد ثانی کے خلاف بعض بغاوتیں ہوئیں تو مراد ثانی کو ایک بار پھر حکومت سنبھالنی پڑی۔ اپنے دوسرے حملے کے دوران میں اس نے ریاست مورہ (جنوبی یونان) پر حملہ کیا (8 رمضان 850ھ / 27 نومبر 1446ء) اور قلعہ کورنتھ کا محاصرہ کرلیا۔ 21 رمضان 850ھ / 10 دسمبر 1446ء کو اس نے کورنتھ فتح کرلیا۔ جزیرہ نما[1] میں داخل ہوکر اس نے پتراس پر قبضہ کرلیا۔ پھر سلطان نے سکندر بیگ کو سزا دینے کے لیے 851ھ / 1447ء میں البانیہ پر حملے کی تیاری کی۔ سکندر بیگ نے یورپی

البانیہ: اسے عربی میں البانیا یا بلاد الارناؤط اور مقامی زبان میں Shqiperia کہتے ہیں۔ یہ بلقانی جمہوریہ بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع ہے اور مونٹی نیگرو، مقدونیہ، یونان (اور کوسوو) میں گھری ہوئی ہے۔ اس کا دارالحکومت ترانا ہے۔ فلورہ، البسان اور سقوطری (اسکودار) اہم شہر ہیں۔ رقبہ 28748 مربع کلومیٹر اور آبادی 33 لاکھ ہے۔ (المنجد في الأعلام: 62) اہل البانیہ الیری (Illyrian) نسل سے ہیں۔ الیریوں نے تیسری صدی ق م میں یہاں اپنا خود مختار سیاسی نظام قائم کیا۔ 167 ق م میں رومیوں نے البانیہ فتح کرلیا۔ بطلیموس البانویوں اور ان کے پایۂ تخت البانوپولس کا ذکر کرتا ہے جو موجودہ قریہ (Kurje) کے قریب تھا۔ ساتویں صدی عیسوی کے بعد البانیہ کے مختلف علاقوں پر سلاف، بلغاری، سرب، بازنطینی، نارمن اور اہل وینس قابض رہے۔ 1272ء میں آنژو (فرانس) کا حکمران چارلس دراج اور سارے ساحلی علاقے پر قابض ہوگیا اور اس نے شاہ البانیہ کا لقب اختیار کرلیا۔ 737ھ / 1337ء میں جب بازنطینی حکمران اینڈرونیکس ثالث نے صوبہ البانیہ پر لشکر کشی کی تو اس کے لشکر میں ترکی امدادی فوج بھی شامل تھی۔ 1385ء میں ایک البانوی جاگیردار کارلوتھوپیا نے اپنے حریف بلشا ثانی کے خلاف مدد مانگی، چنانچہ جنگ سورہ میں بلشا ترکوں کے ہاتھوں مارا گیا اور تھوپیا اور بلشا جاگیرداروں نے سلطان ترکیہ کی سیادت تسلیم کرلی۔ پھر جنگ قوصوہ (1389ء) کے بعد صاروخان (اناطولیہ) کے ترک اُسکپ (مقدونیہ) کے سرحدی مرکز میں لا بسائے گئے۔ 820ھ / 1417ء میں ترکوں نے سارا البانیہ فتح کرکے اسے ''آرناؤد ایلی'' کا صوبہ بنا دیا (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد1، عنوان ''آرناؤدلق'')۔ جنگ بلقان (1912ء) میں البانیہ نے آزادی حاصل کرلی۔ 1928ء میں یہاں شاہ زوغ کی بادشاہی قائم ہوئی مگر 1939ء میں اس پر اٹلی نے قبضہ کرلیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہاں انور خوجہ (Enver Hoxha) کی قیادت میں سخت کمونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی۔ 1992ء کے آزادانہ انتخابات جیت کر ڈیموکریٹک پارٹی نے اقتدار حاصل کیا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 30)۔ البانیہ یورپ کا واحد مسلم اکثریتی ملک ہے۔ اس کی آبادی میں 70 فیصد مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود انور خوجہ نے اسے دنیا کی واحد ملحد مملکت قرار دے دیا تھا۔ البانیہ کے شمال مشرقی ہمسایہ قوصوہ (کوسوو) کی 92 فیصد آبادی البانوی مسلمانوں کی ہے اور مشرقی ہمسایہ مقدونیہ کی 25 فیصد آبادی بھی البانوی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

[1] جنوبی یونان کا یہ جزیرہ نما پیلو پونیز ہے جو ایک خاکنائے کے ذریعے سے بقیہ یونان سے ملا ہوا ہے۔ کورنتھ شہر اس جزیرہ نما کے شمال میں ہے۔ کورنتھ خاکنائے میں سے گزرنے والی ریل اور شاہراہ کے ذریعے سے ایتھنز (یونان کا دارالحکومت) سے ملا ہوا ہے۔ جزیرہ نما پیلو پونیز کے شمال مغربی ساحل پر (Patra) پتراس واقع ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)



تیرانہ (البانیہ) کی مسجد ادہم بے (Et'hem Bey)

صلیبیوں کے ساتھ اتحاد کرلیا تھا اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ [1]

عثمانیوں کی پیشرفت روکنے کے لیے یورپ کی دوسری کوشش

جنگ وارنا میں یورپی لشکروں کی عثمانی عساکر کے ہاتھوں شکست کے چار سال بعد شکست خوردہ مسیحی سالار جان ہنیاڈی نے تہیہ کیا کہ وہ اپنی شکست کا بدلہ لے گا، چنانچہ اس نے یورپی ممالک کو اکٹھا کرنا شروع کردیا تاکہ عثمانیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس میں ہنگری، جرمنی، پولینڈ، صقلیہ، نیپلز، پاپائے روم اور مولڈیویا اکٹھے ہوگئے۔ ان کے لشکروں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ یہ جم غفیر عثمانی حدود میں داخل ہوگیا اور اس نے سطح مرتفع کوسوو پر قبضہ کرلیا جہاں وہ اس سے قبل شدید شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

جب سلطان مراد کو عیسائیوں کی پیش قدمی کا علم ہوا تو اس نے سرعت کے ساتھ لشکر تیار کیا اور مسیحی اتحاد سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے کوسوو کا رخ کیا۔ معرکۂ کوسوو میں دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جو تین دن جاری رہی (10-12 ذی قعدہ 852ھ / 17-19 جنوری 1448ء)۔ مراد ثانی نے ترخان پاشا کو حکم دیا کہ مسیحی عساکر کی واپسی کا راستہ روکے اور خود دشمن پر اس قدر زوردار حملہ کیا کہ یورپی اتحادیوں نے تباہ کن شکست کھائی۔ اس جنگ میں 17 ہزار مسیحی موت کے گھاٹ اُترے جبکہ چار ہزار ترکوں نے شہادت پائی۔

سلطان مراد ثانی کی فتوحات یہیں تک محدود نہ رہیں بلکہ اس نے موسم گرما (853ھ/1449ء) میں البانیہ پر فوجی یلغار کردی تاکہ باغی اسکندر بیگ (George Kastriota) کو سزا دے جو سلطان سے بغاوت کرکے البانیہ بھاگ گیا تھا۔ سلطان جب البانیہ کے دارالحکومت پہنچا تو اسکندر بیگ نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی۔

مراد ثانی کے البانیہ پر حملے کے دوران میں فروری 1451ء میں سلطان کو موت نے آ لیا۔ سلطان مراد ثانی کی وفات پر اس کے دشمنوں نے بھی اس کے حسنِ کردار کی گواہی دی۔ بازنطینی مؤرخ شالکونڈیلاس نے لکھا: "وہ راست رو اور عادل شخص تھا۔" ایک اور بازنطینی مؤرخ پرنس ڈوکاس سلطان کے بارے میں لکھتا ہے: "وہ لوگوں میں غلہ لٹاتا تھا اور تنگ دستوں کے لیے بڑا سخی تھا اور اس سلسلے میں اپنی مسلم یا مسیحی رعایا میں کوئی فرق روا نہ رکھتا تھا۔ وہ دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں سے کیے ہوئے عہد پورے کرتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی عہد شکنی کرتا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتا۔ وہ جب تک مجبور نہ ہو جاتا جنگ نہ چھیڑتا اور جب اسے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی تو وہ ان کا بے جا خون نہ بہاتا بلکہ قلعے صرف اس لیے فتح کرتا کہ انھیں صلح پر آمادہ کر سکے۔" نیز فرانسیسی مؤرخ کرنارڈے نے لکھا: "اگر مراد اول عثمانی سلطنت کا معمارِ اوّل تھا تو مراد ثانی اس کا حقیقی بانی تھا۔"

[1] سکندر بیگ البانیہ کے عیسائی امیر جان گسترِیو کا بیٹا تھا جس نے سلطان مراد ثانی کی اطاعت کرکے اپنے تین بیٹے بطور ضمانت عثمانی دربار میں بھجوا دیے تھے۔ سلطان نے ان پر شفقت برتی تو وہ مسلمان ہوگئے۔ سکندر بیگ کو ایک علاقے کا گورنر بنا دیا گیا۔ جان گسترِیو کی وفات کے بعد سلطان نے اس کی ریاست کا الحاق کرلیا تو سکندر بیگ کو یہ امر ناگوار گزرا۔ اس نے وزیر اول سے البانیہ کی گورنری کے احکام دھوکے سے حاصل کرلیے اور پھر اسے قتل کرکے البانیہ بھاگ گیا۔ وہاں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کو ساتھ ملا کر بغاوت کردی۔ سلطان مراد کے جلد انتقال کے باعث البانیہ کی مہم ادھوری رہی۔ مراد کے جانشین محمد فاتح کے عہد میں 871ھ/1467ء میں سکندر بیگ کے انتقال پر البانیہ کو سلطنت عثمانیہ میں ضم کرلیا گیا۔ (تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص: 74-84)


بوسنیا ہرزیگوینا
مونٹی نیگرو
سربیا
سربیا
کوسوو پولجی
پرسٹینا
پڈگوریکا (ٹیٹوگراڈ)
کوسوو (قصووہ)
دریائے ڈرین
جھیل شقودرہ
شقودرہ (اسکودرا سقوطری)
کریکس
سکوپجی (اسکپ)
لیژا
بحیرۂ ایڈریاٹک
پیشکوپی
دریائے ماٹ
دیبر
مقدونیہ
دریس (درازو)
تیرانہ
البانیہ
مناستر (بٹولا)
جھیل اوخری
جھیل پریسپا
البصان
دریائے سیمن
فائری
برات
کورچہ
ولورہ (افلونیا)
کستوریہ
اوترانتو
دریائے ویوسہ
آبنائے اوترانتو
اٹلی
گینو قستر
یونان
جزیرہ کیرکرا (کورفو)
(یونان)
بحیرۂ یونان (Ionian Sea)
البانیہ (آرناودلق)
بین الاقوامی سرحد
ملکی دارالحکومت
صوبائی دارالحکومت

نقشہ 133

سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ

1

قسطنطنیہ کی عظیم الشان فتح

(20 جمادی الاولی 857ھ/29 مئی 1453ء)

سلطان مراد ثانی کی وفات کے بعد حکومت کی باگ ڈور دوسری بار اس کے بیٹے محمد ثانی کے ہاتھ آئی۔ وہ اس وقت 23 برس کا ہو چکا تھا۔[1] وہ پہلا عثمانی سلطان تھا جس نے فتح قسطنطنیہ کا عزم کیا اور نبی ﷺ نے جو بشارت دی تھی کہ ''جو لشکر اس شہر کو فتح کرے گا وہ جنتی ہوگا۔''[2] محمد ثانی قسطنطنیہ فتح کر کے اس بشارت کا مصداق ٹھہرا۔

سلطان محمد ثانی نے دیکھا کہ اس کے پردادا بایزید اول نے اپنے لیے آبنائے باسفورس کے مشرقی کنارے پر ایک قلعے کی بنیاد رکھی تھی جسے اس نے ''اناضولو حصاری'' یعنی ''قلعۂ اناطولیہ'' کا نام دیا تھا۔ یہ قلعہ آبنائے باسفورس کے تنگ ترین کنارے پر واقع تھا۔ محمد ثانی نے ایک اور قلعے کی بنیاد رکھی اور اسے ''روملی (روم ایلی) حصاری'' یعنی ''قلعۂ روم'' کا نام دیا۔[3] اس کا مقصد یہ تھا کہ تمام آبنائے باسفورس اس کے تسلط میں آجائے۔ سلطان محمد ثانی نے بنفسِ نفیس اس قلعے کا خاکہ بنایا اور مصلح الدین آغا کو اس کی تعمیر پر مامور کیا جبکہ سات ہزار کارکنوں نے پورے چار ماہ میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ قلعہ مثلث شکل میں تھا اور اس کی فصیل کی چوڑائی 20 قدم تھی۔ اس کے ہر کونے پر ایک ضخیم برج تھا جس میں سیسہ پلایا گیا تھا اور اس کی موٹائی 32 قدم تھی۔



اناضولو حصاری (باسفورس)

[1] عربی اطلس الفتوحات الاسلامیہ میں تخت نشینی کے وقت محمد ثانی کی عمر 20 سال بتائی گئی ہے مگر یہ درست نہیں۔ محمد ثانی 1429ء میں پیدا ہوا تھا، یوں 1451ء میں بوقتِ تخت نشینی وہ بائیس تیئس برس کا تھا۔

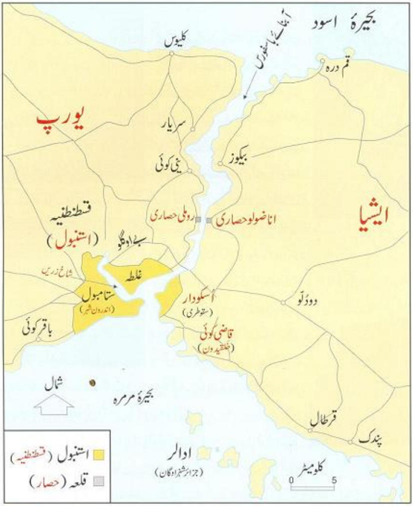
[2] سلطان محمد کا استدلال شاید اس حدیث سے تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ»

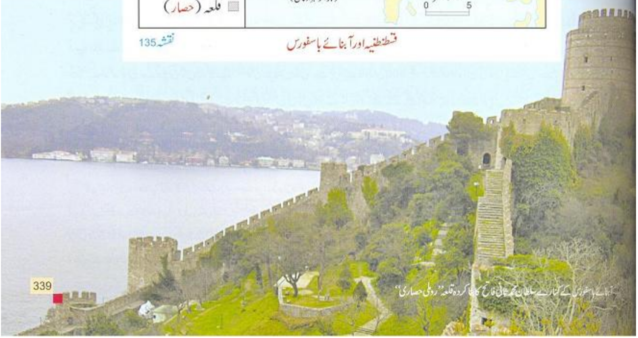
''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا ان کو بخش دیا گیا ہے۔''

(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ماقيل في قتال الروم، حديث: 2924)

[3] چونکہ یہ قلعہ آبنائے باسفورس کے پار علاقہ ''روملی'' یا رومیلیا (تھریس ومقدونیہ) کے ساحل پر تعمیر کیا گیا، اس لیے اسے ''روملی حصاری'' یا ''حصار رومیلیا'' کہا جانے لگا۔



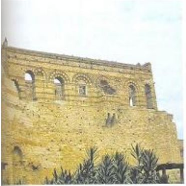
نقشہ 135 قسطنطنیہ اور آبنائے باسفورس



آبنائے باسفورس کے کنارے سلطان محمد ثانی فاتح کا بنا کردہ قلعہ "روملی حصاری"



جامع ایا صوفیہ (موجودہ عجائب گھر) کا اندرونی حسن



قیصر قسطنطین پرفروجینیوطس کا محل (استنبول)

اس دوران میں جبکہ قسطنطنیہ کی فتح کے لیے عثمانیوں کی جنگی تیاریاں ادرنہ کے طول وعرض میں جاری تھیں، شہرِ قیصر میں انتہائی اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ قیصر قسطنطین [1] نے جلدی میں پوپ نکولا پنجم سے مدد طلب کی۔ پوپ نے اس کی درخواست قبول کر کے کارڈینل ایسوڈور کو قسطنطنیہ بھیجا۔ کیتھولک کارڈینل نے قسطنطنیہ پہنچ کر کلیسا ایا صوفیہ کا رُخ کیا اور وہاں کیتھولک طریقے سے عبادت کے مراسم ادا کیے جو آرتھوڈکس قسطنطینی عوام کے مراسم کے خلاف ہی نہیں انھیں چیلنج کرنے والے تھے۔ لوگوں نے امداد کو پہنچنے والے کارڈینل کے طریقِ عبادت کو نہایت ناپسندیدگی سے دیکھا۔ ادھر قیصر کیتھولک اور آرتھوڈکس دونوں مسیحی کلیساؤں کو متحد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ وزیر اعظم لوکاس نوتاراس اور جناڈیوس (جو فتح قسطنطنیہ کے بعد بطریق بنا) نے اس خوف سے اس اتحاد کی شدید مخالفت کی کہ اس طرح کہیں کیتھولک کلیسا کے ہاتھوں یونانی آرتھوڈکس کلیسا کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ نوتاراس نے اس وقت یہ تاریخی جملہ کہا: ''میں قسطنطنیہ میں لاطینی ٹوپ دیکھنے کے بجائے ترکی عمامے دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔'' دراصل بازنطینیوں (اہلِ قسطنطنیہ) کو لاطینیوں (کیتھولک رومیوں) کے وہ وحشیانہ مظالم نہیں بھولے تھے جن کا ارتکاب انھوں نے 601ھ/1204ء کی صلیبی مہم کے دوران میں کیا تھا۔ تب لاطینی (رومن کیتھولک) کلیسا نے اس عذر پر مسیحی رضا کاروں کو پے بہ پے قسطنطنیہ بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا کہ قیصر نے امداد طلب کی ہے، چنانچہ اب پاپائے روم کی طرف سے ایسوڈور کی آمد پر دونوں کلیساؤں کے اتحاد کی کوششیں بارآور نہ ہو سکیں۔

ربیع الاوّل و ربیع الآخر 857ھ/ اپریل 1453ء [2] میں عثمانیوں نے خشکی اور سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے میں عثمانیوں کی 400 جہازوں پر سوار 20 ہزار بحری فوج شریک تھی اور ان کی بری فوج کی تعداد 80 ہزار تھی۔ سلطان نے شہر کے اردگرد توپخانہ لگا دیا جس میں توپوں کی 14 بیٹریاں تھیں جو اربن نامی ہنگری توپ ساز نے بنائی تھیں۔ وہ پتھر کے گولے ایک میل تک پھینکتی تھیں۔ بیرن کارڈیفو نے اپنی کتاب Thinkers of Islam (مفکرینِ اسلام) میں لکھا ہے کہ محمد فاتح نے توپوں میں جو گولے استعمال کیے ان میں سے ہر ایک کا وزن 300 کلوگرام تھا اور ان کی مار ایک میل سے زیادہ تھی۔ ایک توپ چلانے کے لیے 700 افراد کی ضرورت پڑتی تھی، اس کی نال بھرنے میں دو گھنٹے لگتے تھے جبکہ توپخانہ 200 توپوں پر مشتمل تھا۔

[1] یہ قیصر قسطنطین دوازدہم (Constantine 12th) تھا جو 1449ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ دولت قسطنطنیہ (بازنطینی سلطنت) کا پہلا حکمران قسطنطین اول یا قسطنطین اعظم (324ء تا 337ء) تھا جس کے نام پر قدیم بیزنطیم کو قسطنطنیہ کا نام دیا گیا۔ نبی ﷺ کے ہم عصر قیصر ہرقل کا جانشین قسطنطین سوم (641ء) تھا اور قسطنطین چہارم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہم عصر تھا۔ (المنجد في الأعلام، ص: 160,159)

[2] اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں محاصرۂ قسطنطنیہ کے آغاز کا وقت جمادی الاولیٰ و جمادی الآخرہ 857ھ/ اپریل 1453ء درج ہے مگر درست وقت ربیع الاول و ربیع الآخر 857ھ ہے کیونکہ اگلے صفحات میں فتح کی تاریخ منگل 20 جمادی الاولیٰ دی گئی ہے جو کہ 29 مئی 1453ء کے مطابق ہے۔ جس کی تائید دیگر کتب تاریخ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح قسطنطنیہ پر آخری حملہ ''18 مئی سے اگلے دن'' بتایا گیا ہے جبکہ درست تاریخ 28 مئی سے اگلے دن، یعنی 29 مئی ہے۔



شاخ زریں (گولڈن ہارن) استنبول



جنوا (اٹلی)

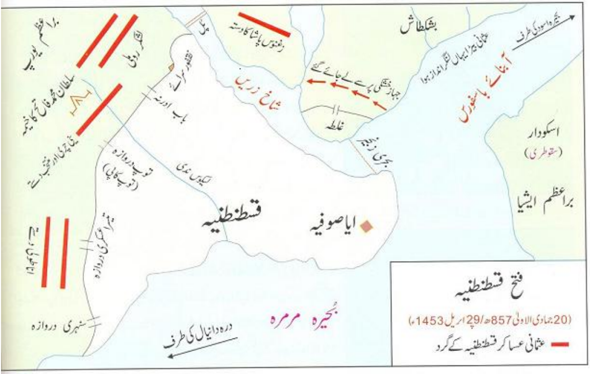
عثمانی بحری فوج بلطہ اوغلو سلیمان بیگ کی قیادت میں خلیج زریں [1] کے دہانے پر وارد ہوئی جہاں بازنطینی بحری بیڑے کا کمانڈر تھیوڈور دفاع پر مامور تھا۔ بازنطینیوں نے شہر کے محاصرے سے پہلے سمندر میں طویل آہنی زنجیر نصب کر کے خلیج کا دہانہ بند کر دیا تھا جس سے خلیج کے اندر کسی جہاز کا داخل ہونا مشکل ہوگیا تھا۔ یہ زنجیر عثمانیوں کے آگے سب سے بڑی رکاوٹ تھی، چنانچہ ان کے جہاز جو قسطنطنیہ پر حملے کے لیے فوج کو خلیج کے اندر لے جا اتارنے کے لیے مامور تھے، اس میں داخل ہونے سے قاصر تھے۔

اس دوران میں جنوا [2] کے تین جہاز اور ایک رومی جہاز آن پہنچے جن کی قیادت جسٹیانی کر رہا تھا جسے پوپ نے قسطنطنیہ کے دفاع اور محصورین کو مدد پہنچانے کے لیے بھیجا تھا۔ ان جہازوں کی آمد پر عثمانی بحریہ انھیں روک نہ سکی۔ عثمانی بحریہ کی اُن سے ایک جھڑپ ہوئی جس میں جسٹیانی غالب رہا اور جب وہ اپنے جہازوں کے ہمراہ خلیج کی طرف بڑھا تو اہلِ قسطنطنیہ نے آہنی زنجیر کھول دی اور رُومی جہاز خلیج میں داخل ہوگئے۔ اس اچانک پیش آمدہ واقعے سے سلطان محمد ایک ایسی جنگی ترکیب بروئے کار لانے پر مجبور ہوگیا جو اس کے سپہ سالاروں نے کمال مہارت سے پیش کی تھی۔

جنگی ترکیب یہ تھی کہ 67 ہلکے بحری جہاز آبی زنجیر کو چھوڑ کر غلطہ کی طرف سے خشکی پر چڑھا کر خلیج زریں میں اُتار دیے جائیں۔ اس کے لیے غلطہ کی زمین پر چوبی تختے بچھائے گئے اور ان پر چربی مل دی گئی تا کہ رات کے اندھیرے میں جہاز پھسلواں تختوں پر سے کھینچ کر خلیج تک لے جائے جائیں۔ دریں اثناء عثمانی توپخانے نے شہر پر شدید گولہ باری جاری رکھی تا کہ بازنطینیوں کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہو اور ان کا کوئی اہلکار عثمانی جہازوں کی خلیج میں منتقلی پر دھیان نہ دے سکے۔ یوں عثمانی جہاز خلیج میں منتقل ہوگئے اور ایک دوسرے کے ساتھ آگے پیچھے اس طرح کھڑے ہوگئے کہ خلیج کے آر پار پُل سا بن گیا حتیٰ کہ ان جہازوں کے ذریعے سے تمام لشکر قسطنطنیہ کی خشکی پر

[1] اسے شاخ زریں (Golden Horn) بھی کہا جاتا ہے جو دراصل آبنائے باسفورس کی ایک سینگ نما شاخ (Horn) یا کھاڑی پر مشتمل ہے اور یہیں قسطنطنیہ (استنبول) کی بندرگاہ واقع تھی۔ ترکی زبان میں اسے آج کل صرف خلیج (Halic) لکھا جاتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم،جلد اول، آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

[2] جنوا (Genoa): اطالوی زبان میں اسے جنووا (Genova) کہتے ہیں۔ سوئٹزر لینڈ کا مشہور شہر جنیوا (Geneva) اس سے الگ ہے۔ جنوا اٹلی کے شمال مغربی ساحل کی بندرگاہ ہے اور علاقہ لیگوریا کا صدر مقام ہے۔ آبادی 7 لاکھ سے اوپر ہے۔ کرسٹافر کولمبس یہیں پیدا ہوا تھا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 580)۔ 1253ء سے 1299ء تک اطالوی ریاستوں وینس اور جنوا کے درمیان کشمکش رہی۔ پہلی جنگ (1258ء) میں جنوا نے شکست فاش کھائی۔ 1289ء میں وینس نے ایشیائے کوچک پر قابض ترکوں سے معاہدہ کرلیا تو جنوا نے درۂ دانیال بند کر دیا۔ وینس نے بزور درۂ دانیال کی ناکہ بندی توڑی اور غلطہ (قسطنطنیہ کا ایک حصہ) کو لوٹا۔ سولھویں صدی کے شروع سے جنوا پر فرانس قابض رہا حتیٰ کہ 3 اگست 1529ء کے معاہدے کی رو سے فرانس نے اٹلی پر تمام دعوے چھوڑ دیے اور چارلس پنجم اٹلی کا بادشاہ بن گیا (اگست 1530ء)۔ یہ معاہدہ فرانسس اول (شاہ فرانس) کی ماں اور چارلس پنجم (شاہ اسپین) کی پھوپھی کے درمیان ہوا تھا۔
(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، جلد 286/2)



نقشہ 34



خلیفہ عبدالمجید اول کی تعمیر کردہ مسجد مجیدیہ (1854ء) جو باسفورس پل کے مغربی سرے کے پاس قصبہ اُرداکوئی میں واقع ہے

جا اُترا۔ اور جب صبح طلوع ہوئی تو عثمانیوں کو دیکھ کر اہلِ شہر پر دہشت طاری ہوگئی۔ ہم عصر بازنطینی مؤرخ دوکاس ترکوں کی اس دہشت ناک جنگی کارروائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

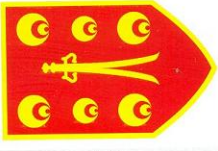
''یہ ایک معجزہ تھا۔ اس سے پہلے کسی نے ایسے معجزے کے بارے میں سُنا نہ کبھی ایسا معجزہ دیکھا تھا۔''

عثمانی بحریہ تو جسٹینانی کو خلیج (شاخ زرّیں) میں داخل ہونے سے روکنے میں ناکام رہی تھی، تاہم سلطان محمد کی نئی جنگی حکمت عملی سے یہ ممکن ہوگیا تھا کہ تمام عثمانی افواج قسطنطنیہ کے گرد اکٹھی کر کے یکبارگی بلّا بول دیا جائے۔ اس حملے سے پہلے سلطان نے اتمام حجت کے طور پر قیصر روم کو دوسری مرتبہ خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ شہر پُرامن طور پر حوالے کردو گے تو خونریزی نہیں ہوگی اور بادشاہ کو اجازت ہوگی کہ اپنے اموال اور خزانوں سمیت جہاں جانا چاہے چلا جائے۔ سلطان نے اس صورت میں اہلِ قسطنطنیہ کو امان دیتے ہوئے یہ وعدہ کیا کہ ان کے اموال، ان کی جانیں اور جائدادیں محفوظ رہیں گی۔ لیکن قیصر نے اہل جنوا کے اکسانے پر سلطان کی پیشکش مسترد کردی۔

ادھر ہنگری کے بادشاہ نے ایسے وقت سلطان محمد پر دباؤ ڈالنے کا ارادہ کیا جبکہ وہ مشکل میں تھا۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ اس کا عثمانیوں سے کوئی رابطہ نہیں اور اسے شاہِ قسطنطنیہ کی پالیسی سے مکمل اتفاق ہے، نیز اسے یقین دلایا کہ وہ یورپی دستوں کی قیادت کرتے ہوئے حملہ آور ہوگا تاکہ عثمانیوں کو کچل ڈالا جائے لیکن شاہ ہنگری کے زیرِ قیادت یورپی فوج کی آمد سے کوئی فرق نہ پڑا اور ترکوں نے ثابت قدمی سے محاصرہ جاری رکھا۔

28 مئی کا دن امن سے گزر گیا۔ اگلے دن فجر کے وقت اجتماعی نماز کے بعد سلطان محمد اس جگہ پہنچا جہاں سے حملے کا آغاز ہونا تھا۔ اتنے میں بڑی بڑی توپوں کی گھن گرج سُنائی دی جنھوں نے پو پھٹتے ہی گولہ باری شروع کردی تھی جبکہ سلطان کے حکم سے عثمانی پرچم لہرانے لگا تھا۔ ترکوں میں یہ روایت تھی کہ حملہ شروع کرتے وقت پرچم لہرایا جاتا تھا۔

اس دوران میں عثمانی توپوں نے شہر کی فصیل میں ایک شگاف پیدا کردیا تو عثمانی لشکر شہر کے گرد کھودی ہوئی خندقیں پار کرگیا۔ انھوں نے فصیل کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں لگائیں اور پوری فوج تین لہروں میں فصیل پر سے کود کود کر شہر میں داخل ہوگئی۔ آخری لہر میں ینی چری (Janissary)[1] دستے بھی شامل تھے۔ اس صورت حال میں قیصر قسطنطین اپنے محفوظ دستوں کو دفاع کے لیے آگے لانے پر مجبور ہوگیا جو کنیسۃ الحواریّین کے آس پاس تعینات تھے (یہ کلیسا بعد میں جامع مسجد الفاتح قرار پایا۔) ادھر عثمانی لشکر نے بلا تاخیر تیراندازی شروع کردی جس سے مسیحی سپہ سالار جسٹینانی شدید زخمی ہوا اور اس حالت میں اس نے میدانِ کارزار سے راہِ فرار اختیار کی۔ قیصر قسطنطین اس کی منتیں کرتا رہا کیونکہ شہر کے دفاع میں اس کا بڑا کردار تھا مگر اس نے قیصر کی ایک نہ سنی اور بھاگ نکلا۔



عثمانی پرچم

اولین عثمانی شہداء میں امیر ولی الدین سلیمان بھی شامل تھے جنھوں نے قدیم بازنطینی شہر کی فصیل پر عثمانی پرچم لہرایا تھا۔ ان کی شہادت کے وقت 18 عثمانی سپاہی پرچم کو گرنے سے بچانے کے لیے تیزی سے وہاں پہنچ گئے اور انھوں نے پرچم سربلند رکھا حتی

1 ''ینی چری'' کے معنی ہیں: ''نئی فوج''۔ سلطان اُورخان نے شاہی حفاظتی فوج کے طور پر اس کی بنیاد رکھی تھی۔ شروع میں اس میں نومسلم غلام زادے اور بعد میں سپاہیوں اور سالاروں کے بیٹے بھرتی کیے جاتے تھے۔ چودھویں صدی عیسوی کے بعد ''ینی چری'' ترک فوج کے بڑے لڑاکا دستوں پر مشتمل ہوتی تھی۔
(تاریخ ترکیہ، ص: 41، آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 754)

کہ باقی لشکری جو فصیل پر سے اُن کا دفاع کر رہے تھے، وہاں آن پہنچے اور انھوں نے پرچم سنبھال لیا۔ اس وقت تک اٹھارہ کے اٹھارہ عثمانی مجاہد شہادت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ اس دوران میں عثمانی سپاہی فصیل کے ان شگافوں سے شہر میں داخل ہوتے چلے گئے جو توپوں نے اس میں ڈال دیے تھے اور ان سیڑھیوں سے بھی اترتے رہے جو فصیل کے ساتھ لگائی گئی تھیں۔ پھر دوسرے حملہ آور عثمانی دستوں نے قسطنطنیہ کے بعض دروازے کھول دیے۔ اس دوران میں بحری فوج نے خلیج کے دہانے پر غلبہ پا کر آہنی زنجیر کھول دی اور پھر عثمانی بیڑا خلیج میں داخل ہو کر شہر کی طرف بڑھا۔ ان حالات میں بازنطینیوں میں سراسیمگی پھیل گئی، عثمانیوں کے ہاتھوں بے شمار قتل ہوئے اور جو بھاگ سکے، بھاگ نکلے۔

یوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ سلطان محمد فاتح شہر میں داخل ہو کر گھوڑے سے اُترا اور اُس نے زمین پر اللہ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کیا اور دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ شہداء پر اپنی رحمت فرمائے۔ پھر اس نے خاص قسطنطنیہ کے بارے میں نبی ﷺ کی حدیث پڑھی اور شہر کو ''اسلامبول'' [1] کا نام دیا، یعنی ''اسلام کا شہر'' یا ''اسلام آباد''۔ سلطان نے اپنی فوج کو لوٹ کھسوٹ سے روک دیا۔ اس کے بعد وہ کلیسا ''ایا صوفیہ'' کی طرف متوجہ ہوا، وہاں نمازِ شکرانہ ادا کی اور اسے مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس میں نمازِ عصر ادا کی۔ اس وقت بعض رومیوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔

سلطان محمد فاتح رواداری میں بے مثال تھا۔ یہ اس کی رواداری ہی تھی کہ اُس نے عیسائیوں کو بے روک ٹوک اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی اجازت دی۔ اس نے ان کے کلیساؤں اور عبادت گاہوں کو امان دی اور انھیں اپنا بطریق خود چننے کا حق دیا، چنانچہ اس نے مسیحیوں کے سرکردہ افراد جمع کیے جنھوں نے جنادیوس کو بطریق منتخب کیا۔ سلطان نے اس کے انتخاب پر اعتماد کا اظہار کیا، اسے رومیوں کا رئیس مقرر کیا اور اسے ینی چری فوج کا ایک حفاظتی دستہ عطا کیا، نیز اسے رومیوں کے مخصوص دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا اور اس کے ساتھ ہی کلیسا کے بڑے عہدیداروں پر مشتمل ایک مجلس تشکیل دی گئی اور صوبوں میں مطران (اسقف اعظم) اور قسیس (اُسقف) بھی اس اختیار کے حامل قرار دیے گئے۔


استنبول کی پرانی فصیل


مسجد ایا صوفیہ جواب عجائب گھر بن چکی ہے


جامع مسجد سلطان فاتح (استنبول)

[1] سلطان محمد فاتح نے صوتی اور معنوی مناسبت کے باعث استنبول کو ''اسلامبول'' کا نام دیا۔ یاقوت حموی متوفی 626ھ نے معجم البلدان (347/4) میں لکھا ہے کہ ''قسطنطین اعظم نے اسے دارالحکومت بنا کر اس کا نام قسطنطیہ (عربي میں قسطنطينية) رکھا جسے آج کل اصطنبول کہتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر پہلے سے مسلمانوں کے ہاں اصطنبول یا استنبول کے طور پر معروف تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسطنطین اعظم نے 330ء میں قدیم شہر بیزنطیم کو ''کان سٹین ٹینو پولس'' (Constantinopolis) یا قسطنطیہ کا نام دیا تھا مگر عام طور پر اسے آئس ٹن پولن Eis Ten Polin (اندرونِ شہر) کہا جاتا تھا جسے مقامی لہجے میں سٹامبول (Stamboul) کہتے تھے۔ عرب اسی کو معرب کر کے اصطنبول یا استنبول کہنے لگے۔'' (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:748)

جب سلطان محمد فاتح ان خوفزدہ عیسائیوں کو امان دے کر عدل قائم کر چکا جو شہر سے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے تو اس نے استنبول (اسلامبول) کو اپنا مستقر بنا لیا، پھر عالم اسلام کے سربراہوں کو خطوط لکھ کر انھیں فتح قسطنطنیہ کی بشارت دی۔ سلطانِ مصر اینال شاہ [1] کے نام لکھے گئے خط کے بعض فقرات یہ تھے:

''بے شک بہترین طریقہ ہمارے اسلاف کا ہے۔ وہ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔ ہم ان کے طریقے پر قائم ہیں اور اس خواہش پر مسلسل کاربند ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثال بن گئے ہیں:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔'' [2]

اور ہم اپنے نبی محمد ﷺ کی ہدایت پر مضبوطی سے قائم ہیں جنھوں نے فرمایا:

[مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ]

''جس شخص کے پاؤں اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو گئے، اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔'' [3]

اسی لیے ہم نے اس برس (فتح قسطنطنیہ کا) ارادہ کیا، جس میں اللہ نے برکت اور انعام ارزانی کیا، جبکہ ہم اللہ ذوالجلال والاکرام کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس پر قائم ہیں، چنانچہ ہم نے فریضۂ جہاد کی ادائیگی کا عزم کیا جو اسلام نے ہم پر عائد کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ ''تم ان کفار سے لڑو جو تمھارے قرب و جوار میں ہیں۔'' [4]

اس مقصد کے لیے ہم نے غازیوں اور مجاہدین کے بری و بحری لشکر تیار کیے، اس شہر کو فتح کرنے کی خاطر جو فسق و فجور اور کفر سے بھرا ہوا تھا اور جو طویل مدت سے ممالک اسلامیہ کے وسط میں ہونے کے باوجود کفر و شرک پر فخر کرنے والوں کا گڑھ تھا۔

جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

فَكَأَنَّهَا حُسْنٌ عَلَى الْخَدِّ الْأَغَرِّ
وَكَأَنَّهَا كَلَفٌ عَلٰى وَجْهِ الْقَمَرِ

''یہ شہر گویا تابناک رخسار پر ایک حسن ہے، اور اس کے ساتھ ہی، جیسے چاند کے چہرے پر سایہ (گہن) ہو۔''

سلطان محمد فاتح نے شہر قسطنطنیہ کی تعریف اور اس کے قلعے کی مضبوطی اور پچھلی مہمات میں اس کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا:

''ہم نے ان سے جنگ کی اور انھوں نے ہم سے جنگ کی، ہم نے ان سے لڑائی کی اور انھوں نے ہم سے لڑائی کی، ہماری لڑائی 54 دن رات جاری رہی حتی کہ صبح طلوع ہو گئی۔ اس روز منگل تھا اور جمادی الاولیٰ کی بیس تاریخ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرق سے سورج نکلنے سے پہلے ہمیں فتح سے نوازا۔''

1 ابو نصر سیف الدین الملک الاشرف اینال العلائی چرکسی غلاموں میں سے تھا جو 857ھ تا 865ھ / 1453ء تا 1461ء مصر پر حکمران رہا۔ مصر کے چرکسی ممالیک کے خانوادے نے 784ھ تا 923ھ / 1382ء تا 1517ء مصر پر حکومت کی۔ (أطلس التاريخ العربي الإسلامي:233)

2 التوبة 9:29۔ 3 صحيح البخاري، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، حديث: 907۔ 4 التوبة 9:123۔



اسی طرح سلطان محمد فاتح نے شریف مکہ مکرمہ کو فتح قسطنطنیہ کی خوشخبری دیتے ہوئے مالِ غنیمت میں سے تحائف ارسال کیے اور اس سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے اپنے خط میں لکھا:

''اس برس اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو فتح عطا کی، ایسی فتح آنکھ نے کبھی دیکھی نہ کان نے سُنی، اور یہ مشہور شہر قسطنطنیہ کی فتح ہے۔ ہم اس فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے آپ کو یہ خط لکھ رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس عظیم کامیابی اور مسرت کی خوشخبری حرمین شریفین کے تمام باشندوں، علماء و سادات کرام، پرہیزگاروں اور عبادت گزاروں، صلحاء و مشائخ، ائمہ کرام، خدا رسیدہ متقین، سب چھوٹوں بڑوں اور بیت اللہ کے زائرین کو پہنچا دیں گے جو اہل اسلام کے لیے عروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) کے مانند ہے جو ٹوٹنے کی نہیں، نیز آبِ زمزم اور مقام ابراہیم کی عبادت سے بہرہ ور ہونے والوں، مرقد رسول کے قرب وجوار میں عبادت کرنے والوں اور عرفات میں ہماری سلطنت کے دوام کی دعا کرنے والوں اور ہماری فتح کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کرنے والوں کو بھی خوشخبری سنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کی برکات سے ہمیں بہرہ یاب کیا اور ان کے درجات بلند کیے۔ ہم اپنے نمائندے کے ہاتھ آپ کے لیے مالِ غنیمت میں سے خالص و معیاری سونے کے دو ہزار فلورے تحفتاً بھیج رہے ہیں اور سات ہزار فلورے فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے ہیں جن میں سے دو ہزار سادات اور نقیبوں کے لیے اور ایک ہزار خدّامِ حرمین کے لیے مخصوص ہیں اور باقی مکہ اور مدینہ میں مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں شہروں کے شرف میں اضافہ کرے! آپ سے امید ہے کہ یہ مال ان لوگوں میں ان کی احتیاج اور ضرورت کے مطابق تقسیم کریں گے۔ ہماری طرف سے آنے والی سفارت کی کیفیت ہمیں لکھ بھیجنا۔ ان شاء اللہ، ہمارے لطف واحسان سے ان لوگوں کی دائمی دعائیں ہمارے شاملِ حال رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے اور آپ کی سعادت وسیادت کو روزِ قیامت تک دوام بخشے۔''

شریف مکہ نے سلطان محمد فاتح کے خط کا جواب یوں دیا:

''ہم نے آپ کا مکتوب کمال ادب کے ساتھ کھولا اور کعبہ شریف کے سامنے اہلِ حجاز اور اہلِ عرب کو پڑھ کر سنایا۔ ہم نے اس میں قرآن کے احکامِ جہاد دیکھے جن میں مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس کے متن سے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا ایک معجزہ ظاہر ہوتے دیکھا، اور وہ معجزہ قسطنطنیہ اور اس کے گرد ونواح کی فتح کا معجزہ ہے جس کا قلعہ بہت مضبوط اور خواص وعوام میں مشہور و معروف تھا اور اس کی فصیل بہت مستحکم تھی۔ اس مشکل اور خطرناک کام کے آسان ہونے پر ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اس پر ہمیں انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ آپ نے ارضِ مقدس کے باشندوں سے محبت کا اظہار کر کے اپنے آبائے کرام اور اجداد عظام کے جس طریقے اور مسلک کا احیا کیا ہے، اس پر ہمیں بے پناہ مسرت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو راحت بخشے اور اُنھیں جنت کے اعلیٰ مقامات سے نوازے!''

اس فتح عظیم کے ساتھ، جو سلطان محمد فاتح کو 25 برس کی عمر میں عطا ہوئی، اللہ تعالیٰ کا نور اور اسلام مشرقی یورپ میں پھیلنے لگا، چنانچہ اس کے بعد سلطان موصوف بلادِ بلقان کے جہاد میں مصروف ہو گیا۔

2

سربوں کی سرزمین فتح ہوتی ہے

فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتح نے دریائے ڈینیوب کے علاقے میں اپنی سلطنت کا دبدبہ قائم کرنے پر توجہ مرکوز کی، چنانچہ اب وہ ہنگری کی طرف متوجہ ہوگیا جو یورپ میں سلطنت عثمانیہ کی توسیع کے راستے میں ہمیشہ ایک مشکل خطہ چلا آ رہا تھا۔ اس لیے اس نے سربوں کی سرزمین (سربیا) کو عثمانی سلطنت میں ضم کرنے کا اقدام کیا، خصوصاً اس وقت جبکہ بہت سے سرب اُمراء نے سلطنت عثمانیہ کی اطاعت اور ماتحتی اختیار کر لی تھی۔ اُن میں برانکووِتش اور ولاچیا (افلاق) اور مولڈیویا (بغدان) کے اُمراء شامل تھے جنھوں نے ہنگری کی تقلید میں جنگ میں شکست کھائے بغیر عثمانیوں کی سیادت قبول کر لی تھی۔ اسی طرح بازنطینی حکمران کے بھائیوں دیمتریس اور تومس حاکمان موریہ نے اپنے زیر حکومت علاقے دولت عثمانیہ میں ضم کر



اہل وینس کے تعمیر کردہ قلعہ میتھونی (موریا، یونان) میں عثمانی بُرج

موریہ: یہ یونانی جزیرہ نما پیلوپونیسوس (Peloponnesus) کا عمومی نام ہے جسے زمانہ قدیم میں یونان کا قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان مصنفین اسے لاموریہ، المورْیا یا مورہ بھی لکھتے ہیں۔ 807ء میں سلافی آبادکاروں نے افریقہ سے آنے والے عربوں کی مدد سے موریہ کے شہر پتراس کی ناکہ بندی کی مگر اہل شہر نے انھیں پسپا کر دیا۔ نویں صدی میں سلافی آبادکار عیسائیت اختیار کرنے لگے۔ چوتھی صلیبی جنگ کے بعد اہل وینس نے موریہ کو زیرِ نگیں کر لیا۔ 1264ء میں موریہ کے فرینک حکمران کی درخواست پر دو ترک سرداروں مالک اور سالک نے بازنطینی فوج کو پے در پے شکستیں دے کر فرینکوں کا اقتدار بحال کیا، چنانچہ جنگ کے بعد ترکوں کی خاصی تعداد موریہ میں آباد ہوگئی۔ 1392ء میں ایورنوس بیگ کے زیر قیادت ایک ترک فوج جزیرہ نما کے متعدد قلعوں پر قابض ہوگئی تو موریہ کے گورنر نیریو اول نے سلطان بایزید کا خراج گزار بننا قبول کیا۔ 1423ء میں ترک سپہ سالار ترخان نے موریہ کے اہم ترین قلعہ جزمہ حصار (شہر کورنتھ کے قریب) پر یلغار کی تو بازنطینی حکمران مینوئل ثانی پیلیولوگوس نے ایک لاکھ سکے خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا اور جزمہ حصار سے دست بردار ہوگیا۔ سلطان مراد ثانی کے عہد میں ریاست موریہ سلطنت عثمانیہ کی باجگزار بن گئی۔ 1460ء میں سلطان محمد فاتح نے اسے اپنی سلطنت میں ضم کر لیا۔ 1502ء میں وینس والوں نے موریہ میں اپنی نوآبادیاں ترکوں کے حوالے کر دیں، پھر صلح نامہ کارلوتز (1699ء) کے تحت ترکوں نے موریہ اہل وینس (بندقیہ) کی تحویل میں دے دیا مگر جب یونانیوں نے ترکوں کے زیرِ اقتدار رہنے کی خواہش کی تو سلطنت ترکیہ نے 1715ء میں اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد بہت سے عیسائیوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ 1768ء میں زارشاہی کے اکسانے پر موریہ کے یونانیوں نے ناکام بغاوت کی۔ 1821ء میں جب ترک گورنر خورشید پاشا باغی علی پاشا کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اس دوران میں موریہ کے عیسائیوں نے پھر بغاوت کر دی۔ 1827ء میں روس اور انگلستان نے سازش کی کہ موریہ اور یونان کے دوسرے حصوں کو ملا کر ایک آزاد ریاست قائم کر دی جائے۔ بابِ عالی (Sublime Porte) حکومتِ قسطنطنیہ نے ان کی مداخلت تسلیم نہ کی تو ان کے متحدہ بیڑے نے حملہ کر دیا۔ آخر کار طویل مذاکرات کے بعد فروری 1833ء میں بوریا (جرمنی) کے شہزادہ اوٹو کو یونان کا پہلا بادشاہ بنا دیا گیا اور اس وقت سے موریہ یونان کا ایک حصہ قرار پایا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 775/21)

دیے، نیز جنوا کے زیرِحکومت جزائر خیوس اور لسبوس نے بھی یہی روش اختیار کی۔ بحیرۂ ایجین کے دیگر جزائر کے ساتھ بھی امن وصلح کے معاہدے طے پا گئے۔ اسی طرح بلقان کے قبائل نے بھی اسلام اور سلطنت عثمانی سے ناتا جوڑ لیا۔ بلقانی قبائل کی اس اطاعت اور دولت عثمانیہ سے وابستگی کے کئی ملکوں پر واضح اور مخالفانہ اثرات مرتب ہوئے جنھوں نے بڑھتے ہوئے عثمانی خطرے کو محسوس کیا۔ یہ ممالک سربیا، ہنگری اور وینس تھے۔ انھوں نے اس خطے میں ہنگامہ اُٹھانے کی کوشش کی اور سرب امیر برانکوونش کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جس نے پہلے سلطنت عثمانیہ کی اطاعت کا اعلان کیا تھا۔ اب اس نے شاہ ہنگری ہنیاڈی کے ساتھ اتحاد کر لیا اور دونوں عثمانی عساکر پر چھاپے مارنے لگے جو اس دو فریقی اتحاد کے لیے چیلنج بن گئے تھے۔

اس صورت حال میں عثمانی افواج نے سربیا کے علاقے میں پیش قدمی کی اور یکے بعد دیگرے ان کے شہر اور قلعے فتح کرتی چلی گئیں حتیٰ کہ بلغراد تک جا پہنچیں۔ ان فوجوں نے صدر اعظم محمود پاشا کی قیادت میں سربوں کے تمام علاقے 863ھ تا 865ھ / 1458ء تا 1461ء یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔



موریا (یونان) کے قصبہ ناپلیون (Nafplion) میں سابق عثمانی مسجد

3

یونان، بوسنیا اور البانیہ کی فتوحات

موریہ (جنوبی یونان) کی فتح

الحاقِ موریہ کی تفصیل یہ ہے کہ یہ علاقہ دو بھائیوں تومس اور دیمتریس کے مابین اختلاف ونزاع کا باعث بنا ہوا تھا۔ ان کے باہمی تنازع سے البانویوں کو اس علاقے کے معاملات میں مداخلت کا موقع مل گیا۔ جب سلطان محمد فاتح کو البانویوں کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے 863ھ/1458ء میں موریہ پر فوج سے چڑھائی کر دی۔ البانوی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور سلطان نے مشرقی موریہ کا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں ضم کر لیا۔ دریں اثنا تومس اور اس کے بھائی نے سلطنت عثمانیہ کی مصروفیت سے فائدہ اٹھایا اور انھوں نے مذکورہ علاقہ واپس لینے کی کوشش کی لیکن سلطان محمد فاتح نے ان کی چال ناکام بنا دی اور حملہ کر کے 865ھ/1460ء میں شہر ایتھنز پر قبضہ کر لیا۔ پھر 869ھ/1464ء میں بحیرۂ ایجین [1] کے جزائر فتح کر لیے گئے۔ یوں پورا یونان عثمانی عملداری میں آ گیا سوائے بعض مقامات اور قلعوں کے جو وینس کے زیر حکومت تھے۔ 867ھ/1462ء میں عثمانی فوج نے افلاق (ولاچیا) بھی فتح کر لیا۔



قدیم ایتھنز کی منڈی Monastiraki میں 1759ء کی تعمیر کردہ عثمانی مسجد جو عجائب گھر بن چکی ہے مگر یونانی آج بھی اسے جامع (Tzami) یعنی مسجد کہتے ہیں

بوسنیا و ہرزیگووینا کی فتح

ترک اسے بوسنہ وہرسک کہتے تھے۔ سربیا کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے بوسنیا کی فتح ضروری سمجھی جو اپنے قلعوں کے لیے مشہور تھا۔ اس کا مقصد عثمانیوں کے خلاف یورپی اتحاد کا سد باب کرنا تھا، چنانچہ سلطان نے حاکم بوسنیا کو خط لکھا کہ وہ دولت عثمانیہ کی اطاعت کر لے مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر 868ھ/1463ء میں سلطان محمد فاتح نے فوجی یلغار کر کے شہر کے شہر فتح کر لیے اور یوں تمام بوسنیا عثمانی عملداری میں آ گیا۔



روڈس شہر کا سقراط بازار

[1] بحیرۂ ایجین: یونان اور ترکی کے مابین واقع یہ سمندر (ایجہ) دراصل بحیرۂ روم ہی کا ایک حصہ ہے۔ قدیم عہد میں عرب اسے بحرارخبیل کہتے تھے۔ درۂ دانیال کے ذریعے سے یہ بُحیرہ مرمرہ سے ملا ہوا ہے۔ بحیرہ ایجین کے اہم جزائر یوبیہ (Euboea)، خیوس (Chios)، لسبوس، لمنوس، ساموس، جزائر دوازدہ (Dodecanese) اور سائیکلادس ہیں۔ (المنجد في الأعلام: 91)

البانیہ کی فتح

866ھ / جولائی 1461ء میں سلطان محمد فاتح نے حاکم البانیہ سکندر بیگ کے ساتھ معاہدۂ صلح کیا۔ اس کے مطابق سکندر بیگ البانیہ اور اپیروس کے صوبوں سے دستبردار ہوگیا مگر جلد ہی اس نے عہد شکنی کی۔ سکندر بیگ کی فوج کے عثمانی لشکر سے کئی معرکے ہوئے حتیٰ کہ عثمانیوں نے تمام البانیہ فتح کرلیا اور 872ھ / 1467ء میں اسے سلطنت عثمانیہ میں ضم کرلیا گیا۔ اسی اثناء میں سلطان محمد فاتح نے اناطولیہ کے شمالی ساحل پر اماستریس، سینوپ اور ترابزون [1] فتح کرلیے۔



قلعہ کروجہ (البانیہ)



سقوطری (اسکودار) البانیہ



قلعہ تریونک (بوسنیا)



جامع مسجد اسکندر پاشا (ترابزون)

[1] طرابزون (ترابزون): اس شہر کے نام کی ترکی شکل طَرَبزون (انگریزی میں Trebizond یا Trabzon) ہے۔ یہ بحیرۂ اسود کے جنوب مشرقی گوشے میں پہاڑی ساحل پر واقع ہے۔ اسے سلطنت روما کا سرحدی شہر ہونے کے باعث بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن قیصر جسٹینین کے عہد سے قیصریہ جدید (نیکسار) اس علاقے کا اہم ترین مقام بن گیا۔ عرب مصنفین اسے اَطرابُزند، یا طرابُزندہ اور بحیرۂ اسود کو بحر طرابزندہ کہتے تھے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 12 / 545) ترابزون کو یونانیوں نے 756 ق م میں Trapezus کے نام سے آباد کیا تھا۔ 1204ء میں جب صلیبیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تو الیکسوس کومینوس نے ترابزون کو پایۂ تخت بنا کر ایک ذیلی بازنطینی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو 1461ء میں عثمانی سلطنت میں ضم کرلی گئی۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 1525)

4

وینس کے مقبوضات کی فتح

قسطنطنیہ کی فتح، جزیرہ نمائے موریہ (یونان) کے سلطنت عثمانیہ میں انضمام اور آبناؤں [1] پر عثمانی کنٹرول کے پیشِ نظر اہل وینس نے محسوس کیا کہ عثمانی اہل یورپ کے لیے خطرات کا باعث بن گئے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس روز افزوں خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مشرق ومغرب کے حکمرانوں کو عثمانیوں کے خلاف اُبھارا۔ انھوں نے مصر وشام کے ممالیک اور ان کے ماتحت ریاستوں کو بھی ایسی ہی ترغیب دی جن میں ریاست رمضان [2] بھی شامل تھی، تاہم دولت ممالیک نے وینس والوں کی تحریک وترغیب پر کان نہ دھرے۔ تب اُنھوں نے امارت آق قویونلی کو عثمانیوں کے خلاف اُکسایا جس کا حکمران اوزون حسن تھا۔ اس نے اس سلسلے میں وینس سے معاہدہ کیا جس میں بعض یورپی ممالک اور پوپ بھی شریک ہوگئے۔

اوزون حسن: آق قویونلی ترکمان خانوادہ نے منگولوں کے زوال کے بعد دیار بکر سے فرات تک اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔ آق قویونلی کے ترکی میں معنی ہیں: ''سفید بھیڑوں والے''۔ ان کے حکمران اوزون حسن نے دارالحکومت دیار بکر سے تبریز منتقل کر لیا تھا جس پر 1502ء میں صفوی قابض ہوگئے (المنجد في الأعلام)۔ 1458ء میں طرابزون کے آخری بادشاہ ڈیوڈ نے اپنی بھتیجی کیتھرائن (ڈسپینا) اوزون حسن سے بیاہ دی تھی۔ 873ھ/1468ء میں اوزون حسن نے سلطان ابوسعید تیموری اور اس کے حلیف شاہ ایران قرہ قویونلی حسن علی کو الگ الگ شکست دی اور دونوں مارے گئے۔ دریں اثناء اوزون حسن کے امراء نے کرمان، فارس، لُورستان، کردستان اور خوزستان فتح کر لیے، نیز حاکم موصل خلیل بے نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اوزون حسن کی فتوحات کے پیشِ نظر اہل وینس نے 1462ء ہی میں عثمانیوں کے خلاف مملکتِ آق قویونلی سے حلیفانہ تعلقات استوار کر لیے تھے۔ دریں اثناء 1471ء میں وینس کی سینٹ نے اوزون حسن کی مسیحی بیوی ڈسپینا کا ترینا کے بھانجے کاترینو زینو کو تبریز (ایران) بھیجا۔ اس مفاہمت کے تحت وینس سے 200 فوجیوں کے ہمراہ 6 بڑی توپیں، 600 توڑے دار بندوقیں (Spingardl)، تفنگیں (Schioppotti) اور گولہ بارود ایران بھیجا گیا۔ اوزون حسن کو تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ دلوانے کی بھی یقین دہانی کرائی گئی، چنانچہ اوزون حسن نے توقات کو تاراج کیا اور پھر اس کی فوج قیصریہ پر حملہ آور ہوئی۔ ربیع الاول 878ھ/اگست 1473ء کی جنگ میں آق قویونلی فوج نے عثمانیوں سے شکست فاش کھائی، اس کا سالارِ اعلیٰ کافر الحق (غالباً مسیحی) اور اوزون حسن کا بیٹا زینل (زین العابدین) مارے گئے۔ شبِ عید الفطر 882ھ میں اوزون حسن انتقال کر گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/537-545)۔ 1501ء میں صفویوں کی فتح سے آق قویونلی سلطنت ختم ہوگئی۔

1 آبناؤں سے مراد درہ دانیال (Dardanelles) اور آبنائے باسفورس ہیں جو یورپی ترکی کو ایشیائی ترکی سے الگ کرتی ہیں۔ آبنائے باسفورس بحیرۂ اسود کو بحیرۂ مرمرہ سے ملاتی ہے۔ استنبول اس کے جنوب میں بحیرہ مرمرہ کے کنارے واقع ہے۔ اس کی لمبائی 30 کلومیٹر اور چوڑائی 500 میٹر سے 3 کلومیٹر تک ہے۔ درۂ دانیال بحیرۂ مرمرہ کو بحیرۂ ایجین (اور بحیرۂ روم) سے ملاتا ہے۔ اس کا طول 70 کلومیٹر اور عرض 1270 میٹر سے 7 کلومیٹر تک ہے۔ درۂ دانیال کے یورپی ساحل پر گیلی پولی کی بندرگاہ واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام: 147 و 242)

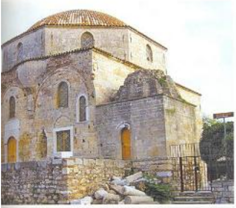
2 رمضان اوغلری اناطولیہ کا ایک شاہی خانوادہ تھا جس کی بنیاد 780ھ/1379ء میں ترکمان سردار رمضان اوغلو نے رکھی تھی۔ ان کی ریاست آطنہ (عذانا یا اطنہ)، سیس، آیاس، ورسق اور طرسوس وغیرہ پر مشتمل تھی۔ دارالحکومت آطنہ تھا۔ اس کا آخری حکمران ابراہیم بیگ ثانی (متوفی 1002ھ/1594ء) کا بیٹا محمد بیگ ثانی تھا جو برائے نام حکمران تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 10/347)



درہ دانیال میں وینسی قلعہ بزکادہ (Bazcaada) جسے عثمانیوں نے از سرِ نو تعمیر کیا

اس معاہدے کا مقصد دولت عثمانیہ کی باہم تقسیم اور یورپ سے عثمانیوں کا مکمل اخراج تھا، نیز امارت قرامان، ترابزون اور اناطولیہ کا کچھ حصہ اوزون حسن کی عملداری میں شامل ہونے تھے۔ اور یہ وہ علاقے تھے جو بحیرۂ اسود، بحیرۂ مرمرہ، بحیرۂ روم اور بحیرۂ ایجین کے درمیان واقع تھے اور جن پر سلطنت عثمانیہ کا انحصار تھا، لہٰذا قسطنطنیہ وینس اور اناطولی ریاستوں میں قربت کی اجازت نہیں دے سکتا تھا، چنانچہ جیسے ہی سلطان محمد فاتح کو ان طاقتوں کے گٹھ جوڑ کی اطلاع ملی، اس نے فوری طور پر بلقان پر چڑھائی کر دی۔ یوں شعبان 868ھ / اپریل 1463ء میں یورپی محاذ پر جنگ چھڑ گئی جس کے دوران میں عثمانیوں کے لیے ہنگری پر قبضہ کرنا ممکن ہوگیا۔ اس صورتِ حال میں اہلِ وینس پریشان ہوئے۔ ان میں تنہا سلطنت عثمانیہ کا سامنا کرنے کا یارانہ تھا، خصوصاً جبکہ پوپ کا بھی انتقال ہوگیا تھا۔ نئے پوپ نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف رزم آرائی میں شرکت سے انکار کر دیا۔

ان حالات میں سلطان محمد فاتح نے جان لیا کہ وینس کی فوجی قوت توڑے بغیر کوئی چارہ نہیں، لہٰذا اس نے وینس کے مقبوضہ جزیرہ اکریبوز [1] پر ہلا بول دیا اور 875ھ / 1470ء میں اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد عثمانی عساکر تھسلی (مشرقی یونان) اور اتیکا میں داخل ہو گئے۔ ادھر اناطولیہ میں عثمانی فوج فتح کے پرچم لہراتی ریاست رمضان تک جا پہنچی۔ یوں سلطان محمد فاتح بحیرۂ روم کے تمام شمال مشرقی ساحلوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ اب اٹلی کے ساحل اس کے سامنے کھلے پڑے تھے۔ دریں اثناء ترابزون اور ریاست قرامان جن پر کچھ عرصے کے لیے اوزون حسن قابض ہوگیا تھا، وہ دوبارہ فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔ دوسری طرف عثمانی افواج نے دریائے ڈینیوب کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے ہنگری کو تاخت وتاراج کیا اور زاغرب فتح کر کے آسٹریا میں داخل ہوگئیں، نیز ترکوں نے وینس کے ساحل اور مشرقی اٹلی پر یلغار کی۔



جزیرہ یوبیہ (یونان) میں عثمانی مسجد

ان عثمانی فتوحات کے نتیجے میں اہل وینس سلطنت عثمانیہ سے صلح کے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوگئے (شوال 884ھ / 1479ء) اور انھوں نے جنگی تاوان اور سالانہ جزیے کی ادائیگی کی شرط پر عثمانیوں سے صلح کر لی۔ علاوہ ازیں کئی مقامات سے وینس والوں نے انخلا کیا جن پر وہ قابض چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے آرگوس اور تمام البانیہ خالی کر دیے اور بلقان کے محض چند ساحلی مقامات ان کے تسلط میں باقی بچے۔

[1] اکریبوز یا یوبیا: کریٹ کے بعد یوبیا یونان کا دوسرا بڑا جزیرہ ہے جو بحیرۂ ایجین کی طرف واقع ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (541/3) کے مطابق ’’1469-70ء میں ترکوں نے یوبیہ (Euboea) فتح کر لیا جو 264 برس تک اہلِ وینس کے قبضے میں رہا تھا۔‘‘

5

کریمیا کی فتح

مشرقی یورپ میں تاتاری سلطنت آلتون اُردو (سنہرا لشکر) کی شکست وریخت سے جو ریاستیں وجود میں آئیں، اُن میں اہم ترین ریاست کریمیا تھی جو مشرقی یورپ میں واقع تھی۔ چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی خان کی اولاد میں ''جوجی اولوسو'' کے نام سے جو شاہی خانوادہ حکمران چلا آرہا تھا، اس کے زوال سے جن ریاستوں نے جنم لیا، ان سے کریمیا کی سیاسی چپقلش بہت نمایاں تھی۔

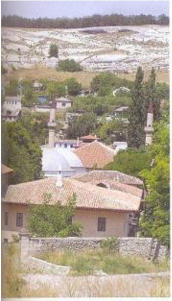
آلتون اُردو: چنگیز خان کے فرزند اکبر جوچی (یا جوجی) کا دوسرا بیٹا باتو (Batu) 1236ء سے 1241ء تک روس کے وسیع علاقے بشمول یوکرین زیر اقتدار لانے میں کامیاب رہا تھا۔ ''آلتون اردو'' کے نام سے اس خانوادے کی حکومت 1502ء تک برقرار رہی۔ باتو کا آباد کردہ دارالحکومت سرائی (سرائے) زیریں وولگا کے کنارے واقع تھا۔ کوہ قاف کا علاقہ بشمول جارجیا 1260ء تک اور بلغاریہ 1310ء تک آلتون اردو کے تسلط میں رہا۔ اُردوئے زرّیں (Golden Horde) کا جدید تر کی نام آلتون اوردو یا آلتین اردو (Altin Ordu) ہے۔ مقامی تصانیف میں اس ملک کو عموماً دشتِ قپچاق کہا گیا ہے۔ باتو کے بڑے بھائی اوردا (Orda) نے مغربی سائبیریا میں ایک ریاست قائم کی تھی جسے نیلے یا سفید لشکر (Blue Or White Horde) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ریاست اُردوئے زرّیں کے ماتحت تھی۔ 1256ء میں باتو کا بھائی برکہ (یا برقہ) جانشین ہوا۔ وہ پہلا مغل شہزادہ تھا جس نے مذہب اسلام (طریقۂ اہل سنت) قبول کر کے تاتاریوں کو دائرۂ اسلام میں شامل کرنے کا آغاز کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے عم زاد ہلاکو خان نے 1258ء میں خلافتِ بغداد کو تباہ کر کے برکہ خان کی شدید دشمنی مول لی، چنانچہ آلتون اُردو اور ایران کے ایلخانی منگولوں کے درمیان متعدد جنگیں ہوئیں۔ انھی میں کوہ قاف ایلخانیوں کے زیر اثر آ گیا۔ برکہ نے مصر کے مملوک حکمرانوں سے ایلخانیوں کے خلاف معاہدہ بھی کیا تھا۔ مصر کے ممالیک (غلاموں) کی بڑی تعداد اسی اُردوئے مُطلاّ کے علاقے سے جاتی تھی (رکن الدین بیبرس کا تعلق یوکرین سے تھا۔) برکہ کے جانشین اگرچہ شامانی بدھ مت کے پیروکار رہے، تاہم اوز بیگ خاں (41-1313ء) مسلمان تھا جس نے وولگا کے علاقے میں اسلام کی بنیاد مستحکم کی۔ اوز بیگوں کا نیا قبیلہ اسی اوز بیگ (اُزبک) کے نام سے منسوب ہوا۔



قازان میں نوتعمیر شدہ مسجد گل شریف (Qul Sharif) جو مشرقی یورپ کی سب سے بڑی مسجد ہے

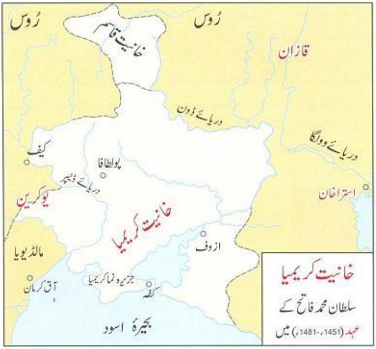
1380ء میں ریاست مسکووی (Duchy of Muscovy) کے روسیوں نے دریائے ڈون (Don) کے کنارے ممائی (Mamai) کی تاتاری فوج کو شکستِ فاش دی اور پھر مسکووی کے گرینڈ ڈیوک نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ 1391ء میں تیمور نے اُردوئے زرّیں کے حکمران تُقتَمِش کو شکست دی اور شہر سرائی تباہ کر ڈالا۔ اس کے بعد تاتاری سالار ایدیگو (Edigu) عملاً حکمران بن گیا۔ اس نے 1399ء میں لتھوانیا کی (مسیحی) فوجوں کو شکست دے کر ان کی پیش قدمی روک دی، تاہم اس کی موت (1419ء) کے بعد سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا جسے قازان، استراخان اور 1438ء میں کریمیا میں آزاد ریاستوں کے قیام نے اور تیز کر دیا۔ 1502ء میں بچے کھچے ''اُردوئے عظیم'' نے آخری بار فیصلہ کن شکست کھائی اور مسکووی اور کریمیا نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ قازان، استراخان اور سائبیریا کی ریاستیں سولھویں صدی عیسوی میں (روسیوں کے ہاتھوں) ختم ہو گئیں (قازان کو 1552ء میں روسیوں نے فتح کیا۔) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/839-844)

روس کے مقبوضہ مسلم اکثریتی علاقے داغستان، چیچنیا، تاتارستان، باشکیریہ، اوسیتیا اور یوکرین میں شامل کریمیا آج بھی اسلامی ریاست ''آلتون اُردو'' (اُردوئے زرّین یا سنہری لشکر) کی یاد دلاتے ہیں۔



قصرِ خان (باغچہ سرائے، کریمیا) کا منظر جس میں مسجد نمایا...

ریاست کریمیا جزیرہ نمائے کریمیا میں قائم ہوئی تھی جو بحیرۂ اسود کے اندر آج کل کے وسیع تر یوکرین میں شامل ہے۔ اس وقت یہ ریاست شمالی قفقاز اور روس تک پھیلی ہوئی تھی۔ کریمیا کے ساحل پر متعدد قلعے تھے جہاں اہل جنوا نے بندرگاہیں کھول رکھی تھیں۔ یوں ترکوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ (اسلامبول) فتح ہونے تک بحیرۂ اسود کی تقریباً تمام تجارت جمہوریہ جنوا کے کنٹرول میں تھی اور وہ تجارتی ٹیکس وصول کرتی رہی حتیٰ کہ سلطان محمد فاتح نے آبنائیں (آبنائے باسفورس اور درۂ دانیال) بند کر دیں اور قسطنطنیہ کا علاقہ غلطہ [1] اہلِ جنوا کے قبضے سے چھڑا لیا۔ جمہوریہ جنوا کے لیے بڑی طاقتوں (عثمانی اور بازنطینی سلطنتوں اور وینس) کی رزم آرائی مشکلات کا باعث بنی اور اہلِ جنوا یورپ اور کریمیا میں اپنی نوآبادیوں کے مابین آبناؤں کے راستے سامان کی نقل و حمل کے لیے دولت عثمانیہ کو ٹیکس ادا کرنے پر مجبور ہو گئے۔



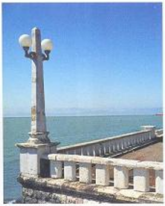
نقشہ 136

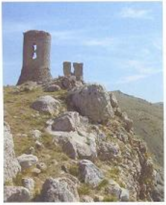
[1] غلطہ (Galate): شاخ زریں کے قریب واقع قسطنطنیہ کے اس ناحیہ کا قدیم نام Sykae تھا اور ایک متبادل نام Pera (دوسری طرف) بھی مختلف شکلوں میں استعمال ہوتا رہا۔ 1261ء میں قیصر میکائل ہشتم نے غلطہ اہل جنوا کو دے دیا۔ انھوں نے یہاں ڈیڑھ سو فٹ بلند غلطہ بُرج تعمیر کیا۔ بایزید ثانی نے یہاں غلطہ سرائے کی بنیاد رکھی جو شاہی خدام کی تربیت گاہ کے طور پر کام میں لائی جاتی تھی۔ اسے 1867ء میں شاہی ثانوی درسگاہ (Lycee Imperial) بنا دیا گیا۔ غلطہ سے متصل ساحل سمندر کی مشرقی سمت میں محمد فاتح نے بندوقیں ڈھالنے کا کارخانہ (طوپ خانہ) قائم کیا تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/560-562)

ادھر سلطان محمد فاتح کو بحیرۂ اسود سے یورپی ممالک کا تعلق گوارا نہ تھا، لہٰذا اس نے فتح قسطنطنیہ کے کچھ عرصہ بعد شعبان 859ھ/جولائی 1454ء میں ایک بحری بیڑا کریمیا بھیج دیا تھا جس نے کریمیا میں اہلِ جنوا کی بڑی بندرگاہ کفہ کو سالانہ خراج کی ادائیگی پر مجبور کر دیا۔ یوں بحیرۂ اسود کو بحیرۂ عثمانیہ بنانے کی سلطان محمد فاتح کی سیاست ظاہر و باہر تھی۔ اس نے 856ھ/1451ء کی گرمیوں میں اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد اپنے قپودان دریا (امیر البحر) بلطہ اوغلو سلیمان بیگ کو 50 جنگی جہازوں کے ہمراہ بحیرۂ اسود کے ساحلوں کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ سلیمان بیگ نے جنوب میں باطوم [1] فتح کر لیا اور قپچاق ترکوں (آجار) پر عثمانی اقتدار قائم کیا جو جارجیا میں آباد تھے۔ اسی طرح اس نے شمال میں قلعہ سوخوم [2] پر بھی قبضہ کر لیا، نیز ابخازیوں [3] نے اطاعت قبول کر لی جو کہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ یوں جارجیا کا تمام ساحل 856ھ/1451ء سے سلطنت عثمانیہ کی عملداری میں شامل ہو گیا۔

884ھ/1479ء میں اجارستان [4] اور باطوم قطعی طور پر عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ یہ اس خطے پر عثمانی اقتدار کا نقطۂ آغاز تھا جس کا سہرا سلطان محمد فاتح کے سر بندھا، چنانچہ اس نے اہتمام کیا کہ بحیرۂ اسود میں عثمانی پرچم کے سوا کوئی اور پرچم بلند نہ ہو۔ اہل جنوا، جو کفہ میں مقیم تھے، کریمیا سے اٹلی آنے جانے کے لیے ہنگری اور البانیہ کا راستہ بکثرت استعمال کرتے تھے اور اس کی خاطر وہ خان کریمیا کو ٹیکس بھی ادا کرتے تھے۔ اسی لیے سلطان محمد فاتح نے کفہ - اٹلی تجارتی راستے کو کاٹ دینے کا تہیہ کر لیا۔


باطوم کی ایک مسجد


سوخومی سے بحیرۂ اسود کا منظر

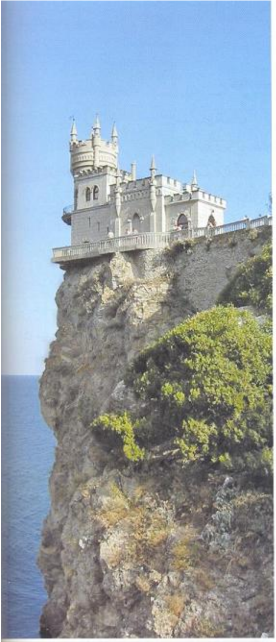

قلعہ بلکلاوا (کریمیا) کے آثار

1 باطوم (Batumi): یہ جارجیا کی جمہوریہ اُجاریہ کا دارالحکومت ہے اور بحیرۂ اسود کے ساحل پر واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام)

2 سوخوم یا سوخومی (Sukhumi): یہ جارجیا کی بحیرۂ اسود پر واقع بندرگاہ ہے اور جمہوریہ ابخازیہ کا دارالحکومت ہے۔ (المنجد في الأعلام)

3 ابخاز: یہ مغربی قفقاز میں بحیرۂ اسود کے کنارے آباد قوم ہے۔ قیصر جسٹینین نے ابخازیہ کو سر کیا تو وہاں کے لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ گرجستان (جارجیا) والوں کی روایت کے مطابق عرب سالار مُروان قُرو (مروان الاصم) نے داریال اور دربند کے دروں پر قبضہ جما کر ابخازیہ پر چڑھائی کی۔ حاکم تفلس اسحاق (830ء تا 853ء) کے عہد میں ابخازی عربوں کو خراج دیتے تھے۔ 978ء - 1010ء کے دوران میں شاہ جارجیا بگرات ثالث نے ابخازیہ پر قبضہ کر کے شاہ ابخازیہ کا لقب اختیار کیا۔ عثمانی عہد میں ابخازیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ 1810ء میں ابخازیہ کے امیر سفر بیگ نے اپنے پدرگش بھائی ارسلان بیگ کے خلاف روس سے مدد مانگی تو رُوسی فوج نے سوخوم پر قبضہ کر لیا۔ دراصل سفر بیگ نے مسیحی مذہب اور جارج نام اختیار کر لیا تھا۔ 1930ء میں روس نے ابخازیہ کو جارجیا کا حصہ بنا دیا۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 1/339-341)

4 اجارستان یا اجاریا (Adjarskaja): یہ جارجیا کے اندر بحیرۂ اسود پر واقع جمہوریہ ہے جس کا دارالحکومت باطوم ہے۔ (المنجد في الأعلام: 27)



یالٹا (کریمیا) میں آرورا نامی پہاڑی پر قلعہ "ابابیل کا گھونسلا"

عثمانی امیر البحر گدیک احمد پاشا 13 محرم 880ھ/19 مئی 1475ء کو اتنا بڑا بحری بیڑا لے کر قسطنطنیہ سے نکلا جو بحیرۂ اسود میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس میں 183 جنگی جہاز اور 290 تجارتی جہاز شامل تھے جن کی کل تعداد 473 تھی۔ اہل جنوا کی ساحل کریمیا پر بندرگاہوں سغداق اور منکب نے جلد ہتھیار ڈال دیے۔ کریمیا کے انتہائی جنوبی ساحل پر واقع بندرگاہ منکب، یالٹا [1] کے قریب مغرب میں، کمان کے سامنے تھی۔ اس دوران میں بحیرۂ اسود کے جنوبی ساحل پر بازنطینی سلطنت کا جو بچا کھچا علاقہ تھا وہ بھی عثمانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ پھر عثمانی بیڑا خلیج جارجیا سے بحیرۂ ازوف منتقل ہوگیا اور ازوف کی دریائی بندرگاہ فتح ہوگئی جو بحیرۂ ازوف کے شمال مشرق ساحل پر دریائے ڈون کے ڈیلٹا میں واقع ہے۔ ازوف میں ایک مضبوط عثمانی قلعہ تعمیر کیا گیا جہاں فوجی دستے تعینات کیے گئے۔ کفہ [2] میں ایک بڑے شہر کی بنیاد ڈالی گئی جس کی آبادی بتدریج سات لاکھ تک پہنچ گئی۔ یہاں بھی فوج تعینات کی گئی۔

دریں اثناء خان کریمیا نے دولت عثمانیہ کی اطاعت قبول کر لی اور دوطرفہ معاہدہ طے پا گیا۔ خان کریمیا اور سلطان محمد فاتح نے معاہدے پر دستخط کیے۔ اگلے تین سو برس تک کریمیا کا نظام حکومت اسی معاہدے کے تحت چلتا رہا۔ اس معاہدے میں طے پایا کہ عثمانی سلطان کریمیا کی امارت چنگیز خان کی نسل میں رکھنے کی ضمانت دے گا۔ سلطان کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو کریمیا کا خان (امیر) مقرر کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ چنگیز خان کی نسل سے ہو۔ عثمانی سلطان نے خان کریمیا کی عزت افزائی کے لیے یہ طے کیا کہ کریمیا کی مساجد میں عباسی خلیفہ اور عثمانی سلطان کے بعد خان کریمیا کا نام پڑھا جائے

1 اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں یالٹا کو مالطہ (مالٹا) لکھا گیا ہے، حالانکہ مالٹا تو ساحل کریمیا سے تقریباً اڑھائی ہزار کلومیٹر دور بحیرۂ روم کے وسط میں واقع ہے جبکہ "یالٹا ساحل کریمیا کی ایک بندرگاہ ہے جہاں فروری 1945ء میں اتحادی لیڈروں چرچل، روزویلٹ اور اسٹالن کی ملاقات ہوئی تھی جس میں یورپ کی سرحدی تقسیم کے فیصلے ہوئے۔" (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 1674)

2 کَفہ یا کَفّہ: یہ جزیرہ نمائے کریمیا کے جنوبی ساحل پر ازمنۂ وسطیٰ کا ایک شہر ہے جو آج کل پھر اپنے قدیم نام تھیوڈوسیا (Theodiosia) سے مشہور ہو گیا ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے آخر میں جنوا (Genoa) کی اطالوی جمہوریت نے یہ جگہ تاتاری سردار "اوران تیمور" سے خریدی تھی جو توقا تیمور کا بیٹا اور جوچی (ابن چنگیز خان) کا پوتا تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 338,337/17)

اور خان کریمیا جو سکے ڈھالے ان پر سلطان کے بعد خان کا نام رقم کیا جائے۔ یوں بحیرۂ اسود پر عثمانی عملداری مسلم ہوگئی اور سلطنت عثمانیہ کی حدود یکبارگی ماسکو کے جنوب میں 55 درجہ عرض بلد تک پہنچ گئیں۔ اس دوران میں مشرقی بحیرۂ ایجین میں جزیرہ سیسم فتح ہوگیا۔

880ھ/1475ء میں ساقز [1] عثمانی عملداری میں داخل ہوگیا اور 884ھ/1479ء میں دریائے کوبان [2] کا دہانہ فتح ہوگیا جہاں قلعہ آناپا کو مضبوط بنایا گیا جو سمندر کی طرف بلاد چرکس کا دروازہ تھا۔



جزیرہ خیوس (یونان) کی ایک مسجد



مفتی مسجد، کفہ (تھیوڈوسیا) کریمیا

[1] ساقز: یہ جزیرہ خیوس (Chios) کا ترکی نام ہے۔ یہاں ایک عمدہ قسم کی دوا مصطگی (Pistacia Lentiscus) پائی جاتی ہے، چنانچہ عرب اس جزیرے کو جزیرۃ المصطکی (Mastic Island) بھی کہتے ہیں (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 609/10)۔ خیوس ساحلِ ترکی کے قریب بُحیرۂ ایجین میں واقع یونانی جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 904 مربع کلومیٹر اور آبادی 65 ہزار ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[2] دریائے کوبان: روس کا یہ دریا قفقاز کی بلند ترین چوٹی البرس (Elbrus,5642m) کے دامن سے نکل کر قراچائی چرکسیہ اور کراسنوڈار کی جمہوریاؤں میں سے بہتا ہوا بحیرۂ ازوف میں جا گرتا ہے۔ قراچائی چرکسیہ کا دارالحکومت چرکسک (Cherkessk) دریائے کوبان کے کنارے واقع ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)

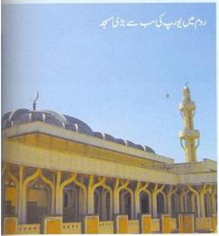
6

اٹلی کی مہم

سلطان محمد فاتح کی بڑی خواہش تھی کی وہ روم کو سلطنت عثمانیہ میں ضم کرلے، وہاں اس کا سکہ چلے اور عثمانی سلطنت کی فرمانروائی کے تحت تاج رومیہ [1] اور تاج عثمانیہ ایک ہوجائیں۔ اسی لیے وہ ضروری سمجھتا تھا کہ اٹلی (اطالیہ) اور اس کے ساتھ روم فتح کرلے۔ جنوبی اٹلی میں نیپلز کی بڑی ریاست تھی جس میں صقلیہ (سسلی) بھی شامل تھا مگر اب سسلی پر ہسپانیہ (سپین) کا عمل دخل چلا آرہا تھا۔

جزیرہ نمائے اطالیہ کے نصف پر پاپائے روم کا حکم چلتا تھا۔ اس جزیرہ نما میں ڈیوکی فلورنس اور ڈیوکی میلان (لمبارڈی) جیسی چھوٹی ریاستیں بھی

اٹلی: جنوبی یورپ میں بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع یہ ملک سلاوینیا، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں بحیرۂ ایڈریاٹک اور بحیرۂ آئیونیا ہیں جبکہ جنوب میں بحیرۂ روم اور مغرب میں بحیرۂ ٹرہینین واقع ہے۔ اس کا رقبہ 3 لاکھ 1 ہزار 258 مربع کلومیٹر اور آبادی 5 کروڑ 77 لاکھ ہے۔ دارالحکومت روم (Roma یا Rome) ہے۔ میلان، نیپلز، ٹیورن، جنوا (Genoa)، وینس، پلرمو (سسلی)، بولونا، باری، ٹریسٹ اور فلورنس اہم شہر ہیں۔ اٹلی ایک جزیرہ نما ہے جو شمال میں کوہستان ایلپس سے لے کر جنوب مشرق کی طرف پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس کے شمال کی طرف جنوا، وینس اور ٹریسٹ کی خلیجیں ہیں اور جنوب میں خلیج تارنتو ہے۔ اس کے آتش فشاں پہاڑ ویسوویس اور ایٹنا (سسلی) بہت مشہور ہیں۔ ویٹیکن اور سان مارینو کی ریاستیں اٹلی کے اندر واقع ہیں۔ سسلی، سارڈینیا، کیپری اور ایلبا کے جزیرے اٹلی میں شامل ہیں۔ رومی تہذیب اٹلی ہی میں پروان چڑھی تھی۔ 753 ق م تا 509 ق م روم میں بادشاہت قائم رہی اور 509 ق م سے 31 ق م تک رومی جمہوریہ نے شہرت پائی۔ دوسری اور پہلی صدی ق م میں مقدونیہ، یونان، ایشیائے کوچک، شام اور اردگرد کے علاقے رومی حکومت میں شامل ہوگئے۔ 31 ق م میں آکٹیویس نے قیصر آگسٹس کے نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ رومی سلطنت 395ء میں مشرقی اور مغربی رومی سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی۔ سامراجی دور میں اٹلی کا لیبیا، اریٹریا اور حبشہ (ایتھوپیا) پر قبضہ رہا۔ اطالوی ریاستوں کے اتحاد (1859-60ء) سے جدید اٹلی وجود میں آیا۔ 1922-45ء میں اٹلی پر مسولینی کی فاشسٹ پارٹی حکمران رہی اور نازی جرمنی کے ہٹلر سے اتحاد پر برلن روم محور وجود میں آیا جس نے اتحادیوں کے خلاف دوسری جنگ عظیم (1939-45ء) لڑی۔ (جرمنی، اٹلی اور ان کا تیسرا محوری ساتھی جاپان اتحادیوں سے ہار گئے۔) 1945ء میں مسولینی کو پھانسی دی گئی اور 1946ء میں اٹلی جمہوریہ قرار پایا (المنجد في الأعلام)۔


روم میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد

ماضی قدیم میں اٹلی روم کے مرکز کے تحت دوسری صدی ق م سے متحد ہوا تھا حتیٰ کہ 476ء میں سلطنتِ روم کا خاتمہ ہوگیا۔ قرون وسطیٰ میں اٹلی کئی شہری ریاستوں اور پاپائیت میں بٹ گیا۔ اس زمانے میں یہاں تحریک احیائے علوم (Renaissance) پروان چڑھی۔ انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں گریبالڈی کی قیادت میں قومی تحریک اٹھی اور 1861ء میں شاہ سارڈینیا ایمانوئل دوم متحدہ اٹلی کا بادشاہ قرار پایا۔ 1915ء میں اٹلی اتحادیوں کی حمایت میں جنگ عظیم اول میں کود پڑا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

[1] عربی نسخہ اطلس الفتوحات الاسلامیہ میں ''تاج رومیہ'' کی جگہ ''تاج بیزنطیہ'' درج ہے، حالانکہ بازنطینی تاج (قسطنطنیہ) 26 برس پہلے سلطنت عثمانیہ میں ضم ہوچکا تھا۔

تھیں۔ یہ ریاستیں ایک دوسری کے تابع نہیں تھیں اور ان میں سے کوئی بھی جمہوریہ جنوا کی سی اہمیت کی حامل نہ تھی۔ اس پس منظر میں سلطان محمد فاتح کی خواہش تھی کہ وہ جنوبی اٹلی کا سلطنت عثمانیہ سے الحاق کر لے تاکہ سلطان روم کی حیثیت سے اس کی سیادت قائم ہو جائے، جبکہ کئی اطالوی شہر ایسے تھے جنھوں نے پہلے ہی سلطان محمد فاتح کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔

اطالوی ریاستوں میں عثمانی سکوں کا اجرا

بعض ریاستوں نے تو سلطان محمد فاتح کے نام کے سکے بھی جاری کیے، ان پر اس کی شبیہ موجود تھی۔ ان پر مرقوم لاطینی عبارت یوں پڑھی جاتی ہے:



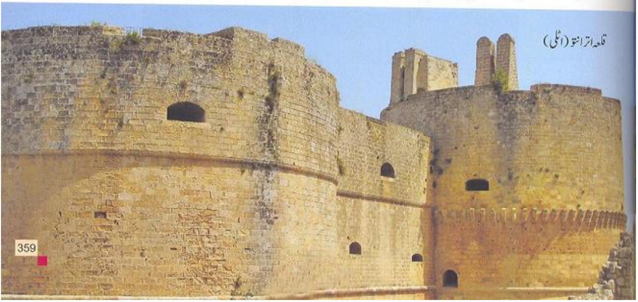
سلطان محمد فاتح کے نام کا سکہ

Svlani Mohammeth Octhomani Vgvl: Bizantii Inperatoris 1481
Svltanus Mohammeth Othomanrs Trrcorrm Imperator.

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے:

''سلطان محمد عثمانی بیزنطی (بازنطینی) بادشاہ 1481ء'' اور ''سلطان محمد بادشاہ ترکان''

سلطان محمد فاتح کے حکم پر سابق وزیر اعظم اور امیر البحر گدیک احمد پاشا نے نصف عثمانی بحری بیڑے کے ہمراہ اٹلی کی طرف یلغار کی اور انھی دنوں مسیح پاشا جزیرہ روڈس کی بحری مہم پر روانہ ہوا۔ بحیرۂ روم میں ان دو عثمانی بیڑوں کی نقل و حرکت سے عثمانیوں کی بحری قوت کا بے پناہ اظہار ہوتا تھا۔ اٹلی پر حملہ آور بیڑے میں 40 بڑے اور 52 چھوٹے جنگی جہاز شامل تھے۔ علاوہ ازیں 40 جہاز نقل و حمل کے لیے تھے۔ یہ بیڑا پہلے آبنائے اترانتو میں البانیہ کی بندرگاہ (افلونیا) میں داخل ہوا، پھر اس نے 18 جمادی الاولیٰ 885ھ / 26 جولائی 1480ء کو لنگر اٹھایا اور 75 کلومیٹر عریض آبنائے اترانتو میں سفر کرتے ہوئے 18 ہزار پیادے، ایک ہزار گھڑ سوار اور بہت سی توپیں اٹلی کے ساحل پر اتار دیں۔ یہ فوج قلعہ اترانتو کے قریب اُتری اور اہل قلعہ نے 14 دن کی شدید مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ اس دوران میں قلعے کی کل 22 ہزار فوج میں سے 12 ہزار فوجی مارے جا چکے تھے۔ سپہ سالار خیر الدین مصطفیٰ بیگ نے قلعے میں ساڑھے چھ ہزار عثمانی پیادہ فوج تعینات کی۔ نیپلز کے بادشاہ فرنیت کو اس قلعے پر ہلا بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔



قلعہ اترانتو (اٹلی)

7

مسیحی طبیب کی سازش اور محمد فاتح کی شہادت

دریں اثناء جبکہ سلطان محمد فاتح روم کی فتح کے لیے جنگی تیاریاں کر رہا تھا، اُسے اچانک شدید پیچش نے آلیا۔ یہ اس زہر کا اثر تھا جو لاکو بونامی وینسی طبیب سازش کے تحت سلطان کو بتدریج کھلاتا رہا تھا اور اس کے نتیجے میں اس فاتح اعظم کی موت واقع ہوگئی۔ لاکو بو نے مبینہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام یعقوب پاشا رکھ لیا تھا۔ اس بدبخت نے سلطان کی موت کی خبر فی الفور وینس ارسال کی جو وہاں سولہ دن بعد پہنچی۔ اس کے مکتوب کے الفاظ مسیحی نفرت کی عکاسی کرتے تھے الفاظ یہ تھے:

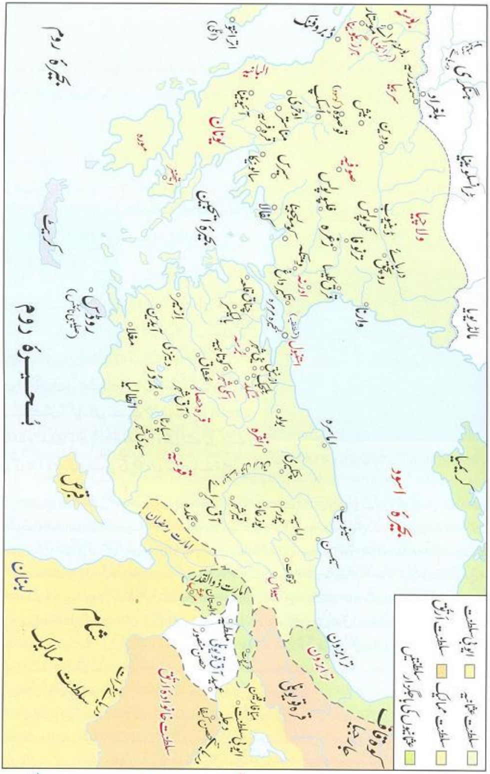
Le Grand Aquilae Morta. (عظیم گدھ مر گیا!)

یہ خبر پہنچتے ہی یورپ کے گرجوں کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور پوپ کے حکم سے تین راتیں شکرانے کے مراسم ادا کیے جاتے رہے جبکہ عالم اسلام کے اطراف واکناف میں غم والم کے بادل چھا گئے۔

سلطان محمد فاتح نے ایسی بے مثال فتوحات کے بعد انتقال کیا جو اس سے پہلے کسی حکمران کے حصے میں نہیں آئی تھیں۔ سلطنت عثمانیہ فتح قسطنطنیہ کے وقت 9 لاکھ 64 ہزار مربع کلومیٹر پر محیط تھی جس میں سے اناطولیہ میں 4 لاکھ 80 ہزار مربع کلومیٹر اور بلقان میں 4 لاکھ 84 ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ تھا۔ اور فتح قسطنطنیہ کے 28 سال بعد جب اس کی وفات ہوئی تو سلطنت عثمانیہ کا رقبہ 22 لاکھ 14 ہزار مربع کلومیٹر تک پہنچ گیا تھا جس میں سے 17 لاکھ 3 ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ یورپ میں تھا اور 5 لاکھ 11 ہزار مربع کلومیٹر ایشیا میں۔

سلطان محمد فاتح نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ کیا، اس کے عوض اللہ تعالیٰ سلطان پر اپنی رحمت فرمائے!


مسجد سلطان محمد فاتح (استنبول) کی چھت کے نقش ونگار



نقشہ 137 سلطنت عثمانیہ سلطان محمد فاتح کے عہد (1481ء) میں

8

سلطان بایزید ثانی اور اُس کی فتوحات

سلطان بایزید ثانی نے 22 ربیع الاول 886ھ/23 مئی 1481ء کو زمامِ اقتدار سنبھالی۔ کچھ عرصہ وہ امورِ سلطنت نپٹانے میں مصروف رہا اور اس کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کی فتوحات کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔



دریائے ڈنیسٹر (مالڈیویا) پر واقع قلعہ ختن (Khotyn) جہاں کبھی ترک حکمران تھے

فتح بُغدان (مالڈیویا)

سلطان بایزید ثانی نے فتوحات کا آغاز 888ھ/1483ء میں ہنگری پر فتح حاصل کرکے کیا اور اگلے سال مالڈیویا [1] کا رُخ کیا اور اس کے کئی شہر فتح کرلیے۔ قلعہ کیلی 20 جمادی الآخرہ 889ھ/15 جولائی 1484ء کو فتح ہوا اور قلعہ اکرمان (آق کرمان) [2] جو بحیرۂ اسود پر واقع تھا، 25 رجب/19 اگست کو مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس سے پہلے عثمانیوں نے تین بار 822ھ/1419ء، 858ھ/1454ء اور 879ھ/1474ء میں اسے فتح کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی۔ اب یہ فتح عثمانیوں کے دریائے ڈینیوب اور

[1] مالڈیویا: بغدان ایلی یا بغدان ولایتی صوبہ مولداوہ یا مالڈیویا (Moldavia) کا ترکی نام ہے جو بغدان یا بوغدان کے نام پر رکھا گیا جس نے 760ھ/1359ء میں جبالِ کارپات (Carpathians) اور دریائے دنیسٹر (Daniester) کے مشرقی جانب ایک ریاست قائم کی تھی۔ ترکوں نے پہلی دو ناکام کوششوں کے بعد اب خان کریمیا سے مل کر فوج کشی کی۔ آق کرمان اور کیلی (Kili) پر عثمانیوں نے اور کوشان (Kawshan) اور توماسر (Tombasar) پر خان نے قبضہ کرلیا۔ سلطان کی طرف سے بغدان پر موروثی ووئی وود (Voy vode مقامی حکام) مامور ہوتے تھے۔ ان کا نشانِ حاکمیت علم، خلعت اور سُرخ بورک (ترکی ٹوپی) ہوتا تھا۔ 1189ھ/1775ء میں آسٹریا نے مالڈیویا کے شمال مغربی حصے بکووینا (Bukovina) پر قبضہ کرلیا اور 1227ھ/1812ء میں روس نے بسریبیا (Bessarabia) کا الحاق کرلیا (بسریبیا کا بڑا حصہ ان دنوں مالڈووا میں اور باقی یوکرین میں شامل ہے۔) 1276ھ/1859ء میں افلاق (Walachia) اور مولداوہ کو ملا کر رومانیہ تشکیل دیا گیا جسے 1878ء میں ترکوں سے آزادی مل گئی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 679/4)۔ جنوب مشرقی یورپ کا خشکی بند ملک مالڈووا (Moldova سابق مالڈیویا) رومانیہ اور یوکرین کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت چسناؤ (Chisinau) ہے۔ 1945ء میں رومانیہ کے چھوڑے ہوئے علاقے سے مالڈووا تشکیل پایا جس پر سوویت روس قابض رہا حتی کہ 1991ء میں یہ آزاد ہوگیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 930)

[2] آق کرمان: یوکرین کا یہ شہر دریائے دنیسٹر کے دہانے کے بائیں کنارے واقع ہے۔ ترکی نام ''آق کرمان'' کے معنی ہیں ''سفید شہر''۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہ Album Castrum (سفید قلعہ) کے نام سے ایک جنیوی قلعہ تھا۔ اور اس صدی کے آخر میں دولت مالڈیویا اس پر قابض ہوگئی تھی۔ 1806ء میں آق کرمان پر روسی قابض ہوگئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 181/1) اب آق کرمان بلہورود دنستروفسکی (Bilhorod Dnistrovskyi) یعنی ''سفید قلعہ'' کہلاتا ہے۔

دریائے ڈنیسٹر کے دہانوں پر عثمانی قبضے کے باعث ممکن ہوئی۔ یوں عثمانی کریمیا کی طرف جانے والے خشکی کے تمام راستے کے مالک ہوگئے اور ریاست مالڈیویا اپنے تمام ساحلی علاقوں سے محروم ہوگئی اور اس کے پاس بحیرۂ اسود کا کوئی ساحل نہ رہا۔ اس کے ساحلی علاقے سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گئے اور یوں بحیرۂ اسود تمام تر بحیرۂ عثمانیہ بن گیا۔

فتح سلاوینیا و کروشیا

سن 898ھ/1492ء کے اواخر میں گورنر بوسنیا یعقوب پاشا نے آٹھ ہزار کے لشکر کے ہمراہ سلاوینیا [1] پر یلغار کی۔ اس لشکر نے سلاوینیا اور بستیریا [2] کے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ اس کے بعد جب عثمانی لشکر واپس آ رہا تھا تو صلیبی افواج نے کروشیا [3] میں ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن یعقوب پاشا نے انھیں عبرتناک شکست دی۔ 5700 عیسائی مارے گئے اور 25 ہزار قید کر لیے گئے۔ یہ واقعہ 27 ذی قعدہ 898ھ/ 9 ستمبر 1493ء کو پیش آیا۔ یعقوب پاشا کی اس شاندار فتح پر ایک منظوم قصیدہ لکھا گیا۔



ڈبرونک (کروشیا) کی بندرگاہ

اس کے بعد 902ھ - 909ھ/ 1496ء - 1503ء کے دوران میں عثمانی عساکر کو اہل وینس پر کئی فتوحات حاصل ہوئیں اور ان کے زیر قبضہ کئی شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، مثلاً: لیپانٹو [4]، کورون، نوارین، دُرازو۔ [5] ان فتوحات کی بنا پر بلقان اور مشرقی یورپ پر عثمانی سلاطین کا مکمل تسلط قائم ہوگیا۔

1 سلاوینیا (Slovenia): جنوب مشرقی یورپ کے اس ملک میں چھٹی صدی عیسوی میں جنوبی سلاف (Slav) آباد ہوئے۔ (عثمانی دور کے بعد) یہ سلطنت آسٹریا کا حصہ بن گیا۔ 1919ء میں اسے ''سربوں، کروٹوں اور سلاوینیوں کی سلطنت'' (بعد میں یوگوسلاویہ) میں شامل کر دیا گیا۔ 1991ء میں سلاوینیا نے آزادی حاصل کر لی۔ اس کا دارالحکومت جبلجانا (Ljubljana) ہے اور ملکی آبادی تقریباً 20 لاکھ ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 1366)

2 بستیریا (Styria): یہ جنوب مشرقی آسٹریا کی ایک پہاڑی ریاست ہے اور اس کا صدر مقام گراز ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 1436)

3 کروشیا (Croatia): جنوب مشرقی یورپ کے اس ملک کا نام کروٹ زبان میں اہرواسکے (Hrvaska) ہے۔ چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں کروٹوں نے یہاں آباد ہو کر ایک بادشاہت قائم کی جو 1102ء میں ہنگری میں مدغم ہوگئی۔ سولھویں سترھویں صدی کے عثمانی تسلط کے بعد کروشیا ہنگری (اور آسٹریا) سے منسلک رہا اور 1918ء میں یوگوسلاویہ کی پیشرو سلطنت کا حصہ بن گیا۔ 45-1941ء میں یہاں نازی جرمنی کی کٹھ پتلی ریاست قائم رہی۔ 1991ء میں اس نے یوگوسلاویہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ کروشیا کا دارالحکومت زاغرب (Zagreb) ہے۔ ملکی آبادی تقریباً 48 لاکھ ہے۔ مشرق میں دریائے ڈینیوب اس کی سرحد پر بہتا ہے اور جنوب مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک کا طویل ساحل کروشیا میں شامل ہے جہاں سپلٹ (Split)، ڈبرونک (Dubrovnik) اور رجیکا (Rijeka) نامی بندرگاہیں ہیں۔ کروشیا کے شمال مشرق میں ہنگری، شمال مغرب میں سلاوینیا، مشرق میں سربیا اور جنوب میں بوسنیا و ہرزیگووینا واقع ہیں۔
(آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 339 اور نقشہ 2، یورپ)

4 لیپانٹو (Lepanto): یونان کی یہ بندرگاہ اسی نام کی خلیج میں واقع ہے۔ خلیج لیپانٹو کا دوسرا نام خلیج کارنتھ (Corinth) ہے۔ 1571ء میں بندرگاہ لیپانٹو (یونانی نام Navpaktos) کے قریب ایک بحری جنگ لڑی گئی جس میں روم، وینس اور اسپین کی مسیحی افواج نے ڈان جان آف آسٹریا کی کمان میں ایک بہت بڑے ترکی بیڑے کو شکست دی جس سے مشرقی بحیرۂ روم میں ترکوں کا بحری غلبہ وقتی طور پر ختم ہوگیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری: 821)

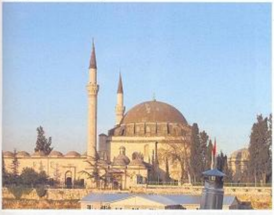
5 دُرازو: البانیہ کی اس بندرگاہ کو انگریزی میں Durazzo لکھا جاتا ہے۔ ترک اسے دُراج کہتے تھے۔ آج کل یہ شہر دُرِیس کہلاتا ہے۔

سلطنت عثمانیہ کا عروج

1

سلطان سلیم اول اور فتوحاتِ مشرقِ عربی

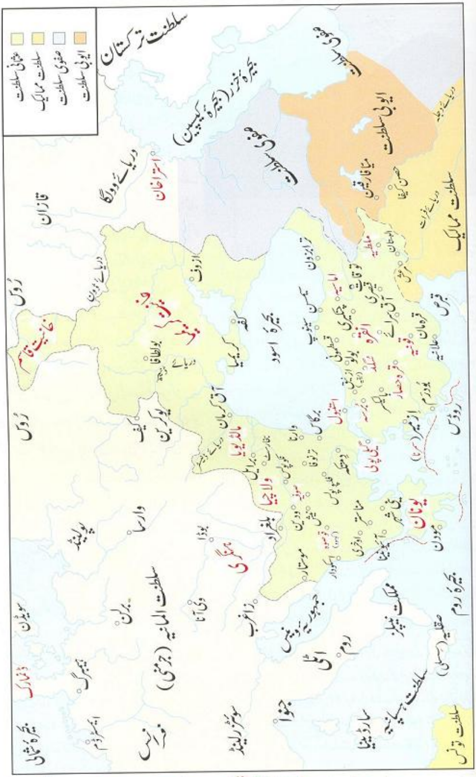
سلطان سلیم اوّل 7 صفر 918ھ / 24 اپریل 1512ء کو مسندِ اقتدار پر فائز ہوا اور اس نے 9 شوال 926ھ / ستمبر 1520ء تک حکمرانی کی۔ جب اس نے زمامِ حکومت سنبھالی، اس وقت سلطنت عثمانیہ گمبھیر حالات سے دوچار تھی۔ 897ھ / 1492ء میں اندلس کی اسلامی سلطنت کا ہسپانویوں کے ہاتھوں سقوط عمل میں آیا تھا [1] اور محکمۂ تفتیش (Acquisition) نے اندلس سے مسلمانوں کا مکمل طور پر صفایا کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی، [2] نیز اسپین اور پرتگال پاپائے روم کے حکم پر عالمِ اسلام کو اپنے تسلط میں لانے کے لیے مصروفِ عمل تھے۔


سلطان سلیم جامع مسجد (استنبول)

اس وقت پرتگالی جنوب کی طرف سے عالمِ اسلام پر دباؤ ڈال رہے تھے اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر کے محمد مصطفیٰ ﷺ کی قبر کھود ڈالنے اور آپ کا جسد مبارک یورپ لے جانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ ان دنوں مصر و شام کے مملوک حکمران ضعف و عجز کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کی سلطنت زوال پذیر تھی اور پرتگالیوں کے مقابلے کی ان میں سکت نہ تھی۔ اس سے بھی زیادہ تلخ حقیقت یہ تھی کہ پرتگالیوں کو ایسے معاون مل گئے تھے جو اسلام سے اپنی نسبت جتاتے تھے، چنانچہ صفویوں نے

1 جنگ طلسہ (طلوشہ) یا جنگ عقاب (16 جولائی 1212ء) میں موحدین کی شکست کے بعد ہسپانیہ (اندلس) کے مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جن پر مسیحیوں نے یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا۔ صرف غرناطہ کی ریاست بچی جس پر 1232ء سے بنو احمر حکمران تھے۔ غرناطہ کے آخری حکمران ابوعبداللہ نے جنوری 1492ء میں غرناطہ فرڈی ننڈ (شاہِ ارغون Aragon) اور ملکہ ازابلا (حکمرانِ قشتلہ Castile) کے حوالے کر دیا (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 1/37-39)۔ اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں سقوط غرناطہ کا ہجری سن 898 دیا گیا ہے۔ دراصل سقوطِ غرناطہ کیم ربیع الاول 897ھ / 2 جنوری 1492ء کو وقوع پذیر ہوا تھا۔ (تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی: 225)

2 قصر الحمرا اور غرناطہ پر قبضے کے بعد عیسائیوں نے تمام ملک میں اپنی مذہبی عدالتیں قائم کر دیں جن میں روزانہ ہزاروں مسلمان گرفتار کر کے لائے جاتے اور جھوٹے الزامات لگا کر آگ میں جلا دیے جاتے، پھر 904ھ میں حکم جاری کیا گیا کہ ہر شخص جو مسلمان ہے، دین عیسوی قبول کر لے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ بعض مسلمانوں کو زبردستی بپتسمہ دیا گیا اور ان کے بچے عیسائی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں نے ہر قسم کی اذیت برداشت کی مگر دین اسلام چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ غرض چند دہائیوں میں توحید کا نام لیوا ایک شخص بھی سرزمین اندلس میں باقی نہ رہا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی: 2/260)



نقشہ 138

سلطنت عثمانیہ سلطان سلیم اول کی تخت نشینی (24 اپریل 1512ء) کے وقت

عثمانیوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے پرتگالیوں سے رابطہ کیا۔ خلیج فارس میں صفویوں اور پرتگالیوں کی محاذ آرائی کے باوجود صفویوں کا یہ طرزِ عمل ناقابلِ فہم تھا۔[1] سلیم اوّل نے جان لیا تھا کہ صفوی عثمانیوں سے مذہبی مخالفت کی بنا پر مشرق کی طرف سے اُن پر دباؤ ڈال رہے ہیں اور شیعی مسلک کے فروغ کے لیے حیلہ جوئی سے کام لے رہے ہیں۔ دریں اثناء شاہ اسماعیل صفوی نے دیار بکر کی طرف پیش قدمی کی اور تبریز کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ علاوہ ازیں اس نے ممالیکِ مصر و شام کو خطوط بھیج کر عثمانیوں کے خلاف محاذ بنانے کی پیشکش کی۔

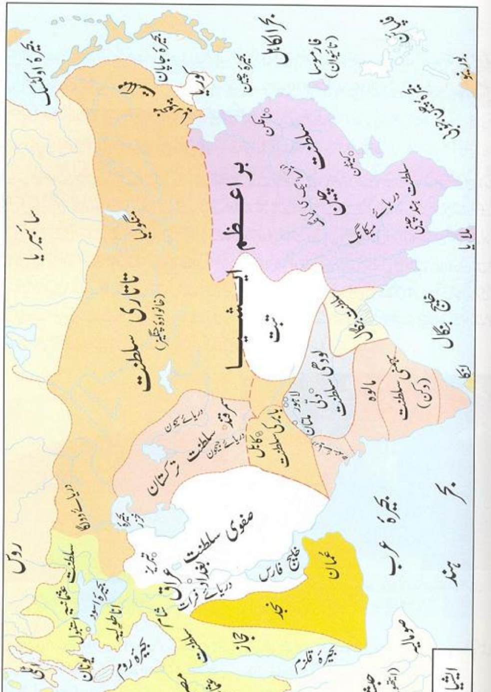
یوں سلطان سلیم کے لیے دشمنوں سے جہاد کرنا لازم ٹھہرا تا کہ وہ عالم اسلام کی وحدت برقرار رکھنے کے فریضے سے عہدہ برآ ہو سکے اور مسلمان ایک قیادت، یعنی ایک خلیفہ کی سربراہی پر متفق ہو جائیں۔ یہ دشمنوں کو اسلامی مراکز سے دور رکھنے اور عالمِ اسلام کی حفاظت کا فریضہ تھا، چنانچہ سلطان سلیم نے صفویوں پر چڑھائی کر دی تا کہ انھیں ملتِ اسلامیہ کے دشمن پرتگالیوں کے حلیف بننے کی سزا دے۔ صفویوں کی سرکوبی کے بعد اس نے شام اور مصر کا رُخ کیا تا کہ ممالیک کی قوت کو اسلام کی حمایت میں روک لے اور مسلمان پرتگالی صلیبیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مقصد یہ تھا کہ صلیبیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی قوت بکھرنے نہ پائے۔



کبود مسجد (تبریز)

تبریز: شمال مغربی ایران میں واقع تبریز ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ صوبہ مشرقی آذربائیجان کا دارالحکومت ہے۔ تبریز منگولوں، آق قویونلی اور صفویوں کا دارالحکومت رہا (المنجد في الأعلام)۔ تبریز جھیل اُرمیہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ مہران رود (میدان چائی) اس کے وسط میں بہتی ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں اس شہر کا نام توریژ (Thavrez) یا تپریز، یعنی ''تپ (بخار) گرانے (بھگا دینے) والا'' تھا۔ 614ء میں قیصر ہرقل نے گنزگہ (گنجہ) کو ویران کرنے کے بعد تبرمیس (Thebarmais) یعنی تبریز شہر اور آتشکدے کو آگ لگا دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے تبریز کو 175ھ/791ء میں (از سرِ نو) بسایا۔ داود بن محمود (بن ملک شاہ) سلجوقی 526ھ سے 533ھ تک دارالحکومت تبریز سے آذربائیجان، ارّان اور آرمینیا پر مشتمل وسیع سلطنت پر حکومت کرتا رہا۔ ہلاکو خان کے جانشین اباقا (663ھ تا 680ھ) نے تبریز کو دارالحکومت قرار دیا۔ 693ھ / 1294ء میں تبریز میں کاغذی نوٹ جاری ہونے پر بغاوت ہو گئی۔ 705ھ / 1305ء میں اُلجائتو نے سلطانیہ کے نام سے نیا پایۂ تخت بسایا اور تبریز کی باشندوں کو وہاں لے گیا۔ جنگ چالدران (1514ء) میں فتح حاصل کر کے عثمانی سلطان سلیم تبریز میں داخل ہوا اور واپس جاتے ہوئے ایک ہزار ماہر کاریگر قسطنطنیہ لے گیا۔ اس پر شاہ طہماسپ صفوی نے مشرق میں قزوین کو دارالحکومت بنا لیا۔ 18-1909ء میں تبریز پر رُوسی فوج قابض رہی۔ تبریز کی خوبصورت کبود مسجد (نیلی مسجد) جہان شاہ کی تعمیر کردہ ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 98/6)

[1] صفوی سلطنت: صفی الدین اردبیلی (1252ء تا 1334ء) کے جانشینوں میں اسماعیل بن جنید صفوی نے آق قویونلی خاندان کے بادشاہ الوند کو 1501ء میں شکست دے کر جلد تبریز پر قبضہ کر لیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے عہد میں 1507ء میں پرتگالیوں نے خلیج فارس کی ایرانی بندرگاہ ہرمز پر قبضہ کر لیا جو 1622ء تک ان کے تسلط میں رہی۔ صفوی سلطنت 1736ء تک قائم رہی۔ اس عہد میں شیعیت ایران (فارس) کا سرکاری مذہب قرار پایا۔ شاہ عباس اول (1587ء تا 1629ء) صفوی سلطنت کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ آخری صفوی حکمران عباس سوم تھا جس سے نادر قلی نے حکومت ہتھیا لی اور نادر شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اس نے تخت اس شرط پر قبول کیا تھا کہ ایرانی شیعیت سے دست بردار ہو جائیں لیکن وہ ایرانیوں سے سنّیت قبول کرانے میں کامیاب نہ ہو سکا اور 1747ء میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ (ملخص از انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 1/119-126)


ایشیا (1520ء) میں
براعظم ایشیا
تاتاری سلطنت
(خانوادۂ چنگیز)
سائبیریا
منگولیا
روس
سلطنت چین
تبت
سلطنت ترکستان
سمرقند
کابل
بابری سلطنت
لاہور
ملتان
دہلی
لودھی سلطنت
مالوہ
بہمنی سلطنت
(دکن)
بنگال
خلیج بنگال
لنکا
صفوی سلطنت
تبریز
عراق
شام
سلطنت عثمانیہ
اناطولیہ
بحیرۂ اسود
یونان
بحیرۂ روم
مصر
حجاز
نجد
عمان
خلیج فارس
بحیرۂ عرب
بحر ہند
بحیرۂ قلزم
صومالیہ
حبشہ
سوڈان
طرابلس
براعظم افریقہ
بحرالکاہل
بحیرۂ جاپان
کوریا
فلپائن
بورنیو
ملایا
نقشہ 139

سلطان سلیم اول نے نئی حکمت عملی کے تحت سرحدِ فارس کی طرف پیش قدمی کی اور صفویوں کے خلاف چالدِران [1] کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی جو مشرقی اناطولیہ میں شہر قارص [2] کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ جنگ رجب 920ھ / اگست 1514ء میں لڑی گئی۔ اس میں صفویوں کو ہزیمت اور عثمانیوں کو فتح حاصل ہوئی جو آگے بڑھ کر تبریز میں داخل ہو گئے۔

سلطان سلیم اور ممالیک کی محاذ آرائی (معرکۂ مرج دابق)

ایک وقت تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ اور دولتِ ممالیک کے مابین تعلقات بڑے خوشگوار تھے، باہم تحائف کا تبادلہ ہوتا تھا اور عسکری فتوحات پر مبارکباد ارسال کی جاتی تھی، پھر وہ وقت آیا کہ ان کے مابین نفرت، عناد اور تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے حتی کہ دونوں میں فوجی تصادم تک نوبت آن پہنچی۔ باہمی نزاع کے کئی اسباب تھے، مثلاً: دونوں سلطنتوں کے مابین سرحدی خلاف ورزیاں، بعض عثمانی امراء کا سلطان سلیم سے بھاگ کر الغوری [3] کے ہاں پناہ لینا اور سلطنت عثمانیہ کے اندر بغاوت اور اضطراب کو ہوا دینا، صفویوں کے خلاف عثمانیوں کی جنگ کے دوران میں الغوری کا غیر دوستانہ رویہ۔ الغوری متحارب عثمانیوں اور ایرانیوں کے مابین غیر جانبداری برقرار نہ رکھ سکا۔ صفویوں کے حق میں اس کی جانبداری کا بھید اس وقت کھل گیا جب صفویوں کے لیے اس کی عملی مدد سامنے آئی۔ اس نے ہندوستان سے اسلامبول (قسطنطنیہ) بھیجے جانے والے تحائف روک لیے تھے اور عثمانی لشکر کو رسد پہنچنے میں رکاوٹ ڈال کر اس کی پیش قدمی میں مشکلات پیدا کی تھیں۔



میدان چالدران (آذربائیجان، ایران)



کلیسائے حواریین جواب دُرم گنبد مسجد کہلاتی ہے جس کے پس منظر میں نئی اور بڑی مسجد ہے (قارص)

[1] چالدران: یہ مغربی آذربائیجان (ایران) کا سرحدی شہر ہے جسے سیاہ چشمہ یا قرہ عینہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل سرحد پار ترکی کا قصبہ چالدران جھیل وان کے شمال مشرق میں تقریباً 30 کلومیٹر پر اور قارص سے 100 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (وکی پیڈیا، ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ: 143)

[2] قارص: شمال مشرقی ترکی میں آرمینیا کی سرحد کے قریب واقع یہ شہر اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے۔ اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں قارص کو شمال مغربی ترکی کا شہر بتایا گیا ہے جو درست نہیں۔

[3] الملک الاشرف قانصوہ الغوری مصر وشام کے ممالیک بُرجیہ میں سے تھا۔ وہ ممالیک کا 47 واں حکمران (906ھ تا 922ھ / 1501ء تا 1516ء) تھا۔

(أطلس التاريخ العربي الإسلامي: 234)

حقیقت یہ تھی کہ چالدران میں سلطان سلیم کی فتح ممالیک مصر وشام کے لیے اچانک اور غیر متوقع تھی اور مصری حکام اپنے حکمرانوں کی نامرادی اور ناکامی چھپا نہیں سکتے تھے۔ ایک طرف پورے عالم اسلام کے لیے عثمانیوں کی یہ فتح حیرت انگیز تھی، دوسری طرف ممالیک اس پر خوش نہیں تھے۔ مملوک سلطان الغوری یہ سمجھتا تھا کہ فریقین میں سے جو بھی فاتح ہوگا وہ مشرقِ عربی میں ممالیک سے تصادم کی پالیسی اپنائے گا، چنانچہ ان سیاسی وعسکری تبدیلیوں کے پیش نظر اس نے مختلف پالیسی اپنائی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی فوج بہتر اسلحے اور سازوسامان سے لیس عثمانی لشکر کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گی، لہٰذا اس نے عثمانیوں کے خلاف شاہ اسماعیل صفوی سے معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ ادھر شاہ فارس چالدران کی شکست کے بعد سلطان سلیم کے خلاف محاذ بنانے کے لیے مستعد تھا، شاید اسی لیے سلطان الغوری کو مذکورہ بالا پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب ملی۔ لیکن سلطان الغوری کی اس کوشش کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ عثمانیوں سے اس کے تعلقات پر منفی اثرات پڑے جنھوں نے صفویوں سے اس کی سلسلہ جنبانی کو سلطنت عثمانیہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف خیال کیا۔ جب دونوں میں صلح کی کوششیں بارآور نہ ہوسکیں تو جنگ ناگزیر ہوگئی۔ حلب کے شمال میں مرج دابق [1] میں عثمانیوں نے مملوک لشکر کو تباہ کن شکست دی جس میں سلطان الغوری مارا گیا۔ یہ واقعہ 25 رجب 922ھ/24 اگست 1516ء کو پیش آیا۔

[1] مرج دابق: یہ شمالی شام میں اعزاز اور حلب کے درمیان واقع ایک شہر ہے جبکہ اعزاز حلب سے تقریباً 54 کلومیٹر دور ہے۔
(أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 40)

2

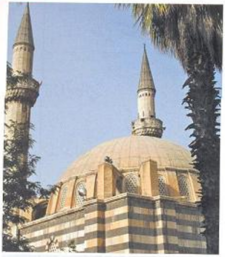
شام، مصر اور حجاز کا خلافت عثمانیہ میں انضمام

مرج دابق میں ممالیک کی ہزیمت کے بعد سلطان سلیم نے جنگی پیش رفت جاری رکھی۔ اس نے شام کے شہروں حلب، حماہ، حمص اور دمشق کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ امرائے شہر اور اعیانِ حکومت نے نئے حکمرانوں کی اطاعت بجالانے میں سبقت کی۔ مسجد اموی (دمشق) میں سلطان سلیم کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ پھر سلطان سلیم نے مصر کے نئے حکمران طومان بائے کو خط لکھ کر اس شرط پر صلح کی پیشکش کی کہ وہ عثمانی سیادت تسلیم کر لے۔ طومان بائے نے اس پیشکش کو تسلیم کرنے کا ارادہ کیا مگر مملوک اُمراء نے جنگ کا تہیہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے سلطان سلیم کے قاصد کو قتل کر دیا۔ اس پر سلطان نے مصر کا رُخ کیا۔ غزہ کے پاس عثمانی ہراول کا مصری ہراول سے تصادم ہوا۔ مصری ہراول نے شکست کھائی اور سلیم کی فوج مصر کی طرف بڑھتی گئی۔ 29 ذی الحجہ 922ھ / 22 جنوری 1517ء کو ریدانیہ کے مقام پر مملوک فوج کو شکست فاش ہوئی اور اس کے بعد عثمانی عساکر قاہرہ میں داخل ہو گئے۔ دریں اثناء قاہرہ کے قریب بولاق اور صلیبہ [1] کی بستیوں اور جیزہ وغیرہ میں تصادم کے خوفناک واقعات پیش آئے۔ آخر کار 10 ربیع الاول 923ھ / 2 اپریل 1517ء کو معرکۂ وردان میں شکست کے بعد طومان بائے نے اپنے دوست حسن بن مرعی کے پاس پناہ لی جو عربان البحیرہ (نیل کا ڈیلٹا) کا سردار تھا۔ اس نے طومان بائے کو سلطان سلیم کے حوالے کر دیا جس نے باب زویلہ پر اُس کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے ہلاک کر دیا (21 ربیع الاول 923ھ / 13 اپریل 1517ء)۔ یوں سلطنت ممالیک کی بساط لپٹ گئی۔


اموی مسجد (دمشق) کا تاریخی منبر

سلطان سلیم کے مصر پر حملے کا مقصد یہ تھا کہ اُس نے ایک واحد اسلامی سلطنت کے قیام کا جو اہم منصوبہ تیار کیا تھا وہ بروئے کار آئے۔ چونکہ اس کے خیال میں متحدہ اسلامی سلطنت کی تشکیل کے راستے میں ممالیک سب سے اہم رکاوٹ تھے، اس لیے ان کا ہٹایا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ مصر اور شرق (شام و فلسطین) پر عثمانی حملہ اسی لیے عمل میں آیا تھا، چنانچہ جب مصر و شام پر عثمانی اقتدار قائم ہو گیا تو سلطان سلیم استانبول لوٹتے وقت عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ اور اس کے دو چچا زادوں ابوبکر واحمد اور مصر کے شافعی قاضی القضاۃ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

[1] صلیبہ: یہ مقبرہ سیدہ زینب کے نزدیک قاہرہ کا ایک محلّہ ہے۔


1554ء میں تعمیر شدہ مسجد تکیہ السلیمانیہ (دمشق)

متوکل علی اللہ سلسلۂ خلفاء کا 73 واں خلیفہ تھا، خُلفائے عباسیہ کا 55 واں خلیفہ تھا [1] اور قاہرہ کے عباسی خلفاء کا 17 واں خلیفہ تھا۔ وہ اسلامبول پہنچ کر سلطان سلیم کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگیا اور انتقالِ خلافت کی رسم مسجد ایا صوفیہ میں ادا کی گئی۔ تاریخی روایات میں درج ہے کہ متوکل نے ایا صوفیہ میں مراسم کی ادائیگی کے بعد جامع مسجد ابو ایوب انصاری میں سلطان سلیم کے گلے میں تلوار لٹکائی اور اسے خلعت پہنایا۔ ان مراسم میں علمائے سلطنت عثمانیہ اور ازہر کے علماء نے شرکت کی جو اس مقصد کے لیے اسلامبول چلے آئے تھے۔ یوں خلافت سلطنت عثمانیہ میں منتقل ہوگئی اور سلطان سلیم پہلا عثمانی خلیفہ بنا۔

حجاز کا خلافت عثمانیہ میں انضمام

سلطان سلیم کی فتح مصر کے بعد امیر مکہ برکات ثانی نے اپنے بیٹے محمد ابی نمی کو قاہرہ بھیجا تھا تاکہ وہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور روضۂ مطہرہ کی چابیاں اور دیگر مقدس امانتیں سلطان کے حوالے کرے جو اشرافِ مکہ کے پاس موجود تھیں۔ اس نے حجاز کو سلطنت عثمانیہ میں ضم کرنے کی پیشکش کی۔ یہ کارروائی 16 جمادی الآخرہ 923ھ / 6 جولائی 1517ء کو عمل میں آئی۔ اس کے بعد عثمانی اقتدار سودان، لیبیا اور الجزائر تک وسیع ہوگیا اور ان کی وفاداری اور اطاعت سلطنت عثمانیہ کے لیے وقف ہوگئی۔

23 شعبان 923ھ / 10 ستمبر 1517ء کو خلیفہ سلیم مصر سے روانہ ہوا اور شام لوٹ آیا۔ پھر وہ عرب کے گردونواح کے علاقوں کی فتح کے بعد 924ھ / 1518ء میں اسلامبول چلا گیا۔ وہ خلافت عثمانیہ پر فائز ہو کر حرمین شریفین کا خادم ٹھہرا اور تقریباً 2 سال بعد 9 شوال 926ھ / 22 ستمبر 1520ء کو خلیفہ سلیم کا انتقال ہوگیا۔

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر بغداد کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تک خلفاء کی تعداد 56 بنتی ہے۔ ان 56 خلفاء میں 4 خلفائے راشدین، 14 اُموی خلفاء اور 38 بغداد کے عباسی خلفاء شامل ہیں۔ اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں عباسی خلفاء کی مجموعی تعداد 54 درج ہے، حالانکہ یہ تعداد 38 (بغداد) +17 (قاہرہ) یعنی 55 بنتی ہے۔ (دیکھیے أطلس التاریخ العربي الإسلامي)



سلطنت عثمانیہ: سلیم اول کی وفات (22 ستمبر 1520ء) کے وقت

نقشہ 140

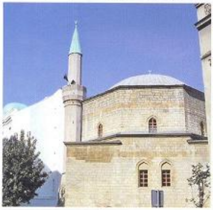
3

سلطان سلیمان قانونی اور اس کی فتوحات

سلیمان قانونی اپنے والد خلیفہ سلیم اول کی وفات کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ اس کی خلافت کا آغاز 926ھ/1520ء میں ہوا۔ اس نے 47 برس حکومت کی اور یہ عثمانی سلاطین میں سب سے لمبا عرصۂ حکومت تھا۔ خلیفہ سلیمان قانونی کا عہد سلطنت عثمانیہ کا سنہری دور تھا۔ خواہ جہادی کارروائیوں کے لحاظ سے دیکھا جائے یا تعمیراتی، علمی و ادبی اور عسکری پہلوؤں سے، سلیمان قانونی کا عہد عثمانی سلطنت کا نقطۂ عروج تھا۔ یہ سلطان یورپی سیاست میں بے پناہ اثر ورسوخ رکھتا تھا کیونکہ وہ اپنے عہد کی سب سے بڑی قوت تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت اسلامیہ عثمانیہ میں خوشحالی اور امن وسکون کا دور دورہ تھا۔

فتح بلغراد

عہدِ سلیمان میں عثمانیوں نے اپنی فتوحات کا آغاز یورپ کے اہم ترین شہر بلغراد کی فتح سے کیا جس پر اہل ہنگری کی حکومت تھی۔ ان دنوں ہنگری والوں سے عثمانیوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔ سلیمان نے شاہِ ہنگری کے پاس اپنا سفیر بھیجا جس نے شاہ [1] کو اطلاع دی کہ عثمانی تخت پر اب سلطان سلیمان جلوہ افروز ہے۔ مگر شاہِ ہنگری نے سلیمان کے سفیر کو قتل کرا دیا جس کا نام بہرام چاؤش تھا۔ اس پر عثمانی سلطان نے ہنگری کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور عثمانی فوج نے خشکی اور دریا (ڈینیوب) کی طرف سے بلغراد کا محاصرہ کر لیا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد بلغراد والوں نے ہتھیار ڈال دیے (927ھ/1521ء)۔ بلغراد کی فتح کے بعد عثمانیوں نے اسے اپنا جنگی مرکز بنا لیا جہاں سے یورپی فتوحات کے لیے ان کے لشکر روانہ ہوتے تھے۔ جنگ بلغراد کے بعد عثمانیوں نے بلغراد کے اردگرد کے اہم قلعے فتح کر لیے، جیسے ساباج (Sabacz)، سلانکا اور زملین۔ ان کی فتح 928ھ/1522ء میں عمل میں آئی۔

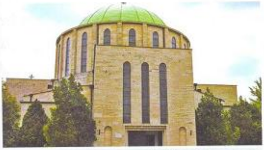


مسجد سلیمان اعظم (بلغراد)

1 خلیفہ سلیمان اعظم نے شاہِ ہنگری لوئی ثانی کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور خراج کا مطالبہ کیا۔ لوئی نے سفراء کو قتل کرا دیا، اس لیے سلیمان نے بلغراد پر چڑھائی کی جہاں سے محمد فاتح جیسا سلطان پسپا ہو گیا تھا۔ سات روز کی گولہ باری سے 25 رمضان المبارک 927ھ/ 29 اگست 1521ء کو یہ شہر فتح ہو گیا۔ سلطان نے فتح کے بعد کسی فوجی یا رعایا کے افراد کو قتل نہ کیا بلکہ وہاں کے سب سے بڑے گرجے میں نماز ادا کی اور اسے تثلیث کے بجائے اللہ واحد کی پرستش کا مرکز بنا دیا۔
(تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص:104)

روڈس اور ہنگری کی فتح

سلطان سلیمان نے روڈس پر قابض سینٹ جان کے نائٹس کو شکست دے کر اس جزیرے کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔[1] پھر 932ھ/1526ء میں 60 ہزار سے زائد عثمانی لشکر استنبول سے روانہ ہوا اور منزلیں مارتا ہنگری کی سرزمین میں پہنچ گیا۔ موہاکس کے میدان میں 29 اگست 1526ء کو مسلمانوں اور عیسائیوں میں معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ جنگ 2 گھنٹے جاری رہی اور عثمانیوں نے کمال جنگی فراست سے ہنگری کے لشکر کو شکست دی۔[2] سلطان سلیمان قانونی نے مملکت ہنگری کے سلطنت عثمانیہ کے باجگزار ہونے کا اعلان کیا، پھر حکم صادر کیا کہ اہلِ ہنگری میں سے ایک شخص اُن کا بادشاہ ہوگا۔ یہ صوبہ اردل (ٹرانسلوینیا) کا گورنر جان زاپولیا تھا جسے عثمانی اقتدار کے ماتحت بادشاہت عطا کی گئی۔ مشرقی مؤرخین اس کا نام یانوش (Janus) لکھتے ہیں۔[3]



جنگ موہاکس کی یاد میں تعمیر شدہ گرجا (Votive Church 1929ء)



ہنگری کے شہر پیکس (Pecs) کی عثمانی مسجد

[1] سلطان نے یکم اگست 1522ء کو روڈس کا محاصرہ شروع کیا۔ پانچ ماہ بعد 6 صفر 929ھ / 25 دسمبر 1522ء کو اہل روڈس نے ہتھیار ڈال دیے اور بارہ روز کے اندر اپنا سامان اور اسلحہ لے کر سلطان کی اجازت سے کریٹ کی طرف نکل گئے۔ (تاریخ ترکیہ از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص: 105،104)

[2] چارلس پنجم (شاہ اسپین) نے شاہ فرانس فرانسس اول کو 1525ء میں پیویا کے مقام پر شکست دے کر قید کر لیا تھا۔ فرانس نے سلیمان سے ہنگری پر حملہ کرنے کی استدعا کی تاکہ چارلس کو ہنگری کی جانب توجہ مبذول کرنی پڑے جس کی سلطنت آسٹریا تک وسیع تھی...... 20 ذی قعدہ 932ھ / 29 اگست 1526ء کو موہاکس کے میدان میں 2 گھنٹے کی جنگ میں ہنگری کے آٹھ اسقف، اعیان ہنگری کی بڑی تعداد اور چوبیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ لوئی (شاہ ہنگری) بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب مرا۔ (تاریخ ترکیہ از نصیر احمد ناصر، ص: 105)

[3] جنگ موہاکس کے بعد چارلس پنجم کے بھائی فرڈیننڈ حاکم آسٹریا نے زاپولیا کو شکست دے کر ہنگری پر قبضہ کر لیا۔ زاپولیا نے پولینڈ میں جا پناہ لی اور سلطان سلیمان کو مدد کے لیے درخواست بھیجی۔ سلطان 10 مئی 1529ء کو ڈھائی لاکھ فوج اور 300 توپیں لے کر روانہ ہوا اور 3 ستمبر کو بوڈا پہنچ گیا۔ چھ روز کے محاصرے میں قلعہ مسخر ہو گیا اور زاپولیا کو بحال کر دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان نے آسٹریا کی طرف کوچ کیا۔ اسپین، نیدر لینڈ، سسلی، جرمنی اور آسٹریا کی مملکتوں کا تنہا مالک شاہ چارلس پنجم اور اس کا بھائی فرڈی ننڈ فرار ہو گئے، البتہ اسپین اور جرمنی کے آزمودہ کار دستے آسٹریا کی فوج کی مدد کے لیے آ پہنچے تھے۔ سلطان سلیمان نے 27 ستمبر کو وی آنا پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ طوفانی بارش کے باعث اسے بڑی توپیں ہنگری میں چھوڑنی پڑی تھیں۔ ادھر محصورین کی مدافعت سخت تھی۔ اس پر موسم کی شدت برداشت سے باہر ہو گئی اور رسد کی بھی کمی تھی، لہٰذا سلطان محاصرہ اٹھا کر واپس آ گیا۔ (تاریخ ترکیہ از نصیر احمد ناصر: 105، 106)

فتح موہاکس کے بعد کی عثمانی مہمات

تاریخ اسلام کی بحری جنگوں میں سے معرکۂ پریویزا [1] بڑا نمایاں واقعہ ہے جو945ھ/1538ء میں پیش آیا۔ یہ سولھویں صدی عیسوی کی مسلم مسیحی جنگوں کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے۔ پوپ پال سوم نے عثمانیوں کے مقابلے میں یورپ کے مسیحی لشکروں کے اتحاد کی پکار بلند کی، چنانچہ ایک متحدہ صلیبی بحری بیڑا تشکیل پایا جس میں 300 بحری جہاز شامل تھے۔ اس صدی کا مشہور ترین یورپی بحری کمانڈر اینڈریا ڈوریا اس بیڑے کی کمان کررہا تھا۔ ادھر عثمانی بحری بیڑا 120 جہازوں پر مشتمل تھا جس کی قیادت امیر البحر خیر الدین باربروسا کے پاس تھی۔ دونوں بحری بیڑوں میں 4 جمادی الاولیٰ 945ھ/28 ستمبر 1538ء کو پریویزا کے بالمقابل جنگ ہوئی جس میں خیر الدین باربروسا کے بحری بیڑے نے صلیبی بیڑے کو شکست فاش دی۔

اس یورپی شکست کی خبر شاہ چارلس [2] کو ملی تو اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ اس نے ایک طاقتور بحری بیڑا تیار کیا اور اس کی خود قیادت کرتے ہوئے عثمانی علاقے الجزائر پر حملہ آور ہوا (948ھ/1541ء) لیکن خیر الدین باربروسا کے متبنّیٰ حسن آغا حاکم الجزائر نے شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ساحل الجزائر کے قریب نہ پھٹکنے دیا اور چارلس خائب وخاسر ہوکر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔



بحیرۂ یونان کے ساحل پر "پریویزا" سے دو میل دُور عثمانی گورنر علی پاشا کے تعمیر کردہ قلعہ پانٹوکراٹور کے آثار (1807ء)

[1] پریویزا (Preveza): یہ شہر یونان کے مغربی ساحل پر خلیج امورا کیکوس کے دہانے کے قریب واقع ہے۔ (فلپس السٹریٹڈ اٹلس آف دی ورلڈ: 68)

[2] چارلس پنجم (1516ء تا 1556ء) جو ہسپانیہ (اسپین) کی تاریخ میں چارلس اول کہلاتا ہے، یورپ کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ وہ فرڈیننڈ اور ازابلا (فاتحین غرناطہ) کا نواسا تھا۔ 1521ء میں اسپین کی فرانس سے لڑائی چھڑ گئی اور شکست کھا کر شاہِ فرانس نے اٹلی پر تمام دعاوی چھوڑ دیے۔ 1535ء میں چارلس پنجم نے ایک مہم تیونس بھیجی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ہیپس برگ کے تخت (آسٹریا) کا مالک بنا دیا۔ اس کو ان مہمات پر کثیر خرچ چنداں محسوس نہ ہوا کیونکہ امریکہ سے بے اندازہ سونا آرہا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 276/2)

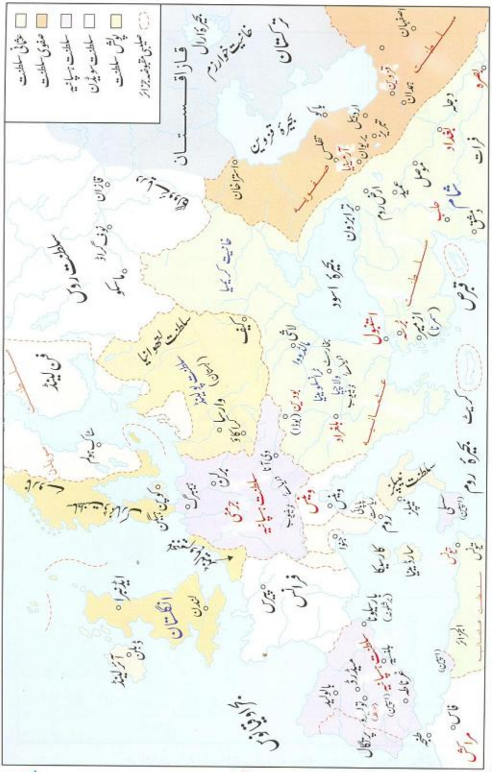
947ھ/1540ء میں آسٹریا [1] کے آرچ ڈیوک فرڈی ننڈ نے، جو ہنگری پر قبضے کی طمع رکھتا تھا، بوڈا [2] کا آن محاصرہ کیا۔ ادھر سے عثمانی لشکر سلطان سلیمان قانونی کی قیادت میں تیزی سے بوڈا کی طرف بڑھا۔ جب آسٹرویوں نے عثمانی لشکر کے قریب آن پہنچنے کی خبر سنی تو وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ 948ھ/1541ء میں سلطان سلیمان بوڈا میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اس نے شہر کے بڑے بڑے گرجوں کو مساجد میں بدلنے کا حکم دیا، نیز ہنگری کے اس اہم علاقے کا دولت عثمانیہ سے الحاق کر لیا اور اسے ''ولایت بودین'' کا نام دیا گیا۔ سلطان نے شاہِ ہنگری جانوس کے کم عمر بیٹے سگمنڈ کو ٹرانسلوینیا (اردل) کی گورنری پر فائز کیا۔ اس کا باپ جانوس شاہ ہنگری بننے سے پہلے ٹرانسلوینیا پر حکومت کرتا رہا تھا۔



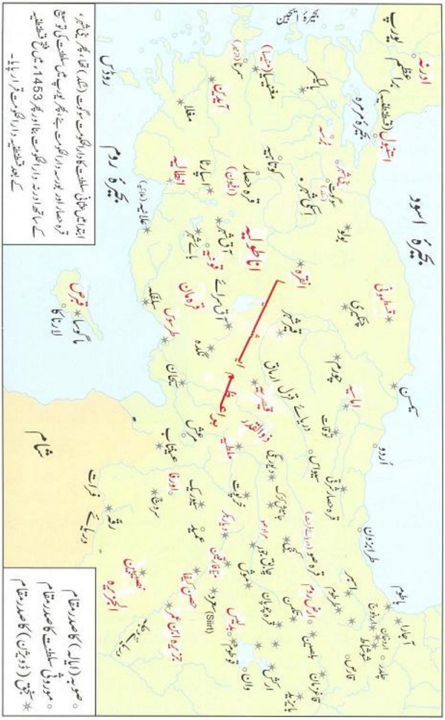
بوڈاپسٹ کا Matthias Church جو عثمانی دور میں مسجد تھا

1 آسٹریا: اسے عربی میں نمسا لکھا جاتا ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان جرمن میں اس کا تلفظ اوسٹرائخ (Osterreich) ہے۔ وسطی یورپ کی اس جمہوریہ کی آبادی 77 لاکھ (1991ء) ہے۔ دارالحکومت وی آنا ہے۔ اس کے شمال میں چیک جمہوریہ اور جرمنی، جنوب میں سلاوینیا اور اٹلی، مشرق میں سلاویکیہ اور ہنگری اور مغرب میں سوئٹزرلینڈ واقع ہے۔ اسے کسی طرف کوئی سمندر نہیں لگتا۔ پانچویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں جرمانک لوگ پھیل گئے تھے۔ قرون وسطیٰ کے دوران 1282ء میں یہاں ہیپسبرگ خاندان کی حکومت قائم ہوئی جو 1452ء میں ہولی رومن ایمپائر کہلانے لگی اور بتدریج آسٹریا وسطی یورپ کی ایک بڑی طاقت بن گیا جس میں جرمنی، سوئٹزرلینڈ، شمالی اٹلی اور نیدرلینڈ بھی شامل تھے حتیٰ کہ 1504ء تا 1700ء میں اسپین پر بھی ہیپسبرگ خاندان کی حکمرانی رہی۔ 1806ء میں ہولی رومن ایمپائر کے خاتمے پر اسے آسٹرو ہنگیرین سلطنت کہا جانے لگا۔ 1918ء میں اس سلطنت کی شکست وریخت پر آسٹریا، ہنگری، چیکوسلاویکیہ اور یوگوسلاویہ کے ممالک وجود میں آئے۔ 1938ء میں نازی جرمنی نے آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔ 1945ء میں جرمنی کی شکست پر اتحادیوں نے آسٹریا پر تسلط جما لیا اور پھر 1955ء میں اسے آزادی ملی۔ 1994ء میں آسٹریا یورپی یونین میں شامل ہوگیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری:674,630,91، نقشہ ص:3)

2 بوڈا: جسے ترک بودین کہتے تھے، ہنگری کا قدیم دارالحکومت ہے۔ آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری کے مطابق 1873ء میں دریائے ڈینیوب (عربی میں ''طونہ'') کے دائیں کنارے واقع پہاڑی شہر بوڈا اور بائیں کنارے واقع نشیبی شہر پسٹ کے ملاپ سے بوڈاپسٹ تشکیل پایا جو جدید ہنگری کا دارالحکومت ہے۔



نقشہ 141
برِ اعظم یورپ: سلطان سلیمان اعظم کی وفات (1566ء) کے وقت



مراد ثالث کے عہد میں اناطولیہ کی ولایات (صوبے)

نقشہ 142

4

عروج اور خیر الدین باربروسا کی بحری فتوحات

مشہور جہازران خیر الدین اور اس کا بھائی عروج بُحیرہ ایجین کے جزیرہ مثلّین (Metellin) کے عیسائی تھے۔ وہ دونوں سمندری ڈاکو تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی اور وہ مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ مسلمان ہو کر انھوں نے سلطان تیونس محمد الحفصی کی ملازمت اختیار کر لی اور ہسپانوی اور پرتگالی جنگی بحری جہازوں سے معرکہ آرائی کرنے لگے۔ ان دونوں نے عثمانی سلطان سلیم کی خدمت میں ایک بحری جہاز روانہ کیا جو انھوں نے عیسائیوں سے چھینا تھا۔ سلطان نے جہاز کا تحفہ قبول کیا اور ان دونوں بھائیوں کو عطیات سے نوازا۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جب سلطان سلیم مصر پہنچا تو انھوں نے اس کی خدمت میں قاصد بھیج کر سلطنت عثمانیہ سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

عروج اس قدر جرأت مند تھا کہ اس نے شہر الجزائر کو دشمن سے آزاد کرا لیا اور چارلس پنجم نے جو لشکر عروج کے مقابلے میں بھیجا اسے شکستِ فاش دی، نیز اس نے مغربی الجزائر کے شہر تلمسان کو عیسائیوں کے تسلط سے چھڑا لیا، پھر ہسپانویوں کے خلاف ایک جنگ میں عروج شہید ہوگیا۔

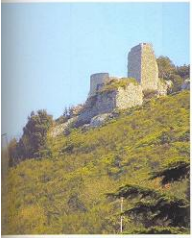
اس کے بعد خیر الدین باربروسا [1] نے عثمانی خلیفہ سلیم اول کے پاس قاصد بھیجا۔ سلیم اس وقت مصر میں تھا جب اسے معلوم ہوا کہ شہر الجزائر



مسجد شہداء (الجزیرہ)

الجزیرہ یا الجزائر (شہر): اسے عربی میں الجزائر، اُردو میں الجزیرہ اور انگریزی میں الجیرز (Algiers) کہتے ہیں۔ یہ ملک الجزائر کا صدر مقام ہے اور بحیرۂ روم کی خلیج الجزائر میں واقع ہے۔ آبادی 26 لاکھ سے اوپر ہے۔ اسے بُلکّین بن زیری نے 349ھ /960ء میں ایک رومی شہر کے کھنڈروں پر تعمیر کیا تھا۔ ملک الجزائر، جسے عربی میں الجمهورية الجزائرية الديمقراطية الشعبية کہتے ہیں، شمالی افریقہ میں بحیرۂ رُوم کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں تیونس اور لیبیا، مغرب میں المغرب (مراکش) اور جنوب میں نائیجر، مالی اور موریتانیہ واقع ہیں۔ الجزائر کا رقبہ 23 لاکھ 81 ہزار 741 مربع کلومیٹر (پاکستان سے تین گنا) ہے اور آبادی 2 کروڑ 60 لاکھ ہے۔ دارالحکومت کے علاوہ وہران، قُسنطینہ، عنابہ، سطیف، سعیدہ، تلمسان اور مستغانم مشہور شہر ہیں۔ ساتویں صدی ق م میں الجزائر قرطاجہ (تیونس) کے ماتحت تھا۔ جولیس سیزر نے اس پر 42 ق م میں قبضہ جمایا۔ 429ء میں یورپ کے ونڈال الجزائر پر حملہ آور ہوئے۔ الجزائر کے 19 لاکھ 95 ہزار مربع کلومیٹر رقبے پر صحرائے اعظم پھیلا ہوا ہے۔ یہ تیل اور گیس برآمد کرنے والا ایک بڑا ملک ہے (المنجد في الأعلام)۔ (1830ء سے 1962ء تک الجزائر فرانسیسی سامراج کے تسلط میں رہا۔)

1 ”باربروسا“ (Barbarossa) کے معنی ہیں ”سرخ ڈاڑھی والا“۔ اس نے ہسپانیہ کے 70 ہزار مظلوم مسلمانوں کو اپنے جہازوں میں لاد لاد کر الجزائر پہنچایا۔ سلیمان نے اسے عثمانی بحریہ کا امیر اعظم منتخب کر لیا۔ (”تاریخ ترکیہ“ ص: 108,107 از نصیر احمد ناصر)



قلعہ باربروسا (کیپری، اٹلی)



زیتونہ مسجد (تیونس شہر)

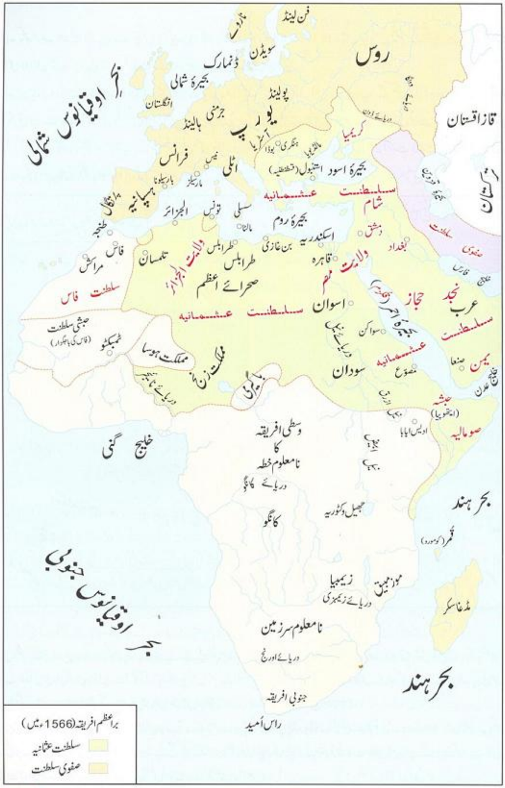
خلیفہ کے نام پر فتح کرلیا گیا ہے، تو اس نے حکم صادر کیا کہ خیر الدین کو صوبہ الجزائر کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔ خیر الدین نے اپنی بحری مہمات جاری رکھیں۔ اس نے اٹلی کے جنوبی ساحل پر اترانتو [1] اور فرانس اور ہسپانیہ کے ساحلوں تک تر کتازیاں کیں اور بینون نامی قلعے کو آزاد کرالیا جو شہر الجزائر کے بالمقابل ایک جزیرے پر ایستادہ تھا اور اس پر ہسپانوی قابض تھے، پھر اس نے اپنی مہمات ہسپانویوں سے انتقام لینے پر مرکوز کردیں جنھوں نے 897ھ/1492ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس (ہسپانیہ) میں مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے۔

939ھ/1532ء میں خیر الدین باربروسا نے خلیفہ سلیمان کے حکم پر ایک بحری بیڑا تیار کیا تاکہ صلیبیوں کے خلاف جہاد کرے جنھوں نے آخری حفصی حکمران مولائے حسن کے عہد حکومت میں تیونس پر قبضہ کرلیا تھا۔ خیر الدین نے قسطنطنیہ سے بحری بیڑے کی قیادت [2] کرتے ہوئے درۂ دانیال پار کیا اور بحیرۂ رُوم میں سفر کرتے ہوئے مالٹا کا رُخ کیا تاکہ اس کے عزائم دشمن سے پوشیدہ رہیں۔ مالٹا سے اس نے جنوبی اٹلی کی بعض بندرگاہوں پر حملہ آور ہو کر عیسائیوں کو شکست دی، پھر 941ھ/1534ء میں وہ پلٹ کر تیونس پہنچا، اسے آسانی سے آزاد کرالیا اور وہاں بھی عثمانی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ یورپی صلیبی جنھوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اندلسی مسلمانوں کا صفایا کرنے اور انھیں دیس نکالا دینے کے بعد ان کا دوسرا فریضہ شمالی افریقہ پر قبضہ جمانا ہے، وہ عثمانی بیڑے کے حملے کی تاب نہ لا کر تیونس سے فرار ہوگئے۔ دریں اثناء چارلس پنجم، برشلونہ (Barcelona) کے ہسپانوی امراء اور مالٹا کے صلیبی ایک معاہدہ کرکے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ چارلس نے ایک جمِ غفیر اکٹھا کرلیا اور تیونس کے ساحل پر اُتر کر شہر تیونس میں داخل ہوگیا۔ اس نے انتقام کے طور پر اہلِ تیونس پر انتہائی گھناؤنے مظالم ڈھائے [3] اور وہاں مولائے حسن الحفصی کو دوبارہ حکمران بنا دیا۔ مولائے حسن نے ایک معاہدے کے تحت عیسائیوں کو ملک تیونس میں آباد ہونے کی اجازت

1 اترانتو: جنوبی اٹلی کے ساحل پر اترانتو (Otranto) اور تارنتو (Taranto) نامی دو بندرگاہیں ہیں۔ اترانتو آبنائے اترانتو کے ساحل پر ہے جو اٹلی اور البانیہ کے درمیان واقع ہے جبکہ تارنتو خلیج تارنتو کے شمالی ساحل پر آباد ہے (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)۔ چوتھی صدی ہجری میں صقلیہ کے اغلبی حکمرانوں نے تارنتو تک یلغار کی تھی۔

2 خلیفہ سلیمان اعظم نے 1533ء میں خیر الدین کو ''کپودان پاشا'' (امیر البحر) بنا دیا تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 81/9)

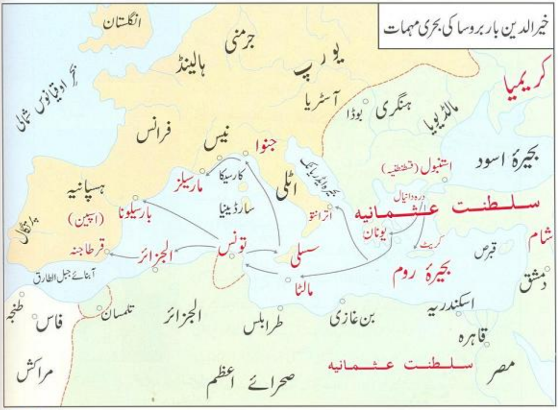
3 چارلس 500 جہازوں کا بیڑا اور 30 ہزار فوج لے کر تیونس پر حملہ آور ہوا۔ خیر الدین کو تیونس چھوڑنا پڑا۔ چارلس فاتحانہ تیونس شہر میں داخل ہوا اور اپنے سپاہیوں کو شہر لوٹ لینے کی اجازت دے دی۔ ایورسلے کا بیان ہے کہ شہر کے 30 ہزار باشندے قتل کردیے گئے اور 10 ہزار غلام بنا کر فروخت کیے گئے۔ مسجدیں، خاص خاص عمارتیں اور کتب خانے برباد کردیے گئے۔ راستے میں پڑی کتابوں کے ڈھیروں کو روندے بغیر کوئی جامع مسجد تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لوگوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔ مسلمانوں کی سب جائیدادیں عیسائیوں کو دی گئیں اور مولائے حسن نے اسپین کی ماتحتی قبول کرلی۔ (''تاریخ ترکیہ'' ص:108 از نصیر احمد ناصر)


فن لینڈ
سویڈن
روس
ڈنمارک
بحیرۂ شمالی
پولینڈ
انگلستان
جرمنی
ہالینڈ
یورپ
قازاقستان
بحرِ اوقیانوس شمالی
فرانس
کریمیا
ہنگری
اٹلی
بحیرۂ اسود
استنبول (قسطنطنیہ)
بارسلونا
مارسیلز
ہسپانیہ
پرتگال
سلطنت عثمانیہ
شام
الجزائر
تونس
سسلی
بحیرۂ روم
مالٹا
طنجہ
فاس
مراکش
تلمسان
ولایت الجزائر
طرابلس
بن غازی
اسکندریہ
دمشق
بغداد
قاہرہ
ولایت مصر
سلطنت صفوی
صحرائے اعظم
نجد
حجاز
عرب
سلطنت فاس
اسوان
سلطنت عثمانیہ
حبشی سلطنت
(فاس کی باجگزار)
ٹمبکٹو
مملکت ہوسا
دریائے نیل
سواکن
بحیرۂ احمر
سلطنت
مملکت زنجبار
سوڈان
مصوع
یمن
صنعا
خلیج عدن
عدن
حبشہ
(ایتھوپیا)
صومالیہ
ادیس ابابا
خلیج گنی
وسطی افریقہ
کا
نامعلوم خطہ
دریائے کانگو
کانگو
جھیل وکٹوریہ
بحرِ ہند
قمر (کومورو)
بحرِ اوقیانوس جنوبی
زیمبیا
دریائے زیمبزی
موزمبیق
مڈغاسکر
نامعلوم سرزمین
دریائے اورنج
بحرِ ہند
جنوبی افریقہ
راس اُمید
براعظم افریقہ (1566ء میں)
سلطنت عثمانیہ
صفوی سلطنت

نقشہ 143

دے دی۔ کچھ عرصہ بعد خیر الدین نے تیونس پر ایک بار پھر یلغار کی اور 944ھ / 1537ء میں چارلس پنجم کے بحری بیڑے کو شکست فاش دی۔ [1] اسی دوران میں اس نے جزیرہ کریٹ کے عیسائیوں کے خلاف بھی جہاد کیا۔ [2]

خیر الدین باربروسا نے 953ھ/1546ء میں وفات پائی۔ وہ ایک عظیم مجاہد تھا۔ اس نے یورپ کے مسیحی حملہ آوروں کو بار بار شکست دی اور اپنے بحری بیڑے کے ساتھ اٹلی، فرانس اور اسپین کے ساحلوں پر ترکتازیاں کیں تاکہ اسلام کے دشمنوں کی قوت تار تار کردے۔ یہی نہیں، اس نے فرانسیسی بندرگاہ مارسیلز اور صقلیہ کے ساحلوں پر بھی یلغار کی اور 20 جمادی الاولیٰ 950ھ / 22 اگست 1543ء کو اپنی قوت کے بل پر فرانس کی بندرگاہ نیس میں داخل ہوگیا (اور فرانسیسیوں کو صلح پر مجبور کر دیا۔)



نقشہ 144

[1] چارلس پنجم نے خیر الدین باربروسا کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خفیہ طور پر لالچ دیا کہ وہ مختصر سا خراج لینے کے بعد اسے تمام شمالی افریقہ کا بادشاہ تسلیم کرے گا۔ باربروسا نے سلطان سلیمان کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا، پھر چارلس پنجم نے الجزائر میں جو مہم روانہ کی (1541ء) اس کے تباہ کن انجام نے خیر الدین کی عزت کو چار چاند لگا دیے اگرچہ اس نے الجزائر شہر کی مدافعت میں خود حصہ نہیں لیا تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 81/9)

[2] معرکہ پریویزا (945ھ / 1538ء) میں خیر الدین باربروسا کے ہاتھوں یورپی امیر البحر اینڈریا ڈوریا کی شکست فاش کے بعد 1539ء میں جمہوریہ وینس (اٹلی) نے ایک صلح نامے کے تحت وہ تمام جزائر جو باربروسا نے فتح کیے تھے اور ساحل ڈلماشیا (کروشیا) کے متعدد مقامات سلطان سلیمان کے حوالے کر دیے، نیز وینس نے 3 لاکھ دوکات تاوانِ جنگ پیش کیا۔ (''تاریخ ترکیہ'' ص: 109 از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)

5

سلطان سلیم ثانی کی فتوحات

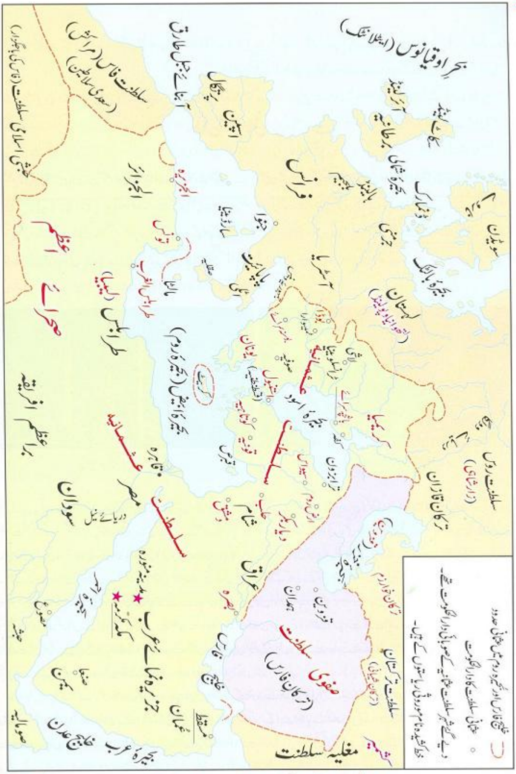
سلیم ثانی خلیفہ سلیمان بن سلیم اول کا بیٹا تھا۔ وہ دولت عثمانیہ کے سلاطین میں سے گیارھواں سلطان اور عثمانی خلفاء میں سے تیسرا خلیفہ تھا۔ وہ 930 ھ مطابق 1524ء میں پیدا ہوا تھا۔ اسے کمسنی ہی سے امورِ حکومت کی تربیت دی گئی تھی، چنانچہ وہ چھ سال قرامان (لارندہ) [1] کا والی رہا، پھر 14 سال صاروخان (مانیسا) [2] پر حکمران رہا۔ اس کے بعد اس نے کوتاہیہ پر پانچ سال سے زیادہ عرصہ حکومت کی۔ سلطان سلیمان قانونی نے اپنی وفات سے تیرہ سال پہلے اسے اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ سلیم ثانی اپنے والد خلیفہ سلیمان اول کی وفات کے تقریباً 23 دن بعد تختِ سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ اس دن تاریخ 15 جمادی الاولیٰ 974ھ/30 ستمبر 1566ء تھی۔


جامع مسجد سلیم ثانی کے اندرونی نقش ونگار


جامع مسجد سلیم ثانی (ادرنہ)

1 قرامان یا قرہ مان: ساتویں صدی ہجری کے وسط میں سلطان رکن الدین سلجوقی نے ترکمان سردار قرہ مان کو کیلیکیا (Cilicia) کا علاقہ عطا کر دیا تھا۔ ان کے زیرِ حکومت شہر لارندہ اور گردونواح کا علاقہ قرہ مان کے نام سے مشہور ہوا حتیٰ کہ اناطولیہ کے سارے جنوبی ساحلی علاقے کو بھی قرہ مانیہ (Caramania) کہتے ہیں۔ قرہ مان اوغلو کا آبائی علاقہ اور پناہ گاہ کیلیکیا اور قونیہ (قدیم Lycaonia) کا درمیانی پہاڑی علاقہ تھا جہاں شہر ارمنک (قدیم جرمانیکو پولس) تھا۔ 788ھ/1386ء کی جنگ قونیہ کے بعد سلطان مراد اول نے قرامان کا عثمانی سلطنت سے الحاق کر لیا، پھر جب تیمور نے آل عثمان کو شکست دی تو اس کے پوتے مرزا محمد نے علاء الدین قرامانی (متوفی 793ھ) کے بیٹے محمد کو برسہ کے قید خانے سے رہا کر دیا۔ یوں قرامان اوغلو کی جدوجہد کا تیسرا دور شروع ہوا۔ ابراہیم قرامانی (متوفی 868ھ) سلطان مراد ثانی کا بہنوئی تھا مگر اس نے شاہ ہنگری ہجسمنڈ سے حلیفانہ معاہدہ کر لیا تو سلطان مراد نے ذوالقدر (ریاست) سے ایک معاہدے کے تحت آق شہر اور بک شہری اپنی سلطنت میں ضم کر لیے جبکہ قیصریہ کا علاقہ ذوالقدریہ نے چھین لیا۔ قرہ مان اوغلو کے اہل وینس سے معاہدے کے بعد 872ھ/1467ء میں عثمانی ترکوں نے قونیہ پر مستقل قبضہ کر لیا۔ (ماخوذ از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-8/2-16)

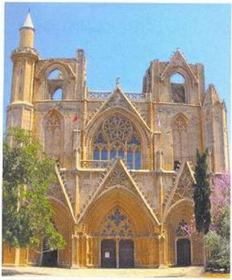
2 صاروخان: یہ ایک ترک شاہی خاندان تھا جو سلاجقۂ روم کی سلطنت کے سقوط کے بعد آناطولی (اناطولیہ) میں خود مختار ہو گیا تھا۔ اس کا پایۂ تخت مغنیسا (قدیم میگنیشیا) تھا۔ ''امیر مغنیسا'' صاروخان نے 1313ء میں مغنیسا (مانیسا) پر قبضہ کر کے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ بازنطینی سلطنت کے اجیر اسپین کے قطالونی (Catalan) سپاہیوں سے جہاد کرتا رہا۔ اہل جنوا کی ایک بستی فوچہ (Foca) اسے سالانہ خراج ادا کرتی تھی۔ اس کے پرپوتے خضر شاہ کے عہد (792ھ/1390ء) میں بایزید اول نے (ریاست صاروخان کا صدر مقام) مغنیسا فتح کر کے آیدین ایلی اور منتشا ایلی کے ساتھ اپنے بیٹے سلیمان کو دے دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 14,13/12)



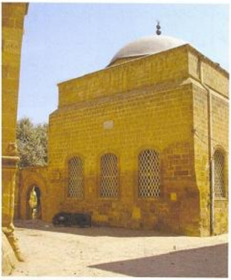
عثمانی سلطنت سلیم ثانی کے عہد (1566ء-1574ء) میں

نقشہ 145

فتح قبرص



لالہ مصطفیٰ پاشا جامع (فاما گوستا، شمالی قبرص)



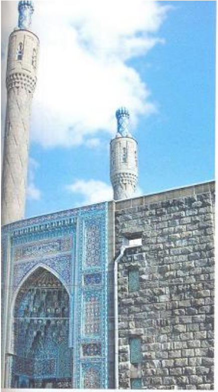
کتب خانہ سلطان محمود ثانی (نکوشیا، قبرص)

828ھ/1424ء سے قبرص، مصر کی مملوک سلطنت کی باجگزار ریاست تھا جو مملوک سلطان کو ہر سال مقررہ خراج ادا کرتی تھی۔ پھر جب یہ جزیرہ ریاست وینس کے زیرِ تسلط آ گیا تو یہ مسیحی ریاست قاہرہ کو خراج ادا کرنے لگی تھی۔ اور جب 923ھ/1517ء میں سلطان سلیم اوّل نے مصر کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تو جمہوریۂ وینس نے طے کیا کہ وہ قبرص کا خراج اب استنبول کو ادا کیا کرے گی۔

اس کے بعد سلطنت عثمانیہ اور وینس میں جب بھی لڑائی ہوتی، قبرص ان میں باعثِ نزاع ضرور بنتا تھا۔ اس وجہ سے سلیم ثانی کے ذہن میں قبرص کو فتح کرنے کا خیال پرورش پا رہا تھا، چنانچہ اس نے مراد رئیس کو مارچ کے مہینے میں قبرص کے سمندر کی طرف بھیجا تا کہ وہاں کی خبریں معلوم کرے، پھر 9 ذی الحجہ 977ھ / 15 مئی 1570ء کو پیالہ پاشا عثمانی بیڑے کی قیادت کرتے ہوئے استنبول سے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ ایک لاکھ کا لشکر تھا جس میں 60 ہزار پیادے تھے۔ باقی بحری فوج تھی اور بحری جہاز تھے۔ عثمانی بیڑا 27 محرم 978ھ / یکم جولائی 1570ء کو لیماسول (قبرص) کی بندرگاہ میں داخل ہوا اور اگلے روز عثمانی لشکر ساحل پر آن اترا۔ 30 محرم / 4 جولائی کو عثمانی لارنکا (ترلا) کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوئے۔ 5 صفر کو انھوں نے کیرنا (سرینیا) فتح کر لیا اور 8 ربیع الآخر / 9 ستمبر کو "لفکوسا" (نکوشیا) فتح ہو گیا۔ اس معرکے میں قبرص کا حاکم "نکولو دیندولو" مارا گیا۔ کچھ عرصے بعد قبرص کے بیشتر شہروں نے عثمانیوں کی اطاعت قبول کر لی۔ [1]

شہرزور کے والی مصطفیٰ پاشا کو قبرص کا گورنر مقرر کیا گیا، پھر سلطان سلیم ثانی نے مصطفیٰ پاشا کو 2 ہزار لشکریوں کے ہمراہ لفکوسا میں رہنے دیا اور پیالہ پاشا کو بہت مضبوط قلعہ بند شہر "ماگوسا" (فاما گوستا) کی طرف روانہ کیا۔ پیالہ پاشا کے ہمراہ 7 ہزار فوجی اور 75 توپیں تھیں۔ اس نے ماگوسا کا محاصرہ کر لیا اور 10 ربیع الآخر 979ھ / یکم ستمبر 1571ء کو شہر والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یوں قبرص کی فتح 13 ماہ میں مکمل ہوئی۔

[1] قرہ مصطفیٰ پاشا نے ایک لاکھ فوج سے قبرص پر چڑھائی کی۔ ایک ہفتے کے محاصرے کے بعد پایۂ تخت نکوسیا فتح ہو گیا (1570ء)۔ مگر قلعہ "فاما گوستا" طویل محاصرے کے بعد اگست 1571ء میں فتح ہو سکا۔ قبرص کے مغرور سپہ سالار براگاڈینو کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ جزیرہ 1778ء تک ترکوں کے پاس رہا۔
("تاریخ ترکیہ" ص:118 از نصیر احمد ناصر)



زاران روس کے دارالحکومت سینٹ پیٹرزبرگ کی ایک مسجد

فتح ماسکو

979ھ/1571ء کے موسم بہار میں کریمیا کی گِرائی سلطنت [1] کے حکمران (خان) نے ایک لاکھ 20 ہزار کے لشکر کے ہمراہ روس کا رُخ کیا۔ اس لشکر میں عثمانی فوج اور توپخانہ بھی شامل تھا۔ اس کا مقصد روس کی ہوس ملک گیری کا سدِ باب تھا۔ [2] اس حملے میں 8 ہزار روسی مارے گئے اور ان کی فوج تتر بتر ہوگئی۔ روسی ماسکو کا دفاع بھی نہ کر سکے اور 27 ذی الحجہ 979ھ / 24 مئی 1571ء کو عثمانی ماسکو میں داخل ہوگئے۔ خان کریمیا ماسکو سے پندرہ ہزار قیدیوں کے ساتھ لوٹا۔ اس فتح کے بعد اس کا لقب ''تخت آلان'' یعنی ''تخت حاصل کرنے والا'' پڑ گیا۔

980ھ/1572ء میں گِرائیوں نے روس پر دوسرا حملہ کیا اور دریائے اوکا [3] تک جا پہنچے۔ اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسیوں نے 60 ہزار طلائی لیرے سالانہ خراج ادا کرنا قبول کیا۔ کریمیا اور رُوس میں صلح طے پا گئی۔ اس جنگ میں تاتاری بندوقوں کے حملے کی تاب نہ لا کر زارِ رُوس آئیون چہارم 30 ہزار گھڑسوار اور 6 ہزار پیادے پیچھے چھوڑ کر ماسکو سے فرار ہوگیا تھا۔ قصر کریملن میں موجود زار کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا (لفظ کریملن ترکی الاصل ہے) اور زارینہ رُوس (ملکہ) کے دو بھائی جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان واقعات سے رُوس کا حکمران خانوادہ ''رُورک'' [4] تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔ سلطان سلیم ثانی نے اس فتح پر گِرائی حکمران کو مبارکباد بھیجی اور مرصّع تلوار، خلعت اور شاہی فرمان سے نوازا۔

1 گِرائی: تاتاری فرمانرواؤں کے اس خاندان نے پندرھویں تا اٹھارویں صدی عیسوی جزیرہ نمائے کریمیا (اور یوکرین کے بڑے حصے) پر حکومت کی۔ اس کا بانی آلتون اردو کا ایک شہزادہ حاجی گرائی بن غیاث الدین بن تاش تیمور تھا۔ اس کے ایک بیٹے منگلی نے گرائی کا لقب اختیار کیا جو اس کے بعد ہر فرمانروا کے نام کا جزو قرار پایا۔ حاجی گرائی، نور دولت گرائی اور منگلی گرائی ''سلطان'' کا لقب استعمال کرتے تھے لیکن 880ھ /1475ء میں ترکوں کے باجگزار بننے کے بعد گرائی حکمران صرف ''خان'' کے لقب پر اکتفا کرتے رہے۔ 1771ء میں روسیوں نے کریمیا فتح کر لیا اور 1783ء میں اسے سلطنت رُوس میں شامل کر لیا گیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 543/17)

2 زارروس آئیون چہارم نے 1552ء میں قازان کی مسلم تاتاری ریاست پر قبضہ کر لیا، نیز استراخان کی اسلامی ریاست چھین لی تھی جس کا صدر مقام استراخان شہر تھا جو دریائے وولگا کے دہانے کے قریب بحیرۂ کیسپین کی بندرگاہ ہے۔

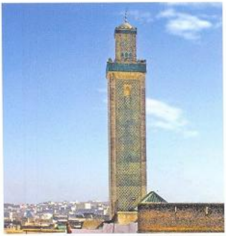
3 اوکا: یہ رُوس کے دریائے وولگا کا ایک معاون دریا (Tributery) ہے جو ماسکو کے جنوبی میدان میں بہتا ہے۔ دریائے ماسکووا، کولومنا کے قریب دریائے اوکا سے آملتا ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 88)

4 رُورِک (Rurik): اس شاہی خانوادے نے مسکووی (Muscovy) نامی چھوٹی سی روسی ریاست کو وسعت دے کر ایک بڑی سلطنت بنا دیا۔ یہ خانوادہ 1598ء تک حکمران رہا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص: 1265)

6

سلطان مراد ثالث کی فتوحات

سلطان سلیم ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد ثالث تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں عثمانی بیڑے نے ہسپانوی بیڑے کو پے بہ پے شکستیں دیں۔ دریں اثناء مملکت فاس [1] نے سلطنت عثمانیہ سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ اس طرح پورا المغرب العربی [2] خلافت اسلامیہ عثمانیہ میں ضم ہو گیا۔



فاس (مراکش) کی مسجد قرویین جس سے ملحقہ یونیورسٹی دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔

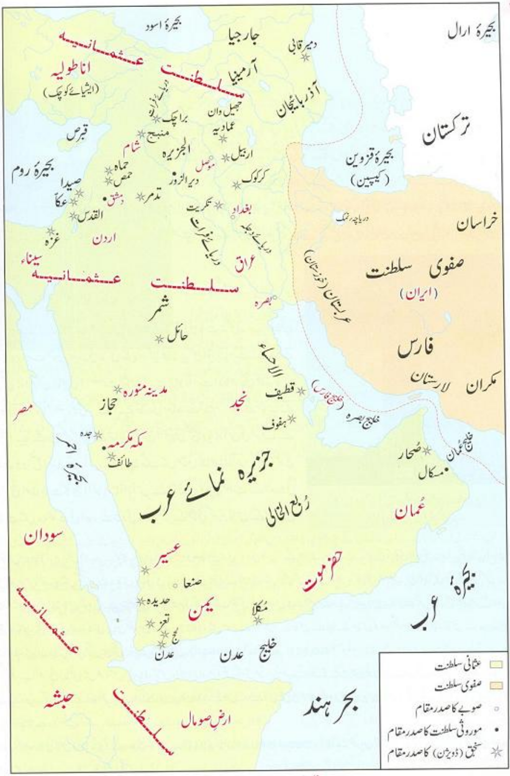
سلطنتِ فاس عثمانی عملداری میں

ریاست فاس کا سلطنت عثمانیہ کی اطاعت کرنا معمولی بات نہ تھی۔ اب سلطانِ فاس براہِ راست عثمانی خلیفہ کی ماتحتی میں آ گیا تھا۔ یہ کسی اور ریاست کے ماتحت نہیں تھی جو دیوان ہمایونی (سلطنت عثمانیہ) سے براہِ راست احکام لیتی ہو۔ فاس کے مولائے احمد المنصور ثانی [3] نے اپنے خارجی معاملات تمام تر سلطنت عثمانیہ کے سپرد کر دیے تھے، چنانچہ اس نے سالانہ خراج استنبول بھیج دیا جو اس کی طرف سے اطاعت کا واضح اظہار تھا۔ اُس نے اپنے ملک میں عثمانی نظام نافذ کر دیا اور عسکری و معاشرتی اصلاحات کا بیڑا اٹھایا، تاہم اُس نے عثمانیوں کو اپنی مملکت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہ دی۔ الجزائر کے عثمانی گورنر فاس کے اندرونی

[1] فاس (Fez): مراکش (المغرب) کا یہ شہر دریائے سیبو کی معاون ندی ''وادی فاس'' کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی 8 لاکھ ہے۔ یہ شہر فاس البالی (قدیم فاس) اور فاس الجدید میں منقسم ہے۔ فاس البالی کی بنیاد ادریس ثانی نے 809ء میں رکھی تھی۔ فاس الجدید کا بانی یعقوب بن عبدالحق مرینی تھا جس نے اسے 1276ء میں تعمیر کرایا۔ فاس شروع سے سترھویں صدی عیسوی تک مختلف شاہی خانوادوں کا دارالحکومت رہا۔ موحدون نے اسے نظر انداز کیا جبکہ مرینی دور میں یہ عروج کو پہنچا، پھر سعدی اور وطاسی یہاں حکمران رہے۔ 1672ء میں مولائے اسمٰعیل نے فاس کے بجائے مکناس کو دارالحکومت بنا لیا۔ فاس کے مدرسہ ابوعنان، مدرسہ العطارین اور جامع القرویین تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ (المنجد في الأعلام، ص :403,402)

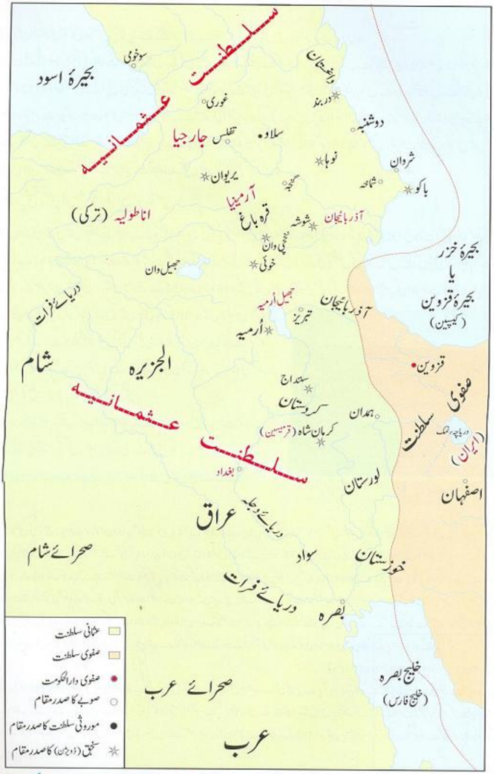
[2] المغرب العربی: ماضی میں طرابلس (لیبیا)، تیونس، الجزائر اور مراکش مجموعی طور پر المغرب کہلاتے تھے مگر ان دنوں صرف مراکش کو عربی میں المملكة المغربية یا صرف المغرب کہا جاتا ہے جسے اہلِ یورپ مراکو (Morocco) کہتے ہیں۔ ویسے آج کل کی عربی اٹلسوں میں تیونس، الجزائر، مراکش اور موریتانیا کو ملا کر المغرب العربی کہا جاتا ہے۔ (دیکھیے أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص:51)

[3] احمد المنصور ثانی فاس (مراکش) کے سعدی خانوادے (947ھ-1071ھ/1540ء-1660ء) کا ایک حکمران تھا۔ اس خاندان کے بانی محمد الشیخ المهدی نے 1550ء میں بنو وطاس سے فاس کا اقتدار چھین لیا تھا۔ (المنجد في الأعلام، ص :300)



نقشہ 146

عرب، شام وفلسطین اور عراق (مراد ثالث کے عہد میں)



نقشہ 147 خلیفہ مراد ثالث کے عہد (95-1574ء) میں ولایت قفقاز و فارس

امور میں دخل اندازی کا حق حاصل کرنا چاہتے تھے مگر مولائے فاس نے انھیں اس کی اجازت نہ دی۔

مولائے احمد المنصور ثانی کی وفات کے بعد اس کے تین بیٹے یکے بعد دیگرے حکمران بنے۔ ان میں سے ایک زیدان الناصر (1012ھ-1037ھ/1603ء-1627ء) تھا جس نے اپنی سی کوشش کی کہ سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی اختیار نہ کی جائے لیکن اس کے دو جانشینوں نے ایسی کوئی کاوش نہ کی اور مرورِ ایام کے ساتھ دولت فاس سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی اختیار کرتی گئی۔ دریں اثناء اشراف فلالیہ، جو حکمران خاندان سعدیہ ہی کی ایک شاخ تھے، فاس کے اشراف سعدیہ سے جھگڑ پڑے (1050ھ/1640ء)۔ پھر 1069ھ/1658ء میں اشراف فلالیہ کو فاس میں کُلی اقتدار حاصل ہوگیا اور انھوں نے سلطنت عثمانیہ سے تعلقات مکمل طور پر منقطع کر لیے۔

دولتِ عثمانیہ کی وسطی اور مشرقی افریقہ میں توسیع

دسویں صدی ہجری میں سلطنت عثمانیہ نے وسطی افریقہ کی حبشی مملکتوں میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانا شروع کیا جو اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب طرغود پاشا نے 957ھ/1550ء سے بورنو میں داخل ہو کر اسے عثمانی اثر ونفوذ میں لانے کی کوشش کی جو کہ اس خطے کی پہلی اور اہم اسلامی مملکت تھی۔ بورنو کے حکمران سلطان ادریس ثالث نے 985ھ/1577ء میں تین سفیر استنبول بھیج کر سلطنت عثمانیہ کی اطاعت کا اظہار کیا۔ یہ سلسلہ مستقل حیثیت اختیار کر گیا۔ تاریخ میں پہلی بار 985ھ میں دیوان ہمایونی استنبول کی طرف سے بورنو کو توپیں بھیجی گئیں جو طرابلس (لیبیا) سے بورنو [1] پہنچیں کیونکہ بورنو کو بُت پرستوں سے مقابلہ درپیش تھا جبکہ یہ اسلامی مملکت افریقہ میں فروغ اسلام کے لیے کوشاں تھی۔



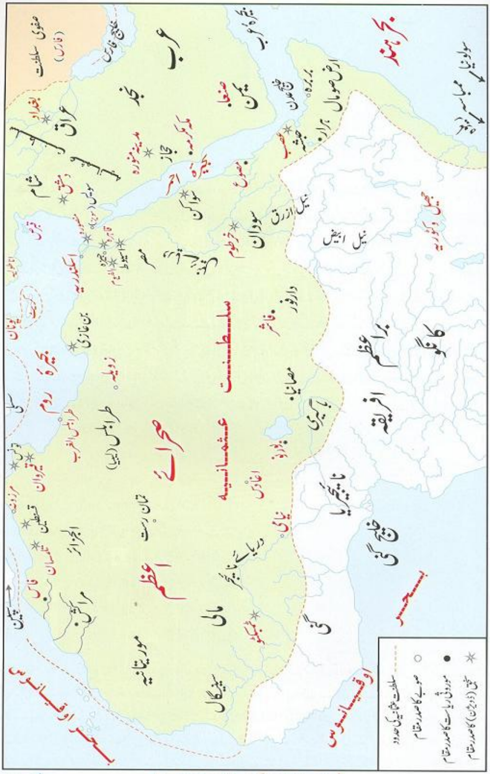
جھیل چاڈ کا دلفریب منظر

999ھ/1590ء میں کینیا اور تانگانیکا کے مابین واقع ریاست ممباسہ [2] عثمانیوں کے زیرِ اقتدار آ گئی۔ یوں ترکوں کے بحری بیڑے المحیط الأطلسی (بحر اوقیانوس) اور المحیط الهندی (بحر ہند) دونوں میں تیرنے لگے۔

[1] بورنو: ماضی کی وسیع ریاست بورنو ان دنوں شمالی نائیجیریا کا ایک علاقہ ہے۔ یہاں کی سلطنت ''کانم'' گیارھویں صدی عیسوی تک مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی اور تیرھویں صدی عیسوی میں اس کا اثر مصر تک پہنچ گیا۔ ابن خلدون ''شاہ کانم'' اور ''مالک بورنو'' کا ذکر کرتا ہے اور بورنو سے مراد سلطنت کانم کا جنوبی حصہ، یعنی بحیرۂ شاد (جھیل چاڈ) سے دِکوہ تک کا علاقہ ہے۔ سلطنت کانم کا پایۂ تخت نجمی (Njimi) تھا (جو ان دنوں انجمینا Njamina کے نام سے چاڈ کا دارالحکومت ہے۔) 1470ء میں برنی (Birni) بورنو کی مملکت اور کنوری قوم کا دارالحکومت بنا اور تین صدیوں تک اسے یہ حیثیت حاصل رہی۔ سولھویں صدی عیسوی میں مَیون (حکمرانوں) کے تحت سلطنت بورنو ہر طرف بہت وسیع ہوگئی۔ 1846ء میں خاندان سیف کا تختہ الٹ کر بننے والے نئے حکمران عمر نے ''مَے'' کے بجائے ''شہو'' (شیخ) کا لقب اختیار کیا۔ 1900-01ء میں مقامی حکمرانوں کی باہمی آویزش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسی اور برطانوی سامراجی اس علاقے پر مسلط ہوگئے۔

(ماخوذ از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 4/1009-1013)

[2] ممباسہ (Mombasa): یہ کینیا کے جنوب مشرق میں، بحر ہند کے ساحل پر ممباسہ نامی جزیرے پر آباد بندرگاہ ہے۔ آبادی سوا چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ قدیم عرب اسے منبسہ کہتے تھے۔ یہ (نیروبی کے بعد) کینیا کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ پرتگالیوں نے 1593ء میں اس پر قبضہ کر کے اسے قلعہ بند تجارتی مرکز بنا لیا تھا (المنجد في الأعلام، آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ یہیں سے مسلم جہاز ران احمد ابن ماجد نے 1498ء میں پرتگالی جہاز ران واسکوڈے گاما کو ہندوستانی بندرگاہ کالی کٹ پہنچایا تھا۔



نقشہ 148 افریقہ: مراد ثالث کے عہد (95-1574ء) میں

7

اور پھر سلطنت عثمانیہ ضعف کا شکار ہوگئی

مراد ثالث کے عہد[1] میں دولتِ عثمانیہ اپنی قوت، عظمت اور حدود کی انتہا کو پہنچ گئی تھی، مگر اس کے عہد سلطنت کے آخری ایک دو برسوں میں انحطاط کے واضح آثار دکھائی دینے لگے جبکہ سلطنت مالی اخراجات کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اور حرم سرائے کی خواتین ملکی سیاست پر اثر انداز ہونے لگی تھیں۔ نظام حکومت میں رشوت، کروفر کے اظہار، اسراف اور حُبِ جاہ کا چلن عام تھا، نیز ایسے افراد حساس مناصب پر فائز ہونے لگے تھے جو اُن کے ہرگز اہل نہ تھے۔ فتوحات اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ فراموش کر دیا گیا تھا۔ آمرانہ طور طریق وزراء کی شناخت بن گئے تھے حتی کہ وہ شیخ الاسلام جیسی معزز اور قابل احترام شخصیتوں کو عام ملازمین کی طرح کھڑے کھڑے معزول کر دیتے تھے۔ علمائے دین مائل بہ فساد رہتے تھے۔ اصحاب مراتب تمرّد اور سرکشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ ان تمام باتوں نے سلطنت کے انحطاط و زوال میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں اگرچہ سلطنت مضبوط بنیادوں پر قائم تھی مگر یہ پہلے کی طرح استوار نہ رہ سکی۔ اس کے باوجود اصلاح احوال کی کوششیں بھی جاری رہیں اور وقفے وقفے سے سلطنت کی کمزوریاں دُور کرنے کی سعی کی جاتی رہی۔ اس وجہ سے سلطنت کا عرصۂ حیات قدرے طویل ہوگیا۔

خلیفہ سلیمان قانونی نے 974ھ/1566ء میں اپنے پیچھے جو سلطنت چھوڑی تھی اس کے طول وعرض کا رقبہ یوں تھا:

- یورپ: 19,98,003 مربع کلومیٹر (تقریباً)
- ایشیا: 41,69,177 مربع کلومیٹر (تقریباً)
- افریقہ: 87,25,720 مربع کلومیٹر (تقریباً)

سلطنت کا مجموعی رقبہ: 1,48,92,900 مربع کلومیٹر (تقریباً)

اور مراد ثالث کے عہد کے اواخر میں سلطنت عثمانیہ کی وسعت کچھ یوں تھی:

- یورپ: 28,48,940 مربع کلومیٹر (تقریباً)
- ایشیا: 48,15,832 مربع کلومیٹر (تقریباً)
- افریقہ: 1,22,37,419 مربع کلومیٹر (تقریباً)

مجموعی رقبہ: 1,99,02,191 مربع کلومیٹر (تقریباً)

[1] سلیم ثانی کا بیٹا مراد ثالث 982ھ/1574ء سے 1003ھ/1595ء تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں جارجیا، شروان، شہر تبریز اور آذربائیجان کا ایک حصہ عثمانی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ ملکہ انگلستان ایلزبتھ نے جنگ ارمادہ (Armada) (آرمیڈا دراصل اسپین کے بحری بیڑے کا نام تھا) سے پہلے ہسپانیہ کے مقابلے میں ترکی بحری بیڑے سے امداد طلب کرنے کے لیے چار خطوط لکھے۔ تیسرے خط (3 جون 1587ء) میں سلطان سے انگریز قیدی رہا کرنے کی درخواست کی گئی۔ چوتھے خط (7 اپریل 1588ء) میں جنگ ارمادہ میں اپنی کامیابی کا ذکر اور ترکوں کی امداد کا شکریہ ہے۔ انگریز شاعروں نے نظموں میں عثمانی امیر البحر سنان کا انگلش چینل (رُود بار انگلستان) میں امیر البحر ڈریک اور امیر البحر ریلے کی مدد کے لیے اپنے بیڑے کے ساتھ آنے کا ذکر کیا ہے۔ (''تاریخ ترکیہ'' از نصیر احمد ناصر، ص: 122،121)

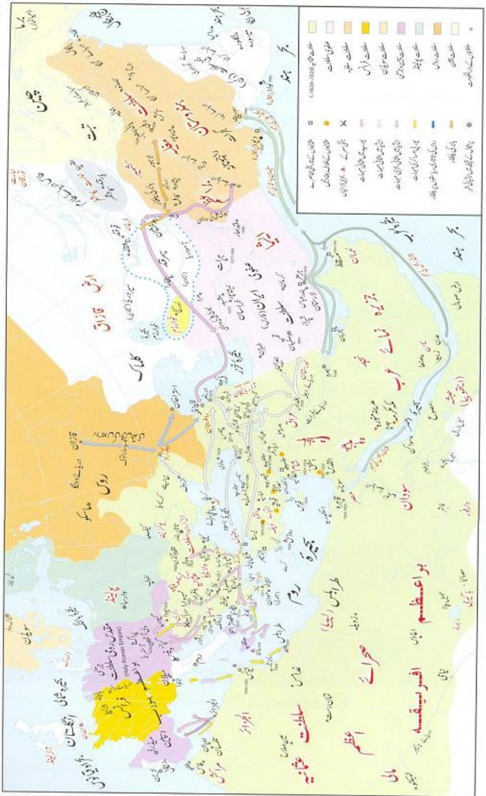


انی خلفاء کا دربار طوپ قپی (توپ کاپی) جسے مصطفیٰ کمال نے عجائب گھر بنا دیا



نقشہ 149

فتوحات سلطنت عثمانیہ (قیام سلطنت سے 1520ء تک)



نقشہ 150
سلطنت عثمانیہ (1520ء تا 1839ء)

سلطنت عثمانیہ کی وسعت کے یہ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ ایک خاص وقت میں اس کا زیادہ سے زیادہ رقبہ کتنا تھا۔ دوسرے علاقے جو دیگر ترکوں اور تاتاریوں کے قبضے میں آئے، وہ اس میں شامل نہیں۔ یہ سلطنت عثمانیہ کی زیادہ سے زیادہ وسعت تھی۔ مختلف ادوار میں جو خطے سلطنت عثمانیہ میں شامل رہے، ان کا مجموعی رقبہ تقریباً 2 کروڑ 30 لاکھ مربع کلومیٹر تھا جو مختلف برّاعظموں میں اس طرح منقسم تھا:

★ یورپ:	35,43,662	مربع کلومیٹر (تقریباً)
★ ایشیا:	57,29,285	مربع کلومیٹر (تقریباً)
★ افریقہ:	1,37,27,464	مربع کلومیٹر (تقریباً)
کل رقبہ:	2,30,00,411	مربع کلومیٹر (تقریباً)

ان اعداد وشمار میں وہ علاقے بھی شامل نہیں جو چھاپہ مار فوجوں اور بحری قزاقوں کے ہاتھ لگے تھے، وہاں انھوں نے اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں اور پھر انھیں خلیفۂ اسلام کے اقتدار اعلیٰ کے تحت دولت عثمانیہ میں ضم کر دیا تھا، چنانچہ 1001ھ/1592ء میں یورپ میں پولینڈ (رقبہ 6,96,737 مربع کلومیٹر) اور افریقہ میں سلطنت فاس اور سودان کے علاقے (رقبہ 30,51,699 مربع کلومیٹر) سلطنت عثمانیہ میں ضم ہوگیا اور سلیم ثانی کے عہد میں قبرص اور شمالی تیونس کا الحاق عمل میں آیا اور آچہ (انڈونیشیا) نے نظام حمایت کے تحت سلطنت عثمانیہ کی اطاعت اختیار کر لی۔ پھر مراد ثالث کے دور میں قفقاز کے شمال اور جنوب کے جو علاقے سلطنت عثمانیہ میں ضم ہوئے ان کا رقبہ 5 لاکھ 90 ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ اور مشرقی افریقہ کے بہت سے مقامات اور وسطی افریقہ بھی عثمانی عملداری میں آ گئے۔

یہ تھی دولتِ عثمانیہ اور اس کی فتوحات اور اس کی خدمات جو اس نے اکنافِ عالم میں دین اسلام کے فروغ کے لیے انجام دیں۔ یہ فتوحات عثمانی خلفاء کی اسلام سے محبت اور چار دانگ عالم میں اسلام کے نشر وفروغ میں ان کے ذوق وشوق کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔



عثمانی محل دولمہ باشی سرائے (استنبول) جو عثمانیوں کے آخری دور میں دار الخلافت تھا

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

خلافت عثمانیہ: زوال اور اختتام ایک نظر میں

سلطنت عثمانیہ کے عروج کے بعد سترھویں صدی کے اواخر میں اس میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے۔ وی آنا کے آخری محاصرے (1683ء) اور عثمانی عساکر کی شکست کے بعد ہنگری آزاد ہو گیا۔ اگلی صدیوں میں زارانِ روس نے کریمیا، مالڈووا، یوکرین، چیچنیا، جارجیا، داغستان اور آرمینیا ترکوں سے چھین لیے۔ 1830ء میں فرانس نے الجزائر اور 1840ء میں برطانیہ نے عدن (یمن) ہتھیا لیا۔ 1830ء میں یونان، 1854ء میں رومانیہ اور 1878ء میں مونٹی نیگرو اور بلغاریہ آزاد ہو گئے۔ بوسنیا و ہرزیگووینا اور کروشیا، آسٹریا نے چھین لیے۔ 1881ء میں تیونس پر فرانس اور مصر و سودان پر برطانیہ قابض ہو گیا۔ 1885ء میں صومالیہ کو برطانیہ اور اٹلی نے باہم بانٹ لیا۔ 1904ء میں برطانیہ نے قبرص اور اٹلی نے صومالیہ ہتھیا لیا۔ صومالیہ کا ایک حصہ برطانیہ کے اور ایک فرانس کے ہاتھ لگا۔ 1911ء میں اٹلی لیبیا (طرابلس) پر قابض ہو گیا۔ جنگ بلقان (13-1912ء) کے نتیجے میں البانیہ، کوسووا اور دیگر علاقے ہاتھ سے جاتے رہے اور پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں فلسطین، شام، اُردن اور عراق برطانوی و فرانسیسی سامراجیوں کے تسلط میں چلے گئے۔ یوں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ''خلافت عثمانیہ'' سکڑتے سکڑتے اناطولیہ اور استنبول کے مضافات تک محدود ہو گئی۔ آخر کار مغربی سامراجیوں کے آلۂ کار مصطفیٰ کمال نے نومبر 1922ء میں سلطنت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ 29 اکتوبر 1923ء کو ترکی میں جمہوریت رائج ہوئی، 3 مارچ 1924ء کو خلافت منسوخ کر دی گئی اور آخری عثمانی خلیفہ عبدالمجید خان اور خاندان عثمان کے تمام افراد جلا وطن کر دیے گئے۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے بچے کھچے ملک میں سیکولرزم کے نام پر شرعی قوانین منسوخ کر کے مغربی قوانین رائج کر دیے لیکن پون صدی کی سیکولر دہشت گردی کے بعد ترکی میں بتدریج اسلام کا احیاء ہو رہا ہے جو عالم اسلام کے لیے خوش آئند ہے۔

حصّہ پنجم

اشاریہ (سن وار)

- خلافت راشدہ اور اموی و عباسی دور کی تاریخی واقعات
- سلطنت عثمانیہ کے تاریخی واقعات





فتوحات اسلامیہ ایک نظر میں

مؤرخین نے فتوحات کے بیان میں بعض واقعات کی تاریخ متعین کی ہے اور بعض کو یونہی بغیر تاریخ کے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح کچھ واقعات کے متعلق مختلف مؤرخین نے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں۔ ہم نے واقعات کی تحقیق کرتے ہوئے اس پہلو کو خصوصیت سے پیش نظر رکھا ہے اور اس میں ہر ممکنہ ذریعے سے مدد لی ہے، جیسے راویوں کی چھان بین، واقعات کی درمیانی مدتوں کا تعین، ان مسافتوں کی پیائش جو لشکروں اور ڈاک کی نقل و حرکت میں طے ہوتی رہیں، نیز نقل و حرکت کی رفتار اور موسمی حالات کے ساتھ اس کی تطبیق۔ کچھ واقعات کو بیان کرتے ہوئے راویوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ واقعہ ہفتے کے فلاں دن رُونما ہوا۔ کچھ واقعات کی تاریخوں اور دنوں کے تعین میں شمسی تقویم سے مدد لی گئی ہے۔ تحقیق کے دوران میں ہم نے نہایت احتیاط سے ان تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر کوشش کی ہے تاکہ ہر واقعے کی صحیح تاریخ متعین کی جائے۔

اس ضمن میں ہماری تحقیق اور اس کے متعلقہ مصادر و مراجع کی تفصیل فتوحات اسلامیہ کی ان کتابوں پر مبنی ہے جو ہمارے مطالعے میں آئیں۔ یہاں ہم صرف واقعات کو مختصراً ان کی تاریخی ترتیب کے اعتبار سے ایک جدول میں پیش کر رہے ہیں جو فتوحات کے تمام محاذوں پر محیط ہے۔ اس جدول کی ترتیب صحافتی جرائد کے عنوانات کی ترتیب کے مانند ہے کہ اگر فتوحات کے زمانے میں فن صحافت کا کوئی وجود ہوتا تو قریب قریب یہی نقشہ تیار کیا جاتا۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔

خلافت راشدہ اور اموی و عباسی دور کے تاریخی واقعات

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
ذی قعدہ	6ھ		628ء	خیبر فتح ہوا۔ یہ حدودِ شام کی طرف مسلمانوں کی پہلی بڑی کامیابی تھی۔
ذی الحجہ / محرم	6/7ھ		628ء	نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل، شاہِ مصر مقوقس اور کسرائے فارس خسرو پرویز کی جانب خطوط روانہ کیے۔
ربیع الاوّل	8ھ	جولائی	629ء	شام کی سرحدوں پر سریہ ''ذات اَطلاح'' پیش آیا۔
جمادی الاولیٰ	8ھ	اگست / ستمبر	629ء	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کے علاقے مؤتہ (موجودہ اردن) کی جانب سریہ روانہ کیا گیا۔
جمادی الآخرہ	8ھ	ستمبر / اکتوبر	629ء	عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ''ذات السلاسل'' کی جانب سریہ روانہ کیا گیا۔
یکم رجب	9ھ	14 اکتوبر	630ء	غزوۂ تبوک پیش آیا۔
12 ربیع الاوّل	11ھ	جون	632ء	نبی ﷺ نے وفات پائی۔
ربیع الاول	11ھ		632ء	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے۔
یکم ربیع الآخر	11ھ		632ء	جیش اسامہ کی مؤتہ کی جانب روانگی۔
محرم	12ھ	مارچ	633ء	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عراق کی فتح کے لیے نباج سے کاظمہ کو روانگی۔ یہ فاصلہ تقریباً 500 کلومیٹر ہے۔
محرم	12ھ	مارچ / اپریل	633ء	کاظمہ (کویت) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور اُبلہ کے ایرانی گورنر ہرمز کے مابین جنگ ذات السلاسل لڑی گئی۔
محرم	12ھ	اپریل	633ء	زر بن کلیب رضی اللہ عنہ ذات السلاسل کے حالات کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔
یکم صفر	12ھ	17 اپریل	633ء	کاظمہ سے 250 کلومیٹر دور (عراق میں) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور قارن بن قریانس کے مابین جنگ مذار لڑی گئی۔
5 صفر	12ھ	21 اپریل	633ء	مذار کی شکست کی خبر 400 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایرانی دارالحکومت مدائن پہنچی۔
14 صفر	12ھ	30 اپریل	633ء	اندرزگر ایک ایرانی لشکر لے کر مدائن سے 350 کلومیٹر دور ولجہ آن پہنچا۔
17 صفر	12ھ	3 مئی	633ء	خالد رضی اللہ عنہ مذار میں تھے کہ انھیں معلوم ہوا اندرزگر اپنے لشکر کے ساتھ ولجہ پہنچ گیا ہے اور ان کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔
21 صفر	12ھ	7 مئی	633ء	سعید بن نعمان رضی اللہ عنہ مذار کی فتح کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔
22 صفر	12ھ	8 مئی	633ء	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور اندرزگر کے مابین ولجہ میں جنگ ہوئی مسلمان فتحیاب رہے۔
24 صفر	12ھ	10 مئی	633ء	خالد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ 40 کلومیٹر دور اُلّیس کے مقام پر عیسائی عرب جمع ہو رہے ہیں۔
25 صفر	12ھ	11 مئی	633ء	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اُلّیس کی جانب پیش قدمی کر کے وہاں 27 صفر تک قیام کیا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
28 صفر	12ھ	14 مئی	633ء	خالد بن ولیدؓ نے الّیس سے 40 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک بڑے شہر امغیشیا کی جانب پیش قدمی کی اور دشمن کو شکست فاش دی۔
29 صفر	12ھ	15 مئی	633ء	خالد بن ولیدؓ کی امغیشیا سے 150 کلومیٹر آگے واقع خورنق کی جانب روانگی۔ جندل عجلی ولجہ کی کامیابی کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔
ربیع الاوّل	12ھ	مئی/جون	633ء	دریائے فرات کی شاخ (فرات بادقلی) کے دہانے پر خالد بن ولیدؓ اور ابن آزادبہ کے مابین جنگ مقر لڑی گئی۔ ابن آزادبہ نے شکست کھائی۔
ربیع الاوّل	12ھ	مئی/جون	633ء	خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں حیرہ فتح ہوا۔
27 ربیع الاوّل	12ھ	11 جون	633ء	شُرحبیل بن حسنہؓ حیرہ اور امغیشیا کی فتح کی خبر لے کر عراق سے مدینہ پہنچے۔
30 ربیع الاوّل	12ھ	14 جون	633ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیقؓ اور ان کے مشیر فتح شام کا فیصلہ کرتے ہیں۔
2 ربیع الآخر	12ھ	16 جون	633ء	شام کی فتح کے لیے خالد بن سعیدؓ کو جھنڈا تھمایا گیا۔
6 ربیع الآخر	12ھ	20 جون	633ء	انس بن مالکؓ، خلیفۂ رسول ابوبکر صدیقؓ کے خطوط لے کر مدینہ سے یمن کی جانب روانہ ہوئے تاکہ اہل یمن کو فتح شام میں شمولیت کی دعوت دیں۔
2 جمادی الآخرہ	12ھ	14 اگست	633ء	انس بن مالکؓ یمن پہنچے۔
4 رجب	12ھ	14 ستمبر	633ء	خالد بن ولیدؓ عراق میں انبار کا علاقہ فتح کرتے ہیں۔
11 رجب	12ھ	21 ستمبر	633ء	انس بن مالکؓ یمن سے واپس مدینہ پہنچے۔
11 رجب	12ھ	21 ستمبر	633ء	خالد بن ولیدؓ عین التمر کا علاقہ فتح کرتے ہیں۔
16 رجب	12ھ	27 ستمبر	633ء	یمن سے حِمیَری قبائل کی جماعتیں شام کی فتح میں شمولیت کے لیے مدینہ پہنچنی شروع ہوئیں۔
21 رجب	12ھ	2 اکتوبر	633ء	فتح شام میں شمولیت کے لیے قیس بن ہبیرہ اور قبیلۂ مذحج کی ایک جماعت یمن سے مدینہ آئے۔
23 رجب	12ھ	4 اکتوبر	633ء	یزید بن ابی سفیانؓ اپنا لشکر لے کر مدینہ سے شام کی جانب روانہ ہوئے۔
24 رجب	12ھ	5 اکتوبر	633ء	خالد بن ولیدؓ دومۃ الجندل فتح کرتے ہیں۔
27 رجب	12ھ	8 اکتوبر	633ء	شُرحبیل بن حسنہؓ اپنا لشکر لے کر مدینہ سے شام کی جانب روانہ ہوئے۔
7 شعبان	12ھ	17 اکتوبر	633ء	ابوعبیدہ بن جراحؓ مدینہ سے شام کی جانب نکلے۔
10 شعبان	12ھ	20 اکتوبر	633ء	عراق میں جنگ حصید لڑی گئی۔ ایرانیوں نے شکست کھائی۔
11 شعبان	12ھ	21 اکتوبر	633ء	عراق میں جنگ خنافس لڑی گئی۔ مسلمانوں نے فتح پائی۔
14 شعبان	12ھ	24 اکتوبر	633ء	خالد بن سعیدؓ، ابوعبیدہؓ کے لشکر میں شامل ہو کر تیماء (شمالی سعودی عرب) کی جانب روانہ ہوئے۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
17 شعبان	12 ھ	27 اکتوبر	633ء	ملحان بن زیاد ؓ قبیلہ بنو طے کے 1000 افراد کے ہمراہ شام کی جانب روانہ ہوئے۔
18 شعبان	12 ھ	28 اکتوبر	633ء	یزید بن ابی سفیان ؓ بلقاء (اُردن) پہنچے۔
18 شعبان	12 ھ	28 اکتوبر	633ء	شرحبیل بن حسنہ ؓ شام کے شہر بُصریٰ کے نواح میں پہنچے۔
18 شعبان	12 ھ	28 اکتوبر	633ء	خالد بن سعید ؓ تیماء پہنچے۔
19 شعبان	12 ھ	29 اکتوبر	633ء	عراق میں جنگ مُصَیَّخ لڑی گئی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔
23 شعبان	12 ھ	2 نومبر	633ء	ہرقل نے فلسطین میں خطاب کے بعد دمشق کی جانب کوچ کیا۔
23 شعبان	12 ھ	نومبر	633ء	عراق میں جنگ ثِنَیّ لڑی گئی۔
28 شعبان	12 ھ	7 نومبر	633ء	ہرقل نے دمشق میں خطاب کیا، بعدازاں حمص (شام) کی جانب کوچ کیا۔
29 شعبان	12 ھ	8 نومبر	633ء	ابوعبیدہ ؓ جابیہ (جنوبی شام) کے قرب و جوار میں اترے اور انھیں ہرقل کی نقل و حرکت کا علم ہوا۔
4 رمضان	12 ھ	13 نومبر	633ء	ہرقل نے حمص میں خطاب کیا، بعد میں انطاکیہ کی جانب کوچ کیا۔
9 رمضان	12 ھ	18 نومبر	633ء	ہرقل انطاکیہ پہنچا اور اُسے اپنا صدر مقام بنا کر فوجی جمعیت اکٹھی کرنے کے لیے وفود روانہ کیے۔
16 رمضان	12 ھ	25 نومبر	633ء	ابوعبیدہ ؓ نے خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ کو ہرقل کی نقل و حرکت کی خبریں لکھ بھیجیں۔
28 شوال	12 ھ	5 جنوری	634ء	ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ؓ، ابوعبیدہ ؓ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔
7 ذی قعدہ	12 ھ	13 جنوری	634ء	سعید بن عامر ؓ 700 افراد کے ہمراہ مدینہ سے شام کی جانب روانہ ہوئے۔
8 ذی قعدہ	12 ھ	14 جنوری	634ء	حمزہ بن مالک ہمدانی ؓ یمن کے 3000 افراد کے ہمراہ مدینہ آئے۔
15 ذی قعدہ	12 ھ	21 جنوری	634ء	حمزہ بن مالک ؓ اپنی جماعت کے ہمراہ شام روانہ ہوئے۔
15 ذی قعدہ	12 ھ	21 جنوری	634ء	خالد بن ولید ؓ اور رومیوں، ایرانیوں اور ان کے وفادار بدو قبائل کے مابین جنگ فراض ہوئی۔
17 ذی قعدہ	12 ھ	23 جنوری	634ء	ابواعور سُلمی ؓ شام کے جہاد میں شمولیت کے لیے مدینہ آئے۔
20 ذی قعدہ	12 ھ	26 جنوری	634ء	معن بن یزید سُلمی (نجد سے) مدینہ آئے۔
21 ذی قعدہ	12 ھ	27 جنوری	634ء	ہاشم بن عتبہ ؓ جابیہ میں ابوعبیدہ ؓ سے جا ملے۔
25 ذی قعدہ	12 ھ	31 جنوری	634ء	خالد ؓ حج کے لیے خفیہ طور پر فراض سے مکہ روانہ ہوئے۔ خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ حج کے لیے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ خالد ؓ کا لشکر فراض سے حیرہ کی جانب روانہ ہوا۔
3 ذی الحجہ	12 ھ	8 فروری	634ء	خالد بن سعید ؓ بلقاء (اُردن) پہنچے۔
7 ذی الحجہ	12 ھ	12 فروری	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ حج کے لیے مکہ پہنچے۔
14 ذی الحجہ	12 ھ	19 فروری	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ مکہ سے واپس مدینہ روانہ ہوئے۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
23 ذی الحجہ	12ھ	28 فروری	634ء	خالد ؓ حج کے بعد واپس حیرہ پہنچے اور ان کا لشکر فراض سے حیرہ پہنچا۔
24 ذی الحجہ	12ھ	یکم مارچ	634ء	جنگ عربہ وداثن (فلسطین میں) لڑی گئی۔
26 ذی الحجہ	12ھ	3 مارچ	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ مدینہ پہنچے۔
27 ذی الحجہ	12ھ	4 مارچ	634ء	شام کی فتوحات کے سلسلے میں عمرو بن عاص ؓ کو ان کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔
3 محرم	13ھ	9 مارچ	634ء	عمرو بن عاص ؓ مدینہ سے فلسطین روانہ ہوئے۔
4 محرم	13ھ	10 مارچ	634ء	خالد بن سعید ؓ کو مرج الصفر (شام) میں شکست ہوئی۔
7 محرم	13ھ	13 مارچ	634ء	عربہ وداثن کی جنگ میں کامیابی کی خبر مدینہ پہنچی۔
20 محرم	13ھ	26 مارچ	634ء	خالد بن سعید ؓ کی شکست کی خبر مدینہ پہنچی۔
21 محرم	13ھ	27 مارچ	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ نے خالد بن ولید ؓ کو لکھا کہ وہ عراق سے شام کے لیے روانہ ہوں۔
8 صفر	13ھ	13 اپریل	634ء	خالد بن ولید ؓ حیرہ سے شام کی جانب روانہ ہوئے۔
19 صفر	13ھ	24 اپریل	634ء	خالد بن ولید ؓ مرج الصفر پہنچے اور غسانیوں پر ان کے (تہوار) ایسٹر کے دن حملہ آور ہوئے۔
25 ربیع الاوّل	13ھ	30 مئی	634ء	خالد بن ولید ؓ بصریٰ فتح کرتے ہیں۔
اواخر ربیع الاوّل	13ھ	اواخر مئی	634ء	مثنّیٰ بن حارثہ ؓ نے عراق کی جنگ بابل میں بہمن جادویہ کو شکست دی۔
27 جمادی الاولیٰ	13ھ	29 جولائی	634ء	اجنادین (فلسطین) میں خالد بن ولید ؓ نے وردان کے مقابلے میں فتح حاصل کی۔
7 جمادی الآخرہ	13ھ	8 اگست	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ بیمار ہو گئے۔
11 جمادی الآخرہ	13ھ	12 اگست	634ء	مثنّیٰ ؓ عراق کی فتوحات کے بارے میں خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ سے بات چیت کرنے کے لیے عراق سے مدینہ روانہ ہوئے۔
17 جمادی الآخرہ	13ھ	18 اگست	634ء	مرج الصفر میں خالد بن ولید ؓ نے درنجار رومی کے مقابلے میں فتح حاصل کی۔
21 جمادی الآخرہ	13ھ	22 اگست	634ء	خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ؓ نے وفات پائی۔ عمر بن خطاب ؓ نے زمام خلافت سنبھالی۔
26 جمادی الآخرہ	13ھ	27 اگست	634ء	امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے ابوعبیدہ ؓ کو ایک خط بھیجا۔
6 رجب	13ھ	5 ستمبر	634ء	ابوعبیدہ ؓ کو امیر المومنین عمر فاروق ؓ کا خط ملا کہ خالد ؓ کو معزول کیا جاتا ہے۔
26 رجب	13ھ	25 ستمبر	634ء	ابوعبیدہ ؓ نے خالد ؓ کو بتایا کہ انھیں معزول کر دیا گیا ہے۔
8 شعبان	13ھ	7 اکتوبر	634ء	عراق کی جنگ نمارق میں ابوعبید بن مسعود ثقفی ؓ نے جابان کے خلاف فتح حاصل کی۔
12 شعبان	13ھ	11 اکتوبر	634ء	عراق کے معرکۂ سقاطیہ میں ابوعبید بن مسعود ؓ نے نرسیان کو شکست فاش دی۔
17 شعبان	13ھ	16 اکتوبر	634ء	عراق میں ''باقسیاثا'' کے مقام پر ابوعبید بن مسعود ؓ نے جالینوس کو شکست دی۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
23 شعبان	13ھ	22 اکتوبر	634ء	جسر کے معرکے میں بہمن جادویہ نے کامیابی حاصل کی اور ابوعبید بن مسعود ثقفی ؓ نے جام شہادت نوش کیا۔
24 شعبان	13ھ	23 اکتوبر	634ء	مثنّٰی بن حارثہ ؓ نے جنگ الّیس صغریٰ میں جابان اور مردان شاہ کو قیدی بنالیا۔
رمضان	13ھ	نومبر	634ء	بویب کے معرکے میں مثنّٰی ؓ نے مہران بن باذان کے خلاف شاندار فتح حاصل کی۔
شوال	13ھ	دسمبر	634ء	مثنّٰی ؓ نے خنافس کے بازار پر حملہ کیا۔ نیز سوق بغداد، کباث اور صفّین پر حملہ آور ہوئے۔
ذی قعدہ	13ھ	جنوری	635ء	یزدگرد سوم ایرانیوں کا بادشاہ بنا۔ مثنّٰی بن حارثہ ؓ کا عراق سے انخلا۔
28 ذی قعدہ	13ھ	23 جنوری	635ء	بیسان میں ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے سکلاریوس کے خلاف فتح حاصل کی۔
یکم محرم	14ھ	25 فروری	635ء	ایرانی حملے کے پیش نظر صرار میں اسلامی فوجیں جمع ہونی شروع ہوئیں۔
15 ربیع الاوّل	14ھ	9 مئی	635ء	ابوعبیدہ بن جراح ؓ دمشق کے محاصرے کی طرف لوٹے۔
15 رجب	14ھ	4 ستمبر	635ء	دمشق مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔
13 شعبان	14ھ	2 اکتوبر	635ء	سعد بن ابی وقاص ؓ قادسیہ پر حملے کے لیے صرار سے روانہ ہوئے۔
27 شعبان	14ھ	16 اکتوبر	635ء	سعد اپنے لشکر کے ہمراہ زرود پہنچے۔
	14ھ		635ء	مثنّٰی بن حارثہ ؓ اللہ کو پیارے ہوگئے۔
30 ذی قعدہ	14ھ	15 جنوری	636ء	سعد ؓ زرود سے شراف کی جانب روانہ ہوئے۔
8 ذی الحجہ	14ھ	23 جنوری	636ء	سعد ؓ شراف میں اترے اور اپنے لشکر کو منظم کیا۔ یہاں انھوں نے سلمیٰ سے شادی کی۔
16 صفر	15ھ	30 مارچ	636ء	سعد اپنے لشکر کے ہمراہ قادسیہ میں اترے۔
صفر	15ھ	مارچ	636ء	گائیوں کا دن۔ عراق کے اطراف میں خوراک کے حصول کے لیے یلغار کی گئی جس کے نتیجے میں بہت سی گائیں ہاتھ آئیں۔
صفر	15ھ	مارچ	636ء	سعد بن ابی وقاص ؓ نے یزدگرد کی جانب ایک وفد بھیجا۔
4 ربیع الاوّل	15ھ	16 اپریل	636ء	خالد بن ولید ؓ دمشق سے بعلبک (لبنان) روانہ ہوئے۔
23 ربیع الاوّل	15ھ	5 مئی	636ء	مسلمانوں کے مقابلے کے لیے رستم بن فرخ زاد کو ایرانی لشکر کا سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا۔
23 ربیع الاوّل	15ھ	5 مئی	636ء	سعد بن ابی وقاص ؓ کا بھیجا ہوا وفد یزدگرد کے ہاں سے لوٹا۔
23 ربیع الاوّل	15ھ	5 مئی	636ء	ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے ہاتھوں شہر بعلبک فتح ہوا۔
25 ربیع الاوّل	15ھ	7 مئی	636ء	شام کا اہم شہر حمص فتح ہوگیا۔
21 ربیع الآخر	15ھ	2 جون	636ء	امیر المومنین عمر فاروق ؓ نے ابوعبیدہ ؓ کو لکھا کہ شام میں فتوحات کا سلسلہ روک دیا جائے حتیٰ کہ میں

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
				اپنی رائے پرنظر ثانی کرلوں۔
کیم جمادی الاولیٰ	15ھ	11 جون	636ء	امیر المومنین عمر فاروق ؓ کا خط ابوعبیدہ ؓ کو پہنچا۔
15 جمادی الاولیٰ	15ھ	25 جون	636ء	مسلمانوں کی فوجیں حمص سے انخلا کے بعد اذرعات (جنوبی شام) میں اتریں۔
21 جمادی الآخرہ	15ھ	30 جولائی	636ء	رومی فوجیں دیرایوب میں اتریں۔
25 جمادی الآخرہ	15ھ	4 اگست	636ء	رومی فوجیں دریائے رقاد اور دریائے علان کے درمیان اتریں۔مسلمانوں کی فوجیں بالکل ان کے سامنے اتریں اور ان کو شکنجے میں لے لیا۔
5 رجب	15ھ	13 اگست	636ء	یرموک کا فیصلہ کن معرکہ لڑا گیا۔
5 رجب	15ھ	13 اگست	636ء	یرموک میں رومیوں کی شکست کے بعد ان کے مفرورین کا تعاقب کیا گیا۔
13 رجب	15ھ	20 اگست	636ء	یرموک کی کامیابی کی خبر مدینہ میں امیر المومنین عمر فاروق ؓ کو پہنچی۔
23 رجب	15ھ	30 اگست	636ء	قادسیہ کی جنگ میں شرکت کے لیے شام سے عراقی لشکر کی واپسی شروع ہوئی۔
10 شعبان	15ھ	17 ستمبر	636ء	رستم ست روی سے پیش قدمی کرتا ہوا قادسیہ پہنچا۔
شعبان	15ھ	ستمبر	636ء	ہرقل انطاکیہ اور شام چھوڑ کر چلا گیا۔
13 شعبان	15ھ	20 ستمبر	636ء	جمعرات: یوم ارماث، جنگ قادسیہ کی پرسکون رات (رات کو جنگ بند رہی۔)
14 شعبان	15ھ	21 ستمبر	636ء	جمعہ: یوم اغواث۔اس دن آدھی رات تک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔
				شام سے لوٹنے والا لشکر قادسیہ پہنچا۔بہمن جادویہ قتل ہوا۔
15 شعبان	15ھ	22 ستمبر	636ء	ہفتہ: جنگ قادسیہ کا تیسرا دن، یوم عماس، اسلحے کی جھنکار کی رات۔
16 شعبان	15ھ	23 ستمبر	636ء	اتوار: قادسیہ کا فیصلہ کن دن، رستم قتل ہوا اور فرار ہونے والے ایرانیوں کا تعاقب کیا گیا۔
16 شعبان	15ھ	23 ستمبر	636ء	سعد بن ابی وقاص ؓ امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ کو قادسیہ کے فتح ہونے کی خوش خبری لکھ بھیجتے ہیں۔
21 شوال	15ھ	26 نومبر	636ء	سعد ؓ قادسیہ سے لسان کو روانہ ہوئے۔
کیم ذی قعدہ	15ھ	5 دسمبر	636ء	بُرس (عراق) میں زہرہ بن حَوِیَّہ ؓ کے مقابلے میں بُصبہری کو شکست ہوئی اور وہ بابل بھاگ گیا۔
3 ذی قعدہ	15ھ	7 دسمبر	636ء	بُرس کے سرداروں نے ادائے جزیہ پر زہرہ سے صلح کر لی۔
7 ذی قعدہ	15ھ	11 دسمبر	636ء	سعد بن ابی وقاص ؓ بُرس میں ہراول دستے سے جا ملے۔
9 ذی قعدہ	15ھ	13 دسمبر	636ء	زہرہ ؓ ہراول دستے کو لے کر بابل کی جانب بڑھے اور سعد ؓ اپنے لشکر کو لے کر ان کے پیچھے چلے۔
10 ذی قعدہ	15ھ	14 دسمبر	636ء	سورا میں ایک جھڑپ ہوئی جس میں بکیر بن عبداللہ لیثی ؓ نے فرخان اہوازی کو اور کثیر بن شہاب سعدی ؓ نے فیومان میسانی کو قتل کر دیا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
12 ذی قعدہ	15ھ	16 دسمبر	636ء	زہرہ بن حَوِیہ ؓ ہراول دستے کو لے کر سورا سے کوثیٰ کی جانب بڑھے اور سعد ؓ کا لشکر اُن کے پیچھے روانہ ہوا۔
13 ذی قعدہ	15ھ	17 دسمبر	636ء	نباتہ بن جُعشم اعرجی ؓ نے کوثیٰ میں شہریار سے دو بدو لڑائی کر کے اُسے قتل کر دیا۔
20 ذی قعدہ	15ھ	24 دسمبر	636ء	سعد ؓ کوثیٰ سے ساباط کی جانب بڑھے۔ زہرہ ؓ ہراول دستے کو لے کر ان کے آگے آگے چلے۔
28 ذی قعدہ	15ھ	یکم جنوری	637ء	ساباط کے حاکم شیرزاد نے جزیے کی ادائیگی پر صلح کی اپیل کی۔
3 ذی الحجہ	15ھ	6 جنوری	637ء	ساباط کا تہلکہ خیز معرکہ۔ ہاشم بن عتبہ ؓ نے کسریٰ کے شیر کو قتل کر کے شاہی محافظ دستے کو شکست سے دوچار کیا۔
4 ذی الحجہ	15ھ	7 جنوری	637ء	مدائن کے دریا پار مغربی علاقے بہرسیر (مدائن الدنیا) کے محاصرے کی ابتدا ہوئی۔
صفر	16ھ	مارچ	637ء	سعد بن ابی وقاص ؓ نے بہرسیر فتح کر لیا۔
14 صفر	16ھ	17 مارچ	637ء	دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن کا مشرقی حصہ مدائن القصویٰ (اسفانبر وطیسفون) فتح کیا گیا۔
26 صفر	16ھ	29 مارچ	637ء	مدائن کے ایوانِ کسریٰ میں جمعے کی نماز ادا کی گئی۔
ربیع الآخر	16ھ	مئی	637ء	القدس کا شہر (بیت المقدس) فتح کیا گیا اور اس کی چابیاں امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ کے سپرد کی گئیں۔
جمادی الاولیٰ	16ھ	جون	637ء	سعد بن ابی وقاص ؓ کی فوج کے ایک ہونہار سالار عبداللہ بن معتم نے تکریت (عراق) فتح کر لیا۔
				ربعی بن افکل ؓ نے موصل اور نینویٰ کے دونوں قلعے فتح کر لیے۔
				نصیبین (ترکی) کا شہر صلح کے ذریعے سے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان ؓ کے حوالے کیا گیا۔
رجب	16ھ	اگست	637ء	عتبہ بن غزوان ؓ نے اُبلہ اور شطّ العرب کے علاقے فتح کر لیے۔
یکم ذی قعدہ	16ھ	24 نومبر	637ء	جلولاء کا معرکہ لڑا گیا، ہاشم بن عتبہ ؓ نے مہران کو قتل کر کے فتح پائی۔
	16ھ		637ء	قعقاع بن عمرو نے قصرِ شیرین اور حلوان کے شہر فتح کیے۔
	16ھ		637ء	عمرو بن مالک بن عتبہ نے قرقیسیاء اور ہیت کے شہر فتح کیے۔
شوال	16ھ	اکتوبر	637ء	معاویہ بن ابی سفیان ؓ قیساریہ (فلسطین) فتح کرتے ہیں۔
	17ھ		638ء	کوفہ تعمیر کیا گیا اور مدائن کے بجائے اُسے دارالحکومت قرار دیا گیا۔
	17ھ		638ء	شط العرب کے کنارے بصرہ تعمیر کیا گیا۔
	17ھ		638ء	عتبہ بن غزوان ؓ نے اہواز کا علاقہ فتح کر لیا اور ایرانی سپہ سالار ہرمزان مسلمانوں کی قید میں آ گیا۔
ذی الحجہ	17ھ	دسمبر	638ء	عیاض بن غنم ؓ کے ہاتھوں "الجزیرہ" فتح ہوا۔
	17ھ		638ء	سہیل بن عدی ؓ کے ہاتھوں صلح کے ذریعے سے رقّہ (شام) فتح ہوا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	17ھ		638ء	عتبہ بن غزوان ؓ نے حج سے واپسی پر بصرہ جاتے ہوئے وفات پائی۔
	18ھ		639ء	سعد بن ابی وقاص ؓ کوفہ سے معزول ہو کر مدینہ لوٹ آئے۔
	//		//	زیریں عراق میں ابرقباد نے بغاوت کر دی۔
	//		//	عمواس (فلسطین) میں طاعون پھیلا جس کے نتیجے میں ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ ؓ سمیت خالد بن ولید ؓ کے بہت سے ساتھیوں نے وفات پائی۔
16 محرم	19ھ	15 جنوری	640ء	جمعہ: نہاوند فتح ہوا۔ نعمان بن مقرن اور طلحہ بن خویلد ؓ نے جام شہادت نوش کیا۔
10 ذی الحجہ	19ھ	29 نومبر	640ء	عریش کے مقام پر عمرو بن عاص ؓ اور ان کے لشکر نے عید الاضحیٰ منائی۔
25 صفر	20ھ	11 فروری	641ء	ہمدان (ایران) فتح ہوا۔
25 صفر	20ھ	11 فروری	641ء	عمرو بن عاص ؓ نے مصر کا قلعہ ''فرما'' فتح کر لیا۔
25 صفر	20ھ	11 فروری	641ء	قسطنطنیہ میں ہرقل فوت ہوا۔
7 ربیع الآخر	20ھ	24 مارچ	641ء	عمرو بن عاص ؓ نے بلبیس (مصر) فتح کر لیا۔
//	//	//	//	عمرو بن عاص ؓ کے ہاتھوں ام دنین کا سقوط ہوا۔
15 جمادی الاولیٰ	20ھ	30 اپریل	641ء	عین الشمس کا معرکہ لڑا گیا۔ عمرو بن عاص ؓ نے بازنطینی (رومی) لشکر کو شکست دی۔
//	//	//	//	مسلمان الفیوم پر حملہ آور ہوئے۔
22 جمادی الاولیٰ	20ھ	7 مئی	641ء	عمرو بن عاص ؓ نے حصن بابلیون کا محاصرہ کر لیا۔
				مسلمانوں کو شام سے آنے والے ایک خط کے ذریعے سے ہرقل کے مرنے کی خبر ملی۔
//	//	//	//	اسقفِ اعظم سائرس (مقوقس) قلعہ بابلیون سے نکل کر نیل کے جزیرہ (روضہ) کی جانب فرار ہو گیا۔
//	//	//	//	سائرس نے عمرو بن عاص ؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ مذاکرات کے لیے اپنا وفد بھیجیں۔
//	//	//	//	عمرو بن عاص ؓ نے نیل کے جزیرہ میں مقیم سائرس کی جانب، عبادہ بن صامت ؓ کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا۔
//	//	//	//	رومی لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔
22 جمادی الآخرہ	20ھ	6 جون	641ء	زبیر بن عوام ؓ چار ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے کمک کے طور پر مدینہ سے عین الشمس پہنچے۔
28 ذی قعدہ	20ھ	8 نومبر	641ء	سائرس نے شاہِ روم قسطنطین کی منظوری سے رہن پر مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔
	20ھ		641ء	شاہ روم نے صلح مسترد کر دی اور سائرس کو واپس بلا کر معزول کر دیا۔

فتوحات	عیسوی تاریخ		ہجری تاریخ	
جمعہ: زبیر بن عوام ؓ بابلیون کے قلعے کی دیوار پھاند کر اندر کود گئے اور مسلمانوں نے قلعے پر ہلا بول دیا۔	641ء	7 دسمبر	20ھ	29 ذی الحجہ
سات ماہ کے محاصرے کے بعد حصن بابلیون فتح ہوا اور رومی اسے خالی کر گئے۔	//		//	
سائرس نے بابلیون میں گیارہ ماہ بعد اسکندریہ کی چابیاں عمرو بن عاص ؓ کے سپرد کرنے کا وعدہ کیا۔	641ء	9 اکتوبر	21ھ	28 ذی قعدہ
عمرو بن عاص ؓ اسکندریہ کی فتح کے لیے روانہ ہوئے۔	642ء	جنوری	21ھ	محرم
شہر نقیوس فتح کیا گیا اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔	642ء		21ھ	
کوم شریک کی جنگ لڑی گئی۔	642ء	22 مئی	21ھ	18 جمادی الآخرہ
قسطنطنیہ میں ہرقل کے بیٹے شاہ قسطنطین نے وفات پائی۔	642ء	25 مئی	21ھ	21 جمادی الآخرہ
اسکندریہ جاتے ہوئے کریون کے مقام پر جنگ ہوئی۔	642ء	26 مئی	21ھ	22 جمادی الآخرہ
عمرو بن عاص ؓ نے اسکندریہ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔	642ء	18 جون	21ھ	16 رجب
اسکندریہ فتح کیا گیا۔	642ء	18 اگست	21ھ	19 رمضان
مقدس صلیب کا دن۔ سائرس (مقوقس) اسکندریہ لوٹ آیا۔	642ء	2 ستمبر	21ھ	3 شوال
عمرو بن عاص ؓ ڈیلٹا (مصر) کی فتوحات سے فارغ ہو کر بابلیون لوٹ آئے۔	642ء	اکتوبر	21ھ	ذی قعدہ
مدینہ میں قحط سالی نے ڈیرے ڈالے۔	642ء		21ھ	
سائرس کے جانشین کے طور پر اسقف اعظم (چیف بشپ) کا عہدہ پطرس کو سونپا گیا۔	642ء	12 جولائی	21ھ	10 شعبان
رومیوں کا اسکندریہ سے انخلا اور مسلمانوں کا داخلہ	642ء	19 اگست	21ھ	19 رمضان
اسکندریہ میں سائرس کی موت واقع ہوئی۔	642ء	21 مارچ	22ھ	15 ربیع الآخر
فسطاط کا شہر آباد کیا گیا اور اسکندریہ کے بجائے اسے مصر کا دارالحکومت بنایا گیا۔	642ء	دسمبر	22ھ	محرم
دریائے نیل اور بحیرۂ احمر کے درمیان نہر امیر المومنین کی کھدائی شروع ہوئی۔	//		//	
شہر ''فسطاط'' اور ''جار'' کے درمیان نہر امیر المومنین میں کشتی رانی کا آغاز ہوا۔	644ء	8 جون	23ھ	19 شعبان
عمرو بن عاص ؓ لیبیا کے علاقے انطابلس (Pentapolis) کی فتح کے لیے اسکندریہ سے روانہ ہوئے۔	644ء	8 جون	23ھ	19 شعبان
عقبہ بن نافع نے فزان (لیبیا) کا شہر زویلہ فتح کیا۔	//		//	
عمرو بن عاص ؓ نے پہلے لبدہ اور پھر طرابلس فتح کر لیا۔	644ء		23ھ	
زبیر بن عوام ؓ نے صبراتہ (لیبیا) فتح کیا۔	//		//	
عمرو بن عاص ؓ جبل نفوسہ کا شہر شروس فتح کرتے ہیں۔	//		//	
بُسر بن اَرطاۃ نے ودان (لیبیا) فتح کیا۔	644ء		23ھ	

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
26 ذی الحجہ	23ھ	31 اکتوبر	644ء	مدینہ میں ابولولو فیروز مجوسی نے امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ کو خنجر سے زخمی کر دیا۔
یکم محرم	24ھ	4 نومبر	644ء	امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے مدینہ میں وفات پائی اور حجرۂ عائشہ میں دفن کیے گئے۔
	24ھ		645ء	عمرو بن عاص ؓ کو مصر کی امارت سے معزول کر دیا گیا۔
	25ھ		646ء	مینوئل خصی ایک بازنطینی لشکر کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ آور ہوا اور اس پر قبضہ کر لیا۔
	25ھ		646ء	عمرو بن عاص ؓ نے مینوئل کو شکست دے کر اس کے قبضے سے اسکندریہ چھڑا لیا۔
	27ھ		648ء	امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ نے معاویہ بن ابی سفیان ؓ کو قبرص پر حملے کی اجازت دے دی۔
	27ھ		648ء	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ لڑتے بھڑتے سبخہ (تیونس) تک جا پہنچے۔
	29ھ		649ء	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ نے سبیطلہ (تونس) میں جرجیر کو شکست دی۔
	29ھ		650ء	معاویہ ؓ علاقہ کے حالات معمول پر لائے اور قبرص پر حملہ کر کے وہاں سے جزیہ وصول کیا۔
	32ھ		653ء	اہل قبرص نے مسلمانوں سے جنگ کے لیے رومیوں کی مدد کی۔
	33ھ		654ء	معاویہ ؓ قبرص پر دوبارہ حملہ آور ہوئے اور اُسے بزور فتح کر لیا۔
	34ھ		655ء	ترکی کے جنوبی ساحل پر مستولوں کا معرکہ (ذات الصواری) لڑا گیا۔
ذی الحجہ	35ھ	جون	656ء	مدینہ میں امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ کو شہید کر دیا گیا۔
ربیع الاوّل	38ھ	اگست	658ء	عمرو بن عاص ؓ کو دوبارہ مصر کا والی بنا دیا گیا۔
	40ھ		661ء	امیر المومنین علی بن ابی طالب ؓ کو شہید کر دیا گیا۔
3 ذی قعدہ	41ھ	28 فروری	662ء	لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد اسکندریہ میں قبطیوں کا اسقف اعظم بنیامین فوت ہو گیا۔
یکم شوال	43ھ	6 جنوری	664ء	فسطاط میں عمرو بن عاص ؓ نے وفات پائی۔
	47ھ		667ء	معاویہ بن حُدَیج سکونی ؓ نے تیونس میں جربہ اور بنزرت کے علاقے فتح کر لیے۔
	49ھ		669ء	عقبہ بن نافع ؓ ودان اور جرمہ کی جانب روانہ ہوئے اور ''کاوار'' (جنوبی لیبیا) کا علاقہ فتح کرنے کے بعد ''معمد اس'' (موجودہ غدامس) لوٹ آئے۔
	52ھ		672ء	جنادہ بن ابی امیہ ؓ نے جزیرہ روڈس فتح کر لیا۔
	54ھ		674ء	جنادہ بن ابی امیہ ؓ نے جزیرہ ''ارواد'' فتح کیا۔
	55ھ		675ء	جنادہ بن ابی امیہ ؓ کے ہاتھوں جزیرۂ کریٹ فتح ہوا۔
رجب	60ھ	اپریل	680ء	امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان ؓ نے وفات پائی اور زمام خلافت یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دی گئی۔
	60ھ		680ء	یزید بن معاویہ کے حکم سے قبرص اور روڈس سے مسلمانوں کا انخلا ہوا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
				مسلمان قسطنطنیہ کا کئی برس محاصرہ جاری رکھتے ہوئے اسے فتح کرنے میں ناکام رہے اور وہاں سے لوٹ آئے۔
	62ھ		681ء	عہد یزید میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مراکش کے علاقے پر حملہ آور ہوئے اور اسے فتح کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس تک جا پہنچے۔ وہاں سے واپسی کے دوران میں عقبہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔
محرم	64ھ	ستمبر	683ء	بربروں کا سردار کسیلہ قیروان (تیونس) پر قابض ہوگیا۔
	69ھ		689ء	زہیر بن قیس بلوی رضی اللہ عنہ نے کسیلہ کو ممس کی جنگ میں شکست سے دوچار کیا۔
	71ھ		690ء	بازنطینی فوج صقلیہ (سسلی) سے درنہ (لیبیا) پر حملہ آور ہوئی اور زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔
	78ھ		697ء	حسان بن نعمان رضی اللہ عنہ نے قرطاجنہ (تیونس) فتح کرلیا مگر بربری کاہنہ نے اسے چھڑا لیا۔
	83ھ		702ء	عطا بن رافع ہذلی نے مصری بحری بیڑے کے ساتھ صقلیہ (سسلی) پر یلغار کی۔
	84ھ		703ء	حسان بن نعمان رضی اللہ عنہ نے قرطاجنہ کو واگزار کرایا اور الجم کی لڑائی میں کاہنہ کو قتل کر دیا۔
	88ھ		706ء	المغرب (طرابلس، تیونس، الجزائر، مراکش) میں موسیٰ بن نُصَیر کو گورنر بنایا گیا۔
	89ھ		708ء	موسیٰ بن نُصَیر نے طنجہ اور سوس ادنیٰ (مراکش) فتح کر لیے۔
				موسیٰ بن نُصَیر نے جزائر بلیارک پر یلغار کی۔
	90ھ		709ء	عیاش بن اخیل نے المغرب کے بحری بیڑے کے ساتھ صقلیہ (سسلی) پر یلغار کی۔
	92ھ		711ء	عبداللہ بن مرہ نے امیر موسیٰ بن نُصَیر کی جانب سے جزیرہ سارڈینیا پر دھاوا بولا۔
5 رجب	92ھ	28 اپریل	711ء	طارق بن زیاد اندلس کی فتح کے لیے طنجہ سے سمندری سفر کرتے ہوئے اسپین (اندلس) روانہ ہوئے۔
28 رمضان	92ھ	19 جولائی	711ء	طارق بن زیاد نے "وادی بکہ" کے معرکے میں راڈرک (لذریق) کے خلاف فتح پائی۔ اس کے بعد طارق بن زیاد نے طلیطلہ (Toledo) تک کے علاقے فتح کر لیے۔
رمضان	93ھ	جون	712ء	موسیٰ بن نُصَیر اپنے لشکر کے ساتھ جبل الطارق پر اترے اور مدینہ شذونہ کے راستے اشبیلیہ پر چڑھائی کی اور اسے فتح کرلیا۔
شوال	94ھ	جولائی	713ء	موسیٰ بن نُصَیر نے ماردہ تک کے علاقے فتح کر لیے۔
	94ھ		713ء	سرقسط (سراگوسا) شہر نے امان کا طالب ہو کر موسیٰ بن نصیر کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔
	102ھ		720ء	محمد بن ادریس انصاری نے صقلیہ (سسلی) پر یلغار کی۔
	103ھ		720ء	مسلمانوں نے سارڈینیا پر دھاوا کیا۔
	104ھ		721ء	اسلامی لشکر نے سارڈینیا پر حملہ کیا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	108ھ		726ء	قثم بن عوانہ نے صقلیہ پر یلغار کی۔
	109ھ		727ء	بشر بن صفوان صقلیہ پر حملہ آور ہوئے۔
	113ھ		731ء	مستنیر بن حارث نے صقلیہ پر بحری حملہ کیا۔
	116ھ		734ء	حبیب بن ابی عبیدہ بن عقبہ بن نافع نے صقلیہ پر یلغار کی۔
	117ھ		735ء	حبیب بن ابی عبیدہ نے سارڈینیا پر حملہ کیا۔
	122ھ		739ء	حبیب بن ابی عبیدہ نے صقلیہ پر یلغار کی اور سرقوسہ (سیراکیوز) شہر نے جزیہ کی ادائیگی قبول کر لی۔
	130ھ		747ء	عبدالرحمٰن بن حبیب بن ابی عبیدہ افریقیہ (تیونس) اور صقلیہ کے درمیان جزیرۂ قوصرہ پر قابض ہوئے۔
	135ھ		752ء	عبدالرحمٰن بن حبیب نے صقلیہ پر یلغار کی۔
	190ھ		805ء	حمید بن معیوف کریٹ پر حملہ آور ہوئے، پھر اسے خالی کر دیا۔
	201ھ		816ء	تیونس (افریقیہ) کے اغالبہ کے لشکر نے سارڈینیا پر حملہ کیا۔
13 رمضان	202ھ	25 مارچ	818ء	اندلس میں قرطبہ کے اہلِ ربض نے حکم بن ہشام اموی کے خلاف بغاوت کر دی۔ بغاوت کی ناکامی پر ان میں سے کچھ لوگ اسکندریہ چلے آئے۔
	206ھ		821ء	محمد بن عبداللہ تمیمی نے سارڈینیا پر یلغار کی۔
	210ھ		825ء	عباسی گورنر عبداللہ بن طاہر نے ربضیوں کو اسکندریہ سے جلاوطن کر دیا اور ربضی جزیرۂ کریٹ کی طرف نکل گئے اور اسے فتح کر لیا۔
15 ربیع الاوّل	212ھ	14 جون	827ء	اسد بن فرات صقلیہ پر حملہ آور ہونے کے لیے سوسہ (تیونس) سے بحری بیڑے کے ساتھ روانہ ہوئے۔
18 ربیع الاوّل	212ھ	17 جون	827ء	اسد بن فرات صقلیہ کے مغربی شہر مازر پر قابض ہو گئے۔
شعبان	213ھ	اکتوبر	828ء	مشرقی ساحلی شہر سرقوسہ کے سامنے اسد بن فرات نے وفات پائی۔
	214ھ		829ء	جزیرۂ تھاسوس کے قریب کریٹ کے بحری بیڑے نے رومی بحری بیڑے کو شکست سے دوچار کیا۔
	216ھ		831ء	صقلیہ کے شمال مغربی ساحل پر پلرمو شہر فتح ہوا۔
	220ھ		835ء	کلیسا کی لعن طعن کے باوجود نیپلز (اٹلی) کی ریاست نے صقلیہ پر قابض مسلمانوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔
	225ھ		839ء	مسلمانوں کے ہاتھوں صقلیہ کے شمال میں قلعۂ تنداری کا سقوط ہوا۔
	225ھ		840ء	جزیرۂ صقلیہ میں جرصہ، قلعۂ بلوط، ابلاطنو، قلعۂ قرلون، مرناو اور ان کے علاوہ دیگر مقامات فتح ہوئے۔
	228ھ		843ء	فضل بن جعفر ہمدانی نے صقلیہ میں مسینا کی بندرگاہ فتح کر لی۔
12 جمادی الآخرہ	228ھ	18 مارچ	843ء	تھیوکٹیسٹ کی قیادت میں رومی بحری بیڑا کریٹ پر حملہ آور ہوا مگر شکست کھائی۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	232ھ		846ء	فضل بن یعقوب نے صقلیہ میں لنتینی کا شہر فتح کیا۔
	232ھ		846ء	اٹلی کا جنوبی شہر تارنتو فتح ہوا۔
	234ھ		848ء	امیر عبدالرحمٰن اوسط والیٔ اندلس بلیارک کے جزیروں پر حملہ آور ہوا۔
	235ھ		849ء	عبدالرحمٰن اوسط نے اہل بلیارک کے لیے معافی کا اعلان کیا۔
	238ھ		852ء	صقلیہ میں بثیرہ شہر فتح ہوا۔
9 ذی الحجہ	238ھ	22 مئی	852ء	رومی بحری بیڑا دمیاط (مصر) پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے کچھ لوگ قیدی بنا لیے، پھر وہ اشتوم تنیس پر حملہ کر کے لوٹ گئے۔
16 شوال	243ھ	5 فروری	858ء	عباس بن فضل نے صقلیہ کا دارالحکومت قصریانہ فتح کرلیا۔
3 جمادی الآخرہ	247ھ	15 اگست	861ء	عباس بن فضل نے وفات پائی۔
	248ھ		862ء	کریٹ کا اسلامی بحری بیڑا جزیرۂ آتوس اور جزیرۂ نیون پر حملہ آور ہوا۔
	252ھ		866ء	احمد بن اغلب نے صقلیہ کا شہر سرقوسہ فتح کرلیا۔
	256ھ		869ء	ابوغرانیق محمد بن اغلب نے مالٹا کا جزیرہ فتح کرلیا۔
	266ھ		879ء	خلیج کورنتھ (یونان) میں رومی بحری بیڑے نے کریٹ کے اسلامی بحری بیڑے کو تباہ کردیا۔
	288ھ		900ء	ابوعباس بن ابراہیم آبنائے مسینا پار کر کے کلابریا پہنچے اور اٹلی کا جنوبی شہر ریو فتح کرلیا۔
26 رمضان	289ھ	3 ستمبر	902ء	ابوعباس کے والد ابراہیم بن احمد نے بھی آبنائے مسینا پار کر کے کلابریا پر یلغار کی۔
25 شوال	289ھ	2 اکتوبر	902ء	ابراہیم بن احمد نے ''کلابریا'' میں ''کوزنسہ'' پر حملہ کیا اور اہل کوزنسہ نے جزیہ کی ادائیگی قبول کی۔
18 ذی قعدہ	289ھ	24 اکتوبر	902ء	ابراہیم بن احمد نے ''کوزنسہ'' کے سامنے وفات پائی اور مسلمان واپس صقلیہ آگئے۔
	290ھ		902ء	عصام خولانی نے اندلس سے جزائر بلیارک فتح کرلیے۔
	291ھ		904ء	کریٹ اور طرطوس (شام) کے بحری بیڑے باہمی تعاون سے سالونیکا (یونان) کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہیں۔
	298ھ		910ء	رومی بحری بیڑے نے کریٹ پر یلغار کی اور شکست کھائی۔
	312ھ		924ء	جزیرۂ لمنوس کے قریب رومی بحری بیڑے نے طرطوس کے بحری بیڑے کو شکست دی۔
	316ھ		928ء	صابر صقلبی اور سالم بن ابی راشد نے اترانتو (اٹلی) فتح کرلیا اور اہل ''کلابریا'' جزیہ کی ادائیگی پر رضامند ہوگئے۔
یکم محرم	350ھ	20 فروری	961ء	نقفور دمستک رومی کریٹ پر اچانک حملہ آور ہوا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
16 محرم	350ھ	7 مارچ	961ء	نقفور دمستک کریٹ کے اسلامی شہر خندق (کانڈیا) پر قابض ہوگیا۔
	354ھ		965ء	بازنطینیوں نے قبرص پر قبضہ کرلیا۔
	372ھ		982ء	فرنگی صقلیہ کے شہر ملطیہ (Milazo) پر قابض ہوگئے۔
ربیع الاوّل	406ھ	ستمبر	1015ء	دانیہ (اندلس) اور مشرقی جزائر کے امیر ابو الجیش نے کالیاری اور سارڈینیا کے دیگر قلعے فتح کر لیے، نیز وہ اٹلی کے مغربی ساحل پر حملہ آور ہو کر لونی پر قابض ہوگیا، اور پیسا اور جنوا کے قلعوں پر یلغار کی۔
	481ھ		1088ء	اٹلی کا نارمن حکمران راجر صقلیہ کے علاقے جرجنت پر قابض ہوگیا۔
	484ھ		1098ء	راجر نے صقلیہ میں مسلمانوں کے آخری قلعے قصر یانہ پر قبضہ جمالیا۔

سلطنت عثمانیہ کے تاریخی واقعات

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	617ھ		1220ء	چنگیز خان کے دو سپہ سالاروں جبی نویان اور سوبدائی نویان نے ترکستان (سلطنت خوارزم) کا علاقہ روند ڈالا۔
	629ھ		1233ء	عثمانیوں کا جدِ امجد سلیمان فوت ہوا۔
	//		//	ارطغرل اپنے باپ سلیمان کی جگہ سردار بنا۔
	680ھ		1281ء	ارطغرل نے وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عثمان سردار بنا۔
	701ھ		1301ء	عثمان نے اقیون حصار، نیقومیدیا (ازمیت) اور ینی شہر فتح کر لیے۔
	704ھ		1304ء	عثمان نے اپنے مفتوحہ علاقے کو خود مختار مملکت قرار دے کر ''بادشاہ'' کا لقب اختیار کیا۔
جمادی الاولیٰ	727ھ	اپریل	1326ء	اُورخان بن عثمان نے برسہ (بروسہ) شہر فتح کرلیا۔
	727ھ		1326ء	اُورخان تختِ حکومت پر براجمان ہوا۔
	758ھ		1356ء	اورخان نے درۂ دانیال عبور کر کے یورپ میں قدم رکھا۔
	758ھ		1356ء	سلیمان بن اورخان نے قلعہ تزنپ (Tzympe) اور گیلی پولی فتح کیے۔
	761ھ		1360ء	اورخان بن عثمان نے وفات پائی اور اس کا بیٹا مراد حکمران بنا۔
	763ھ		1362ء	ادرنہ (تھریس) کا شہر فتح ہوا۔
	772ھ		1370ء	سلطان مراد فتوحات حاصل کرتا ہوا دریائے ڈینوب تک جا پہنچا۔
	775ھ		1373ء	مراد مقدونیہ، ڈلماشیا (کروشیا)، مناستر، برلبہ اور استیپ کے علاقوں پر قابض ہوگیا۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	785ھ		1383ء	صوفیہ (بلغاریہ) کا شہر فتح ہوا۔
	788ھ		1386ء	نیش (سربیا) کا جنگی اہمیت کا شہر عثمانیوں کے ہاتھ لگا۔
	789ھ		1387ء	سالونیکا (یونان) فتح ہوا۔
	790ھ		1388ء	نکوپولس (بلغاریہ) کی جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔
	791ھ		1389ء	کوسووہ کے معرکے میں سلطان مراد اول نے فتح حاصل کی، بعدازاں جام شہادت نوش کیا۔
	//		//	زمام اقتدار بایزید اول کے ہاتھ میں آئی۔
23 ذی قعدہ	798ھ	9 ستمبر	1396ء	نکوپولس میں عثمانیوں نے یورپی اتحاد کے خلاف کامیابی حاصل کی۔
	805ھ		1402ء	جنگ انگورہ میں امیر تیمور نے بایزید اول (یلدرم) کو شکست دے کر قیدی بنا لیا۔
	816ھ		1413ء	محمد اول نے دور انحطاط کے بعد سلطنت کی جاہ و حشمت لوٹائی۔
	818ھ		1415ء	سرائے بوسنہ (سرائیوو) کا شہر فتح ہوا۔
	818ھ		1415ء	ازمیر (مغربی ترکی) کا شہر فتح ہوا۔
	819ھ		1416ء	آسٹریا کا علاقہ بستیریا (Styria) فتح ہوا۔
	824ھ		1421ء	محمد اول نے وفات پائی اور مراد ثانی نے زمامِ اقتدار سنبھالی۔
	833ھ		1430ء	سالونیکا دوبارہ فتح ہوا۔
14 ذی الحجہ	843ھ		1439ء	سربیا کا شہر سمندریہ (سینٹ اینڈریا) فتح ہوا۔
جمادی الاولیٰ	848ھ	اگست	1444ء	سلطان مراد ثانی اپنے بیٹے محمد ثانی کے حق میں حکومت کے منصب سے دستبردار ہوا۔
	848ھ		1444ء	یورپ نے سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لیے اتحاد قائم کر لیا۔
شعبان	848ھ	نومبر	1444ء	سلطان مراد ثانی نے دوبارہ حکومت سنبھالی اور یورپی اتحاد کو شکست سے دوچار کیا۔
12-10 ذی قعدہ	852ھ	17-19 جنوری	1448ء	مراد ثانی نے کوسوو میں یورپی اتحاد کے خلاف کامیابی حاصل کی۔
	855ھ	فروری	1451ء	سلطان مراد ثانی نے وفات پائی اور اس کا فرزند محمد ثانی تخت حکومت پر براجمان ہوا۔
جمادی الاولیٰ	857ھ	اپریل	1453ء	محمد فاتح نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔
20 جمادی الاولیٰ	857ھ	29 مئی	1453ء	قسطنطنیہ فتح ہوا اور اس کا نام اسلامبول (استنبول) رکھا گیا۔
	865ھ		1460ء	سوائے بلغراد کے سربیا کے تمام علاقے فتح ہو گئے۔
	865ھ		1460ء	ایتھنز (یونان) فتح ہوا۔
	867ھ		1462ء	سلطنت افلاق (ولاچیا) فتح ہوئی۔

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
	868ھ		1463ء	بوسنہ (بوسنیا) اور ہرسک (ہرزیگووینا) فتح ہوئے۔
شعبان	868ھ	اپریل	1463ء	ہنگری کا علاقہ فتح ہوا۔
	872ھ		1467ء	البانیہ اور اماسترس (Amastris)، سینوپ اور ترابزون کے علاقے فتح ہوئے۔
	872ھ		1467ء	جزائر ارخبیل (بحیرۂ ایجین کے جزائر) فتح ہوئے۔
	875ھ		1470ء	ریاست وینس کے مقبوضہ علاقے جزیرۂ اگریبوز، تھسلی (تسالیا) اور آتیکا فتح ہوئے۔
	880ھ		1475ء	بحیرۂ اسود کے کنارے واقع کفہ (کریمیا) کی بندرگاہ فتح ہوئی۔
	880ھ		1475ء	جزیرۂ سیسم اور جزیرۂ ساقز سلطنت عثمانیہ کے زیرنگیں آئے۔
	884ھ		1479ء	ریاست چرکس میں دریائے کوبان کا دہانہ فتح ہوا۔
شوال	884ھ	دسمبر	1479ء	ریاست وینس نے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ صلح کے معاہدے پر دستخط کیے جس کے نتیجے میں سلطنت وینس، ارگوس اور البانیہ سے دستبردار ہوگئی سوائے بعض مقامات کے۔
	884ھ		1479ء	ریاست کریمیا کے علاقے آجار اور باطوم فتح ہوکر حکومت عثمانی میں شامل ہوئے۔
17-19 صفر	886ھ	17-19 اپریل	1481ء	سلطان محمد فاتح نے وفات پائی۔
23 ربیع الاوّل	886ھ	22 مئی	1481ء	بایزید ثانی نے زمام اقتدار ہاتھ میں لی۔
ربیع الآخر	889ھ	مئی	1484ء	بایزید بغدان (مالڈووا) کی طرف متوجہ ہوا۔
20 جمادی الآخرہ	889ھ	15 جولائی	1484ء	قلعہ کیلی فتح ہوگیا۔
26 رجب	889ھ	19 اگست	1484ء	قلعہ اکرمان فتح ہوا اور عثمانیوں کو دریائے ڈینیوب اور ڈینسٹر کے دہانوں پر کنٹرول حاصل ہوا۔
27 ذی قعدہ	898ھ	9 ستمبر	1493ء	سلاوینیا فتح ہوا۔
	898ھ		1493ء	کروشیا فتح ہوا۔
صفر	918ھ	اپریل	1512ء	سلطان سلیم اول تخت حکومت پر رونق افروز ہوا۔
رجب	920ھ	اگست	1514ء	چالدران کے معرکے میں عثمانیوں نے صفویوں کے خلاف کامیابی حاصل کی اور تبریز کے شہر میں داخل ہوگئے۔
25 رجب	922ھ	24 اگست	1516ء	مرج دابق (شام) میں عثمانیوں نے ممالیک کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی اور مملوک سلطان قنصوہ غوری قتل ہوا۔
29 ذی الحجہ	922ھ	22 جنوری	1517ء	ریدانیہ میں عثمانیوں نے ممالیک کی فوج کو شکست دی۔
21 ربیع الاول	923ھ	13 اپریل	1517ء	قاہرہ کے باب زویلہ پر آخری مملوک سلطان طومان بائے کو پھانسی دی گئی اور مصر عثمانی حکومت کے زیرنگیں آگیا۔
16 جمادی الآخرہ	923ھ	6 جولائی	1517ء	امیر مکہ برکات ثانی کے بیٹے محمد ابونمی نے مکہ، مدینہ اور کعبہ کی چابیاں سلطان سلیم کے حوالے کیں اور حجاز

ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ		فتوحات
				سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔
23 شعبان	923ھ	10 ستمبر	1517ء	سلطان سلیم اوّل مصر سے اسلامبول چلا گیا۔
9 شوال	926ھ	22 ستمبر	1520ء	سلطان سلیم اوّل نے وفات پائی اور اس کا بیٹا سلیمان قانونی خلیفہ بنا۔
	927ھ		1521ء	بلغراد شہر (سربیا) فتح ہوا۔
	928ھ		1522ء	ہنگری کے علاقے ساباج، سلانکا اور زملن (Zemlin) فتح ہوئے۔
20 ذی قعدہ	932ھ	29 اگست	1526ء	موہاکس (Mohacs) کے معرکے میں عثمانیوں نے ہنگری کی فوج کے خلاف کامیابی حاصل کی اور ریاست ہنگری سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں آ گئی۔
	941ھ		1534ء	تیونس فتح ہو کر عثمانی حکومت میں شامل ہوا۔
	944ھ		1537ء	خیر الدین باربروسا نے چارلس پنجم کی زیرِ قیادت برسرِ پیکار ہسپانوی بحری بیڑے کو شکست دی اور جزیرۂ کریٹ پر یلغار کی۔
	945ھ		1538ء	عثمانیوں نے پریوسا (یونان) کے سمندری معرکے میں یورپی لشکروں کے خلاف کامیابی حاصل کی۔
	948ھ		1541ء	بوڈا شہر (ہنگری) فتح ہوا۔
20 جمادی الاولیٰ	950ھ	22 اگست	1543ء	خیر الدین باربروسا نے مارسلز (فرانس) کی بندرگاہ اور صقلیہ (سسلی) کے ساحلوں پر یلغار کی۔
	960ھ		1552ء	قلعہ تمیسوارا (رومانیہ) مفتوح ہوا۔
23 ربیع الآخر	974ھ	7 ستمبر	1566ء	سلطان سلیمان قانونی نے 46 برس کی حکمرانی کے بعد وفات پائی۔
15 جمادی الاولیٰ	974ھ	30 ستمبر	1566ء	سلطان سلیم ثانی نے اقتدار سنبھالا۔
	974ھ		1566ء	عثمانی بیڑا قبرص کی بندرگاہ لیماسول میں داخل ہوا۔
27 محرم	978ھ	یکم جولائی	1570ء	عثمانی مجاہدین لارنکا (ترلا) کی قبرصی بندرگاہ میں اُترے۔
5 صفر	978ھ	9 جولائی	1570ء	قبرص کا شہر سرینیا فتح ہوا۔
8 ربیع الآخر	978ھ	9 ستمبر	1570ء	لفکوسا (نکوشیا) فتح ہوا۔
28 ذی الحجہ	978ھ	24 مئی	1571ء	عثمانی لشکر ماسکو میں داخل ہوا اور خان کریمیا 15 ہزار قیدیوں کے ساتھ ماسکو سے لوٹا۔
10 ربیع الآخر	979ھ	یکم ستمبر	1571ء	ماغوسا (فاماگوستا) فتح ہوا۔
10 ربیع الآخر	979ھ	یکم ستمبر	1571ء	قبرص کی فتح کی تکمیل ہوگئی۔
	985ھ		1577ء	افریقی ریاست بورنو (نائیجیریا) نے عثمانی حکومت کی ماتحتی اختیار کرنے کا اعلان کیا۔
	999ھ		1590ء	کینیا اور تانگانیکا (تنزانیہ) کے مابین واقع ممباسا عثمانیوں کے زیرِ اقتدار آیا۔

دُعا

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں!

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں!

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

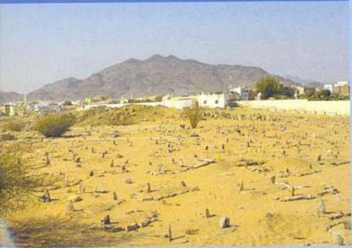
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لا تذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے!

(اقبالؒ)

حصّہ ششم

- باب اوّل — مسلم شخصیات و مشاہیر (تعارفی خاکہ)
- باب دوم — غیر مسلم شخصیات و مشاہیر (تعارفی خاکہ)



- خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
- رافع بن عمیر طائی رضی اللہ عنہ
- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
- عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ
- طارق بن زیاد رحمہ اللہ
- محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ

- یزدگرد سوم
- رستم بن فرخزاد
- ہرمزان
- ایشوعیاب جزالی
- ہرقل اول
- مقوقس



حصہ ششم

باب اول

مسلم شخصیات و مشاہیر (تعارفی خاکہ)

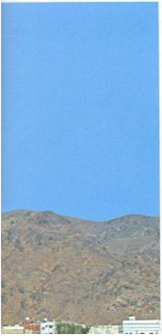
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہرۂ آفاق اور انتہائی معروف سپہ سالارِ اسلام ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ بالعموم فتوحات کے سب سے زیادہ شہرت یافتہ سپہ سالار ہیں۔ ان کی یہ شہرت اور ناموری ان کا رہائے نمایاں کا نتیجہ ہے جو انھوں نے اپنی فطری اور نہایت ممتاز خصوصیات کی بدولت انجام دیے۔ یہاں ہم ان کی انھی خصوصیات پر روشنی ڈالیں گے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چھوٹے بڑے کل تیس معرکوں میں شرکت کی۔ ان میں دورِ جاہلیت اور اسلام میں لڑے گئے معرکے، اہلِ ارتداد کے خلاف لڑی گئی جنگیں اور عراق و شام کی فتوحات شامل ہیں۔ اس تمام عرصے میں آپ کسی معرکے میں پیچھے نہیں رہے۔

جنگی صلاحیتیں

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نمایاں ترین سپہ سالار تھے۔ وہ خطرات سے بے پروا، جفاکش اور عقیدے کے پکے تھے۔ اپنے رب پر، اپنے آپ پر، اپنے کام پر، اپنی فوج اور اپنے ہمرکابوں پر بہت اعتماد رکھتے تھے۔ اپنے ساتھیوں پر فخر کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں سے باخبر رہتے۔



قیادت ان کی متاعِ گم گشتہ تھی۔ جہاں بھی موجود ہوتے، اُس کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہوتے۔ اور جب زمام قیادت ان کو سونپی جاتی تو وسیع تر اختیارات استعمال کرتے۔ اس کے سبب انھیں بڑی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسی طرح جب وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کوئی ذمے داری سونپتے تو اسے بھی وسیع تر اختیارات دیتے تھے۔ فنونِ حرب پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ بلا کے ذہین، ہوشیار اور زود فہم تھے۔

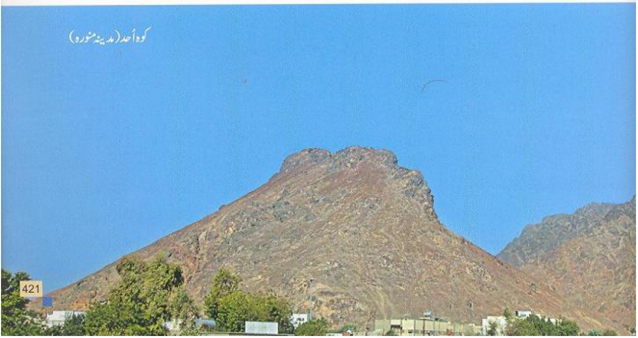
جنگ کے دوران میں ان کی نقل و حرکت اور کارروائی کی رفتار بہت تیز ہوتی اور وہ مواقع سے بہت فائدہ اٹھاتے۔ مضبوط ارادے کے حامل، نہایت بے باک اور اپنی بے باکی میں کامیاب تھے۔ اپنے دشمنوں پر بہت بھاری تھے۔ خوش قسمت اور مبارک آدمی تھے۔ وہ اعلیٰ جسمانی صلاحیتوں کے مالک اور اپنے زمانے کے تمام ہتھیاروں کے استعمال کی مکمل قدرت رکھتے تھے۔ جدت پسند اور بیدار مغز، جنگی منصوبہ ساز اور نہایت باتدبیر تھے۔

خالد ﷜ کو اپنے اعصاب پر بے پناہ قابو تھا۔ کامیابی انھیں تکبر میں مبتلا نہ کرتی تھی اور نازک حالات ان کو پریشان نہ کرتے تھے۔ وہ فوری طور پر ایسے فیصلہ کن اقدامات کرنے پر قادر تھے کہ آج جب ماہرین جنگ ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو صدیوں بعد بھی تاریخ ان کی حکمت عملی کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ اپنے اہداف کو پہچانتے اور ان کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ وہ فطری طور پر اقدامی مزاج رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں یکا یک دشمن پر حملہ آور ہو کر ایسی سنسنی پیدا کرتے کہ وہ تعداد میں برتری کے باوجود حواس باختہ ہو کر مقابلے کی صلاحیت کھو دیتا اور بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا تھا۔ انھیں میدان میں نفسیاتی جنگ کی اہمیت کا بھی مکمل ادراک تھا۔ فوج کی افرادی قوت بچا کر رکھنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کی طبیعت میں حد درجہ اعتدال تھا۔ وہ جنگ کو بلاضرورت طول نہ دیتے۔ ان پر کبھی اُس جانب سے حملہ نہیں ہوا جہاں سے انھیں حملے کا گمان نہ ہوتا۔ وہ چست اور چاق چوبند تھے۔ ان کے جسم میں بے مثال لچک تھی اور اعضا نہایت متناسب تھے۔ انتظامی معاملات میں بھی ان کی صلاحیتیں میدان جنگ ہی کے مانند بہت نمایاں تھیں۔ انھی خصوصیات کی بنا پر مسلمانوں کو یہ بات پسند تھی کہ خالد ﷜ ان کی قیادت کریں۔

خالد بن ولید ﷜ کا تعلق قریش کے قبیلے بنومخزوم سے تھا۔ قریش کے دفاعی و جنگی معاملات اسی قبیلے کے سپرد تھے۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ کا شمار قریش کے دولتمند سرداروں میں ہوتا تھا۔ دورِ جاہلیت میں خالد ہنرمند نہ ہونے کے باعث کسی خاص پیشے سے وابستہ نہ تھے، چنانچہ وہ گھڑ سواری اور ہتھیاروں کی مشق کی طرف مائل ہو گئے۔

خالد ﷜ نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی، البتہ غزوۂ احد میں وہ قریشی گھڑ سوار دستے کے کمانڈر تھے۔ اس غزوے کے پہلے دور میں مسلمانوں کے تیرانداز دستے نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ خالد نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی پشت خالی ہے تو وہ اپنا دستہ لے کر گھومے اور پہاڑ پر چڑھ کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یکا یک میدان جنگ کا پانسا پلٹا اور قریش کی شکست ایک طرح کی فتح میں بدل گئی۔

غزوۂ احد پہلا معرکہ تھا جس میں خالد ﷜ نے شرکت کی اور عمر بھر کے لیے یہ سبق حاصل کیا کہ ''جنگ میں فتح و شکست کا تمام تر انحصار آخری نتائج پر ہے نہ کہ درمیانی مراحل پر۔'' انھوں نے سیکھا کہ اگر جنگ میں کوئی مصیبت آن پڑے تو اسے ان مراحل ہی کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے اپنی شجاعت کو قائم رکھا جائے، زاویۂ فکر درست رہے، نفسیاتی طور پر انسان کے اعصاب پرسکون رہیں اور ذہن میں کسی قسم کا جذباتی ہیجان پیدا نہ ہونے دیا جائے۔



کوہِ اُحد (مدینہ منورہ)

جب جنگ کا میدان گرم ہو جاتا ہے اور اس کا جمود ٹوٹتا ہے تو قدرتی طور پر دونوں طرف کی صفوں میں ایک قسم کا انتشار اور خلل واقع ہو جاتا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ ہمیشہ غفلت کے اسی لمحے کی ٹوہ میں رہتے اور موقع ملتے ہی دشمن پر کسی تردد کے بغیر کاری ضرب لگاتے اور اس لمحے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔

یہاں ہمارا موضوع بحث ''فتوحاتِ اسلامی'' ہے، لہٰذا ہم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سیرت کے صرف دو امور پر توجہ دیں گے:

① ان جنگوں کا مختصر تعارف جن میں خالد رضی اللہ عنہ نے دادِ شجاعت دی۔

② وہ خصوصیات جن کی بدولت خالد رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں ممتاز رہے۔

احد کے معرکے میں خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پالیا اور ایک خاص طرزِ فکر اپنایا جو بعد کے تمام معرکوں میں بھی کارفرما رہا، چنانچہ مسلمانوں نے جہاں معرکۂ احد میں خالد کی وجہ سے نقصان اٹھایا، وہاں اس معرکے سے خالد نے وہ تجربات بھی حاصل کیے جن کی بنیاد پر انھوں نے ارتداد کی جنگوں اور دیگر فتوحات میں مسلمانوں کو کئی گنا فائدہ پہنچایا۔

مشرکین کے دوش بدوش

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ 5ھ/627ء میں مشرکین کے ہمراہ غزوۂ احزاب میں شریک ہوئے۔ جب حملہ آور قبائل سخت سردی میں خندق کے پار کچھ عرصہ بے بس ٹھہرے رہے تو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس غزوے میں خالد کو مستقبل کے جنگی رفقا میسر آئے اور بعد کے دنوں میں بھی۔ انھوں نے ان میں سے بیشتر کو اپنی صفوں میں پایا جن میں عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ شامل ہیں۔ بعض سے ان کی ملاقات اپنے دشمنوں کی صفوں میں ہوئی جن میں طُلَیحہ بن خُوَیلد اور بنو اسد کے لوگ شامل ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ 6ھ/628ء میں خالد قریش کے گھڑ سوار دستے کے کمانڈر ہیں اور حدیبیہ کے دن نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں۔

خالد رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرتے ہیں

اس سے اگلے سال 7ھ/629ء میں جب عمرۂ قضا ادا کیا گیا، خالد بن ولید غائب تھے اور ان کے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ نے، جو مسلمان ہو چکے تھے، ان کے لیے مکہ میں ایک خط چھوڑا جس میں انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے خط پڑھا تو اسلام کے لیے سینہ کشادہ ہو گیا۔ انھوں نے مکہ کو خیرباد کہا اور مدینے ہجرت کر گئے۔

سفرِ ہجرت کے دوران میں خالد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: ''ہم اس لومڑ کی طرح ہیں جس پر ڈول بھر پانی ڈالا جائے تو وہ (اپنی کھوہ سے) بھاگ نکلے۔'' ان کی مراد یہ تھی کہ مکہ میں مسلمانوں نے قریش کا محاصرہ کیا اور ان پر دائرۂ حیات تنگ کر دیا، چنانچہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے، ہر صورت میں مطیع ہو جائیں۔ سو ان کا حال اس لومڑ ہی کے مانند تھا جو کسی بل میں محصور ہو اور اس پر پانی ڈالا جائے تو وہ باہر نکل آئے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے جو بات اس وقت اپنی فراست سے کہی تھی، اس کا ادراک قریش کے سرداروں کو نہ ہو سکا لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے صورت حال ٹھیک ٹھیک بھانپ لی تھی اور اس کا تذکرہ انھوں نے اپنے شریک سفر سے کیا۔

جنگ مؤتہ میں شرکت

خالد ؓ 8 ھ /629ء میں اسلام لائے۔ اسی سال مؤتہ کا معرکہ لڑا گیا۔ خالد بھی اس میں شریک ہوئے۔ یہ معرکہ گویا ان کے لیے ایک طرح کا امتحان تھا کہ آیا ان کا دل مکمل طور پر اسلام کے تابع ہوا یا نہیں۔ لشکر کی قیادت رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ ؓ کو سونپی گئی اور ان کا نائب جعفر بن ابی طالب ؓ کو مقرر کیا گیا۔ جعفر کے نائب کے طور پر عبداللہ بن رواحہ ؓ کو نامزد کیا گیا۔ خالد ؓ کو اس معرکے میں کوئی منصب نہ ملا اور وہ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے۔ دوران جنگ میں تینوں سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو نہایت مایوس کن حالات میں مسلمانوں نے خالد بن ولید ؓ کو اپنا قائد منتخب کیا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک راستہ تھا کہ وہ جنگ



کرک (اردن) میں غزوۂ مؤتہ کے شہداء کی یادگار جس کے پیچھے **مسجد جعفر بن ابی طالب** نظر آ رہی ہے۔

یادگار پر مرقوم شہدائے مؤتہ کے نام: زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ، مسعود بن الاسود، وہب بن سعد عباد بن قیس، الحارث بن نعمان، سراقہ بن عمرو، ابوکلیب بن عمرو، جابر بن عمرو، عامر بن سعد، عمرو بن سعد ؓ

سے ہاتھ کھینچ کر واپس ہو جائیں لیکن یہ بھی آسان نہ تھا، بالآخر خالد رضی اللہ عنہ ان کو لڑاتے ہوئے صحیح سلامت میدان جنگ سے نکال کر لے آئے اور مسلمان ایک بڑے نقصان سے بچ گئے۔

فتح مکہ میں شرکت

10 رمضان 8 ھ / اوائل جنوری 630ء کو مسلمان فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے اور خالد رضی اللہ عنہ اس دستے کی کمان کر رہے تھے جو مکہ کے جنوب میں لیط کی جانب سے شہر میں داخل ہوا۔ اسی طرح انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں حنین اور ثقیف کے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرماتے تھے:

[نِعْمَ عَبْدُاللهِ وَأَخُو الْعَشِيرَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَسَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللهِ سَلَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ]

''خالد بن ولید اللہ کا اچھا بندہ اور اچھے خاندان کا ہے، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو اس نے کافروں اور منافقوں پر سونتی ہے۔'' (مسند احمد: 8/1)

اس کے بعد خالد ''سیف اللہ'' کے لقب سے معروف ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پاتے ہی 11ھ/632ء میں ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی، چنانچہ مرتدین کی سرکوبی کے لیے لڑی گئی جنگوں کے ہیرو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنھوں نے ارتداد کے مضبوط ترین بازوؤں بنو اسد، بنو تمیم اور بنو حنیفہ کو کاٹ ڈالا۔

فتح عراق میں شرکت

پھر خالد رضی اللہ عنہ کو عراق کے جنوب سے حیرہ تک کے علاقوں کو فتح کرنے کی مہم سونپی گئی اور ان کے مقابلے میں عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ شمال میں مصیخ سے شروع ہوں اور حیرہ تک کے علاقے فتح کرتے جائیں۔ اور یہ طے ہوا کہ ان دونوں میں سے جو سپہ سالار پہلے حیرہ پہنچ جائے وہ اگلے مرحلے، یعنی فتح مدائن کے لیے دوسرے کا قائد ہوگا۔

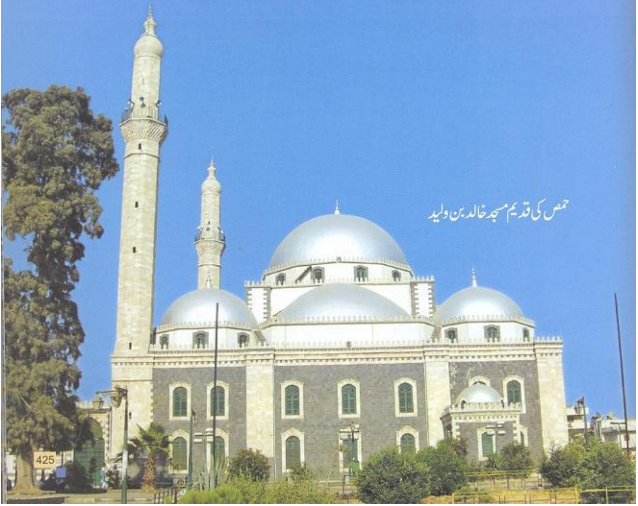
چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے پندرہ معرکوں میں فتح حاصل کی جبکہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سفر کے آغاز ہی میں دومۃ الجندل کے پاس ٹھہر گئے اور خالد سے مدد طلب کی۔ خالد عراق سے ان کی جانب روانہ ہوئے، علاقہ فتح کیا اور عیاض کو ان کے لشکر سمیت اپنی فوج میں شامل کر لیا۔

فتح شام میں شرکت

بعد ازاں فتح شام کی جنگی کارروائیوں میں خالد رضی اللہ عنہ کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ خلیفۂ رسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنا نصف لشکر لے کر عراق سے شام کی جانب روانہ ہوں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے نہایت تیز رفتاری سے صحرائے سماوہ کو شمال سے پار کیا اور بصری الشام پہنچ گئے، پھر انھوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات تک شام کی جنگوں کی کمان کی۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ معزولی کے اسباب کے متعلق ہم اپنی کتاب ''مدائن کی طرف یلغار'' میں بحث کر چکے ہیں۔

نِعْمَ عَبْدُاللّٰهِ وَأَخُوالْعَشِيرَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ
وَسَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ سَلَّهُ عَزَّوَجَلَّ
عَلَى الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ



حمص کی قدیم مسجد خالد بن ولید

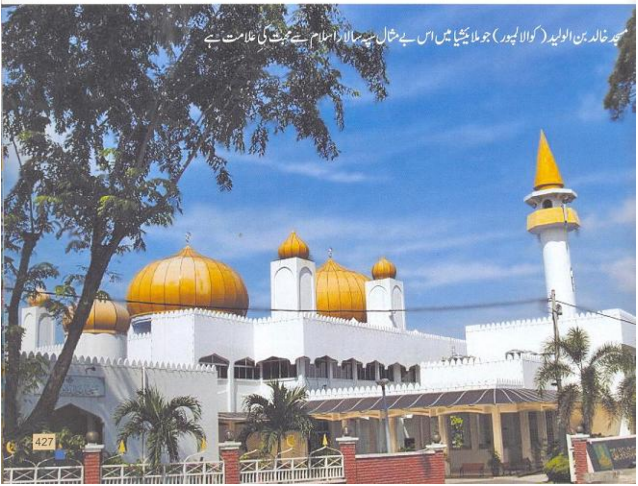
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معرکے

اب ہم ان معرکوں کا اشاریہ پیش کرتے ہیں جن میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے جوہر دکھائے:

تاریخ	معرکہ
شوال 3ھ / مارچ 625ء	غزوۂ احد
شوال 5ھ / مارچ 627ء	غزوۂ خندق یا احزاب
جمادی الاولیٰ 8ھ / اگست 629ء	جنگ مؤتہ
رمضان 8ھ/ نومبر 629ء	فتح مکہ
شوال 8ھ / دسمبر 629ء	غزوۂ حنین/ غزوۂ طائف
11ھ / 632ء	جنگ بزاخہ [1]
محرم 12ھ / مارچ 633ء	جنگ ذات السلاسل
یکم صفر 12ھ / 17 اپریل 633ء	جنگ مذار
22 صفر 12ھ / 8 مئی 633ء	جنگ ولجہ
25 صفر 12ھ / 11 مئی 633ء	جنگ اُلَیس
28 صفر 12ھ / 14 مئی 633ء	جنگ امغیشیا
ربیع الاول 12ھ / مئی 633ء	جنگ مقر
ربیع الاول 12ھ / مئی 633ء	جنگ حیرہ
4 رجب 12ھ / 15 ستمبر 633ء	جنگ انبار
11 رجب 12ھ/ 23 ستمبر 633ء	جنگ عین التمر
24 رجب 12ھ / 4 اکتوبر 633ء	جنگ دُومۃ الجندل
19 شعبان 12ھ / 29 اکتوبر 633ء	جنگ مصیّخ
23 شعبان 12ھ / 2 نومبر 633ء	جنگ ثَنِیّ
23 شعبان 12ھ / 2 نومبر 633ء	جنگ زمیل ورضاب
15 ذی قعدہ 12ھ / 21 جنوری 634ء	جنگ فراض

[1] بزاخہ: بنو اسد یا بنو طے کا چشمہ تھا جہاں جھوٹے مدعی نبوت طُلَیحہ بن خُوَیلد اسدی نے شکست کھائی۔ بعد میں اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔
(معجم البلدان: 408/1)

تاریخ	معرکہ
19 صفر 13ھ / 25 اپریل 634ء	مرج الصفر میں جنگ غسان
25 ربیع الاول 13ھ / 29 مئی 634ء	فتح بُصریٰ
27 جمادی الاولیٰ 13ھ / 29 جولائی 634ء	جنگ اجنادین
17 جمادی الآخرہ 13ھ / 18 اگست 634ء	جنگ مرج الصفر
28 ذی قعدہ 13ھ / 23 جنوری 635ء	جنگ فحل وبَیسان
15 رجب 14ھ / 3 ستمبر 635ء	فتح دمشق
25 ربیع الاول 15ھ / 6 مئی 636ء	فتح بعلبک
21 ربیع الآخر 15ھ / 2 جون 636ء	فتح حمص
5 رجب 15ھ / 13 اگست 636ء	جنگ یرموک


مسجد خالد بن الولید (کوالالمپور) جو ملائیشیا میں اس بے مثال سپہ سالارِ اسلام سے محبت کی علامت ہے

رافع بن عُمیرہ طائی رضی اللہ عنہ

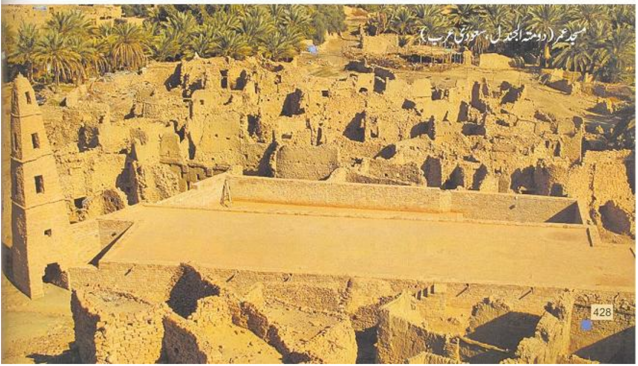
یہ راستوں کے رہبر تھے۔ ان کی نسبت سنبسی ہے۔ ان کی قوم کی آبادیاں نجد میں ''جبل اجا'' کے نواح میں ریگستان کے قریب واقع تھیں۔ رافع دورِ جاہلیت میں چور تھے۔ وہ اونٹوں کو چُرا کر صحرائے نفود کی جانب ہانک لے جاتے جہاں پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے اونٹوں کے مالک ان کا تعاقب نہ کر پاتے لیکن یہ وہاں پہلے سے شتر مرغ کے انڈوں میں پانی چھپا کر انھیں ریت میں دبا آتے تھے۔

اس عظیم صحرا کے راستوں سے وہ سب سے زیادہ واقف تھے۔ رافع پہلے عیسائی تھے اور ان کا نام سرجس تھا، پھر اسلام لے آئے۔ وہ سریۂ ذات السلاسل میں شرکت کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نکلے۔ کجاوے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھی بنے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انھیں اپنے بستر پر سلاتے اور پہننے کو اپنا لباس دیتے تھے۔

رافع رضی اللہ عنہ جنگوں میں راستوں کے رہبر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بہت سفر کیے حتیٰ کہ راستوں کو اچھی طرح پہچان کر یاد کر لیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ڈیل ڈول مضبوط تھا، تبھی وہ زیادہ سفر کی مشقتیں جھیلنے پر قادر ہوئے، اور یہ بھی کہ ان میں سمتوں کا تعین کرنے اور مسافتوں کا اندازہ لگانے کی تیز حس موجود تھی۔

فتوحات میں رافع رضی اللہ عنہ کے مشہور کارنامے

محرم 12ھ / مارچ 633ء میں رافع رضی اللہ عنہ نباج سے حفیر تک سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے رہبر تھے جنھیں فتح عراق کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔
پھر ان کا ذکر اس وقت ملتا ہے جب خالد نے دس ہزار مسلمانوں کے جلو میں صحرائے سماوہ عبور کرنا چاہا، چنانچہ انھوں نے رہبروں کو بلوایا اور حیرہ سے عین التمر اور وہاں سے دُومہ کو روانہ ہوئے اور خشک زمین پر سفر کرتے ہوئے قراقر جا پہنچے، پھر پوچھا: ''کوئی ایسا راستہ ہے کہ میں رومی لشکروں



مسجد عمر (دومۃ الجندل، سعودی عرب)

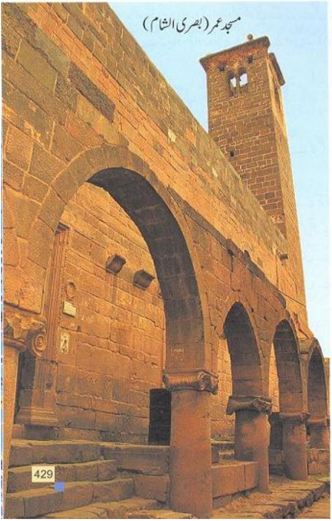
کے عقب سے نکل جاؤں کیونکہ میں ان کے سامنے سے نکلا تو وہ مجھے مسلمانوں کی مدد سے روک دیں گے؟'' اس کی وجہ یہ تھی کہ الجزیرہ کے علاقے میں رومیوں کی کچھ فوجیں جمع تھیں اور شام کو راستہ وہاں سے گزر کر جاتا تھا۔

سب نے کہا: ''ہمیں صرف ایک راستے کا علم ہے جہاں سے لشکروں کا گزرنا ممکن نہیں اور اُدھر سے بیک وقت صرف ایک سوار گزر سکتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ہلاکت میں مت ڈالیے گا۔'' کسی نے اس راستے کو اختیار کرنے کی حمایت نہ کی، البتہ رافع بن عمیرہ ؓ نے ڈرتے ڈرتے کہا:

''گھوڑوں اور سامان کے ساتھ آپ اس راستے پر ہرگز سفر نہیں کر سکیں گے۔ اللہ کی قسم! اس راستے سے تو اکیلا سوار بھی خوف کھاتا ہے اور فریب خوردہ ہی اسے اختیار کرتا ہے۔ یہ پانچ ہلاکت خیز راتوں کا سفر ہے جن میں پینے کو ایک قطرہ پانی کا نصیب نہیں ہوتا۔''

خالد ؓ نے اصرار کیا تو رافع ؓ نے کہا: ''اگر ایسا ہی ہے تو بہت سا پانی جمع کر لیں اور جو شخص اپنی اونٹنی کو کانوں تک پانی سے بھر سکتا ہے بھر لے کیونکہ یہ ہلاکتوں کا راستہ ہے۔ ہاں، مگر جس سے اللہ بچالے۔'' پھر رافع ؓ نے بیس موٹے تازے اونٹ منگوائے اور انھیں پانی سے دور رکھ کر شدید پیاس دلائی، پھر انھیں خوب پانی پلایا اور ان کے ہونٹ کاٹ کر ان کے مونہوں کو باندھ دیا کہ جگالی نہ کریں اور پانی ان کے معدوں میں محفوظ رہے۔

پھر وہ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے، گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے ان میں سے چار اونٹ ذبح کر دیتے، البتہ مجاہدین خود وہ پانی پیتے جو انھوں نے ساتھ اٹھا رکھا تھا۔ یہ اپریل کا مہینہ تھا۔



مسجد عمر (بصری الشام)

پانچویں دن جب رافع آشوب چشم میں مبتلا تھے اور مسلمان دہشت زدہ تھے کہ وہ راستہ کھو بیٹھے ہیں، رافع ؓ نے عوسج درخت کی جڑیں ڈھونڈ لیں جنھیں وہ بطور نشانی یاد رکھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے وہاں سے زمین کھودی تو پانی نکل آیا۔

رافع نے خالد ؓ سے کہا: واللہ! اے امیر! تیس برس ہوتے ہیں اور میں ابھی لڑکا تھا جب میں نے اپنے باپ کے ساتھ یہاں پانی پیا تھا۔'' اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر لگ بھگ چالیس برس تھی۔

پھر رافع ان کو لے کر سوئی سے تدمر اور وہاں سے غوطۂ دمشق اور پھر بُصریٰ پہنچے۔ حیرہ سے بُصریٰ تک کی مسافت انھوں نے صرف 18 دنوں میں طے کی اور دو دن کا سفر ایک دن میں کرتے رہے۔

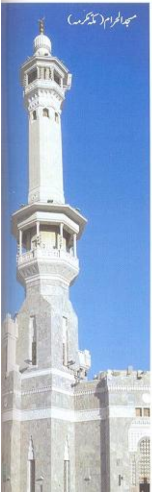
علاوہ ازیں فتح بُصریٰ میں خالد ؓ کے لشکر کے میمنہ کی کمان رافع ؓ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ آخری عمر میں اپنی قوم کے سردار ہوئے۔ ان سے طارق بن شہاب اور شعبی نے حدیث روایت کی ہے۔ رافع بن عُمیرہ ؓ امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ کی خلافت کے آخری ایام (23ھ/643ء) میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر تقریباً پچاس برس تھی۔

مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ

عرب کے قبائل حج کے لیے مکہ جاتے تو نبیٔ کریم ﷺ اُن کے سامنے اسلام پیش کرتے۔ مثنّٰی بن حارثہ اوران کی بیوی سُلمٰی بنت خصفہ بھی بنو شیبان کے ایک قافلے میں مکہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے یہ آیات تلاوت کیں:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾

''کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر یا چھپے ہوئے ہوں۔'' (الأنعام 151:6)



اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ﴾

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔'' (النحل 90:16)

مثنّٰی نے کہا: ''میں نے آپ کی بات سنی اور پسند کی اور آپ نے جو کلام پڑھا وہ بھی مجھے اچھا لگا۔ لیکن بات یہ ہے کسریٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کوئی تحریک چلائیں گے نہ کسی تحریک چلانے والے کو پناہ دیں گے۔ اور شاید یہ معاملہ جس کی آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں انھی معاملات میں سے ہے جنھیں بادشاہ ناپسند کرتے ہیں، تاہم اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی مدد کریں اور اپنے ہاں کے عربوں سے آپ کی حفاظت کریں تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

[مَا أَسَأْتُمْ إِذَا أَفْصَحْتُمْ بِالصِّدْقِ، إِنَّهُ لَا يَقُومُ بِدِينِ اللهِ إِلَّا مَنْ حَاطَهُ بِجَمِيعِ جَوَانِبِهِ]

''تم نے سچ، صاف صاف کہہ کر برا نہیں کیا، بلاشبہ اللہ کے دین کو وہی قائم کرے گا جو مکمل طور پر اس کو سمجھ لے۔''
(معرفة الصحابة لأبي نعيم :274/18، و أسد الغابة :241/5)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثنّٰی نے اس ملاقات میں اسلام قبول نہ کیا، البتہ بعد میں وہ اسلام لے آئے تھے۔ اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مثنّٰی ﷛ گفتگو کا سلیقہ جانتے تھے، حکمت و دانائی اور اچھے اخلاق جیسی خوبیوں سے آراستہ تھے اس کے ساتھ ساتھ وعدے کی پاسداری کا شعور بھی رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے کسریٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑنا درست نہ سمجھا۔

بنوشیبان، قبیلہ ربیعہ کے ایک خاندان بنوبکر بن وائل بن قاسط کی شاخ ہیں۔ اور مثنّٰی کا نسب نامہ یوں ہے:

''مثنّٰی بن حارثہ بن سَلَمہ بن ضَمْضَم بن سعید بن ذُہل بن شیبان بن ثعلبہ۔''

ربیعہ کی آبادیاں خلیج کے کناروں پر الجزیرہ اور عراق سے بحرین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ آبادیاں شہروں اور بستیوں کی شکل میں نہ تھیں بلکہ وہ لوگ خانہ بدوش تھے جو خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے۔

مثنّٰی ﷛ نے چچا زاد بھائیوں بنوتغلب بن وائل اور بنوتمیم کے ساتھ اپنے قبیلے کے جنگی ماحول میں پرورش پائی۔ وہ شجاعت، گھڑ سواری میں مہارت، سچائی، حوصلے اور جفاکشی کی بے پناہ خوبیوں کی بدولت اپنی قوم کے سردار بنے۔ جنگی فنون پر اُن کی گہری نظر تھی۔ انھوں نے عراق کے مختلف علاقوں پر یلغار کی اور ان میں ایرانیوں سے لڑائی کی ہمت بھی موجود تھی۔

مؤرخ ابن اثیر ﷫ رقمطراز ہے: ''اسلام آیا اور عرب میں بنوشیبان سے بڑھ کر کوئی گھرانہ معزز، ہمسایوں کے لیے محفوظ اور زیادہ اتحادیوں والا نہ تھا۔'' (الکامل في التاریخ :482/1)

مثنّٰی بن حارثہ ﷛ جب مرتدین کے تعاقب میں طاسِ فرات کے اندر ایرانی علاقوں میں داخل ہو گئے اور اُن کی خبریں خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ﷛ کو پہنچیں تو انھوں نے پوچھا: ''یہ کون ہے جس کے احوال و واقعات اُس کے نسب کی پہچان سے پہلے ہم تک پہنچ رہے ہیں؟''

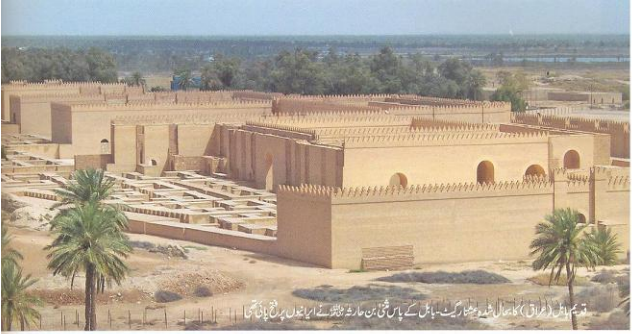
بنوتمیم کے دانا قیس بن عاصم ﷛، جو جاہلیت میں بنوشیبان کے حریف تھے، دربار خلافت میں حاضر تھے، وہ بولے: ''یہ آدمی گمنام نہیں۔ اس کا حسب ونسب مجہول ہے نہ اس کا خاندان گھٹیا ہے۔ یہ مثنّٰی بن حارثہ شیبانی ہے۔''

پھر مثنّٰی ﷛ مدینہ آئے اور ابوبکر صدیق ﷛ سے درخواست کی کہ انھیں اپنی قوم کا امیر بنا دیا جائے تا کہ وہ اپنے ہاں کے ایرانیوں سے لڑائی کریں اور مسلمانوں کو اُس طرف سے بے فکر کر دیں۔

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ﷛ نے اُن کی یہ درخواست قبول کی، چنانچہ انھوں نے اپنی ذمہ داری خوب نبھائی، پھر ابوبکر صدیق ﷛ نے اُن کو لکھا:
''میں نے خالد بن ولید کو امارت سونپی ہے، لہٰذا تم اُس کے ساتھ ہو جاؤ۔''

مثنّٰی ﷛ اس وقت کوفہ کے اطراف میں تھے اور اُن کے ہمراہ چار ہزار کا لشکر تھا، چنانچہ وہ خالد بن ولید ﷛ کی فوج میں شامل ہو گئے اور لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔ خالد کے ہراول دستے کی کمان مثنّٰی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ خالد ﷛ کے ساتھ ذات السلاسل، مذار، ولجہ، اُلَّیس اور مقرّ کے معرکوں اور ربیع الاول 13ھ / مئی 634ء میں حیرہ کی فتح میں شامل رہے۔ اور وہ مثنّٰی ﷛ ہی تھے جنھوں نے فتح حیرہ کے دوران میں ابن بقیلہ کے قلعے کا محاصرہ کیا تھا، پھر وہ مدائن کی طرف تعینات محافظ دستے کے کمانڈر بنے۔

دریں اثناء خالد ﷛ عراق سے نصف لشکر لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے اور مثنّٰی ﷛ باقی نصف لشکر کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ انھوں نے بابل کے معرکے میں ایرانیوں پر فتح حاصل کی۔ پھر ایک مہم روانہ ہوئی جس کی قیادت ابوعبید بن مسعود ثقفی ﷛ کر رہے تھے۔ مثنّٰی نے اس مہم میں ہراول دستے کی کمان کی اور ان کے ہمراہ نمارق، سقاطیہ اور باقسیاثا کے معرکوں میں شریک ہوئے۔



قدیم بابل (عراق) کا بحال شدہ عشتار گیٹ۔ بابل کے پاس مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے ایرانیوں پر فتح پائی تھی

ان کے بعد جنگ جسر ہوئی جس میں ابوعبید نے مثنیٰ کی رائے سے اختلاف کیا اور دریا عبور کر لیا تا کہ وہاں بہمن جادویہ کی قیادت میں موجود ایرانی لشکر سے لڑائی کریں، چنانچہ مسلمان شکست سے دوچار ہوئے اور ابوعبید ؓ شہید ہو گئے۔

مثنیٰ ؓ بڑی مشکل سے باقی ماندہ مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوئے جبکہ وہ خود بھی زخمی ہو چکے تھے۔ یہ جسر کا معرکہ تھا۔ اس میں زخمی ہونے کے باوجود مثنیٰ اگلے دن الّیس کی جانب نکلے تو اُن کی مٹھ بھیڑ ایرانیوں کے چند سالاروں سے ہو گئی جو جسر کے دن فرار ہو کر دور نکل گئے تھے۔ مثنیٰ نے انھیں گرفتار کر لیا۔

ادھر مدینہ میں مسلمان جسر کی شکست سے بہت غمگین ہوئے اور امیر المومنین عمر فاروق ؓ جلدی جلدی پورے جزیرہ نمائے عرب سے فوجیں اکٹھی کر کے عراق بھیجنے لگے۔ دوسری طرف رستم نے مدائن سے اپنے گھڑ سواروں کا لشکر بھیجا جس کی کمان مہران بن باذان کر رہا تھا۔ مثنیٰ ؓ تیزی سے اُس کی جانب بڑھے۔ بویب کے مقام پر اُن کا آمنا سامنا ہوا اور انھوں نے مہران کو شکست فاش دی۔ اس معرکے میں مہران اور ایرانیوں کے ہزاروں فوجی قتل ہوئے۔ مثنیٰ ؓ کے بھائی مسعود بن حارثہ بھی شہید ہوئے۔ اس موقع پر مثنیٰ اپنی فوج سے مخاطب ہوئے جبکہ جنگ ابھی جاری تھی:

''اے مسلمانوں کی جماعت! میرے بھائی کی شہادت تمھیں گھبراہٹ میں نہ ڈال دے۔ تمھارے بہترین لوگ اسی طرح شہید ہوتے رہے ہیں۔''

پھر مثنیٰ ؓ نے ایرانیوں کے تعاقب میں فوجیں روانہ کیں جو ساباط اور دریائے دجلہ تک پہنچ گئیں۔ اس تعاقب میں ان سب لوگوں نے حصہ لیا جو جسر کے معرکے میں شریک تھے تا کہ اُس شکست کا بدلہ لے کر ان کے سینے ٹھنڈے ہو جائیں اور اُن میں یقین و ثبات کی روح لوٹ آئے۔

لڑائی کے بعد مثنیٰ نے اپنے لشکر کے ساتھ نشست کی جس میں انھوں نے جنگ کے متعلق باہم گفتگو کی۔

مثنیٰ ؓ جیسے لڑائی میں بہادر تھے ویسے ہی اپنے آپ پر تنقید کرنے میں بھی دلیر تھے، کہنے لگے:

''میں ایک بار بے بس رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس بے بسی کے شر سے یوں بچا لیا کہ میں نے اُن سے پہلے پل تک پہنچ کر اُسے کاٹ دیا

اور انھیں مصیبت میں ڈال دیا۔ میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ اور اے لوگو! تم بھی دوبارہ ایسا مت کرنا کیونکہ یہ میری لغزش تھی۔ کسی کو تنگ کرنا درست نہیں، ہاں مگر وہ جو باز نہیں آسکتا۔''

مثنیٰ ؓ کی رائے یہ تھی کہ جب دشمن کو کسی تنگ جگہ محصور کر دیا جائے اور اُس میں ابھی مزاحمت کی رمق باقی ہو تو اس بے بسی کے عالم میں اُس کے سامنے صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ جان توڑ لڑائی کرے اور حملہ آوروں سے زیادہ قربانیاں پیش کرے لیکن اگر اُس کے لیے فرار اور نکل جانے کے دروازے کھول دیے جائیں تو تعاقب کی کارروائیوں میں اُس کی بیخ کنی زیادہ مؤثر طریقے سے کی جاسکتی ہے کیونکہ بھاگتے دشمن کا مقابلہ اُس دشمن سے کہیں آسان ہے جو بے بسی کے عالم میں جان توڑ لڑائی کے لیے تیار ہو۔ ہاں، اگر دشمن مضبوط ہونے کی وجہ سے اپنے مقابلے میں نہ آنے دے تو محاصرہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر مثنیٰ ؓ نے تیزی سے اپنے حفاظتی دستوں کو ترتیب دیا اور جلدی جلدی عراق کے اطراف پر حملے کی تیاریاں مکمل کیں۔ حملے سے پہلے وہ ساری تحقیقات مکمل کر چکے تھے کہ اہداف تک مسافت کتنی ہے، آرام اور زادِ راہ حاصل کرنے کے مقامات کہاں کہاں ہیں، علاوہ ازیں منزل تک پہنچنے میں وقت کتنا لگے گا، ہماری رفتار کیا ہے اور دشمن کس رفتار سے بڑھ رہا ہے؟ مثنیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی فوج کو وافر مقدار میں مالِ غنیمت حاصل کرنے کا موقع دیں اور اپنے دشمن کو اس سے محروم رکھیں، چنانچہ ابتدائی حملے انھوں نے ان سالانہ بازاروں پر کیے جو خنافس اور بغداد میں لگائے جاتے تھے۔ بغداد ان دنوں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ''مدائن'' کے قریب واقع ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

مثنیٰ ؓ نے خوب سوچ بچار کی اور بازار پر اچانک حملہ آور ہونے سے قبل اپنے ارادوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی تاکہ بازار میں موجود نہایت قیمتی مال سونا، چاندی اور ریشم وغیرہ حاصل کیا جاسکے۔

وہ اپنے اصل اہداف سے ہٹ کر یلغار کرتے تاکہ دشمن کی نظر اپنے حقیقی ہدف سے پھیر دیں، اور راستوں پر انھوں نے پہرے بٹھا رکھے تھے کہ ان کی کارروائیاں مکمل ہونے تک ان کی خبر ''مدائن'' نہ پہنچنے پائے۔ ہر بار انھوں نے بھرپور حملہ کر کے دشمن کو نقصان پہنچایا اور چھپ چھپا کر بخیر و عافیت واپس آگئے۔ ان کی یلغاروں کا دائرہ کباث، صفین اور قصر شاپور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان فتوحات سے ان کی ایک ممتاز صلاحیت سامنے آئی کہ وہ تعاقب کرنے اور اچانک حملہ کرنے میں فائق اور جدید ترین مفہوم کے مطابق چھاپہ مار جنگ کے ماہر تھے۔

دوسری طرف ایرانیوں نے یزدگرد کو بادشاہت سونپنے اور رستم کو وزیر دفاع بنانے پر اتفاق کیا اور نئے سرے سے فوج اکٹھی کرنی شروع کی اور مثنیٰ ؓ کے خلاف کارروائی کی تیاری کی جس کی مثنیٰ کو توقع نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے لشکر کی تعداد کم ہے، چنانچہ وہ بلا تاخیر اُسے عراق سے نکال کر صحرا میں لے گئے اور وہاں نئی کمک کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت مثنیٰ ؓ شراف میں تھے جب ان کے جنگ جسر میں لگے زخم کھل گئے۔ ان کے ہمراہ دو ہزار سپاہی تھے اور وہ سعد بن ابی وقاص ؓ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ اس زخمی حالت میں بھی انھوں نے نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور جنگ بویب کے بعد کی یلغاروں میں عراق کے جنوب سے شمال تک بھرپور تگ و تاز کی تھی۔ اب انھوں نے محسوس کیا کہ موت کا وقت قریب ہے، چنانچہ اپنے بھائی معنیٰ بن حارثہ کے ہاتھ سعد ؓ کو وصیت لکھ بھیجی:

''ایرانیوں سے اس حالت میں جنگ نہ کرنا جب وہ اور ان کے سردار اکٹھے ہو کر اپنے گڑھ میں جمے بیٹھے ہوں، بلکہ ان کے ملک کی سرحدوں پر ان سے لڑنا، یوں کہ تمھارا ایک قدم سرزمین عرب کے آخری پتھر پر ہو تو دوسرا سرزمین عجم کی آخری بستی میں ہو۔ اگر اللہ

تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا کیا تو سرحدوں سے آگے کا علاقہ بھی انھی کا ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو مسلمان واپس آسکیں گے اور اپنی جمعیت دوبارہ اکٹھی کر لیں گے۔ بعدازاں ان کے پاس راستے کھلے ہوں گے اور زمین اپنی ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو پھر سے دشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔''

یہ ان کے جنگی تجربات کا نچوڑ تھا۔

مثنٰی رضی اللہ عنہ صحرا میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، وہیں فوت ہوئے اور اُسی کی ریت تلے لحد نے ان کو اپنی آغوش میں لیا۔ ان کی تلوار دنیا کی اصلاح کے لیے چلتی رہی، تاہم وہ دنیاداری سے کوسوں دور تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور ان کی وصیت پر عمل کیا جس کی پیروی میں ''جنگ قادسیہ'' لڑی گئی۔



صحرائے عرب کا ایک گوشہ

یہ امر افسوسناک ہے کہ ہمیں تاریخی مصادر میں اس جری شہسوار قائد کے متعلق فتوحات کے دائرے سے باہر زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی زوجہ سلمیٰ بنت نصفہ اور دو بھائیوں معنّیٰ اور مسعود کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے، نہ ہم ان کی اولاد کے بارے میں کچھ جانتے ہیں اور نہ وفات تک زندگی کے کسی مرحلے میں ان کی عمر کے متعلق معلومات حاصل کر سکے ہیں۔

جب ہم مثنٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے جہاد فی سبیل اللہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں ان کے حسب ذیل امتیازات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں:

① ان کے لیے جب بھی ممکن ہوتا لڑائی کے لیے ایسی زمین پسند کرتے جو اپنی خوبیوں کی بدولت پہلے سے ان کی نظر میں ہوتی تھی۔

② وہ دشمن کے مفتوحہ علاقے کو زیر قبضہ رکھنے پر اتنی توجہ نہیں دیتے تھے جتنی کہ ان کی نگاہ دشمن کی افواج کو شکست دینے پر مرکوز رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً وہ دشمن کی زمین چھوڑ کر صحرا کی جانب نکل جاتے تھے۔

③ وہ جنگ کے ماہر اور معلم تھے۔ جنگوں کے دوران میں اور ان کے اختتام پر ان کے بارے میں اپنے لشکر سے گفت و شنید کرتے تھے۔

④ وہ غلطی سے ہمیشہ سبق حاصل کرتے تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے جنگ بویب کے بعد اپنے آپ پر تنقید کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرکے یہ اعلان کیا کہ وہ آیندہ اسے نہیں دہرائیں گے اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہا کہ وہ اس معاملے میں غیر مشروط طور پر ان کی پیروی نہ کریں۔

⑤ اچانک حملہ، تعاقب اور جدید ترین مفہوم کی رُو سے ''چھاپہ مار جنگ'' ان کے معرکوں کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

⑥ مثنی رضی اللہ عنہ جنگی نفسیات کے ماہر اور نفسیاتی رہنمائی فراہم کرنے میں طاق تھے۔ وہ بہادر، پختہ کار اور دور اندیش تھے۔ اپنی فوج سے محبت کرتے تھے اور ان کی فوج ان سے محبت کرتی تھی۔ وہ ان کی ہمت بڑھانے اور ان کو صبر کی تلقین کرنے کی ضرورت سے باخبر تھے اور اپنے بھائی کی شہادت کے موقع پر ان کا ردعمل اس کی بہترین مثال ہے۔ وہ اپنی فوج سے دشمن کے نفسیاتی رعب کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ایک رول ماڈل کے کردار سے بخوبی آگاہ تھے، چنانچہ وہ بھی اپنے ساتھیوں کے لیے ایک اچھا نمونہ تھے۔

⑦ ان میں یہ صلاحیت بھی موجود تھی کہ اپنے تجربوں کو اصول و نظریات کی شکل میں ڈھال کر انھیں واضح کرتے رہیں تاکہ ان کے ساتھی ان پر عمل کرسکیں۔



سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو پہلے پہل اسلام لائے۔ وہ دس صحابۂ کرام جنھیں جنت کی بشارت دی گئی ان میں سے ایک سعد رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ ان دس صحابہ میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ یہ ان چھ آدمیوں میں بھی شامل ہیں جنھیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیا جائے اور ان لوگوں میں بھی شامل ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی راضی رہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بہادر گھڑسوار دستے کے سپاہی تھے جو غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے پہلے آدمی تھے جنھوں نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا اور ان معدودے چند تیر اندازوں میں سے ایک تھے جن کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنھوں نے قادسیہ میں ایرانی مجوسیوں کے خلاف، جن کی قیادت رستم کر رہا تھا، ایک شاندار کامیابی حاصل کی اور تمام عراق کے علاوہ فارس کے بعض علاقے فتح کر لیے۔

کوفہ کے شہر کو بطور ایک جنگی مرکز کے سعد رضی اللہ عنہ ہی نے آباد کیا جو بعد ازاں علم وحکمت کا مرکز اور معارف دینیہ کا مینارۂ نور بنا۔ یہ بات معروف تھی کہ سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوتی ہے، رد نہیں کی جاتی، چنانچہ لوگ ان سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے کہ وہ ان کے لیے دعا کریں گے۔ سعد رضی اللہ عنہ ان مشہور سپہ سالاروں میں سے ایک ہیں جو نہایت پرسکون اعصاب کے مالک تھے اور جو جنگوں میں بہت کم غلطی کرتے تھے۔ وہ خوش طبع اور نیک دل انسان تھے۔

خود انھوں نے کہا: ''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے لیے برائی نہیں پاتا اور نہ میری کبھی نیت ہوئی کہ میں کسی کو گزند پہنچاؤں اور نہ میں بری بات کہتا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فخر کرتے اور کہا کرتے تھے: [هٰذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ] ''یہ میرے ماموں ہیں، کوئی مجھے ان جیسا ماموں تو دکھائے۔'' [1]

قبول اسلام اور غزوات وسرایا میں شرکت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ قریش سے ہے۔ وہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے: ''سعد بن مالک (ابو وقاص) بن وُہَیب بن عبد مناف بن زُہرہ بن کلاب۔''

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب مفاخرته ﷺ بسعد، حديث: 3752. حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے والد ابو وقاص مالک بن وہیب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ محترمہ آمنہ بنت وہب کے چچازاد بھائی تھے۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص:49)

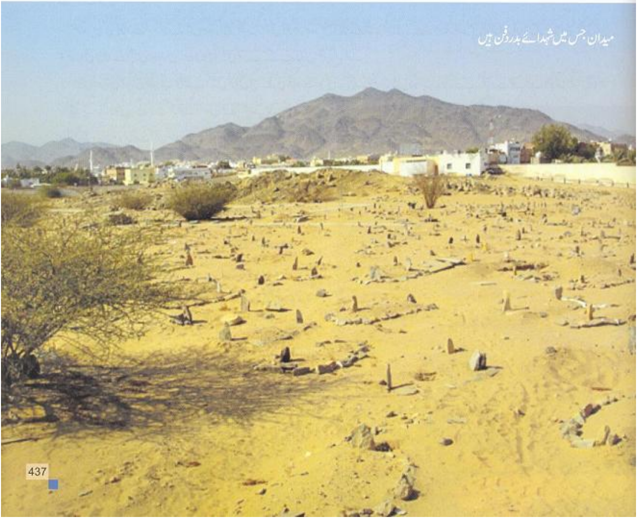
سعد رضی اللہ عنہ اسلام لانے والوں میں ساتویں نمبر پر ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ تیر سازی کے پیشے سے وابستہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

[عَلَيْكُمْ بِالرَّمْيِ فَإِنَّهُ خَيْرُ لَعِبِكُمْ]

''نشانہ بازی کو اپناؤ کیونکہ یہ تمھارے بہترین کھیلوں میں سے ایک ہے۔'' (سلسلة الأحاديث الصحيحة :204/2)

ان کے بھائی عامر اسلام لائے اور پہلی ہجرت میں، جو حبشہ کی جانب ہوئی، شامل ہوئے۔ لیکن سعد نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر ظلم و زیادتی کا مقابلہ کریں، چنانچہ وہ تین مہینے مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب کے اندر اس حالت میں محصور رہے کہ بھوک انھیں اپنے دانتوں سے کاٹ رہی تھی، یہاں تک کہ انھوں نے درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کیا۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ، بلال بن رباح اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مدینہ ہجرت کر گئے۔

مدینہ سے اسّی مہاجرین پر مشتمل ایک سریہ روانہ کیا گیا جس میں سعد رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے۔ ایک جگہ انھیں قریش کا ایک اکٹھ نظر آیا تو سعد نے ان پر تیر برسائے۔ اسلام میں یہ پہلا تیر تھا جو پھینکا گیا۔ سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ اس میں انھوں نے قریش کے دو افراد کو گرفتار



میدان جس میں شہدائے بدر دفن ہیں

کر کے قیدی بنایا۔ اسی طرح انھوں نے غزوۂ احد میں بھی شرکت کی۔ اس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد جم کر لڑنے والوں میں سے تھے۔ وہ مشرکین پر تیر برساتے تھے اور نبی ﷺ ان کے لیے دعا کرتے جاتے تھے:

[اَللّٰهُمَّ! سَدِّدْ رَمْيَتَهُ وَأَجِبْ دَعْوَتَهُ]

''اے اللہ! اس کا نشانہ درست کر اور اس کی دعا قبول کر۔'' (المستدرك للحاكم: 500/3)

حتی کہ اُس دن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی کمان سے ایک ہزار تیر چھوڑے۔

پھر سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں شامل ہوئے۔ اس دن رسول اللہ ﷺ نے حیرہ، مدائن کسریٰ، صنعاء اور روم کے محلات کی فتح کی پیش گوئی کی، جبکہ فتح مدائن کے ہیرو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن کے درمیان تھے اور اس بات کا ان میں سے کسی کو علم نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔

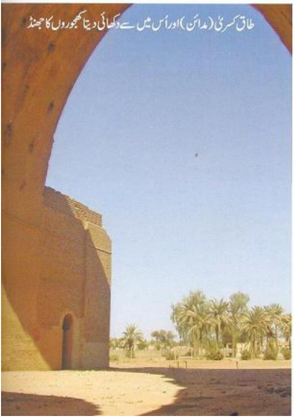
فتح عراق کا سپہ سالار

مرتدین کی بغاوت فرو کرنے میں سعد رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ رہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں ہوازن سے زکاۃ اکٹھی کرنے کے لیے عامل مقرر کیا تھا۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں عراق پر حملے کی قیادت سونپی۔ جنگ قادسیہ میں وہ سپہ سالار رہے۔ قیادت کا یہ ایک انوکھا انداز تھا جو سابقہ سپہ سالاروں سے ہٹ کر تھا۔ انھوں نے ''چھاپہ مار جنگ'' کا سہارا نہیں لیا۔ وہ نہایت عقل مند، پرسکون اور مدبر سپہ سالار تھے جنھیں کوئی چیز ان کے ہدف تک پہنچنے سے روک نہیں سکتی تھی۔

عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ عراق سے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو آپ نے ان سے سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا۔ عمرو بن معدی کرب نے جواب دیا: ''سعد اپنے گھر میں عاجز اور نرم خو ہے، اپنی چادر میں عربی ہے اور اپنی کچھار میں شیر ہے۔ وہ فیصلہ کرتے ہوئے انصاف کرتا ہے۔ تقسیم کرتے ہوئے مساوات قائم کرتا ہے۔ رات کو (جنگ کے لیے) چلتے ہوئے دور نکل جاتا ہے۔ ہم (مسلمانوں) پر مہربان ماں کی طرح شفقت کرتا ہے۔ ہمیں ہمارا حق چیونٹی کی طرح (ایک ایک ذرہ) دے دیتا ہے۔''

ان کے علاوہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ملنے آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: ''سعد اور ان کی حکومت کا کیا حال ہے؟''



طاق کسریٰ (مدائن) اور اُس میں سے دکھائی دیتا کھجوروں کا جھنڈ

انھوں نے جواب دیا: ''سعد سب سے زیادہ صلاحیت والے اور سب سے اچھے معذرت خواہ ہیں۔ سختی میں سب سے کم ہیں۔ مسلمانوں کے لیے مہربان ماں کی طرح ہیں۔ ان کے لیے یوں خوراک جمع کرتے ہیں جیسے چیونٹی جمع کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت پر ان کے بابرکت اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے۔ جنگ میں وہ سب سے مضبوط ہیں۔ لوگوں کے نزدیک قریش کے محبوب ترین آدمی ہیں۔''

امیر المومنین نے پوچھا: ''مجھے لوگوں کے حالات کے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

جریر رضی اللہ عنہ بولے: ''لوگ تو ترکش کے تیروں کے مانند ہیں۔ کچھ ان میں سے سیدھے اور پردار ہیں اور کچھ ٹیڑھے اور مڑے ہوئے ہیں۔ ابن ابی وقاص ان کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کرتے اور ان کی کجی دور کرتے ہیں۔ باقی نیتوں کو اللہ بہتر جانتا ہے۔''

اس بلیغ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انتظامی معاملات اور قیادت کے امور میں ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

سعد رضی اللہ عنہ اپنے حلیے پر بڑی توجہ دیتے تھے۔ نہایت فاخرانہ لباس زیب تن کرتے۔ کھانے پینے اور پہناوے میں بڑے اعلیٰ ذوق کے مالک تھے۔ اپنے بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے تھے اور خوشبو کے دلدادہ تھے۔ ہاتھ میں انگوٹھی بھی پہنتے تھے۔ بہت عقل مند، دوررس، مضبوط جثے والے اور ہاتھ اور زبان کے عفیف (پاکیزہ) تھے۔ اپنے گھر والوں پر مہربان اور اپنے ساتھیوں کے وفادار تھے۔ لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نرم تھے، البتہ مزاج میں کچھ تیزی تھی۔ اللہ کی خاطر غصے میں آتے۔ نظر بہت تیز تھی۔ وہ گندم گوں تھے، ناک چپٹی تھی اور قد چھوٹا اور جسم گٹھا ہوا تھا۔ سر بڑا اور انگلیاں مضبوط تھیں۔ جسم پر بہت بال تھے۔ اپنی وفات کے دن انھوں نے ڈھائی لاکھ درہم ترکے میں چھوڑے۔

سعد رضی اللہ عنہ عراق کی جانب روانہ ہوئے جبکہ مثنّٰی رضی اللہ عنہ وہاں ان کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئیں اور اپنے لشکر کے ہمراہ ان کی فوج میں شامل ہو جائیں۔ لیکن اس سے قبل کہ سعد رضی اللہ عنہ مثنّٰی سے ملتے، آخر الذکر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مثنّٰی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وصیت لکھ چھوڑی جس میں دی گئی ہدایات امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہدایات سے زیادہ مختلف نہ تھیں کہ ایرانیوں سے ٹاکرا صحرا کی سرحدوں پر ہونا چاہیے تاکہ اگر ایرانیوں کو فتح حاصل ہو تو تم مسلمانوں کو لے کر صحرائی وسعتوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ۔ اور اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو تو ایرانیوں کے پیچھے ان کے راستے میں آنے والی نہریں اور پانی کے ذخائر ان کے لیے وبال جان بن جائیں۔ رستم نے تمام ممکنہ حیلے استعمال کر کے کوشش کی کہ سعد رضی اللہ عنہ کو اس منصوبے سے ہٹا دے لیکن سعد اس پر جمے رہے اور یہاں وہاں مختلف جگہوں پر یلغاریں کر کے اُس کو اپنی من پسند جگہ قادسیہ کی جانب آنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس دوران میں سعد رضی اللہ عنہ ایسے بیمار ہوئے کہ سواری نہ کر سکتے تھے، چنانچہ انھوں نے وہاں موجود ایک قلعے کی چھت پر سے جنگ کی کمان کی۔ مسلمانوں نے ان کے اس طرزِ عمل پر شدید تنقید کی کیونکہ ان کے معمول میں یہ شامل تھا کہ سپہ سالار اپنے گھوڑے پر سوار، لشکر کے آگے آگے رہے۔ اس کے باوجود سعد رضی اللہ عنہ نے 33 ہزار نفوس پر مشتمل اپنی فوج کی ترتیب اور نظم قائم رکھنے، اپنے ہدف پر مسلسل نظر رکھنے، اپنے منصوبے پر قائم رہنے، اپنے اعصاب کو مضبوط رکھنے اور اپنے لشکر کی قیادت کرنے میں بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج سے تھا۔ اسّی (80) ہزار لوگوں کی جمعیت اس کے علاوہ تھی جو مختلف نوعیت کی خدمات سرانجام دیتی تھی۔ اس عظیم معرکے کا اختتام ایرانیوں کی رسوا کن شکست پر ہوا۔ رستم سمیت لشکرِ فارس کے کئی سپہ سالاروں کی ہلاکت کے علاوہ عام سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد قتل ہوئی اور جو باقی بچے انھوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ہمرکابی میں مدائن کی جانب روانہ ہوئے اور اس کی سات بستیوں میں سے ایک بہر سیر پر قبضہ کر لیا جو

دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھی۔ دریا میں سیلاب آگیا تو سعد ؓ نے اپنے لشکر کے ساتھ گھوڑوں کی پشت پر اسے پار کیا اور مدائن میں داخل ہو کر کسریٰ کے ایوان میں نماز شکرانہ ادا کی۔ مدائن ہی سے انھوں نے فوجیں آگے روانہ کیں جو جلولاء، حلوان، اُبلہ، تکریت، موصل، ہیت، قرقیسیاء اور الجزیرہ کے علاقے فتح کرتی گئیں۔ (16ھ-17ھ/637ء-638ء)

عراق کی فتوحات کے بعد

ابھی جنگ نہاوند کی تیاری جاری تھی کہ بنو اسد کے چند لوگوں نے سعد ؓ کی شکایت کی کہ ''وہ مال مساوات سے تقسیم نہیں کرتے۔ فیصلہ کرتے ہوئے انصاف سے کام نہیں لیتے۔ معرکۂ کارزار میں خود لڑائی نہیں کرتے اور نماز صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے۔''

اگرچہ امیر المومنین عمر فاروق ؓ کی جانب سے اس سلسلے میں کی جانے والی تفتیشی کارروائی کے بعد سعد ؓ کو ان الزامات سے بری کر دیا گیا، اس کے باوجود امیر المومنین نے انھیں اپنے مشیر کے طور پر مدینہ ہی میں ٹھہرا لیا، پھر انھیں چیدہ چیدہ صحابہ کی ایک جماعت میں عمرو بن عاص ؓ کی مدد کے لیے مصر بھیج دیا، چنانچہ سعد ؓ ان سپاہیوں میں شامل تھے جن کے ہاتھوں بابلیون (مصر) کا قلعہ فتح ہوا۔

حضرت عمر فاروق ؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا دور شروع ہوا تو سعد ؓ نے بالکل کنارہ کش ہو کر مدینہ سے دس میل پر مقام عقیق [1] میں واقع اپنے گھر میں رہائش اختیار کر لی اور وفات تک وہیں مقیم رہے اور 55ھ/674ء میں 78 سال کی عمر پا کر فوت ہو گئے۔ وفات سے قبل انھوں نے وصیت کی کہ انھیں اس جبے میں کفنایا جائے جسے پہن کر وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اس جبے کو انھوں نے پچاس سال تک اسی دن کے لیے سنبھال کر رکھا تھا۔ مسجد نبوی میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بقیع میں دفن کیے گئے۔



قبرستان بقیع اور مسجد نبوی کے مینار

[1] عقیق: یہ مدینہ کے نواح میں چشموں اور کھجوروں کے باغات کی وادی ہے جو مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ہے۔ شمال میں مجمع الاسیال کے مقام پر دیگر وادیاں (ندیاں) عقیق ندی سے آملتی ہیں۔ یہاں اسے عقیق اکبر کہتے ہیں۔ اس وادی کو حدیث میں وادئ مبارک بھی کہا گیا ہے۔ نبی ﷺ سفر حج میں اس وادی سے گزرے تو فرشتے نے آپ سے فرمایا: [اِنَّكَ بِوَادٍ مُّبَارَكٍ] ''آپ وادئ مبارک میں ہیں۔'' نبی ﷺ جہاں سے گزرے تھے وہ مقام وادئ ذوالحلیفہ کے اندر ہے اور وہ وادئ عقیق سے قریب تر ہے۔ (معجم البلدان: 139/4، اٹلس سیرت نبوی: 156)

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

زندگی کے ابتدائی ایام

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی پرورش تنگ دستی میں ہوئی اگرچہ ان کے باپ عاص بن وائل کا شمار قریش کے سرداروں اور مالدار لوگوں میں ہوتا تھا۔ عمرو جاہلیت میں قصاب کے پیشے سے وابستہ تھے اور تجارت بھی کیا کرتے تھے، چنانچہ گرمیوں میں شام اور مصر کی جانب تجارت کی غرض سے سفر کرتے۔ وہ ابوسفیان کے ساتھ قریش کے اس تجارتی قافلے میں بھی شامل تھے جو بدر کے دن مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا۔ عمرو اُحد کے دن اور غزوۂ احزاب میں بھی مشرکین کے ہمراہ تھے۔ وہ قریش کے قابل ذکر شہ سواروں میں سے تھے۔

قریش نے دوبار عمرو بن عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے آئے ہیں، وہ انھیں واپس کر دے۔ دوسری بار نجاشی کے رویے نے عمرو پر خاطر خواہ اثر ڈالا، چنانچہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر صفر 8 ھ / جون 629ء میں خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ انھوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جمادی الآخرہ 8ھ / اکتوبر 629ء میں مہاجرین اور انصار کے تین سو چیدہ چیدہ لوگوں پر مشتمل ایک سریے کا امیر بنا کر ذات السلاسل کی جانب روانہ کیا۔ بعد ازاں عمرو مسلمانوں کے ساتھ فتح مکہ میں بھی شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبیلہ ہذیل کی جانب بھیجا جہاں انھوں نے سواع نامی بت کو توڑا۔

حلیہ اور صفات واخلاق

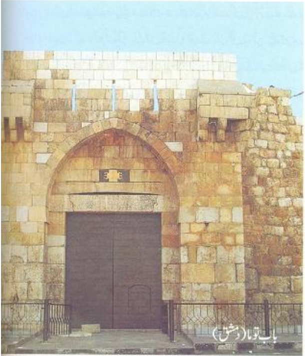
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں۔ چہرہ مسکراتا ہوا اور روشن تھا۔ سر بڑا تھا۔ قد درمیانہ اور مائل بہ پستی تھا۔ اپنے بالوں کو کالا خضاب لگاتے تھے۔ نہایت حاضر جواب اور بیدار مغز تھے۔ بہادر اور بے باک تھے۔ اسی طرح ہوشیاری اور چالاکی میں بھی معروف تھے۔ ہشام بن کلبی کی روایت ہے کہ اپنے اوصاف بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ''تم جانتے ہو کہ میں جنگ میں پلٹ پلٹ کر حملہ کرتا ہوں۔ زمانے کے حوادث اور اس کے تغیرات پر بہت صبر کرتا ہوں۔ میں کسی کی ضرورت اور حاجت سے غافل نہیں رہتا۔ گویا میں درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا اژدہا ہوں............''

عمرو رضی اللہ عنہ امارت کو پسند کرتے تھے اور وہ اس کے لائق بھی تھے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کہا: ''ابوعبداللہ صرف امیر بن کر چلتا ہوا اچھا لگتا ہے۔''

ان کے متعلق معروف تھا کہ ان کی زبان میں بہت فصاحت وبلاغت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو بات کرتے ہوئے اٹکتا اور اسے مکمل طور پر واضح نہ کر سکتا تو کہتے: ''میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جو اس آدمی کو پیدا کرنے والا ہے اور عمرو بن عاص کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے۔''

جنگ آزمودہ اور مردِ میدان

فتح شام کا موقع آیا تو رجب 12 ھ / اکتوبر 633ء میں مسلمانوں کا لشکر، جس کی تعداد سات ہزار تھی، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا، پھر اسی ماہ شُرحبیل رضی اللہ عنہ سات ہزار فوج کے سپہ سالار بن کر عازمِ سفر ہوئے۔ بعد ازاں شعبان 12 ھ / اکتوبر 633ء میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سات ہزار فوج کی قیادت کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ ان کے بعد چوتھا لشکر، جس کی تعداد تین ہزار تھی اور جس میں قریش کے وہ سردار بھی شامل تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، 3 محرم 13 ھ / 10 مارچ 634ء کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ انھوں نے سابقہ سپہ سالاروں کے برعکس زیریں فلسطین میں سے غمر العربات تک ساحل کا راستہ اختیار کیا، پھر عراق سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نو ہزار فوج کی معیت میں ان کے ساتھ آ ملے۔



عمرو رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے معرکۂ اجنادین میں اور دمشق کے محاصرے میں اور جنگ بیسان میں دوسرے لشکروں کے ساتھ شامل رہے، پھر دمشق کے دوسرے محاصرے میں وہ باب توما پر اترے یہاں تک کہ دمشق فتح ہو گیا۔

پھر یرموک کا معرکہ پیش آیا۔ یرموک سے ہمیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایسی باتیں پہنچی ہیں جو جنگی فنون پر ان کی گہری نظر کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہوا یوں کہ رومی، ہرقل کے فرمان کے مطابق واقوصہ [1] میں ایک کھلی جگہ جمع ہو گئے جس سے نکلنے کا راستہ تنگ تھا۔ اس پر عمرو نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اے لوگو! خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! رومی محصور ہو گئے ہیں، اور محصور آدمی بہت کم بھلائی پاتے ہیں۔''

اپنے رجالِ کار کو وہ یہ ہدایات دیتے:

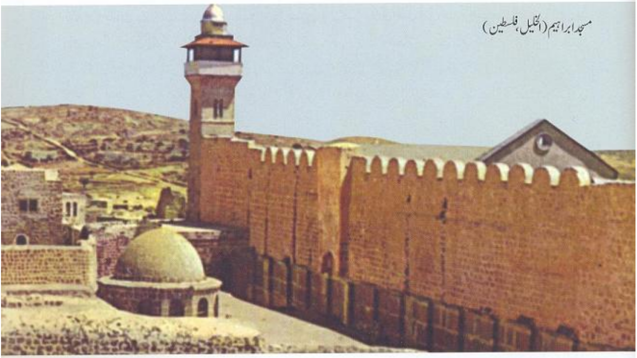
''اے لوگو! اپنی نظریں جھکا کر گھٹنوں کے بل رہو، اور نیزے تانے رکھو، اور اپنے اپنے مستقر اور اپنی اپنی صفوں میں جمے رہو۔ جب دشمن تم پر حملہ آور ہو تو اسے مہلت دو یہاں تک کہ وہ تمھارے نیزوں کی انیوں پر آ چڑھے، پھر شیر کی طرح اس کے چہرے پر جست لگاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جو سچائی کو پسند کرتا اور اس پر ثواب دیتا ہے، اور جھوٹ کو ناپسند کرتا اور اس پر سزا دیتا ہے، اور نیکی کا سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے! مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ عنقریب مسلمان اس علاقے کے ایک ایک گاؤں اور ایک ایک محل کو فتح کریں گے، لہٰذا ان کی تعداد اور ان کی جماعتیں تمھیں مرعوب نہ کریں۔ اگر تم نے واقعی ان کو سختی دکھائی تو وہ چکور کے بچوں کی طرح سہم جائیں گے۔''

1 واقوصہ کا جدید نام یاقوصہ ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 286/23 عنوان ''الیرموک'')

یرموک میں مسلمانوں کے میمنہ کی کمان عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ میں پہلا ٹکراؤ انھی کے ساتھ ہوا، چنانچہ ان کے ساتھی بکھر گئے اور وہ اکیلے خاصی دیر رومیوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑے رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھی ان کی طرف پلٹ آئے۔

جنگ میں رومیوں کو بھاری شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ 5 رجب 15 ھ / 13 اگست 636ء کا واقعہ ہے۔ ''یرموک'' کی فتح کے بعد شام کو چار سپہ سالاروں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ فلسطین پر مامور ہوئے اور ان کی قیادت میں سبسطیہ، نابلس، لُد، یبنی، عمواس، بیت جبرین، عسقلان، غزہ اور رفح کے علاقے فتح ہوئے اور فلسطین دشمن سے خالی ہوگیا۔ صرف جبال الخلیل [1] پر واقع القدس (بیت المقدس) کا شہر، جو فلسطین کا مرکز تھا، باقی رہ گیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا حتی کہ ربیع الآخر 16 ھ / مئی 637ء میں اس کی چابیاں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئیں اور عمرو رضی اللہ عنہ اس کے صلح نامے کے گواہوں میں شامل ہوئے۔

شام آتے ہوئے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ملاقات جابیہ میں اسلامی لشکر سے ہوئی۔ وہیں عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے فتح مصر کی اجازت حاصل کی۔ بعد ازاں عمواس میں طاعون پھیل گیا جس سے عام لوگوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا اور عمرو نے بھانپ لیا کہ یہ وبا پھیلتی جائے گی، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ گھاٹیوں اور وادیوں میں بکھر جائیں۔ اس کے بعد وبا ختم ہوگئی۔



مسجد ابراہیم (الخلیل، فلسطین)

[1] اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں ''جبال الجلیل'' لکھا گیا ہے جبکہ یہ جبال الخلیل، یعنی ''الخلیل کے پہاڑ'' ہیں اور الخلیل شہر (قدیم عبرانی نام Hebron) سے موسوم ہیں جو بیت المقدس کے جنوب میں انھی پہاڑوں میں واقع ہے۔ اس کے برعکس ھضبة الجليل (گلیل کی سطح مرتفع) شمالی فلسطین میں سرحد لبنان کی جانب واقع ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص:43)

فتح مصر کا بے مثال کارنامہ

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قیساریہ سے مصر روانہ ہوئے اور عریش سے فرما تک کا علاقہ عبور کر کے وہاں کا قلعہ فتح کیا، پھر بلبیس، ام دُنین، عین الشمس، الفیوم اور آس پاس کے دیہی علاقے اور آخر میں توج فتح کر لیے۔ آخر کار رمضان 21ھ / اگست 642ء میں اسکندریہ کی فتح کے ساتھ فتوحاتِ مصر کی تکمیل ہوگئی۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے پہلے امیر ہوئے اور انھوں نے براعظم افریقہ میں پہلی مسجد تعمیر کی جو اب تک ان کے نام سے منسوب اور معروف ہے، پھر اس مسجد کے گرد شہر فسطاط آباد کیا تاکہ وہ مصر کا اسلامی دارالحکومت بنے۔ انھوں نے مصر کے قبطیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے دینی و معاشی معاملات میں رومیوں نے ان پر جو ظلم روا رکھا تھا، اُس کا قلع قمع کیا۔ وہاں کے بطریق بنیامین کے لیے معافی کا اعلان کیا۔ بنا بریں ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت مصری قبطیوں کے لیے ان سے پہلے بلکہ بعد میں آنے والے فرماں رواؤں کے مقابلے میں بھی ایک سنہری دور تھا۔ یہاں ہم حنا نقیوسی کے اس دعوے سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو اس نے اس معاملے میں کیا ہے۔ اس نے تمام قبطی اور اسلامی تاریخی مصادر کی مخالفت کی ہے۔ اس کی رائے ان حقائق کے بھی منافی ہے جو مصر کے علاوہ دوسرے ممالک کے لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں نے فتح کیے، ان کے سلوک کے متعلق ثابت ہیں۔ اسی طرح یہ دعویٰ اللہ کی نازل کردہ شریعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبطیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیتوں کے بھی خلاف ہے جن پر مسلمان عمل کرتے رہے اور وہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔

حنا کے متعلق جو کچھ ہماری معلومات ہیں، ان کی رو سے اُس نے اپنی تاریخ قبطیوں اور مسلمانوں کے مابین بپا ہونے والے فتنوں کے عہد میں لکھی۔ حاکم مصر عبدالعزیز بن مروان نے ان فتنوں کا قلع قمع کیا۔ حنا مسلمانوں کے ابتدائی عہدِ حکومت سے لے کر آخر تک ایک مؤرخ کی امانت داری برتنے کے برخلاف ان پر لعن طعن کرتا ہے۔

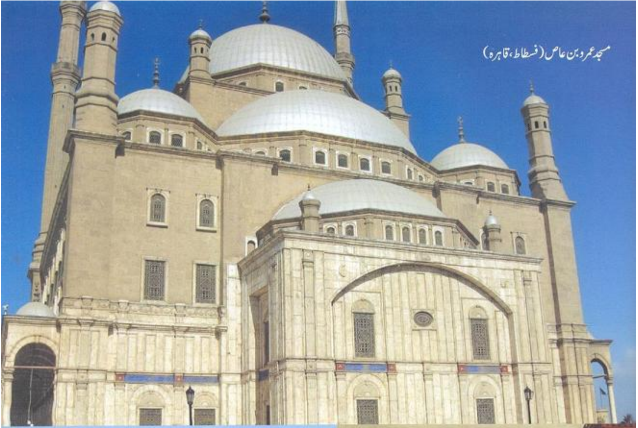
عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کی حکمرانی سے معزول کر دیا لیکن مینوئل ''خصی'' کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے انھیں دوبارہ والی بنا دیا گیا۔[1]

رب تعالیٰ کے حضور میں

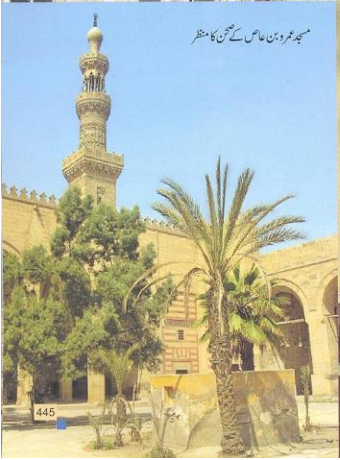
جب عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو کہنے لگے: ''اے اللہ! تو نے کچھ کاموں کا حکم دیا اور کچھ کاموں سے روکا۔ جن کاموں کا تو نے حکم دیا، ان میں سے زیادہ تر ہم نے چھوڑ دیے اور جن کاموں سے تو نے منع کیا، ان میں سے زیادہ تر کا ہم نے ارتکاب کیا۔ اے اللہ! کوئی طاقتور نہیں جس کی مدد حاصل کروں اور بے گناہ نہیں ہوں کہ عذر پیش کروں۔ اور میں تکبر نہیں کرتا بلکہ تیری بخشش چاہتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

وہ یہی بات دہراتے رہے حتی کہ عید الفطر کی رات 43ھ / 663ء میں فوت ہوئے اور مُقطَّم کے پاس (فسطاط کے مشرق میں) دفن ہوئے۔ یہ جگہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قبر کے قریب ہے۔ آج کل عمرو رضی اللہ عنہ کی قبر کا پتہ نہیں۔ اللہ اُن پر کروڑوں رحمتیں برسائے!

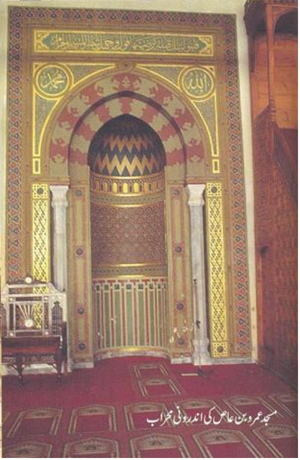
[1] قیصر قسطنطین نے ایک تجربہ کار سپہ سالار کو ایک زبردست فوج دے کر کشتیوں کے ذریعے سے اسکندریہ کی جانب روانہ کیا۔ اسکندریہ کے رومی (یونانی) اس سے مل گئے اور معمولی جھڑپ کے بعد شہر رومی فوج کے قبضے میں آ گیا۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ گورنر مصر مامور کیا اور انھوں نے اسکندریہ تیسری مرتبہ فتح کیا۔ اس سے پہلے انھوں نے تمام شہر کو ویران و مسمار کرنے کی قسم کھائی تھی مگر فتح کے بعد انھوں نے لشکر کو قتل و غارت سے روک دیا اور جس جگہ قسم کھائی تھی وہاں مسجد رحمت تعمیر کرا دی۔ (تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی: 430/1)



مسجد عمرو بن عاص (فسطاط، قاہرہ)



مسجد عمرو بن عاص کے صحن کا منظر



مسجد عمرو بن عاص کی اندرونی محراب



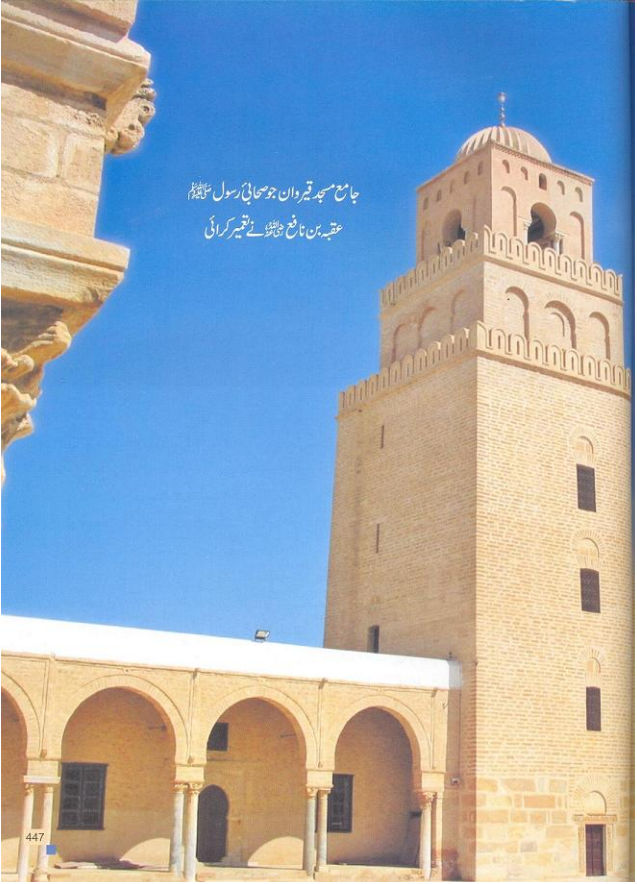
عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ

عقبہ بن نافع بن عبدالقیس قُرشی فہری پہلی صدی ہجری کے نامور سپہ سالار ہیں جنھوں نے شمالی افریقہ میں ابتدائی عربی فتوحات کو استوار اور محکم بنا کر بربری مقاومت کا قلع قمع کرنے کی سعی کی۔

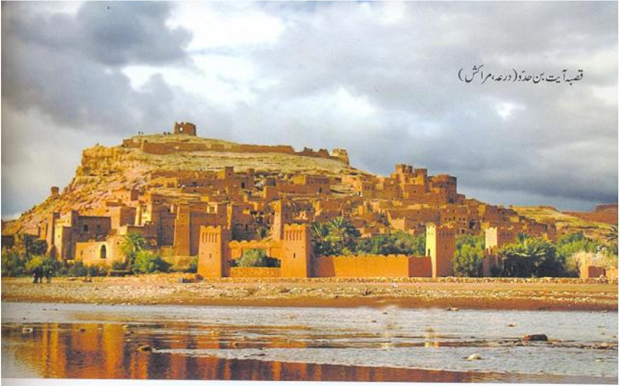
عقبہ کی ولادت دورِ نبوت کے آخری سالوں میں ہوئی۔ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نامور فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے جنھوں نے 43ھ/663ء میں اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عقبہ کو عساکر افریقیہ کا سردارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت وہ غدامس (لیبیا) اور بلادِ سُودان میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مصروف پیکار تھے۔ اس لشکر کشی میں عقبہ کے ہمراہ دس ہزار سوار تھے جن میں بعد ازاں نومسلم بربر بھی شامل ہو گئے۔ 50ھ/670ء میں عقبہ نے صوبہ بیزاسین (Byzacene) کے وسط میں قیروان کے مستحکم فوجی قلعے کی بنیاد رکھی۔

''قیروان'' فارسی لفظ ''کاروان'' کا معرب ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے قیروان کی تعمیر کے لیے جو مقام پسند کیا وہاں بڑا گھنا جنگل تھا اور وہ سمندر سے دور تھا، اس وجہ سے رومیوں کے بحری بیڑے وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان کے ساتھی کہنے لگے: اس گھنے جنگل میں درندے اور زہریلے کیڑے مکوڑے بہت ہیں جن سے ہمیں ڈر لگتا ہے۔ سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے، چنانچہ انھوں نے لشکر میں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا جن کی تعداد 18 تھی، اور آواز دی: ''اے حشرات الارض اور درندوں کی جماعت! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ ہم یہاں رہنے آئے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔'' (یہ بات انھوں نے تین بار دہرائی) ''اس کے بعد جو ملے گا، اسے ہم قتل کر دیں گے۔'' پھر لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا کہ درندے اپنے اپنے بچوں کو اٹھائے جا رہے ہیں۔ سانپ بھی اپنے بچوں کو مونہوں میں دبائے جا رہے ہیں۔ کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ تھا جس کے نیچے سے کوئی نہ کوئی جانور نکل کر نہ جا رہا ہو، اور وہ گروہ کے گروہ نکلے جا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر بہت سے بربر مسلمان ہو گئے۔

جنگل خالی ہو جانے کے بعد عقبہ رضی اللہ عنہ نے وہاں دار الحکومت تعمیر کیا اور باقی لوگوں نے اس کے آس پاس اپنے گھر تعمیر کیے۔ اس کے بعد چالیس سال تک اس شہر میں کوئی سانپ یا بچھو نہ دیکھا گیا۔ اس شہر میں جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی جس کے لیے قبلے کی سمت کے تعین کا معاملہ خاصا نازک تھا۔ سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے رات خواب میں کسی کو سنا، وہ کہہ رہا تھا: صبح جب مسجد میں



جامع مسجد قیروان جو صحابیٔ رسول ﷺ
عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرائی



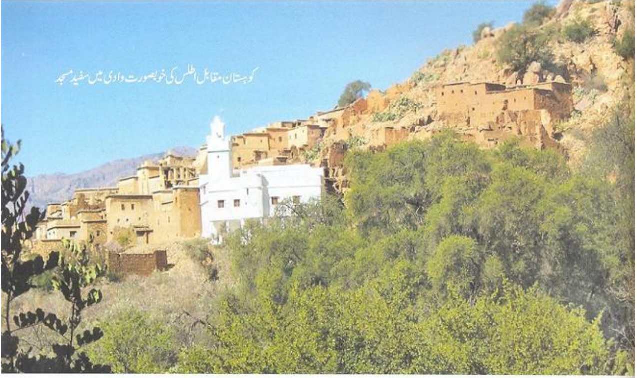
قصبہ آیت بن حدّو (درعہ، مراکش)

جاؤ گے تو تکبیر کی آواز آئے گی۔ اس کی سمت میں جانے پر جہاں وہ آواز منقطع ہوگی، وہی سمت قبلہ ہوگی۔ یوں تعیین قبلہ کا مسئلہ حل ہوگیا۔ عقبہ بن نافع ؓ سے پہلے معاویہ بن حدیج ؓ نے قیروان شہر کی تعمیر کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا، اسے ''قرن'' کہتے ہیں، تاہم عقبہ بن نافع نے اس جگہ کو پسند نہ کیا بلکہ وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پسند کی اور قیروان شہر کی بنیاد ڈالی۔

قیروان کی تاسیس سے عربوں کو ایک مضبوط فوجی مستقر ہاتھ آگیا جس سے افریقہ میں اشاعت اسلام کا راستہ صاف ہوگیا مگر اسلام کی اس اشاعت کا ثمرہ عقبہ ؓ کے نصیبوں میں نہ تھا۔ افریقہ صوبۂ مصر کے تابع رہا اور نئے حاکم مسلمہ بن مخلد الانصاری نے 53ھ/673ء میں عقبہ کو ان کے عہدے سے معزول کر کے ان کی جگہ اپنے ایک مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ابوالمہاجر کو مامور کر دیا۔ ابوالمہاجر نے الجزائر پر حملہ کر دیا اور بقول ابن خلدون تلمسان تک بڑھتا چلا گیا۔ عقبہ بن نافع ؓ نے اس بدسلوکی کے خلاف، جو اس کے ساتھ والیٔ مصر نے روا رکھی تھی، خلیفہ حضرت معاویہ ؓ سے شکایت کی اور کچھ عرصہ بعد حضرت معاویہ ؓ کے جانشین نے اسے دوبارہ والی بنا دیا۔

افریقہ میں عقبہ ؓ کے دوبارہ تقرر کی تاریخ یقیناً 62ھ/682ء متعین کی جاسکتی ہے۔ ان کے حریف ابوالمہاجر نے اپنی فوج کشی کے دوران میں بربر سردار کُسیلہ کو شکست دے دی تھی اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اب عقبہ ؓ نے اپنی گزشتہ مہم سے بھی زیادہ شاندار مہم کا اہتمام کیا۔ عقبہ بن نافع ؓ کی فوج، جس کا ہراول دستہ زُہیر بن قیس البلوی کی قیادت میں تھا، قیروان سے وسطی المغرب (الجزائر) کی طرف بڑھی اور پہلے زاب میں اور بعد ازاں تاہرت میں بربر اور بازنطینی افواج سے نبرد آزما ہوئی۔ عقبہ ؓ نے انھیں شکست دی اور ان سے خراج وصول کیا۔ بالآخر وہ طنجہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔

غمارہ کے سردار الیان (غالباً Julian) نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور ان کا فوجی مشیر بن گیا۔ اس نے عقبہ ؓ کو آبنائے جبل الطارق عبور کر کے اندلس کو زیرِ نگین کر لینے کے ارادے سے باز رکھا، اور اس خطرے سے آگاہ کیا جو عرب فوج کو ابھی تک کوہ اطلس کبیر اور سوس کے کافر بربروں سے لاحق تھا، لہٰذا عقبہ بن نافع ؓ نے اب بربروں کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے انھوں نے زرہون کے قلۂ کوہ پر قبضہ کیا، شہر ولیلی



کوہستان مقابل اطلس کی خوبصورت وادی میں سفید مسجد

(Volubilis) کو فتح کیا، اور پھر وسطی کوہ اطلس عبور کر کے درعہ (Dra'a) اور سوس کے راستے آگے بڑھے جہاں کے باشندوں کا انھوں نے صحرائے لمتونہ تک تعاقب کیا، پھر وہ ساحل بحر اوقیانوس کا رخ کرتے ہوئے بلاد آسفی میں پہنچے اور جبل دَرَن (اطلس کبیر) کے مصمودہ بربری قبائل اور پھر تارُودانت تک مقابل اطلس (Anti-Atlas) کے بربروں کو مطیع و منقاد کرنا شروع کیا۔ لیکن بظاہر شاندار یہ فتوحات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ جب انھوں نے فوج کے ہمراہ اپنے وطن کا رخ کیا تو بظاہر انھیں یہ احساس نہ تھا کہ ان علاقوں کو از سرِ نو فتح کرنا پڑے گا۔ کسیلہ فرار ہو گیا تھا اور اب اس نے منظم طریق پر مزاحمت شروع کر دی تھی۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خوش بختی کے زعم میں اس خطرے کو نظر انداز کر دیا، یہاں تک کہ جب وہ زاب پہنچے تو انھوں نے طبنہ کے مقام پر اپنی فوج کو متعدد دستوں میں منقسم کر کے انھیں یکے بعد دیگرے قیروان کی طرف روانہ کر دیا۔ انھیں ان بربروں پر بھروسا تھا جو ان کی اطاعت قبول کر چکے تھے، چنانچہ جب وہ طبنہ سے ''اَوْرَاس'' کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ عربوں کی صرف ایک مختصر سی فوج تھی۔ لیکن زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ صحرا کے کنارے مقام تہوذہ پر انھیں کُسیلہ کے جتھوں نے آگھیرا اور 63ھ/683ء میں وہ اپنے تین سو ہمراہیوں سمیت لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی قبریں اسی مقام پر موجود ہیں جو اب ایک چھوٹے سے گاؤں سیدی عقبہ کا مرکز بن گیا ہے۔ یہ گاؤں تہوذہ کی قدیم جائے وقوع کے قریب ہی بِسکرہ کے جنوب مشرق میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔[1]

1 ملخص از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 13/397-400، معجم البلدان: 4/421,420، أسد الغابة: 4/58,57.

طارق بن زیاد رحمۃ اللہ

طارق بن زیاد بن عبداللہ، فاتح ہسپانیہ اوراس کا پہلا والی (شوال 92ھ / جولائی 711ء تا جمادی الاولیٰ 93ھ / مارچ، اپریل 712ء) دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں سے ہے جس نے مختصر سی فوج کے ساتھ اسپین فتح کیا اوراس میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر یورپ کی سیاسی، معاشی اورثقافتی زندگی میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ بحثیت انسان وہ متقی، فرض شناس اور بلند ہمت تھا۔

الادریسی کے نزدیک وہ زناتہ کا بربر تھا جبکہ ابن خلدون اسے طارق بن زیاد اللیثی بتاتا ہے۔ بعض مؤرخین کی رائے میں وہ ایرانی الاصل اور ہمدان کا باشندہ تھا۔ ابن عذاری نے اس کا مکمل شجرہ لکھا ہے اوراس کا تعلق بنونفزہ سے ملایا ہے۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ وہ موسیٰ بن نُصیر کا آزاد کردہ غلام (مولی) اور نائب تھا۔ طارق بن زیاد کی تعلیم وتربیت موسیٰ بن نصیر ایسے ماہر حرب اور عظیم سپہ سالار کے زیر نگرانی ہوئی تھی۔ طارق نے فن سپہ گری میں بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ اس کی بہادری اور جنگی چالوں میں مہارت کے چرچے ہونے لگے۔ وہ جنگی منصوبہ بندی میں بڑا ماہر تھا اور غیر معمولی ذہین، دُور بین اور مستعد قائد تھا۔

ہسپانیہ (اندلس) پرحملہ آور ہونے سے پہلے طارق کواس کی انتظامی قابلیت کی بنا پر طنجہ کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ افریقیہ کے اسلامی صوبے کو اندلس کی بحری قوت سے خطرہ لاحق تھا، نیز دوسرے محرکات کی بنا پر موسیٰ بن نُصیر نے ہسپانیہ کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ اس نے دشمن کی طاقت اور دفاعی استحکامات کا جائزہ لینے اور جنگی نوعیت کی معلومات حاصل کرنے کے لیے رمضان 91ھ / جولائی 710ء میں ایک مہم وہاں بھیجی جو چار سو مجاہدین پر مشتمل تھی، اوراس کا قائد موسیٰ کا آزاد کردہ غلام طریف بن مالک النخعی تھا۔ طریف جنوبی اندلس میں جس مقام پر اترا اس کا نام بھی اس کے نام پر



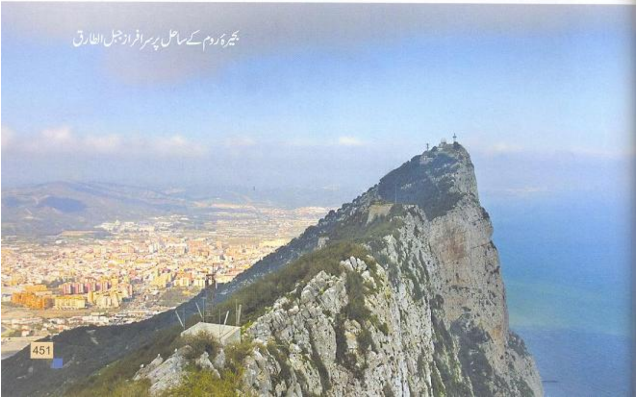
10 صدی عیسوی میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا تعمیر کردہ قلعہ طریفہ (Tarifa)

طریقہ پڑ گیا۔ یہاں سے اس نے جزیرۃ الخضراء پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس مہم کی کامیابی کے بعد موسیٰ بن نُصَیر نے اپنے نائب طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج دے کر ہسپانیہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ اس فوج میں بربروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس مہم میں طارق نے جزیرۃ الخضراء اور سبتہ کے گورنر کاؤنٹ جولین کے بحری جہاز بھی استعمال کیے جو اس نے ایک معاہدے کے تحت بھیجے تھے۔ اہلِ اندلس یہی سمجھتے رہے کہ یہ تجارتی کشتیاں ہیں اور تاجر آ جا رہے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے لوگ کر کے سارا لشکر سمندر (آبنائے جبرالٹر) پار کر گیا۔ اس دوران میں جولین اپنے علاقے جزیرۃ الخضراء آتا جاتا رہا تاکہ ہسپانوی مطمئن رہیں۔ اسلامی لشکر دوشنبہ 24 رجب 92ھ / مئی 711ء کو ہسپانیہ کے ساحل پر اترا، اور اس نے ایک پہاڑ کے قریب اپنے قدم جما لیے جو بعد میں طارق کے نام پر جبل الطارق کہلایا جسے یورپی زبانوں میں بگاڑ کر جبرالٹر (Gibralter) کہا گیا۔ جبرالٹر سے پیش قدمی کر کے طارق نے قلعۂ قرطاجنہ پر قبضہ کر لیا۔

سمندری سفر کے دوران میں طارق نے خواب میں دیکھا تھا کہ نبی ﷺ اور مہاجرین و انصار تلواریں لٹکائے ہوئے اور کمانیں کسے ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے طارق! آگے بڑھو اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی برتنا، نیز عہد پورا کرنا۔'' طارق نے یہ بھی دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اندلس میں داخل ہو رہے ہیں۔ بیدار ہو کر طارق نے یہ خواب ساتھیوں کو سنایا اور انھیں کامیابی کی خوشخبری دی۔

طارق نے جبرالٹر سے پیش قدمی کر کے جزیرۃ الخضراء فتح کیا تو اسے وہاں ایک بڑھیا ملی۔ اس کا خاوند پیش گوئی کا ماہر تھا، وہ بیان کیا کرتا تھا کہ ایک امیر تمھارے ملک میں داخل ہوگا اور تم پر غالب آ جائے گا۔ اس کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کا سر بڑا ہوگا اور اس کے بائیں شانے پر ایک تل ہوگا جس پر بال اگے ہوں گے۔ جب بڑھیا سے یہ سُن کر طارق نے اپنا شانہ ننگا کیا تو وہ ایسے ہی تھا جیسے بیان کیا گیا تھا۔ اس کو بھی طارق نے اپنے لیے نیک شگون جانا۔

طارق نے جنگ کے لیے ایسی جگہ منتخب کی جو فوجی لحاظ سے اسلامی لشکر کے لیے محفوظ تھی۔ اس کے قریب پانی اور سامان رسد کی سہولتیں موجود تھیں۔ یہ جگہ وادیٔ برباط (وادیٔ بکہ) کے کنارے تھی اور اسلامی لشکر کے عقب میں جھیل لاجندا (La Janda) تھی، جسے عرب البحیرہ کہنے لگے۔



بحیرہ روم کے ساحل پر سرافراز جبل الطارق

جنگ سے پہلے طارق کے فوجی دستوں نے قرب و جوار کے قصبوں اور شہروں کو فتح کر لیا اور وہاں سے فوج کے لیے کافی سامان رسد حاصل کیا۔ ان علاقوں کا گورنر تدمیر (Theodomir) تھا، اس نے ہسپانیہ کے مغربی قوطی (Visigoth) بادشاہ راڈرک (Roderic، عربی: لذریق یا رذریق) کو اطلاع دی۔ راڈرک لشکر جرار لے کر مقابلے کے لیے آیا اور دریائے برباط کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ اس اثناء میں طارق کو موسیٰ بن نُصیر کی بھیجی ہوئی مزید پانچ ہزار سپاہ کی کمک مل چکی تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے طارق بن زیاد نے اپنی فوج کے سامنے جو ولولہ انگیز خطبہ دیا، اسلامی لٹریچر میں اسے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آٹھ دن گھمسان کا رن پڑا اور آخر کار ہسپانوی فوج کو شکست فاش ہوئی (28 رمضان 92ھ / 19 جولائی 711ء) اور شاہ راڈرک بھاگ نکلا لیکن اس کے انجام کا علم نہ ہو سکا۔ یہ جنگ اس اعتبار سے فیصلہ کن تھی کہ ہسپانوی فوج پھر کہیں بھی متحد ہو کر اسلامی لشکر کا کامیابی سے مقابلہ نہ کر سکی۔ فاتح طارق بن زیاد کے لیے اب میدان صاف تھا۔ اس نے اندلس کے جنوب مغربی علاقے کا رخ کر کے صوبۂ قادس کے مشہور شہر شذونہ، اور اس کے بعد حصن المدور، قرمونہ، اشبیلیہ، استجہ، قرطبہ، مالقہ، البیرہ، ریہ، اریولہ اور طلیطلہ پر قبضہ کر لیا۔ قرطبہ طارق کے حکم سے مغیث نے اوائل 93ھ / اکتوبر 711ء میں فتح کیا۔ ان فتوحات کے بعد طارق نے شمالی اسپین کا رخ کیا اور وہاں استرقہ (استوریاس) اور پھر صوبۂ جلیقیہ فتح کیا۔ ان مہمات میں بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ لگا جس میں مائدۂ سلیمان کا خصوصی ذکر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سبز زبرجد سے بنے اس دسترخوان کے 360 پائے تھے اور وہ یاقوت، مرجان اور موتیوں سے مرصّع تھا۔

قوطی بادشاہ راڈرک کی شکست فاش اور طارق کی حیرت انگیز فتوحات کی خبریں سن کر افریقیہ کے والی موسیٰ بن نُصیر نے حکومت اپنے بیٹے عبداللہ کے سپرد کی اور خود اٹھارہ ہزار فوج لے کر رمضان 93ھ / جون 712ء میں آبنائے کو عبور کر کے ہسپانیہ میں جزیرۃ الخضراء میں اترا۔ موسیٰ جس پہاڑی کے قریب اترا، وہ جبل موسیٰ کہلانے لگی۔ ان کی فوج میں زیادہ تر عرب اور شامی سپاہی تھے۔ انھوں نے طارق کے مفتوحہ و مقبوضہ علاقوں کو چھوڑ کر غیر مفتوح حصوں کا رخ کیا اور شذونہ، قرمونہ، اشبیلیہ اور ماردہ فتح کیے۔

94ھ / 713ء میں موسیٰ اور طارق کی ملاقات طلیطلہ میں ہوئی۔ دونوں سپہ سالاروں نے مفتوحہ علاقوں کی انتظامی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور داخلی حکمت عملی کا خاکہ اور مزید فتوحات کا منصوبہ تیار کیا۔ اس نے مزید مہمات پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی فوج کو احکام جاری کیے، جو عسکری لٹریچر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اس نے عربی اور لاطینی زبانوں میں نئے سکے مضروب کرائے۔ منصوبے کے مطابق دونوں سپہ سالاروں نے نئی مہمات کا آغاز کیا اور شمال مشرقی اندلس کے علاوہ جنوبی فرانس میں پیش قدمی کر کے تین اہم شہروں اربونہ (Narbonne)، لوردن اور اوینون (Avignon) پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے اندلس کے شمال مغربی حصوں پر فوج کشی کی۔

موسیٰ بن نُصیر اور طارق بن زیاد کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لے کر آ پہنچا کہ موسیٰ اور طارق دونوں جلد دارالخلافہ دمشق پہنچ جائیں۔ موسیٰ نے چند مزید فتوحات کی خاطر خلیفہ کے احکام کی تعمیل میں تاخیر کی۔ ہسپانیہ قریب قریب فتح ہو چکا تھا، چنانچہ موسیٰ نے دمشق جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے بہادر اور قابل بیٹے عبدالعزیز کو، جس نے ہسپانیہ میں بہت معرکے مارے تھے، ہسپانیہ کا والی مقرر کیا اور خود طارق بن زیاد کے ہمراہ 95ھ / 714ء میں کثیر مال غنیمت لے کر ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ دمشق پہنچ کر موسیٰ بن نُصیر اور طارق بن زیاد ایسے عظیم فاتح سپہ سالاروں کی عسکری زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور انجام کار وہ گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر طارق اور موسیٰ دربارِ دمشق کی غیر دانش مندانہ مداخلت سے آزاد رہتے تو نہ صرف اندلس کی تاریخ مختلف ہوتی بلکہ آج یورپ اسلامی دنیا کا حصہ ہوتا۔ [1]

[1] ملخص از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 362/12، الكامل في التاريخ: 268/4۔

ہسپانیہ

(اقبالؒ کی نظر میں)

ہسپانیہ تُو خون مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نظر میں

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں

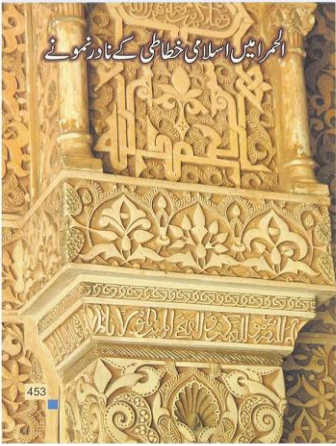
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں

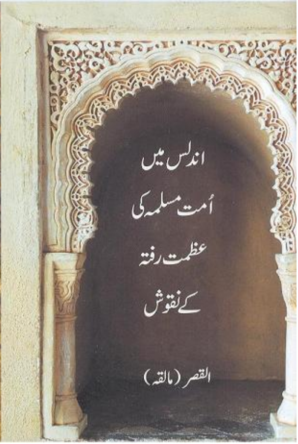
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مِرے خون جگر میں!

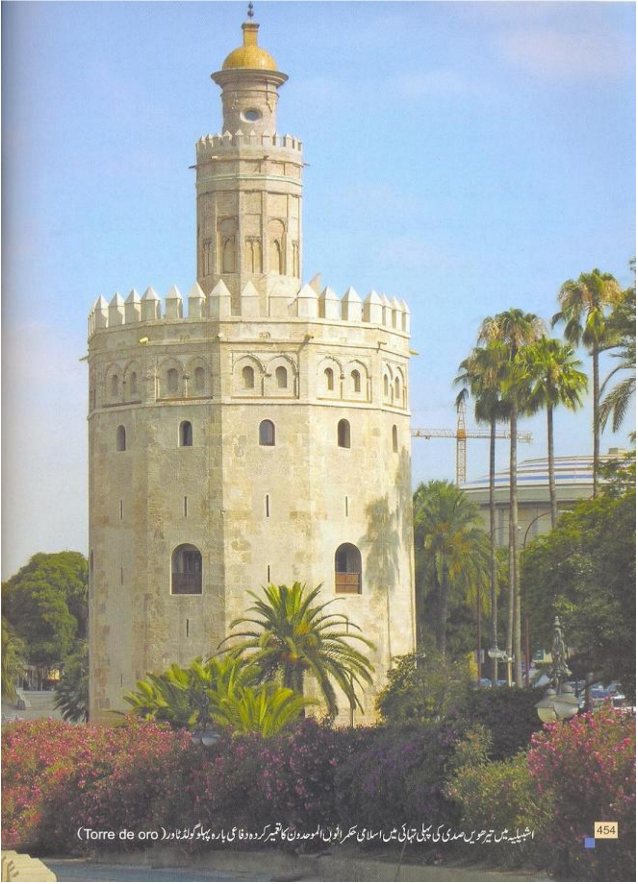
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں!

غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے ولیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں!

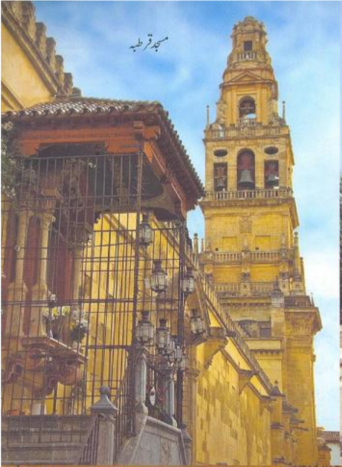
دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں!

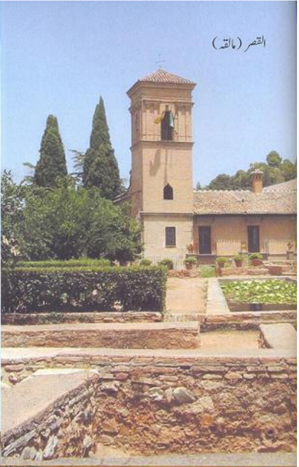


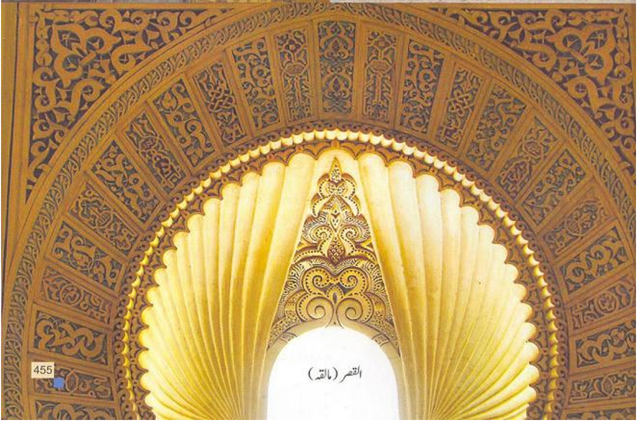


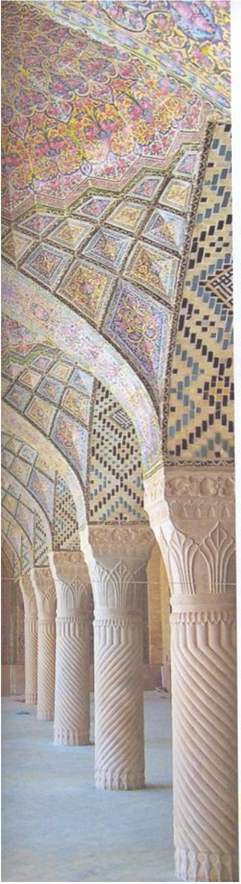


اشبیلیہ میں تیرھویں صدی کی پہلی تہائی میں اسلامی حکمرانوں الموحدون کا تعمیر کردہ دفاعی بارہ پہلو گولڈ ٹاور (Torre de oro)


مسجد قرطبہ


القصر (مالقہ)


القصر (مالقہ)



محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ

محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابی عقیل عرب کے مشہور قبیلہ بنوثقیف کا ایک نامور قائد اور فاتح تھا۔ اس کی والدہ کا نام حبیبۃ العظمیٰ تھا۔ اس کی ولادت تقریباً 75ھ میں غالباً شہر طائف میں ہوئی۔ اس کے والد قاسم، حجاج بن یوسف کے سگے چچا زاد بھائی تھے، چنانچہ جب حجاج (بعداز سنہ 75ھ) عراق کا حاکم اعلیٰ ہوا تو اس نے قاسم کو بصرے کا عامل مقرر کر دیا۔ محمد بن قاسم نے غالباً بصرے ہی میں تعلیم پائی۔ اسے موسم بہار کے ایک خوشبودار پودے البہار سے خاص شغف تھا، اس وجہ سے اس کی کنیت ابوالبہار ہوگئی۔ چچ نامہ میں اس کا لقب عمادالدین محض فارسی مترجم علی الکوفی کی خوش اعتقادی کا نتیجہ ہے۔

حجاج کو محمد بن قاسم سے خاص محبت تھی۔ اس نے اپنی بہن زینب کو محمد بن قاسم یا ایوب بن حکم سے شادی کی ترغیب دی مگر (غالباً عمر کی مناسبت سے) زینب نے ایوب سے شادی کر لی۔ محمد بن قاسم کی شادی بنوتمیم کے قبیلہ سعد بن زید میں ہوئی۔ چچ نامہ میں حجاج کی لڑکی یا راجا داہر کی بیوی لاڈی سے محمد بن قاسم کی شادی اور اس کی ملکِ یمین ہونے کے بیانات محض افسانہ ہیں۔ زوجۂ داہر ابن الاثیر کے بقول ستی ہو کر مرگئی تھی۔

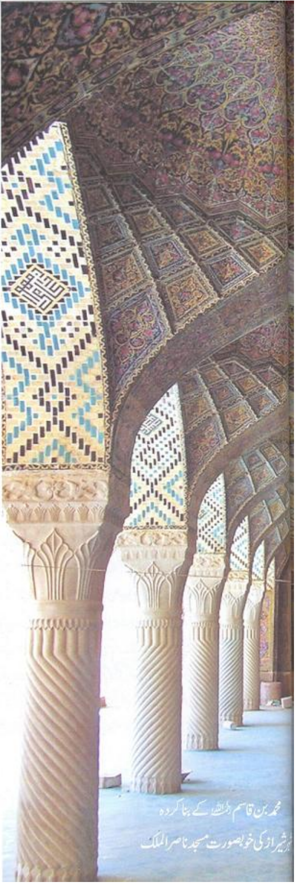
محمد بن قاسم کی شہرت اور عظمت اس کے عسکری اور انتظامی کارناموں کی وجہ سے ہے جو اس نے بالکل چھوٹی عمر میں انجام دیے۔ 90-91ھ میں جب محمد بن قاسم کی عمر 15 برس کی تھی، حجاج نے اسے فارس میں کرد قبائل کی سرکوبی کے لیے ایک فوجی مہم کا قائد مقرر کیا اور محمد نے ان قبائل کی طاقت کو توڑ کر انھیں مطیع کر دیا۔ اُس نے شہر شیراز کی بنیاد ڈالی اور اسے فارس کا پائے تخت بنایا۔ شاپور اور جرجان کی طرف مزید فتوحات حاصل کیں اور آخر میں رے پر حملے کی تیاریاں کر چکا تھا کہ حجاج نے اس کو سندھ کی فتح کے لیے نامزد کیا۔ اس وقت محمد کی عمر 17 برس کی تھی۔ [1]

1 ماخوذ از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 19/345-347۔

محمد بن قاسم کی سندھ روانگی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جزیرہ یاقوت (لنکا) کے راجہ نے حجاج بن یوسف کے پاس کچھ مسلمان عورتیں اور بچے روانہ کیے جن کے والدین فوت ہو چکے تھے جو کہ تاجر تھے۔ جس جہاز میں وہ سوار تھے، اسے راستے میں دَیبُل کے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت بنو یربوع کی تھی، اس نے حجاج کو پکارا۔ یہ بات آخر حجاج تک پہنچ گئی تو اس نے کہا: لبیک! پھر سندھ کے راجہ داہر سے عورتوں اور بچوں کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ داہر کہنے لگا: میرا اس میں کوئی اختیار نہیں، انھیں تو ڈاکوؤں نے لوٹا ہے۔ حجاج نے عبیداللہ بن نبہان کو دَیبُل روانہ کیا۔ وہ سندھ کی لڑائی میں شہید ہو گیا۔ پھر حجاج نے بُدَیل بن طَہْفَہ بَجَلی کو دَیبُل جانے کا حکم دیا جبکہ ان دنوں وہ عُمان میں تھا۔ جب اس کا اہل سندھ سے مقابلہ ہوا تو اس کا گھوڑا بدک گیا اور دشمن نے گھیر کر اسے بھی شہید کر دیا۔ بعض نے کہا ہے بدھ مت کے پیروکار جاٹوں نے اسے قتل کیا تھا۔

92ھ کے نصف آخر میں محمد بن قاسم شیراز سے فتح سندھ کے لیے روانہ ہوا اور مکران، قنز پور اور ارمائیل فتح کرتے ہوئے دَیبل پہنچ گیا۔ دریں اثناء آدمیوں، اسلحے اور دیگر ساز و سامان کے کئی جہاز بھی دیبل آ پہنچے۔ محمد بن قاسم نے یہاں ایک خندق کھود لی، خندق پر نیزے گاڑ دیے اور جھنڈے تقسیم کر دیے گئے اور تمام لوگ اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے آ گئے۔ ایک منجنیق بھی نصب کی گئی جو ''عروس'' کے نام سے معروف ہے۔ پانچ سو آدمی مل کر اسے چلاتے تھے۔ دَیبُل (کے قلعے) میں مہاتما بُدھ کا بہت بڑا بُت تھا۔ اس کے اوپر ایک مضبوط بانس تھا جس پر سُرخ جھنڈا نصب تھا۔ جب ہوا چلتی تو جھنڈا لہراتا تھا۔

اس دوران میں حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کو پہنچ رہے تھے اور وہ بھی اپنے خطوط میں آیندہ کے لائحہ عمل پر اس کی رائے طلب کرتا تھا۔ خط کتابت کا یہ عمل ہر تیسرے روز ہوتا تھا۔ حجاج کا ایک خط آیا جس میں یہ درج تھا کہ ''عروس'' منجنیق کو مشرقی جانب نصب کرو، پھر منجنیق والے سے کہو کہ وہ ان کے جھنڈے پر پتھر برسائے۔



محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے بنا کردہ
شیراز کی خوبصورت مسجد ناصر الملک

بھنبھور (سندھ) کے کھنڈر



چنانچہ جھنڈے پر پتھر برسائے گئے تو وہ نیچے گر گیا۔ شہر والے قلعے سے باہر آ کر لڑنے لگے۔ لڑائی میں اُنھیں ہزیمت اٹھانی پڑی تو واپس قلعے میں چلے گئے۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیاں بنوا کر قلعے کی دیواروں کے ساتھ لگائیں تو مجاہدین ان کے ذریعے سے قلعے میں داخل ہو گئے اور دیبل فتح ہو گیا۔ بت خانے کا مجاور مارا گیا۔ محمد بن قاسم نے 4 ہزار مسلمانوں کو یہاں آباد کیا اور ان کے لیے جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ [1]

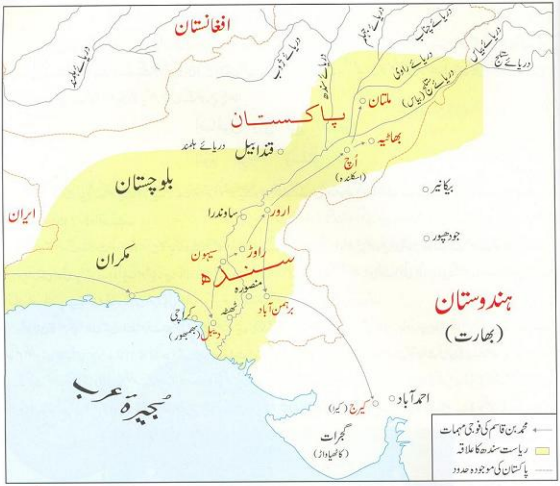
اس کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے سندھ (مہران) کے دائیں کنارے نیرون (بقول بلاذری بیرون) کوٹ، سیہون اور بدھیہ کے علاقے فتح کر لیے، پھر کشتیوں کا پل باندھ کر پائیں (زیریں) سندھ کے مثلث دہانے (ڈیلٹا) میں سے دریائے سندھ کو پار کیا اور 10 رمضان 93ھ / جون 712ء میں راوڑ (بقول البلاذری ''الرور'' یا روہڑی) کے قلعے کے نزدیک سندھ کے راجا داہر کے لشکر کو شکست دی۔ داہر مارا گیا۔ محمد بن قاسم اب آگے بڑھا اور دریائے سندھ کے بائیں جانب کے سارے قلعے بہرور، دھلیلہ، برہمن آباد اور آخر میں پایۂ تخت اَرُور فتح کر لیے۔ پھر آگے بڑھ کر اوچ اور ملتان کے علاقے فتح کیے، نیز کشمور تک اپنی سیاسی حدود کو بڑھا لیا۔ پھر راجپوتانے میں بیلمان (بھنمل) اور کاٹھیا واڑ میں سرست (سوراشٹر) کی طرف فوجیں بھیجیں۔ وہاں کے حکمرانوں نے اطاعت قبول کر کے صلح کے معاہدے کر لیے۔ خود محمد بن قاسم نے گجرات کے پایۂ تخت کیرج (کیرا، نزد احمد آباد) پر لشکر کشی کی اور راجہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔

اب محمد بن قاسم نے شمالی ہندوستان کی طرف توجہ کی اور قنوج کے راجا کو اطاعت اور صلح کا پیغام بھیجا، مگر اس نے انکار کیا، لہٰذا محمد بن قاسم قنوج پر حملے کی تیاریاں مکمل کر کے روانہ ہوا اور شہر ادوھا پور (اودے پور) پہنچا تھا کہ دارالخلافہ سے اس کی معزولی کا حکم نامہ پہنچا۔ سندھ کے نئے حاکم یزید بن ابی کبشہ سکسکی نے محمد کو گرفتار کر کے واپس عراق بھیج دیا۔ لیکن خلیفہ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی صالح بن عبدالرحمٰن نے، جو خارجی تھا، اسے واسط میں قید کر لیا، کیونکہ صالح کے بھائی کو حجاج نے قتل کیا تھا جس کا انتقام اس نے محمد بن قاسم سے لیا اور اسے اذیت و عذاب پہنچا کر قتل کر دیا۔ [2]

محمد بن قاسم کی معزولی اور گرفتاری کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ ولید نے اپنے بھائی سلیمان کو خلافت سے محروم کرنے کے لیے اپنے بیٹے عبدالعزیز کے لیے بیعت لینا شروع کی تھی۔ حجاج نے اس سازش میں ولید کی پوری پوری حمایت کی اور خود محمد بن قاسم کو بھی لکھا کہ سلیمان کی بیعت ترک کر دی جائے، مگر یہ سیاسی سازش کامیاب نہ ہو سکی، کیونکہ حجاج رمضان 95ھ میں مر گیا اور اس کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی جمادی الآخرہ 96ھ میں فوت ہو گیا۔ اب سلیمان نے ولید کے تمام حامیوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی اور حجاج کے بدلے محمد بن قاسم کو ولید کی طرفداری کا خمیازہ بھگتنا پڑا، چنانچہ اسے معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا۔

[1] ملخص از جمهرة أنساب العرب: 267، فتوح البلدان: 423-425، الكامل في التاريخ: 250/4.

[2] الكامل في التاريخ: 282/4، فتوح البلدان، ص:440.



نقشہ 151

محمد بن قاسم کی فوجی مہمات

بھمبھور اور دیبل

قدیم سندھ کی بندرگاہ دیبل کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان کہیں واقع تھی۔ 1958ء میں دریافت شدہ شہر بھمبھور کے کھنڈر ٹھٹھہ اور کراچی کے تقریباً وسط میں واقع ہیں۔ بھمبھور کا کراچی سے فاصلہ تقریباً 45 کلو میٹر اور ٹھٹھہ سے پچاس پچپن کلو میٹر ہے۔ بھمبھور کے قریبی قصبے گھارو اور میر پور ساکرو ہیں۔ بعض علماء بھمبھور ہی کو دیبل خیال کرتے ہیں جو کہ دریائے سندھ کے مغرب میں ایک کھاڑی کے دہانے پر واقع تھا جبکہ اصطخری دیبل اور "بھمبھورا" کا ذکر الگ الگ کرتا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ دیبل ہی کراچی کا پیش رو تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 9/522، 11/331)

محمد بن قاسم اپنے عدل وانصاف اور رواداری کی وجہ سے سندھ میں بہت مقبول ہو چکا تھا، لہٰذا جب اسے گرفتار کر کے واپس بھیجا گیا تو یہاں کے لوگ اس صدمے کی وجہ سے رونے لگے اور شہر کیرج (کیرا) میں اس کی مورتیاں بنائی گئیں۔ [1] محمد بن قاسم کو نئی حکومت کی اس غیر دانشمندانہ روش پر افسوس ہوا اور اس نے شاعر العرجی کا یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا:

أَضَاعُونِي وَأَيَّ فَتًى أَضَاعُوا

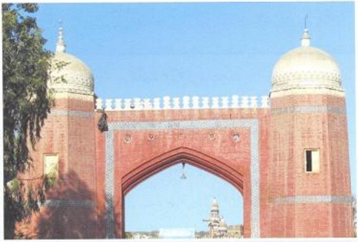
لِيَوْمِ كَرِيهَةٍ وَسَدَادِ ثَغْرِ

"مجھے یہ لوگ کھو بیٹھے اور کیسے بڑے جوانمرد کو کھو بیٹھے، جو جنگ کے دن اور سرحد کی حفاظت کے لیے کام آیا کرتا تھا۔"

یہ 96ھ/715ء کا واقعہ ہے۔

محمد بن قاسم کے حالات اور کارناموں کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ فطری طور پر ان تمام صفات سے متصف تھا جو ایک قائد اور سردار میں ہونی چاہئیں۔ وہ ایک ہوشیار سپہ سالار، کامیاب سیاستدان اور اعلیٰ درجے کا منتظم حکمران تھا۔ ذاتی طور پر ایک مخلص دوست، خوش مزاج انسان اور بلند پایے کا شاعر تھا۔ بقول المرزبانی كان من رجال الدهر یعنی وہ اکابر زمانہ میں سے تھا۔

محمد بن قاسم کی اولاد میں سے صرف دو فرزند ہی معلوم ہیں: ① عمرو بن محمد، جو نہایت ہوشیار اور بہادر سپہ سالار تھا اور جس نے سندھ کے حاکم الحکم بن عوانہ کلبی کے عہد (111 تا 121ھ) میں کچھ اور گجرات کی طرف نمایاں فتوحات حاصل کیں اور ان فتوحات کی یادگار کے طور پر سندھ کے پائے تخت منصورہ کی بنیاد ڈالی۔ الحکم کے بعد عمرو سندھ کا حاکم مقرر ہوا اور تقریباً ساڑھے چار سال (121 تا 126ھ) حکمران رہا، تا آنکہ منصورہ میں شہید ہوا۔ ② محمد بن قاسم کا دوسرا بیٹا قاسم تھا جو خلیفہ ہشام کے عہد (724 تا 743ء) میں تقریباً پانچ سال اور کچھ مہینے بصرے کا حاکم رہا۔ [2]



باب القاسم (ملتان)

1 دیکھیے فتوح البلدان، ص:440.

2 ماخوذ از اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 348,347/19.

غیر مسلم شخصیات ومشاہیر (تعارفی خاکہ)

یزدگرد سوم

یہ بنو ساسان سے تعلق رکھنے والا ایران کا آخری بادشاہ ہے، جس کی تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ ایران میں اسلامی فتوحات کے دوران میں بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے گا۔ اس کا نسب ہے: یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ (خسرو پرویز۔)

اس کا باپ شہریار رومی عورت شیریں کا بیٹا تھا جو خسرو پرویز کی محبوب بیوی تھی۔ پرویز کے اٹھارہ بیٹے تھے۔ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں جن کے نام پوران دُخت اور آزرمیدُ خت ہیں۔ شہریار اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔

ساسانی دربار میں فتنے

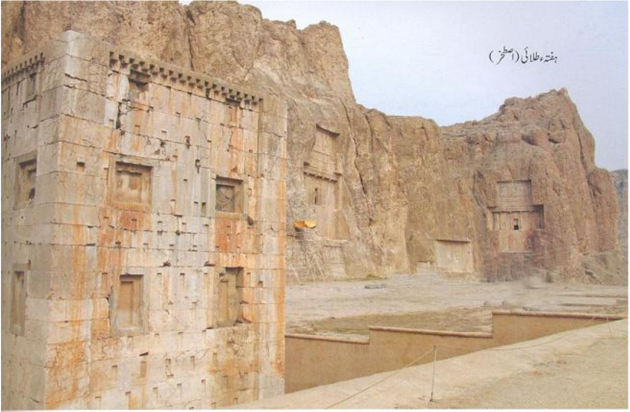
مؤرخین کا خیال ہے کہ نجومیوں نے کسریٰ (خسرو) سے کہا تھا: تیرے ایک پوتے کے ہاتھوں سلطنت بربادی اور زوال کا شکار ہوگی، چنانچہ کسریٰ نے حکم دیا کہ اس کے لڑکے عورتوں سے دور رہیں۔ تجرد کا یہ عمل ان پر بہت شاق گزرا حتی کہ شہریار نے اپنی ماں شیریں کو دھمکی دی کہ اس کے پاس کوئی عورت لائی جائے ورنہ وہ اپنے آپ کو جان سے مار ڈالے گا۔ اس کے پاس نہایت گھٹیا قسم کی ایک لونڈی بھیجی گئی جو سنگی لگایا کرتی تھی۔ وہ حاملہ ہوئی اور شیریں نے اس کو نظر بند رکھا، یہاں تک کہ اس نے یزدگرد کو جنا۔ شیریں نے اس کی پیدائش کو پانچ برس چھپائے رکھا۔ پھر اس نے خسرو پرویز کو بتایا تو وہ اُسے قتل کرتے کرتے رہ گیا۔ شیریں نے خوفزدہ ہو کر اس پر مزید پردہ ڈالے رکھا اور یزدگرد کو سیستان یا سوادِ عراق میں چھپا دیا گیا۔



خسرو پرویز کا جاری کردہ طلائی سکہ

بعد ازاں ایرانیوں نے خسرو پرویز کی حکومت کے اڑتیسویں سال اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے اس کے بیٹے شیرویہ بن مریم (شیریں) نے قتل کر دیا۔ پھر شیرویہ نے اپنے سترہ بھائیوں کو بھی قتل کر دیا تاکہ ایران کی بادشاہت پر اس کا کوئی مدمقابل امیدوار نہ ہو۔ یزدگرد کا باپ شہریار بھی انھی مقتولوں میں شامل تھا۔

اس شاہی خانوادے کی خون ریزی کے دوران میں یزدگرد کی ماں نے اُسے، جبکہ اُس کی عمر ابھی بیس سال تھی، بھگا کر اس کے ننھیال اصطخر بھیج دیا۔ آٹھ ماہ کی حکمرانی کے بعد شیرویہ کو رنج وغم نے آلیا اور وہ مرگیا۔ اس وقت خالد رضی اللہ عنہ حیرہ فتح کر رہے تھے۔ شیرویہ کے بعد اس کا بیٹا اردشیر، جو ابھی بچہ تھا، بادشاہ بنا مگر ایرانیوں نے اسے قتل کر کے فرخزاد کو عارضی طور پر بادشاہ بنا دیا۔ جلد ہی ایرانی سپہ سالار شہر براز نے اس کے خلاف بغاوت کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ پھر ایرانیوں نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس کے بعد حکومت کی باگ ڈور یزدگرد کی پھوپھی اور کسریٰ (خسرو پرویز) کی بیٹی پوران دخت نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔



ہفتہ طلائی (اصطخر)

یزدگرد بادشاہ کے روپ میں

رمضان 13 ھ / نومبر 634 ء میں معرکۂ بویب میں ایرانیوں کوشکست ہوئی تو رستم اور فرزان نے ساسانیوں کے کسی مرد کی تلاش شروع کی اور آل کسریٰ کی عورتوں اور لونڈیوں پر تشدد کیا حتی کہ ان میں سے ایک نے اعتراف کیا کہ یزدگرد موجود ہے۔ تب انھوں نے اصطخر میں اردشیر کے آتش کدے میں اُسے تاج پہنایا اور بادشاہ بنا کر مدائن لے آئے جبکہ اس کی عمر اکیس سال تھی۔ یہ ذی قعدہ 13ھ / دسمبر 634 ء کا واقعہ ہے۔

پھر رستم نے مسلمانوں کے خلاف سوادِ عراق کے مفتوحہ علاقے میں بغاوت کی آگ بھڑکائی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس بغاوت کے ساتھ وہ خود بھی حملہ آور ہوگا۔ اس پر مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ہمراہ پسپائی اختیار کی اور صحرا کی جانب نکل گئے یہاں تک کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لشکر 16 صفر 15 ھ / 30 مارچ 636 ء کو قادسیہ میں اترا۔ رستم نے چاہا کہ قادسیہ میں ایرانی فوجوں کی سپہ سالاری سے دست کش ہو جائے لیکن یزدگرد نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے عہدے پر قائم رہے۔

ایرانیوں کی شکستیں اور یزدگرد کی رسوائیاں

جنگ قادسیہ میں ایرانی لشکر شکست سے دوچار ہوا اور رستم قتل ہوا۔ مسلمان مدائن کی جانب بڑھے اور راستے میں حائل دریائے دجلہ کو آناً فاناً عبور کر لیا۔ یہ دیکھ کر یزدگرد نے اپنے ''قصرِ ابیض'' (سفید محل) سے بھاگنے ہی میں عافیت جانی۔ شاہی کارندوں نے اُسے ایک ٹوکری میں ڈالا اور محل کی پچھلی بالکنیوں سے لٹکا کر نیچے پہنچا دیا اور اُس نے فرار ہوتے ہوئے جس قدر ہو سکا، اپنے خزانے اور مال و دولت حلوان منتقل کر دیے۔ راستے میں جلولاء کے مقام پر اس نے جتنے لشکر دستیاب ہوئے، جمع کیے لیکن اُنھیں پھر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ تب یزدگرد حلوان سے رے کی جانب بھاگ گیا۔

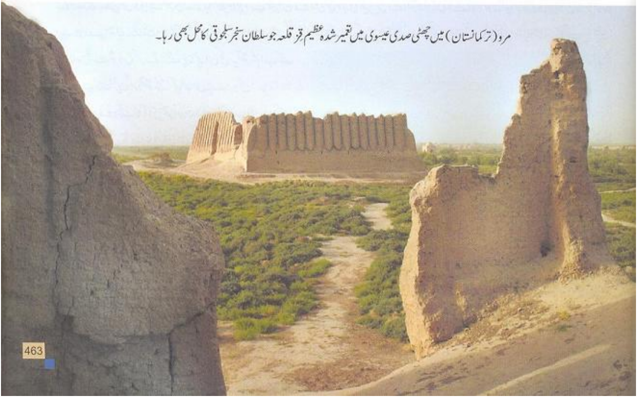
اس کے بعد نہاوند میں ایرانیوں نے ایک لاکھ پندرہ ہزار فوج جمع کی جسے مسلمانوں نے شکست دے کر تتر بتر کر دیا، پھر مسلمانوں کے لشکر دو محاذوں میں کوفہ اور بصرہ سے روانہ ہوئے اور ساری ساسانی سلطنت کو فتح کرتے چلے گئے جبکہ یزدگرد ان کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔

جب یزدگرد رے پہنچا تو وہاں کے حاکم ابان جادویہ نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس سے مہر چھینی، اپنے لیے کچھ دستاویزات لکھوائیں اور ان پر مہر لگا کر یزدگرد کو لوٹا دی۔ یزدگرد کو ذلت اور عدم تحفظ کا احساس ہوا تو وہ رے سے اصفہان روانہ ہو گیا۔

نہاوند کی جنگ کے بعد مسلمان اصفہان کی طرف متوجہ ہوئے تو یزدگرد پہلے اصطخر اور وہاں سے کرمان چلا گیا اور کرمان کے ایرانی گورنر (مرزبان) کے سامنے اپنی بڑائی جتائی۔ گورنر نے اپنے کارندوں کو حکم دیا تو انھوں نے یزدگرد کو ٹانگ سے کھینچ کر گرا دیا۔ گورنر نے اس سے کہا: ”تو مملکت کے بجائے کسی بستی کی حکمرانی کے لائق بھی نہیں۔ اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہوتی تو تیرا یہ حال نہ ہوتا۔“ یزدگرد وہاں سے سیتان چلا گیا۔ سیتان کے حاکم نے اس کی عزت افزائی کی۔ یزدگرد نے اس سے خراج کا مطالبہ کیا تو وہ بدل گیا اور انکار کر دیا، پھر یہ دھتکارا ہوا آوارہ آدمی سیتان سے خراسان چلا گیا جبکہ اس کے ہمراہ چار ہزار لوگ تھے جن کی اکثریت باورچیوں، نوکروں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل تھی اور ان کے درمیان ایک بھی جنگجو نہ تھا۔ خراسان کے سردار نے اس کا استقبال کیا اور تعظیم بجا لایا۔ یزدگرد کے پاس اپنی ذات پر خرچ کرنے کے سوا اپنے ان مصاحبوں پر خرچ کرنے کو کچھ نہ تھا۔

شاہِ ایران دربدر

دریں اثناء احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہمراہ خراسان میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ہرات فتح کیا اور پھر مرو شاہجان کی جانب روانہ ہوئے۔ یزدگرد وہاں سے نکل کر اپنی سلطنت کے سرحدی شہر مروُرود کو بھاگ گیا اور ترک خاقان، شاہ صغد اور شاہ چین کو لکھا کہ وہ اس کی مدد کریں۔



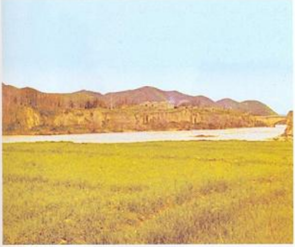
مرو (ترکمانستان) میں چھٹی صدی عیسوی میں تعمیر شدہ عظیم قز قلعہ جو سلطان سنجر سلجوقی کا محل بھی رہا۔

احنف بن قیس مرورود کی جانب بڑھے تو یزدگرد بلخ کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کر کے اسے شکست سے دو چار کیا۔ اب وہ اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ دریائے جیحون پار کر کے ترک خاقان کے ہاں چلا گیا۔ خاقان نے اس کی درخواست قبول کی اور ایک لشکر لے کر پہلے بلخ اور پھر مرورود تک آیا لیکن ترکوں کا مورال ایک ایسی جنگ کے بہت دیر چلنے کے بعد جس کا انھیں کوئی فائدہ نہ تھا، پست ہو گیا تھا، چنانچہ وہ پلٹ گئے۔ ادھر یزدگرد پھر مرو شاہجان پہنچا جہاں اس نے اپنے خزانے چھوڑے تھے۔ انھیں نکلوایا اور چاہا کہ انھیں لاد کر ترک خاقان یا شاہ چین کے پاس جائے اور اس سے اتحاد کر لے لیکن اس کے ساتھیوں نے یہ فیصلہ مسترد کر دیا۔ اتنے میں احنف وہاں پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر یزدگرد پناہ کی تلاش میں فرغانہ (ازبکستان) کی طرف بھاگ گیا اور مسلمانوں نے اس کے خزانے بطور مال غنیمت حاصل کیے۔

یزدگرد نہایت بیوقوف اور ناسمجھ آدمی تھا۔ اس نے سلطنت کے انتظامی معاملات چلانے کی تربیت بالکل حاصل نہیں کی تھی۔ ترکوں کے سردار (طرخان) نیزک نے اسے لکھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں تو اس نے جواب دیا: ''تو میرے غلاموں میں سے ایک غلام ہے، تجھے جرأت کیسے ہوئی کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کرے!'' چنانچہ ماہویہ اور نیزک یزدگرد کے خلاف متحد ہو گئے اور انھوں نے اس کے ساتھیوں اور گھوڑوں کو قتل کر دیا اور اس کا ساز و سامان لوٹ لیا۔

یزدگرد کا عبرتناک انجام

یزدگرد وہاں سے چلا اور دریائے مرغاب کے کنارے واقع آٹا پیسنے کی چکی کے مالک کے گھر میں دو راتیں چھپا رہا۔ گھر کے مالک کو پتا چلا تو اس نے ماہویہ کو اطلاع دی۔ ماہویہ نے اس کے ساتھ اپنے سپاہی روانہ کیے۔ چکی کے مالک نے یزدگرد کے سوتے ہوئے اس کا سر پتھر سے کچل دیا، پھر ایک کلہاڑی سے سر کاٹ کر ان کے حوالے کر دیا۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے، تاہم اس کا دھڑ دریائے مرغاب میں پھینک دیا گیا تھا۔ رزیق ندی کے دہانے کے پاس وہ ایک لکڑی سے جا اٹکا تو مرو کے مطران نے اس کی دادی شیریں کے احترام میں اسے نکالا اور دفن کر کے وہاں اس کا مزار بنا دیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق یزدگرد کو 31ھ / 651ء میں قتل کیا گیا جبکہ اس کی عمر انتالیس سال تھی۔ ایرانی اپنا کیلنڈر ہر بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے کی تاریخ سے شروع کرتے تھے، چنانچہ ان کی یہ تقویم اب تک جاری ہے جسے ''یزدگردتقویم'' کہا جاتا ہے۔



دریائے مُرغاب (افغانستان) کا ایک منظر

یزدگرد نہ تو جنگ کا آدمی تھا اور نہ سیاست کا، یہ اس کی تقدیر کا لکھا تھا کہ اس کا سامنا ایرانی تاریخ کے سخت ترین مد مقابل سے ہوا، حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ علاوہ ازیں مجوسیت بہر حال اسلام کی ہم پلہ نہیں تھی، چنانچہ اس کی حکومت کو زوال آنا ہی تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اس کی سلطنت گردشِ ایام سے مسلمانوں کے زیرنگیں نہ آتی!

رستم بن فرخزاد

رستم ایک شہ سوار، جنگ جو اور سیاستِ فارس میں اول درجے کا آدمی تھا[1] جس نے ایران میں اسلامی فتوحات کا سامنا کیا اور قادسیہ کی جنگ میں قتل ہوا۔

اس کی نسبت کے متعلق روایات مختلف ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ارمنی تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ رے یا ہمدان کا باشندہ تھا۔ اچھی جسمانی صلاحیت کا مالک تھا۔ ایک دفعہ اس کے پاس ایک گھوڑا لایا گیا۔ اس نے ایک جست لگائی اور گھوڑے پر جا بیٹھا، حالانکہ اس نے گھوڑے کو چھوا نہ اس کی رکاب میں پاؤں ڈالا تھا۔

رستم مجوسی ہوتے ہوئے سخت کافر تھا۔ اس نے قادسیہ میں کہا: ''کل ہم انھیں پیس ڈالیں گے۔'' ایک آدمی بولا: ''ہاں اگر اللہ نے چاہا تو''۔ وہ بولا: ''اگر اللہ نہ چاہے تب بھی''۔

دربارِ شاہی میں ہنگامے

خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے ہر اس شخص کو قتل کر دیا تھا جو کسریٰ نوشیرواں کی نسبت سے اس کا مدمقابل تھا۔ پھر شیرویہ کا کم سن بیٹا اردشیر بادشاہ بنا مگر ایرانیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے کسریٰ اور بہرام گور کے درمیان کے تمام شاہی سپوتوں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ بادشاہوں کے بحران کا شکار ہو گئے اور آلِ ساسان کا کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جسے وہ بادشاہت کا تاج پہنائیں، چنانچہ انھوں نے فرخزاد بن بندوان کو بادشاہ بنا دیا جب تک کہ بنی ساسان کا کوئی آدمی نہ ملے اور وہ اس پر متفق نہ ہو جائیں۔ بعد ازاں شہر براز بغاوت کے زور پر بادشاہ بن بیٹھا مگر چالیس روز بعد وہ بھی قتل ہو گیا۔

اب دخت زنان ملکہ بنی لیکن وہ جلد ہی اس حکمرانی سے دستبردار ہو گئی۔ اس کے بعد شاپور بن شہر براز بن اردشیر نے بادشاہت سنبھالی اور اس کے تمام کاموں کی ذمہ داری رستم کے باپ فرخزاد بن بندوان نے اُٹھائی۔ اس نے شاپور سے مطالبہ کیا کہ وہ کسریٰ کی بیٹی آزرمیدخت کی اس سے شادی کر دے۔ شاپور مان گیا لیکن آزرمیدخت نے انکار کر دیا اور فرخزاد کے خلاف سازش کی، چنانچہ اسے کرائے کے قاتل سیاؤش نے قتل کر دیا۔ اسی طرح اس قاتل نے شاپور کو بھی قتل کیا، اور پھر آزرمیدخت نے بادشاہت کا تاج پہن لیا۔

ملکہ کی عبرت ناک موت اور رستم کا عروج

رستم ان دنوں خراسان کا حاکم تھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کی وجہ سے مشتعل ہوا۔ دریں اثنا خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت کی اس سے خط کتابت ہوئی۔ پوران دخت نے اسے دارالحکومت آنے پر ابھارا تو وہ مدائن کی طرف روانہ ہوا اور آزرمیدخت کے جس لشکر سے بھی اس کی مٹھ بھیڑ ہوئی، اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر رستم مدائن میں داخل ہوا اور آزرمیدخت کی دونوں آنکھیں پھوڑ کر اُسے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سیاؤش کو

1 یہ رستم قدیم ایران کے اس شہ زور رستم کا ہم نام تھا جس کی بہادری کے افسانے مشہور ہیں اور جس کا بیٹا سہراب بھی شہ زور تھا۔

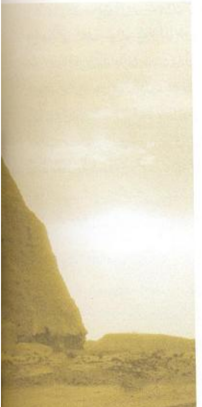
بھی مار ڈالا۔

پوران دخت نے رستم کو دعوت دی کہ وہ دس سال تک سلطنت کے امور کی ذمہ داری سنبھال لے، اس کے بعد بادشاہت پھر کسریٰ کی اولاد میں آ ئے گی۔

یہ شعبان 13 ھ / اکتوبر 634ء کا واقعہ ہے۔ رستم نے فی الفور علاقے کے اطراف کے چودھریوں اور سرداروں کو لکھا اور انھیں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر اُبھارا، پھر اپنی تیاری مکمل کر کے ایک لشکر حیرہ کی جانب بھیجا۔ مثنٰی رضی اللہ عنہ سرعت کے ساتھ اپنی فوجیں وہاں سے نکال کر کھلے صحرا میں چلے گئے۔ پھر ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کی قیادت میں دوبارہ عراق میں جنگ چھیڑ دی اور ایرانی سپہ سالار جابان کو نمارق میں ہرایا، پھر نرسی اور اس کے بعد جالینوس کو شکست سے دوچار کیا۔ رستم کا بھروسا اس جنگ میں ایرانیوں کی عددی کثرت پر تھا جبکہ مسلمانوں کا انحصار اللہ کی مدد کے بعد تیز رفتاری اور ایرانیوں کے لیے کمک آنے سے پہلے پہلے ان کے ہر لشکر کے خاتمے پر تھا۔

معرکۂ بویب میں ایرانی شکست

رستم چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں سے کوئی نہ کوئی جنگ ضرور جیت لے، چنانچہ اس نے بہمن جادویہ کی سرکردگی میں شہسواروں کے ایک دستے کو جنگی ہاتھیوں کے ہمراہ بھیجا اور ایران کا بڑا جھنڈا درفش کاویانی اس کے ہاتھ میں دیا۔ بہمن جادویہ نے پہلی اور آخری بار مسلمانوں کو شکست دی اور ابوعبید بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے آدھے لشکر سمیت شہید کر دیا۔ تب مثنٰی رضی اللہ عنہ نے بقیہ چار ہزار فوج کے ساتھ صحرا کی طرف پسپائی اختیار کر لی۔



فرزان، رستم سے سرداری اور بڑائی میں مقابلہ کیا کرتا تھا۔ ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ ایرانیوں نے رستم کے ساتھ مل کر بغاوت کر دی اور وہ عہد، جو پوران دخت نے اس سے لیا تھا، توڑ دیا۔ دریں اثناء مسلمانوں نے دوبارہ اپنی فوجیں جمع کر لیں اور انھیں تازہ کمک بھی پہنچ گئی، چنانچہ مثنٰی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عراق پر یلغار کر دی۔ اب رستم اور فرزان نے ایک اور لشکر روانہ کیا جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی اور مہران اس کی قیادت کر رہا تھا۔ مثنٰی رضی اللہ عنہ نے بویب میں اسے شکست دے دی تو ایرانیوں کو رستم اور فرزان پر بہت غصہ آیا۔ ان دونوں نے پوران دخت سے خسرو پرویز کی بیویوں، اس کی لونڈیوں اور اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کی فہرست طلب کی اور کسریٰ کی اولاد میں سے کسی مرد کی تلاش کے لیے ان پر بے پناہ تشدد کیا۔ ان عورتوں میں سے ایک نے اعتراف کیا کہ یزدگرد زندہ ہے اور فلاں مقام پر چھپا ہوا ہے، چنانچہ انھوں نے اُسے بلوا کر بادشاہ بنا دیا۔ رستم نے مسلمانوں کے خلاف سوادِ عراق کے لوگوں کو بغاوت پر اُکسایا تو مسلمان پھر صحرا کی طرف نکل گئے۔

رستم میدانِ قادسیہ میں

دریں اثناء مسلمانوں کا ایک نیا لشکر جس کی تعداد تینتیس ہزار تھی اور جس کی کمان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، 16 صفر 15 ھ / 30 مارچ 636ء کو قادسیہ پہنچا۔ یزدگرد شاہ نے رستم کو

ایرانی لشکر کے قائد کے طور پر قادسیہ روانہ کیا۔ رستم کو یہ مہم ناپسند تھی اور وہ مسلمانوں کا سامنا کرنے سے ڈرتا تھا۔ اس نے چاہا کہ اس کی جان چھوٹ جائے اور یزدگرد اس کی جگہ کسی اور کو بھیج دے لیکن بادشاہ نے اس پر اصرار کیا۔ رستم کا خیال تھا کہ معاملے کو ڈھیل دی جائے تاکہ مسلمان اکتا کر لوٹ جائیں جبکہ مسلمان ایسے نہ تھے، چنانچہ سعد ؓ نے عراق کے نواحی علاقوں کی جانب ابتدائی جارحانہ حملوں کے لیے دستے روانہ کرنے شروع کیے جو مال غنیمت اور خوراک وغیرہ لے کر لوٹتے۔ یوں رستم ادھر آنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ ایک مشہور و معروف سالار تھا، چنانچہ سعد ؓ نے امیر المومنین عمر فاروق ؓ کو لکھا: ''اور وہ آدمی جسے انھوں نے ہم سے ٹکرانے کے لیے تیار کیا، رستم ہے جو اپنے جیسے بہادروں کے ہمراہ ہوگا......۔''

رستم نے کچھوے کی چال سے سفر شروع کیا اور مدائن اور قادسیہ کا درمیانی فاصلہ جو ایک سو پچاسی کلومیٹر ہے، دس مراحل میں چار ماہ میں طے کیا۔ اس نے ساباط میں پہلا پڑاؤ ڈالا، پھر کوثی، بُرس، دیر اعور، دیر ہند، نجف، جوف کے پاس، سیلحین، خزارہ میں اور آخر میں دریائے فرات کی پرانی گزرگاہ نہر عتیق کے پیچھے خیمہ زن ہوا، پھر اس کو عبور کر کے قادسیہ پہنچا۔ ان سب جگہوں پر وہ زیادہ یا تھوڑے عرصے کے لیے ضرور ٹھہرا۔ اس دوران میں سعد ؓ نے یزدگرد کی جانب ایک وفد بھیجا تو دربار میں بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے سردار کے سر پر مٹی کی ٹوکری رکھ دی جائے جسے یہ قادسیہ تک لے کر جائیں۔ اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو یوں رسوا کیا جائے۔ لیکن رستم نے اسے بدشگونی سے تعبیر کیا کہ بادشاہ نے ایران کی مٹی مسلمانوں کے حوالے کر دی ہے، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ وہ وفد کے پیچھے جا کر مٹی واپس لے آئے لیکن وہ ان تک نہ پہنچ پایا اور اس کا بدشگونی کا خیال زیادہ مضبوط ہوگیا۔ رستم نجوم کا علم رکھتا تھا اور نیک و بدفالیں بھی لیا کرتا تھا۔ اس نے ساباط سے اپنے بھائی بندوان بن فرخزاد بن بندوان کو خط لکھا جو

طاقِ کسریٰ (مدائن) کے آثار



الباب کا مرزبان (گورنر) تھا:

''میری رائے یہ تھی کہ معاملے کو ڈھیل دیے رکھوں تا کہ ان کے نیک بخت بدنصیب ہو کر لوٹ جائیں لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا۔ اس قوم کے متعلق میرا یہی خیال ہے کہ عنقریب یہ ہم پر غالب آئے گی اور ہماری زمین پر قبضہ کر لے گی۔ اور سب سے سنگین بات جو میں نے دیکھی، یہ تھی کہ بادشاہ نے مجھ سے کہا: تو ان کی جانب ضرور جائے گا ورنہ میں خود جاؤں گا، لہٰذا میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔''

بددل رستم کی پریشانی

رستم سے ایک شاہی نجومی نے کہا: ''جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے؟'' رستم نے جواب دیا: ''مجھے تو لگام ڈال کر کھینچا جا رہا ہے، میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ کھنچتا چلا جاؤں۔''

یوں ایسے خیالات کے ساتھ اور ایسی نفسیاتی حالت میں رستم ایرانی لشکر کی قیادت کرتا ہوا قادسیہ پہنچا۔ رستم کا لشکر ساٹھ ہزار شہ سواروں اور ساٹھ ہزار پیدل فوج پر مشتمل تھا۔ اسی (80) ہزار افراد جو مختلف خدماتی امور انجام دیتے تھے، ان کے علاوہ تھے۔ یہ کل دو لاکھ فوج تھی جس کے ہمراہ 33 ہاتھی تھے۔ رستم نے ہر چار ہزار کے لیے ایک ہاتھی متعین کیا، نیز ہرمزان کی قیادت میں اہواز کے لشکر کو میمنہ پر مقرر کیا۔ جالینوس کو الباب کے لشکر کے ساتھ میسرہ پر اور بہمن جادویہ کو ہمدان کے لشکر کے ساتھ قلب میں رکھا۔ رستم خود بھی قلب میں رہا اور اس کے لیے ایک چھتر تانا گیا جس کے نیچے وہ بیٹھا، اور ایران کا بڑا جھنڈا درفش کاویانی اس کے دائیں جانب قلعۂ قدلیس کے سامنے بلند کیا گیا جہاں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے قیام گاہ بنا رکھی تھی۔

تاریخی مصادر بار بار اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ رستم جب مدائن سے روانہ ہوا تو قادسیہ پہنچنے تک برابر اسے پریشان کن خواب و خیالات نے تنگ کیے رکھا جو اس مہم کے سلسلے میں اس کی بدشگونی میں اضافہ کرتے رہے اور بلاشبہ یزدگرد نے رستم کو اس جنگ کی قیادت پر مجبور کر کے سخت غلطی کی کیونکہ حکومتیں جب فوجوں کو جبراً جمع کرنے لگیں تو اس سے کوئی بہتری نہیں ہوتی اور نہ یہ بات سپہ سالاروں کے شایانِ شان ہوتی ہے۔

اہلِ حیرہ کو الزام

رستم حیرہ سے گزرا تو وہاں کے سرکردہ لوگوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو رستم ان پر بہت برسا، انھیں ڈانٹا اور ان پر تین الزامات عائد کیے۔ اس نے کہا: ''او اللہ کے دشمنو! تم عربوں کے ہمارے ملک میں داخل ہونے پر بہت خوش ہوئے تھے نا، تم ہمارے خلاف ان کے جاسوس بنے اور تم نے مال و متاع کے ساتھ انھیں قوت بھی فراہم کی تھی۔''

رستم کی دہشت کی وجہ سے وہ مرعوب ہو گئے اور ابن بقیلہ کو ڈھال بنا کر اس کے سامنے کیا۔ ابن بقیلہ نے اس سے کہا: ''جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہم ان کے آنے پر خوش ہوئے، تم مجھے یہ بتاؤ کہ انھوں نے کیا کیا، اور ہم ان کے کس کام پر خوش ہوئے؟ وہ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے غلام اور اطاعت گزار ہیں جبکہ وہ ہمارے دین کے پیرو نہیں ہیں، اور وہ بڑے یقین سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آگ کے پجاری ہیں۔ رہی تمھاری یہ بات کہ ہم ان کے جاسوس ہیں تو مجھے یہ بتاؤ ہمیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ ہم ان کے جاسوس بنتے جبکہ تمھارے اپنے ساتھی ان کے آگے بھاگ نکلے اور بستیوں کو ان کے لیے خالی چھوڑ دیا۔ انھوں نے جس سمت بھی جانا چاہا انھیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اگر انھوں نے ارادہ کیا کہ دائیں کو جائیں تو وہ گئے۔ اگر ان کی مرضی ہوئی کہ بائیں کو جائیں تو وہ گئے۔ رہ گئی یہ بات کہ ہم نے مال و متاع سے انھیں قوت فراہم کی، تو دراصل تم نے ہماری

حفاظت نہ کی، لہٰذا ہم نے مال دے کر ان سے اپنی جانیں بچائیں۔ ہمیں ڈر تھا کہ ہم قیدی بنا لیے جائیں گے، لوٹ لیے جائیں گے اور ہمارے جنگجوؤں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ تم میں سے جس نے بھی ان کا سامنا کیا، اپنے آپ کو بے بس پایا، پھر ہم تو زیادہ بے بس تھے۔ قسم ہے! تم ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہو اور احسانات کرنے میں بھی زیادہ اچھے ہو۔ اگر تم انھیں ہم تک پہنچنے سے روکتے ہو تو ہم تمھاری مدد کو تیار ہیں۔ اب تم ہم سے یہ سلوک تو نہ کرو۔ ایک تو تم ہماری مدد نہ کر سکے، اوپر سے ملامت بھی ہمی کو کرتے ہو کہ ہم نے اپنا اور اپنے ملک کا دفاع کیوں نہ کیا۔''

رستم نے اپنے ہمراہیوں سے کہا: ''اس آدمی نے تم سے سچ کہا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

صلح کے لیے رستم کی ناکام کوشش

زہرہ بن حویہ، سعد رضی اللہ عنہ کے ہراول دستے کی کمان کر رہے تھے۔ رستم نے ان سے خط کتابت کی اور ان سے قادسیہ کے پل کے پاس ملا۔ اس نے صلح کا اشارہ کیا اور بدلے میں مسلمانوں کو مال و دولت کی پیش کش کی۔ زہرہ نے کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ وہ ناکام اپنے لشکر کی جانب لوٹ گیا، پھر اس نے اسلامی لشکر سے کوئی آدمی طلب کیا جو اس سے بات چیت کرے اور بعد کے دنوں میں بھی کئی بار اس مطالبے کو دہرایا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس ربعی بن عامر کو بھیجا، پھر حذیفہ بن محصن کو، پھر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی بھیجا لیکن مذاکرات کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہ آیا اور حتمی طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ جنگ لڑی جائے گی، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کو پل کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے نہرِ عتیق عبور کرنے کی اجازت دی۔ انھوں نے اس دریائی دھارے کو ایک جگہ سے پاٹ کر اسے عبور کر لیا۔

قادسیہ کا معرکہ چار دن جاری رہا۔ بعض درمیانی راتوں میں بھی لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے دن قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک برچھی اُٹھائی۔ ان کا ہدف رستم تھا۔ مسلمان لڑتے بھڑتے اس کی جانب بڑھے۔ لیکن آندھی آگئی جس نے رستم کا چھتر اکھاڑ کر نہرِ عتیق میں پھینک دیا اور قعقاع کے پہنچنے سے پہلے ہی رستم اپنے تخت سے اٹھ گیا۔

رستم کا مہلک انجام

تیم الرباب کے ایک آدمی ہلال بن علفہ نے ایک خچر دیکھا جس نے دونوں طرف بوجھ اٹھا رکھا تھا اور نہرِ عتیق کے کنارے کھڑا تھا۔ انھوں نے اپنی تلوار سے وہ رسیاں کاٹ ڈالیں جو بوجھ کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ ایک طرف کا بوجھ رستم کو، جو خچر کے پیچھے کھڑا تھا، لگا اور کسی کو اس کا پتا نہ چل سکا۔ اس ضرب سے رستم کو شدید چوٹیں آئیں اور وہ اپنے جسم سے لگے ہتھیار اور تمغے اُتار کر پھینکتے ہوئے نہرِ عتیق کی جانب بھاگا۔

ہلال نے اسے دیکھا تو وہ بھی گھوڑے پر سوار اس کے پیچھے ہو لیے۔ رستم نے ان کی جانب ایک تیر پھینکا جو ان کے پاؤں میں جا گھسا اور اُسے رکاب تک پھاڑ ڈالا۔ وہ چیخ چیخ کر ہلال سے کہہ رہا تھا: ''تجھے بدلہ مل گیا!'' پھر رستم نے اپنے آپ کو نہرِ عتیق میں ڈال دیا۔ ہلال بھی اس کے پیچھے کودے اور اسے جا لیا۔ رستم تیرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ ہلال نے پانی میں قدم جما کر اسے پکڑ رکھا تھا۔ انھوں نے رستم کی ٹانگ پر گرفت مضبوط کی اور اُسے کھینچ کر باہر خشکی پر لے آئے اور اُس کی ناک اور پیشانی پر تلوار کے وار کیے اور اس کی کھوپڑی پھاڑ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر اس کی نعش کو کھینچتے ہوئے خچر کی ٹانگوں میں لے آئے۔ لگتا ہے کسی کو اس واقعے کا علم نہ ہو سکا تھا، چنانچہ ہلال رستم کے تخت پر چڑھ کر پکار اٹھے: ''ربِ کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور ایرانیوں کا لشکر پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد ضرار بن خطاب آئے اور ''درفشِ کاویانی'' کو اونچائی سے

اتارا، پھر وہ کبھی بلند نہ ہو سکا اور اللہ نے ایرانیوں کو ذلت سے ہمکنار کیا۔

رُفَیل، جو کہ ایرانی مجوسی تھا اور قادسیہ میں مسلمان ہوا، کہتا ہے: ''مجھے سعد رضی اللہ عنہ نے بلوایا اور کہا کہ مقتولوں کو جا کر دیکھو اور واپس آ کر مجھے ان کے سروں کے نام بتاؤ۔ میں نے واپس آ کر انھیں آگاہ کیا۔ رستم مجھے اس کی جگہ، یعنی چھتر کے پاس تخت پر نہیں ملا تھا۔ سعد نے تیم کے ایک آدمی کو، جسے ہلال کہا جاتا ہے، پیغام بھیجا۔ وہ آیا تو اس سے کہا: ''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ رستم کو تم نے قتل کیا ہے؟'' وہ بولا: ''کیوں نہیں؟ (میں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔)''

''پھر اس کا کیا کیا؟''

''میں نے اسے خچر کی ٹانگوں کے نیچے ڈال دیا تھا۔''

''تم نے اسے قتل کیسے کیا؟''

''میں نے اس کی پیشانی اور ناک پر ضرب لگائی تھی۔''

سعد رضی اللہ عنہ یقین حاصل کرنا چاہتے تھے، بولے: ''ٹھیک ہے، اسے ہمارے پاس لاؤ۔''

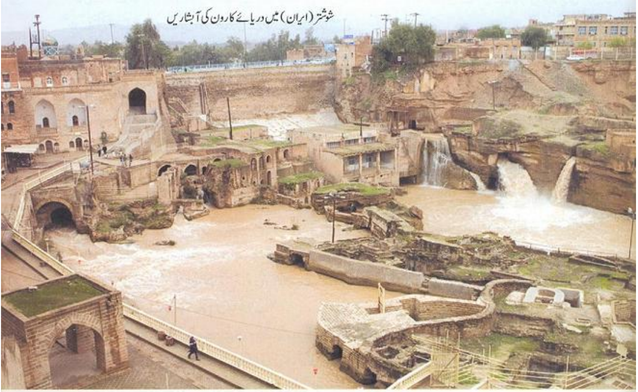
ہلال گیا اور اسے لا کر قلعے کے دروازے کے سامنے ڈال دیا۔ سعد نے رستم کے جسم پر جو کچھ تھا، مال غنیمت کے طور پر ہلال کو دیا اور باوجود یکہ رستم نے دریا کی جانب بھاگتے ہوئے ہلکا ہونے کی غرض سے اپنا زیادہ تر جنگی سامان اتار پھینکا تھا، ہلال نے وہ مال ستر ہزار درہم کے بدلے میں بیچا۔ اس کا ٹوپ گم ہو گیا جو بعد میں نہ ملا۔ ہوسکتا ہے وہ نہر عتیق میں گر کر بہہ گیا ہو، ورنہ اس اکیلے کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

بعض روایات کے مطابق ہلال نے رستم کا سر کاٹ کر لٹکا دیا تھا لیکن اس کی تردید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ کچھ ایرانی جو قادسیہ میں مسلمان ہوئے تھے، سعد کے پاس آئے اور کہا: ''اے امیر! ہم نے آپ کے محل کے دروازے پر رستم کی نعش دیکھی لیکن اس پر سر کوئی اور تھا۔'' یعنی چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ یوں فارس کا ایک عظیم آدمی فتوحات اسلامیہ کا سامنا کرتے ہوئے 16 شعبان 15ھ / 23 ستمبر 636ء کو اتوار کے دن ہلاک ہو گیا۔

ہُرمُزان

یہ آدمی فتوحات اسلامیہ کے اولین دور کے نمایاں اور انتہائی لڑاکا ایرانی سپہ سالاروں میں سے ہے۔ ہرمزان ایران میں اپنی سطح کا واحد آدمی تھا جو قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ وہ اہواز کے علاقوں تستر[1] اور مہرجان قذق کا حاکم رہا تھا۔ جنگ قادسیہ میں رستم نے اسے اپنے لشکر کے میمنہ کی کمان دی۔ اس کی قیادت میں اہواز کی فوج کے اٹھائیس ہزار سپاہی لڑ رہے تھے جن کے ہمراہ سات ہاتھی تھے۔

شوشتر (ایران) میں دریائے کارون کی آبشاریں



[1] شوشتر (تُستر): یہ قدیم زمانے سے اہواز کا ایک شہر ہے۔ فارسی میں اسے شوش کہتے ہیں جس کے معنی ہیں "بہت اچھا" (شستہ)۔ شوش سے معرب شوشتر یا تستر ہے۔ (معجم ما استعجم: 767/3) شُستر یا شوشتر (عربوں کا تُستر) ایران کے صوبہ عربستان (قدیم خوزستان) کا ایک شہر ہے جس کے مغرب کی طرف دریائے کارون بہتا ہے۔ اس شہر کی بنیاد شوش (سوسہ) کی طرز پر اُسطوری بادشاہ ہوشنگ نے رکھی تھی۔ (یاد رہے شوش یا سُوس دجلہ کی معاون ندی کرخہ کے مشرق میں واقع ہے۔) عہد فاروقی میں براء بن مالک نے اسے فتح کیا اور یہیں ان کا مرقد بنا۔ اُموی دور میں باغی خارجی شبیب نے تُستر کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا اور اُس کی وفات کے بعد حجاج نے اس پر قبضہ کرلیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 725-723/11)

یہ لوگ سعد بن ابی وقاص ﷛ کے لشکر میں شریک قحطانی قبائل کا مقابلہ کر رہے تھے۔ جب ایرانی لشکر پسپا ہوا تو ہُرمُزان ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے میدان میں جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ پھر قادسیہ کے شکست خوردہ افراد اپنے سپہ سالاروں ہرمزان اور فرزان وغیرہ کے ساتھ بابل میں جمع ہوئے لیکن بابل کی لڑائی شروع ہوتے ہی شکست کھا کر جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلے۔ ان میں سے بیشتر کا رخ مدائن کی طرف تھا، البتہ ہرمزان اپنے علاقے اہواز کو سدھارا جبکہ عتبہ بن غزوان اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ عتبہ اور ہرمزان کے مابین نہر تیریٰ اور دلث کے درمیان جنگ برپا ہوئی اور نہر تیریٰ اور مناذر میں واقع ہرمزان کی چوکیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ہرمزان دُجیل ندی کے کنارے واپس آیا اور سوقِ اہواز کا پل پار کیا، پھر اس نے صلح کا مطالبہ کیا تو عتبہ نے اس شرط پر اس سے صلح کی کہ جو جگہیں مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئیں وہ بھی ان کے حوالے کر دی جائیں۔ لیکن علاقوں کی حد بندی پر ان میں اختلاف ہو گیا، چنانچہ ہرمزان نے صلح کا معاہدہ ختم کر دیا اور دوسری بار شکست کھائی۔ شکست کھا کر وہ رَامَھُرمُز کی جانب پیچھے ہٹ گیا اور دوبارہ صلح کا مطالبہ کرنے لگا۔ مسلمانوں نے اس سے پھر اسی شرط پر صلح کر لی کہ جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں، وہ مسلمانوں کے حوالے کر دیے جائیں۔

ہُرمُزان کی اسیری اور حیلہ جوئی

دریں اثناء یزدگرد برابر ایرانیوں کو جنگ پر ابھارتا رہا۔ ہرمزان نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور تیزی سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا لیکن نعمان بن مقرن ﷛ نے اسے اَرْبَک میں شکست سے دوچار کیا۔ ہرمزان نے تستر تک پسپائی اختیار کر لی۔ مسلمانوں نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا اور رات کو اچانک حملہ کرتے ہوئے تستر میں داخل ہو گئے۔ ہرمزان کو انھوں نے ایک ایسے قلعے میں گھیر لیا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چنانچہ اس نے خود کو امیر المومنین عمر بن خطاب ﷛ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کہ وہ جو فیصلہ کریں، اسے منظور ہو گا۔ تب اسے رسیوں سے باندھ کر مسلمانوں کی معیت میں مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ وہ لوگ ایک گرم دن کی دوپہر کو وہاں پہنچے اور امیر المومنین عمر فاروق ﷛ کو تلاش کرتے رہے، بالآخر انھوں نے آپ کو مسجد کے ایک گوشے میں اپنا کُرتا سر کے نیچے رکھے سوتے پایا جبکہ مسجد میں ان کے سوا کوئی اور سویا ہوا یا بیدار موجود نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر ہرمزان نے امیر المومنین سے کہا: ''تم انصاف کرتے ہو اور بے خوف ہو کر سو رہتے ہو۔''

امیر المومنین بولے: ''ہرمزان، سناؤ! مسلمانوں کو دھوکا دینے کے وبال اور اللہ کی مشیت سے اپنے انجام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور ایک کے بعد دوسرا عہد توڑنے کا تمھارے پاس کیا عذر ہے؟''

وہ بولا: ''مجھے ڈر ہے کہ بتانے سے پہلے ہی تم مجھے قتل کر دو گے۔'' عمر فاروق ﷛ نے کہا: ''اس بات کی فکر مت کرو۔''

ہرمزان نے پینے کو پانی مانگا۔ جب پانی لایا گیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے کہا: ''مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے پانی پیتے ہوئے قتل کر دو گے۔''

امیر المومنین نے جواب دیا: ''کوئی بات نہیں، پانی پینے تک تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

یہ سن کر ہرمزان نے پانی گرا دیا اور بولا: ''مجھے پانی کی ضرورت نہیں۔'' میں تو اس کے ذریعے سے امان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ صحابہ نے اس کی اس بات کی تائید کی۔

آخر کار ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ امیر المومنین نے اس کے لیے دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، اسے مدینہ میں رہائش فراہم کی اور اس کا نام ''عُرفُطہ'' رکھا۔ ہرمزان گویا ایرانیوں کا ایک قلعہ تھا جو اہواز اور مہرجان قذق کے سقوط کے ساتھ ہی فتح ہو گیا۔ انھی دنوں یزدگرد شاہ نے نہاوند میں فوج اکٹھی کی

تو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا: ''ایران کا سر نہاوند میں ہے اور دونوں بازو آذر بائیجان میں۔ دونوں بازو کاٹ دو، سر خود بخود ختم ہو جائے گا۔''

امیر المومنین بولے: ''او اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بکا بلکہ میں سر کاٹوں گا۔ جب اللہ نے سر کاٹ دیا تو دونوں بازو کچھ نہیں کر سکیں گے۔''

سہ فریقی سازش اور ہُرمزان

27 ذی الحجہ 23ھ / 4 نومبر 644ء کے دن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ معمول کے مطابق مسلمانوں کو فجر کی نماز پڑھانے کے لیے نکلے۔ انھوں نے جیسے ہی نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی ابولولؤ مجوسی نے ان کو خنجر گھونپ دیا۔ بعد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''میں ابولولؤ، ہرمزان اور حیرہ کے ایک عرب جفینہ کے پاس سے گزرا، یہ تینوں آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو وہ اُٹھے اور ان کے درمیان سے ایک خنجر گرا جو دو دھاری تھا اور اس کا دستہ درمیان میں تھا۔'' لوگوں نے دیکھا تو یہ وہی خنجر تھا جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گھونپا گیا، چنانچہ عبیداللہ بن عمر نکلا اور ہرمزان کو اپنی تلوار کے وار سے قتل کر دیا، پھر جفینہ اور ابولولؤ کی ایک چھوٹی بیٹی کو قتل کر دیا۔ مسلمانوں نے عبیداللہ کو قید کر دیا کیونکہ بعض اسے مقتولین کے قصاص میں قتل کرنا چاہتے تھے۔ تب عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''اللہ تجھے ہلاک کرے، تو نے اس آدمی کو قتل کر دیا جو نماز پڑھتا تھا؟ (ان کی مراد ہرمزان سے تھی) اور چھوٹی بچی اور ایک دوسرے ذمی کو قتل کر ڈالا؟ (ذمی سے ان کی مراد جفینہ تھا جو عیسائی تھا۔) اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کل عمر قتل کیے گئے اور آج ان کا بیٹا قتل ہو رہا ہے۔'' چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ ان دونوں مقتولین اور لڑکی کی دیت دیں۔ ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ کو قماذیان بن ہرمزان کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اسے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر دے۔ لوگ ان دونوں کو لے کر مدینہ سے باہر آ گئے اور قماذیان سے کہنے لگے کہ معاف کر دو، درگزر کرو۔ اس نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا کسی کے لیے جائز ہے کہ مجھے اس کو قتل کرنے سے روک دے؟''

لوگوں نے کہا: ''نہیں''۔

وہ بولا: ''اگر میں چاہوں تو کیا اسے قتل نہیں کر سکتا؟''

لوگوں نے کہا: ''کیوں نہیں؟''

اس نے کہا: ''میں نے اسے معاف کیا۔''

یہ سن کر مسلمانوں نے اسے کندھوں پر اُٹھا لیا اور خوشی سے اللہ کی وحدانیت کے نعرے لگاتے ہوئے مدینہ لوٹ آئے۔

ایشوعیاب جزالی

606ء میں مدائن میں نسطوری آرچ بشپ کے طور پر گریگوری کا تقرر عمل میں آیا تھا [1] جو خسرو پرویز کی محبوب ترین عیسائی بیوی شیریں کی صوابدید پر اور کسریٰ سے مشورہ کیے بغیر بلکہ اس کی رائے کے برعکس ہوا تھا۔ جب خسرو پرویز کو اس تقرر کا علم ہوا تو اسے ایران کے عیسائیوں پر بہت غصہ آیا۔ اس نے ان پر عائد شدہ خراج دگنا کر دیا، ان کے اموال لے لیے اور حکم جاری کیا کہ آئندہ کسی آرچ بشپ کا تقرر عمل میں نہ آئے۔ گریگوری اپنے منصب پر چار سال فائز رہنے کے بعد 922 یونانی/610ء میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد شیرویہ کے بادشاہ بننے تک سترہ برس یہ کرسی خالی رہی اور کسی آرچ بشپ کا تقرر نہ ہو سکا۔ 5ھ / 627ء/939 یونانی میں جب شیرویہ نے بادشاہت سنبھالی تو مدائن میں آرچ بشپ کے عہدے کے لیے ایشوعیاب کا انتخاب کیا گیا۔

ایشوعیاب عمر رسیدہ عالم اور عقل مند شخص تھا۔ اس کا تعلق موصل کی ایک بستی جزال سے تھا۔ اس سے پہلے وہ بلد نامی شہر میں معلم کے فرائض انجام دیتا تھا، پھر اس کی تعیناتی بشپ کے طور پر ہوئی جہاں اس نے بڑی حکمت سے کام کیا اور کچھ دینی کتابیں بھی لکھیں۔

ایشوعیاب ہی کے دور میں شیرویہ مرا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر بادشاہ بنا۔ وہ بھی قتل ہوا اور شیرویہ کی بہن پوران دُخت نے 13ھ/635ء میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ سلطنت کے داخلی امور عدم استحکام کا شکار تھے اور اسے اسلامی فتوحات کا مسئلہ بھی درپیش تھا، چنانچہ پوران دخت نے ایشوعیاب کو صلح کی تجدید کے لیے شاہ روم ہرقل کے پاس بھیجا۔ ایشوعیاب کی قیادت میں پادریوں کا ایک وفد نہایت عزت و احترام سے روانہ ہوا۔ ہرقل کو ایشوعیاب اچھا لگا۔ بادشاہ نے اس سے مطالبہ کیا کہ نسطوری مذہب کے مطابق اپنا عقیدہ لکھ دے، اس نے لکھا تو ہرقل نے اُسے سراہا۔



پتھر پر کندہ نسطوری تحریر

نسطوری پادری اور غلبۂ اسلام کی پیشگوئی

ایشوعیاب کے زمانے میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے اور ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ تاریخ کے نسطوری مصادر بیان کرتے ہیں کہ ایشوعیاب کو پہلے سے یہ توقع تھی کہ عنقریب اسلام کا ظہور ہوگا اور اسے غلبہ، قوت، عروج اور فتوحات حاصل ہوں گی، چنانچہ اس نے نبی ﷺ سے خط کتابت کی اور انھیں بتایا کہ عنقریب ان کا دین یہاں تک پہنچے گا۔ اس کے ساتھ اس نے کئی خوبصورت تحفے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے غلبۂ اسلام سے قبل کسی کو توقع نہیں تھی کہ عرب ایران، شام اور مصر وغیرہ پر حکومت کریں گے۔ ہو سکتا ہے ایشوعیاب کو یہ بات عیسائیوں کی

1 اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں گریگوری کے تقرر کا سن "11ھ/606ء" دیا گیا ہے یہ ہجری سن درست نہیں کیونکہ ہجری تقویم 622ء سے شروع ہوتی ہے۔

کتابوں میں ملی ہو۔

پھر جب نبی ﷺ کو غلبہ اور قوت حاصل ہوئی تو ایشوعیاب نے دوبارہ آپ ﷺ سے خط کتابت کی، آپ سے عہد لیا اور ان علاقوں میں رہنے والے تمام عیسائیوں کے لیے جو آپ کے دائرۂ عمل میں تھے اور آپ کے بعد صحابہ کے دائرۂ عمل میں آنے والے تھے، یہ ضمانت حاصل کی کہ وہ مسلمانوں کی زیرنگرانی امن وامان سے نمازیں قائم کرسکیں گے اور اپنے گرجا گھروں کو آباد رکھ سکیں گے۔

اسلامی تاریخی مصادر میں ایشوعیاب اور نبی ﷺ کی باہمی خط کتابت کا ہمیں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ شاید اس کی ابتدائی خط کتابت 5ھ/627ء میں مدائن کے آرچ بشپ کے عہدے پر اس کے تقرر کے فوراً بعد ہوئی ہو یا شاید اس سے بھی پہلے ہوئی ہو، البتہ دوسری خط کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ 9ھ/630ء میں فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی۔

ایشوعیاب کے زمانے ہی میں رسول اللہ ﷺ اللہ کو پیارے ہوگئے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی اسی کے زمانے میں فوت ہوئے۔ ایشوعیاب 25ھ/646ء میں کرخ بذان میں فوت ہوکر وہیں دفن ہوا۔ اس کے آرچ بشپ کے عہدے پر فائز رہنے کی کل سرکاری مدت انیس سال تھی۔ اس کے بعد کرسی ایک سال کے لیے خالی رہی، پھر اس پر تین سال کے لیے پادری مارامہ متمکن ہوا۔[1]



سریانی رسم الخط کا نمونہ جس سے نسطوری رسم الخط نے جنم لیا

[1] أخبار بطاركة كرسي المشرق، عمرو بن متى.

ہرقل اول

قیصر ہرقل اول (Heraclius I) مشرقی رومی سلطنت [1] کا بادشاہ تھا۔ اس کا زمانہ 12 قبل ہجرت / 610ء سے 20ھ/641ء تک ہے۔ سلطنت کے انحطاط کے بعد اس نے دوبارہ اس کی قوت لوٹائی اور فوجی جاگیروں کا نظام رائج کیا ہے جسے بعد میں اس کے جانشینوں نے ترقی دی، چنانچہ اس نے اناطولیہ کی جاگیریں دو فوجی کمشنروں کی نگرانی میں دیں اور کسانوں اور اندرونی و سرحدی فوجوں کو اس شرط پر زمینیں الاٹ کیں کہ وہ نسل در نسل فوجی خدمات سرانجام دیں گے۔ یوں اس نے نہایت لچکدار دفاعی نظام قائم کیا، زراعت کا معیار بلند کیا، سلطنت کو فوج کی تنخواہوں کے بوجھ سے سبکدوش کر دیا اور تنخواہیں لینے والے سرکشوں کے بجائے ایک ایسا قومی فوجی نظام متعارف کرایا جس کے تحت جاگیرداروں میں سلطنت کے دفاع کا ذاتی محرک بھی موجود تھا۔ اور اگلی چار صدیوں کے دوران میں، جن میں یہ نظام رائج رہا، یہ بھی ہوا کہ سلطنت کا لشکر شکست کھا گیا لیکن جنگ نے اس نظام کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔



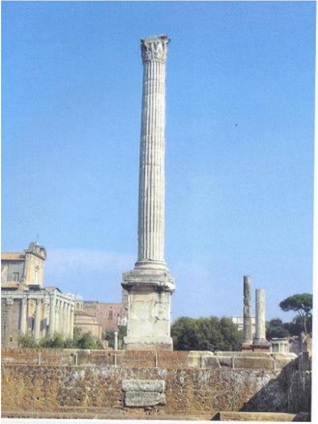
ہرقل اول کے سکے کے دو رخ

ہرقل اول ایرانیوں کے خلاف اپنی دلیرانہ جنگوں اور لکڑی کی وہ صلیب واپس لانے کی بدولت جس پر ان کے عقیدے کے مطابق مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی، ایک افسانوی ہیرو بن گیا۔

قیصرِ روم کی کھال کھنچوائی گئی

ہرقل 575ء میں اناطولیہ کے مشرقی علاقے کپاڈوشیا میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ہرقل جو صوبہ افریقیہ کا گورنر تھا، ارمنی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ جب اہل قسطنطنیہ نے فریاد کی کہ شاہ فوکا اور اس کے حواریوں کی دہشت گردی سے سلطنت کو بچایا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو ہرقل کے باپ نے ایک جنگی مہم تیار کی اور اس کی قیادت اپنے پرہیزگار، خاکستری آنکھوں والے، سرخ و سپید بیٹے ہرقل کو سونپی۔ اس دوران میں فوکا نے کپاڈوشیا سے بڑے اور چھوٹے ہرقل کی بیویوں اور چھوٹے کی بیٹی ''فابیا'' کو، جو نوجوان دوشیزہ تھی، قسطنطنیہ بلوا بھیجا اور ''فابیا'' کی عزت لوٹنی چاہی لیکن وہ کچھ حیلے بہانے اور کچھ دوسرے لوگوں کی مداخلت سے اپنی عصمت بچانے میں کامیاب رہی۔

[1] رومی سلطنت 395ء میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی: مشرقی رومی سلطنت (قسطنطنیہ) اور مغربی رومی سلطنت (روم)۔ شمال کی وحشی اقوام گاتھوں اور ونڈالوں کے حملوں سے مغربی سلطنت 476ء میں ختم ہو گئی۔ پھر مشرقی رومی سلطنت (بازنطینی سلطنت) کے شاہ جسٹینین (65-527ء) نے شمالی افریقہ، اٹلی اور اسپین تک اپنی بادشاہت کو وسعت دے کر رومی سلطنت کے بیشتر علاقوں کو ایک بار پھر متحد کر دیا، تاہم ہرقل اول (41-610ء) جس کا تعلق یونانی خاندان سے تھا، اس سے قسطنطنیہ میں یونانی شہنشاہی کا دور شروع ہوا جسے بالعموم بازنطینی یا بوزنطی سلطنت کہا جاتا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 174،173/2)



رومن فورم (روم) میں شاہ فوکاس (فوکا) کا ستون

بعد ازاں مصر کی سرزمین پر لڑائیاں ہوئیں اور ہرقل کی فوجوں نے فوکا کی فوجوں کے خلاف کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے فوکا کے سالاروں کو گرفتار کر کے کوڑے لگائے، پھر ان کی گردنیں اڑا دیں۔

اکتوبر 610ء/12 قبل ہجرت میں سپہ سالار ہرقل قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا تو فوکا نے گھبرا کر سلطنت کے سارے خزانے اکٹھے کیے اور سمندر میں ڈال دیے۔ اس سے مرکزِ سلطنت میں بغاوت پھیل گئی، چنانچہ فوکا کو گرفتار کر کے اس کے سر سے تاج نوچ لیا گیا اور اُسے پابہ زنجیر سینٹ تھامس کے گرجا گھر میں ہرقل کے پاس بھیج دیا گیا۔ فوکا کے ہمراہ اس کا چیف سیکرٹری بھی تھا۔ ہرقل نے ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کی موت سے ہرقل کے دل کی بھڑاس نہ نکلی تو اس نے ان دونوں کے اعضا کٹوا کر ان کی کھال کھنچوا دی، پھر لاشیں جلا کر راکھ ہوا میں بکھیر دی گئی۔ پھر ہرقل نے ایک قلاش اور انتشار اور داخلی ہنگاموں سے ٹوٹ پھوٹ کی شکار سلطنت کے بادشاہ کے طور پر تاج پہنا۔ بڑا ہرقل بہت خوش ہوا اور اس واقعے کے چند دنوں بعد چل بسا۔

فلسطین و مصر پر ایرانی قبضہ

دریں اثناء بلقان میں سلاف قبائل چھا گئے تھے اور ایرانیوں نے اناطولیہ کے بڑے علاقے پر قبضہ جما لیا تھا، اور آوار ترکوں نے رومیوں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ رومی سلطنت کے خزانے خالی ہوتے ہی اس کی معیشت تباہ ہوگئی، نظم و نسق بگڑ گیا اور فوج کا مورال بہت پست ہوگیا۔ کسان حد سے بڑھی ہوئی لوٹ کھسوٹ میں پس کر رہ گئے۔ فرقہ واریت بہت بڑھ گئی جس کا حل یہ نکالا گیا کہ اس کے مرتکب لوگوں کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔ ان حالات میں بڑی کاوش سے سلطنت نے اپنا وجود باقی رکھا۔

8 قبل ہجرت/614ء میں ایرانیوں نے شام اور فلسطین پر حملہ کیا اور وہ القدس (بیت المقدس) اور مقدس صلیب پر قابض ہوگئے۔ 3 قبل ہجرت/619ء میں انھوں نے مصر اور لیبیا پر بھی قبضہ کر لیا۔ چوالیس سالہ ہرقل نے کوشش کی کہ آوار ترکوں کی سرکشی کا سد باب کرے، چنانچہ 3 یا 5 قبل ہجرت/617ء یا 619ء میں تراقیہ (تھریس) میں ان کا مقابلہ ہوا۔ آوار نے فریب کاری سے اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ سوار ہو کر "قسطنطنیہ" بھاگ آیا۔ آوار نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، چنانچہ پھر اس نے مجبور ہو کر ان کی سرکشی اور دغابازی کو نظر انداز کیا اور ان سے صلح کر لی تاکہ وہ ایرانیوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائے۔

1ھ/622ء میں ہرقل مریم علیہا السلام کی تصویر اٹھائے ہوئے، تائب ہو کر اور گناہوں کا کفارہ ادا کر کے ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل کرنے، صلیب واپس لانے اور القدس کو ایرانی قبضے سے چھڑوانے کے لیے گرجا گھروں کی طرف سے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔

کسریٰ کا غرور اور ہرقل کی نئی چال

ہرقل نے ایرانیوں سے صلح کا مطالبہ کیا جو خسرو پرویز نے حقارت سے ٹھکرا دیا اور ہرقل کو لکھا:

''سب سے بڑے خدا اور ساری زمین کے مالک کی طرف سے، اس کے حقیر اور بے وقوف بندے ہرقل کے نام، جو سلطنت کی حفاظت سے عاجز آ گیا ہے۔ تم کہتے ہو کہ تم اپنے خدا پر بھروسا رکھتے ہو تو پھر اس نے یروشلم کو میرے ہاتھوں سے کیوں نہیں بچایا؟''

قیصر ہرقل نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دعا مانگی اور اگلے دو سال وہ آرمینیا پر حملے کی تیاری کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ ایرانیوں پر تباہ کن ضرب لگانے کے لیے آرمینیا پر حملہ ضروری ہے کیونکہ یہ ایران کے لیے افرادی قوت کا منبع ہے۔

4 ھ / 625ء میں ایرانیوں کی یلغار کے پیش نظر اس نے اناطولیہ کو چھوڑ کر بُحیرۂ اسود میں لشکر کشی کی اور آرمینیا کے ساحل پر اتر کر دریائے ساروس کے مغربی کنارے پر جا پہنچا جبکہ دوسرے کنارے پر ایران کی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔

ہرقل کے بعض آدمیوں نے جوش میں آ کر پل عبور کیا اور ایک کمین گاہ میں پھنس گئے۔ ایرانیوں نے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہرقل نے اپنے خیمے سے جھانکا تو دیکھا کہ ایرانی پل عبور کر رہے ہیں اور سلطنت کا انجام داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور تیزی سے بھاگتا ہوا پل کی طرف آیا اور ایرانیوں کے سپہ سالار کو مار گرایا۔ یہ دیکھ کر اس کے لشکر نے فوراً صفیں بنا لیں اور مار دھاڑ کر کے ایرانیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔

5 ھ / 626ء میں ایرانی آبنائے باسفورس کی طرف بڑھے تا کہ وہ قسطنطنیہ کی دیواروں پر حملے میں آوار ترکوں کے ساتھ شریک ہو سکیں لیکن رومیوں نے آوار کا پہلا بحری بیڑا ہی ڈبو دیا جس پر حملے کے لیے آنے والے ایرانیوں کی نقل و حمل کا انحصار تھا۔ یوں انھوں نے آوار کے حملے کو ناکام بنا دیا۔

ہرقل ایرانی دارالحکومت میں

قسطنطنیہ پر حملے کے لیے آنے والے ایرانی لشکر کی قیادت شہر براز کر رہا تھا۔ اس کا بھائی فرخان اس کی معاونت کر رہا تھا۔ قیصر [1] نے چاہا کہ وہ دونوں بھائیوں کے درمیان ناچاقی ڈال دے اور وہ ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہو جائیں، چنانچہ شہر براز نے ہرقل سے ملاقات کی اور کسریٰ کے خلاف اس سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ پھر شعبان 6 ھ / دسمبر 627ء میں ہرقل نے آرمینیا کی سطح مرتفع پر سے دجلہ کے میدان کی طرف سفر کرتے ہوئے سلطنت فارس پر حملہ کیا۔ نینویٰ کے قریب اس کی ستر ہزار فوج کا ایرانیوں کی بارہ ہزار فوج سے ٹکراؤ ہوا۔ اس ایک ہی معرکے میں ہرقل نے ایرانیوں کے تین سپہ سالاروں کو قتل کر دیا اور ان کی صفوں پر یلغار کر کے ان کے سپہ سالارِ اعلیٰ راہزار کو اس کے نصف لشکر سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقیوں کو تتر بتر کر دیا۔

چند ماہ بعد 7 ھ / 628ء میں ہرقل دستجرد میں داخل ہوا اور اسے برباد کر ڈالا۔ کسریٰ مدائن کی طرف بھاگ گیا، پھر وہاں سے بھی آگے راہ فرار اختیار کی۔ ہرقل نے مدائن میں داخل ہو کر لوٹ مار کی، کسریٰ کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا، اس کے لڑکے کا سر مونڈ کر، اسے ذلیل کر کے گدھے پر سوار کیا اور اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔

[1] اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں یہاں ''قیصر'' کے بجائے ''کسریٰ'' چھپا ہے جو درست نہیں۔



قسطنطنیہ کی فصیل ''تھیوڈوسین وال'' کا بحال شدہ حصہ جس کے باہر 627ء میں قیصر ہرقل نے آوار ترکوں کے حملے کے وقت اکہری دیوار بنوائی

ایرانی عوام کسریٰ کی شکست پر بہت چراغ پا ہوئے اور 7ھ/628ء [1] میں اس کے بیٹے شیرویہ نے اُسے قتل کر دیا۔ نئے بادشاہ شیرویہ نے ہرقل کے ساتھ صلح کر لی اور صلیب، قیدی اور مقبوضہ رومی علاقے واپس کر دیے۔ ہرقل نے 9ھ/630ء میں بیت المقدس جا کر اپنے ہاتھوں سے مقدس قبر کے گرجا گھر [2] میں دوبارہ صلیب نصب کی اور وہ فتح یاب ہو کر قسطنطنیہ لوٹا تو وہاں جشن عظیم منایا گیا۔ 17ھ/638ء میں ہرقل نے کوشش کی کہ ان مسیحی فرقوں کو، جن پر سابق بادشاہوں نے چار صدیاں ظلم و ستم ڈھایا تھا، خوش کر دے لیکن جب وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے بھی اپنے احکامات منوانے کے لیے ظلم و زیادتی اور تشدد کی روش اختیار کی۔

اسلامی فتوحات اور رومیوں کی پسپائی

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی کیونکہ اسلام غالب آ چکا تھا اور مسلمان 12ھ/633ء میں شام کی فتح کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ ہرقل اپنی عمر کے اٹھاون برس گزار چکا تھا، اس کا جسم بوڑھا ہو رہا تھا اور بیماری اور سلطنت کے دفاع کے لیے برسوں کی جانکاہ جدوجہد اور سوجنگوں کے زخموں اور ان کے برے اثرات نے اس کے قویٰ کو مضمحل کر دیا تھا، چنانچہ وہ پہلے کی طرح خود اپنے لشکر کی کمان نہ کر سکا۔ وہ صرف سپہ سالاروں کی مدد کیا کرتا تھا جن میں اس کا سگا بھائی تھیوڈور بھی شامل تھا جس کا تذکرہ طبری نے تذارق کے نام سے کیا ہے۔ تھیوڈور اجنادین کی جنگ میں شریک ہوا اور معرکۂ یرموک میں مارا گیا۔

مسلمانوں نے پہلے تو رومیوں کو اجنادین اور بیسان اور دیگر جگہوں پر شکست سے دوچار کیا، پھر بڑی فیصلہ کن جنگ 15ھ/636ء میں یرموک میں برپا ہوئی اور اس میں رومیوں کی شکست کے نتیجے میں پہلے شام کا ملک اور پھر مصر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ شام کے معرکوں کے دوران

1. اٹلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں درج ہے کہ ''12ھ/633ء میں اس (کسریٰ) کے بیٹے شیرویہ نے اسے معزول کر دیا'' مگر یہ خسرو پرویز کی محض معزولی نہیں بلکہ قتل تھا اور یہ واقعہ بھی 7ھ/628ء میں پیش آیا تھا نہ کہ 12ھ/633ء میں۔
2. مقدس قبر (Holy Sepulchre) کا گرجا بیت المقدس میں ہے جہاں عیسائیوں کے بقول مسیح علیہ السلام مدفون ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری:676)

میں ہرقل کبھی حمص میں مقیم رہا اور کبھی انطاکیہ میں۔ جب شکست ہوئی تو وہ مقدس چوبی صلیب اٹھائے، جو کسی زمانے میں اس کی عزت کی سب سے بڑی نشانی تھی اور اب اس کی گہری غمگساری تھی، قسطنطنیہ کوچ کر گیا۔ ہرقل پانی سے خوف کھاتا تھا، چنانچہ قبل اس کے کہ وہ آبنائے باسفورس پار کر کے قسطنطنیہ پہنچنے کی ہمت کرتا جسے پانی میں تیرتے اور درخت کی شاخوں سے ڈھکے ہوئے پل کے ذریعے سے پار کرتا تھا تاکہ پانی پر اس کی نظر نہ پڑے، وہ ایک سال باسفورس کے ایشیائی کنارے پر رکا رہا۔ 10 قبل ہجرت/612ء میں ہرقل کی پہلی بیوی یوڈوکیا (Eudocia) فوت ہو گئی تھی۔ ایک سال بعد اس نے اپنی بھانجی مارٹینا سے شادی کر لی، اور اس شادی کو خاندان کے ساتھ بدکاری اور حرام رشتے سے بدفعلی کہا گیا اور مارٹینا کو ملعون عورت کہا گیا۔ اس کے باوجود انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا نے اس شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے مبارک قرار دیا ہے جبکہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ مارٹینا ہرقل کے ساتھ اس کی جنگی یلغاروں میں شریک رہی اور اس سے قیصر کے نو بچے پیدا ہوئے۔

ہرقل اور اس کی اولاد کا انجام

معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کو آخری برسوں میں گوناگوں امراض نے گھیر لیا تھا۔ اس کے غدۂ مثانہ (Prostate Gland) میں ورم آ گیا اور پیشاب بند ہو گیا۔ اس طرح جسم میں سخت قسم کی اینٹھن پیدا ہو گئی، چنانچہ وہ 25 صفر 20ھ /11 فروری 641ء کو 66 برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس نے اپنی پہلی بیوی سے پیدا ہونے والے بڑے بیٹے قسطنطین اور مارٹینا کے بیٹے ہرکلونس کے متعلق بادشاہت کی وصیت کی جبکہ قسطنطین سل کے مرض میں مبتلا تھا۔

تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ہرقل مسیحی مذہب پر گہرا ایمان رکھتا تھا اور اپنی کامیابیوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس کی قوم اُسے وہبی اور اعلیٰ صلاحیتوں کا آدمی مانتی تھی۔ کچھ لوگوں نے ہرقل کو اس کی دوسری شادی کی وجہ سے غلط آدمی بھی قرار دیا ہے لیکن اسے غلط کہنے والے بھی اس کی کامیابیاں دیکھ کر بسا اوقات صرف نظر کر جاتے اور سیاسی حالات کے پیش نظر جب ضرورت ہوتی، اس قضیے کو دوبارہ ایشو بنا لیتے۔ تخت کی وراثت حاصل کرنے کے لیے جو محاذ آرائی ہوئی، اس میں بھی اس قضیے کو بہت اچھالا گیا۔ اس محاذ آرائی میں مارٹینا خود بھی شریک تھی، چنانچہ اس پر الزام ہے کہ اس نے قسطنطین کو دھوکے سے زہر کھلا دیا تھا حتیٰ کہ وہ مر گیا تاکہ اس کا اپنا بیٹا اکیلا تخت کا وارث ہو۔ اس پر قسطنطنیہ کے لوگ مارٹینا کے خلاف مشتعل ہو گئے اور سپہ سالار جوتالیس حرکت میں آیا۔ اس نے قسطنطنیہ اور شاہی محل پر قبضہ کر لیا، مارٹینا اور اس کی اولاد چھوٹے ہرقل، داؤد اور مارینوس کو گرفتار کر کے ان کو تاج کی وراثت سے محروم کیا اور ان کی ناکیں کاٹ کر نہایت نفرت سے انھیں محل سے بے دخل کر دیا۔

روایات میں ذکر ہے کہ اس نے مارٹینا کے دوسرے بیٹے کو ہاتھ نہیں لگایا کیونکہ وہ گونگا اور بہرا تھا، البتہ اس کے سب سے چھوٹے لڑکے کے متعلق جوتالیس کو خدشہ تھا کہ یہ بڑا ہو کر بادشاہ بنے گا، چنانچہ اس نے اسے خصی کر دیا، بچہ اس زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ پھر اس نے مارٹینا اور اس کی باقی ماندہ اولاد کو جزیرۂ اورس میں جلاوطن کر دیا۔

پہلی صلیبی جنگ کا قائد

تاریخ ہرقل کا ذکر ایک ممتاز جنگی سپہ سالار کے طور پر کرتی ہے جس نے اپنے لشکر کو مسیحی حمیت کے ہتھیاروں سے لیس کیا تھا۔ اس کی ذاتی دلیری اور جنگی منصوبے اس کی پسندیدگی کا سبب تھے اور اسی وجہ سے اس کی فوج بھی اُسے چاہتی اور اس سے محبت کرتی تھی۔ ہرقل ایک محتاط اور توسیع پسند آدمی تھا۔ وہ جنگ کی مکمل منصوبہ بندی اور اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے جنگی اغراض کے

لیے دین کو استعمال کیا، حتیٰ کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے اسے صلیبی جنگوں کے پہلے حملے کا قائد قرار دیا ہے جس نے اپنے اندر صلیبی روح بیدار کر رکھی تھی۔ ایران کے خلاف جنگ میں اس نے ایرانیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہیں کیا، چنانچہ جن علاقوں کو اس نے فتح کیا وہاں قتل عام نہیں کیا، نہ وہاں کے لوگوں کو غلام بنایا اور جنگی قیدیوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا۔ اور جب وہ ان کی خوراک کے بندوبست سے عاجز آ گیا تو انھیں آزاد کر دیا۔ اس کا یہ کردار کسریٰ (خسرو پرویز) کی سختی اور بداخلاقی کے بالکل برعکس تھا اور اس برتاؤ نے ایرانیوں پر فتح پانے میں اس کی بڑی مدد کی۔

مؤرخ و مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ روم کی تفسیر کرتے ہوئے ہرقل کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس کا شمار عقل مند آدمیوں اور پختہ کار بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت بیدار مغز، دور اندیش اور گہری سوچ بچار کرنے والا شخص تھا، چنانچہ اس نے ایک عظیم سلطنت پر بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ رومی اس کی بہت زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔''

اسلامی یلغار اور ہرقل کی ترکیب (Strategy) کی ناکامی

بلاشبہ ہرقل اول نے یہ شرف ایرانیوں سے کامیابی چھین کر حاصل کیا جب اس نے ان کے لشکر کو باسفورس کے دوسرے کنارے رہنے دیا اور قسطنطنیہ سے ایک اور سرزمین کا رُخ کیا۔ اس کی نظروں میں سمندر کا ایک اور کنارہ (آرمینیا) تھا جس کے پیچھے ایرانی شہروں کی فصیلیں غیر محفوظ تھیں۔ شام و مصر میں بھی اسے اسی طرح فتوحات حاصل ہوئیں۔ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ ایرانیوں کے ملک میں گھس گیا جسے پہلے اس کا لشکر چھوڑ کر چلا آیا تھا، چنانچہ اس نے وہاں دور دور تک تاخت و تاراج کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے شام پر حملہ کیا تو اس نے یہی طریقہ آزمانا چاہا لیکن پھر اس نے اپنے آپ میں ہمت نہ پائی کہ اپنے لشکر کو جزیرہ نمائے عرب میں داخل کر دے اور وہاں کے صحراؤں میں ٹھوکریں کھاتا، گرمی اور سردی کی شدت کا سامنا کرتا ہوا پیاسا مر جائے۔ پھر بھی اس نے ایک حد میں رہتے ہوئے اس ترکیب (Strategy) پر عمل کرنے کی کوشش کی، چنانچہ جب مسلمان اپنے لشکر دمشق کی جانب بھیجتے تو وہ اپنی ایرانی مہم کے مانند ان کا براہِ راست مقابلہ نہ کرتا تھا بلکہ اپنے لشکروں کو مسلمانوں کی جنوبی جانب بھیجتا جہاں زمین کی طبعی حالت اس کی معاون ہوتی کیونکہ وہاں زمین کے طبعی خطوط (پہاڑوں اور دریاؤں کے رُخ) شمال سے جنوب کی جانب ہیں۔ اس طرح یلغار اور پسپائی کے قدرتی راستے اسے آسانی سے میسر آ جاتے تھے۔

ہرقل چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ بھی اسی منصوبے کے تحت کرے جس کے ذریعے سے وہ ایرانیوں کے مقابلے میں کامیاب ہوا تھا لیکن ایرانیوں سے جنگ کے وقت وہ پچاس کے پیٹے میں تھا جبکہ یرموک کے دن اپنی عمر کے اکسٹھ سال گزار چکا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان ایرانیوں کی طرح نہیں تھے بلکہ وہ ایمانی جذبوں سے سرشار تھے اور نہ اسلام مجوسیت کے مانند تھا کہ مسیحیت کی یلغار کے مقابلے میں پسپائی اختیار کرتا۔

مُقوقَس

یہ کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ ایک لقب ہے۔ یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: بڑی شان والا، معزز اور لائق احترام۔ شاید اوّل اوّل اس لفظ نے تاریخ کے دریچے سے ہماری طرف اس وقت جھانکا جب یہ نبی ﷺ کے اس خط میں آیا جسے آپ نے مقوقس کی طرف بھیجا جس کے ابتدائی الفاظ تھے:

[من محمد رسول الله إلى المقوقس عظيم القبط]

''اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے، قبطیوں کے بڑے، مقوقس کی جانب۔''

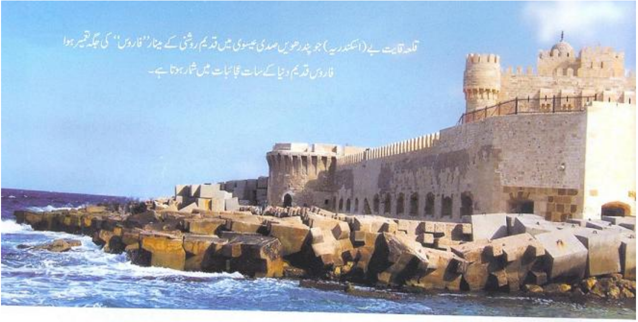
مقوقس جارج کے نام مکتوبِ نبوی

پھر دوبارہ مقوقس کا ذکر مصر میں فتح اسلامی کے واقعات میں آتا ہے۔ اس کی ذات کے متعلق مؤرخین اور تحقیق کاروں کی آراء مختلف ہیں۔ جس رائے پر ہم اعتماد کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مقوقس دو آدمی تھے۔ پہلا جارج تھا جسے نبی ﷺ کا خط ملا، یہ ان دنوں قسطنطنیہ کی طرف سے وہاں کا رومی حکمران تھا۔ نبی ﷺ نے یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا تھا جس میں آپ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام لائے بغیر اس نے خط کا اچھا جواب دیا اور نبی ﷺ کو مختلف تحفے بھیجے جن میں مصر کے بنے ہوئے پارچات (کپڑے)، ''بنہا'' کا شہد، ایک گدھا، ایک خچر، مصر کے قبطی خاندان کی دو لونڈیاں جو آپس میں بہنیں تھیں اور ان دونوں کا چچا زاد بھائی بطور غلام شامل تھے۔

شاہِ مصر و اسقف اعظم مقوقس سائرس

دوسرا مقوقس سیروس یا سائرس (Cyrus) ہے جس کا تذکرہ تاریخ کی عربی کتابیں ''قیرس'' کے نام سے کرتی ہیں۔ بعض مؤرخین نے اسے نادرست طور پر ''فیرس'' بھی لکھا ہے لیکن ہم نے اسے ویسے ہی لکھا ہے جیسے یونانی میں بولا جاتا ہے، یعنی ''سیروس (سائرس)''۔ یہ نام آج بھی یونانیوں اور دیگر اقوام کے ہاں معروف ہے اور وہ یہ نام رکھتے ہیں۔ [1]

[1] مقوقس سائرس تاریخ میں سائرسِ اسکندریہ (Cyrus of Alexanderia) کے نام سے مشہور ہے۔ یونانیوں میں سائرس عام نام تھا۔ قدیم فارس کی تاریخ میں گوروش یا کوروش کبیر کا ذکر آتا ہے جسے یونانی میں سائرس اور یہودیوں کے ہاں خورس لکھا جاتا ہے۔ اس نے 539 ق م میں بابل (عراق) فتح کر کے ان یہودیوں کو رہائی دلائی تھی جنھیں بخت نصر 586 ق م میں بیت المقدس سے گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ یہ کوروش کبیر یا سائرس اعظم ہی ذوالقرنین تھا جس کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ہے۔ (تفسیر ترجمان القرآن: 401/2، تفہیم القرآن: 44,43/3)
عالمی تاریخ میں اُسے عموماً سائرس اعظم (Cyrus the Great) کہا جاتا ہے۔ اس کا مدفن ایران میں اصطخر (Pasargade) کے مقام پر ہے۔ (وکی پیڈیا)



قلعہ قایت بے (اسکندریہ) جو پندرھویں صدی عیسوی میں قدیم روشنی کے مینار ''فاروس'' کی جگہ تعمیر ہوا فاروس قدیم دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔

سائرس ہرقل کی جانب سے ریاست مصر کا حکمران تھا۔ علاوہ ازیں وہ کلیسائے اسکندریہ کا ملکانی [1] اسقف اعظم (آرچ بشپ) بھی تھا۔ یوں اس کے پاس دو سرکاری عہدے تھے۔

مقوقس کی ذات کے متعلق محققین کی دوسری آراء بھی ہیں۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ قبطی تھا اور مصر کا باشندہ تھا، نیز ان کے بقول بعض روایات اور نبی ﷺ کے مذکورہ بالا خط پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ قبطیوں کا بادشاہ تھا اور لازماً قبطی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ بعض دیگر روایات اس کے برعکس ہیں جو قبول کیے جانے کے زیادہ لائق ہیں۔ ان میں یہ ذکر ہے کہ قبطیوں کا بادشاہ قبطی نہیں بلکہ رومی تھا، نیز مسیحی کلیسا ٹوٹ کر دولخت ہو گیا تھا۔ اسکندریہ کا یعقوبی کلیسا اس امر کا قائل تھا کہ مسیح کی شخصیت کا ایک ہی پرتو ہے کہ وہ الوہی اختیارات اور ذات کے حامل ہیں جبکہ بازنطینی یا رومی کلیسا کا مذہب یہ تھا کہ مسیح الوہی اختیارات کے حامل تو ہیں مگر ان کی شخصیت کے بیک وقت دو پرتو ہیں، ایک انسانی اور دوسرا الوہی۔ ہرقل نے ان دونوں کلیساؤں کو باہم ملانا چاہا، چنانچہ قسطنطنیہ کے بطریق سرجیوس نے ایک نئی شے ایجاد کی۔ اس نے کہا کہ مسیح کا ایک ارادہ ہے، اور یہ کہ لوگ اس کی اصل کے متعلق غور وخوض سے باز رہیں۔ ہرقل نے یہ مذہب اپنا لیا اور سال 631ء کے شروع میں فاسیس کے اسقف سائرس نے بھی اسے قبول کر لیا، چنانچہ ہرقل نے اسے اسکندریہ کے آرچ بشپ (اسقف اعظم) کا عہدہ سونپ دیا۔ علاوہ ازیں اسے مصر کا حاکم بنا دیا اور وہاں کا خراج اکٹھا کرنے کی ذمہ داری بھی تفویض کر دی۔

سائرس کی ہرقل کو بھیجی ہوئی ابتدائی رپورٹوں میں یہ خوش خبری تھی کہ وہ کلیسا کو ایک کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ لیکن سابق آرچ بشپ بنیامین نے قبطیوں کو ترغیب دی کہ وہ اس ملکانی (شاہی) مذہب کو مسترد کر دیں۔ مقوقس سائرس نے سخت ردعمل ظاہر کیا اور قبطیوں اور ان کے مذہب کے

[1] ملکانی (Melchite): یہ اصطلاح ابتدا میں آرتھوڈکس عقیدے کے پیروکار مشرقی مسیحیوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جن کے عقیدے کی وضاحت افسوس (Ephsus) کی کونسل (431ء) اور خلقیدون (Chalcedon) کی کونسل (451ء) نے کی تھی اور جسے بازنطینی بادشاہ نے قبول کر لیا تھا۔ ملکانی سریانی (Syriac) لفظ ملکا (Malka) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''بادشاہ'' کے ہیں۔ اب یہ اصطلاح آرتھوڈکس یا وحدانی (Uniat) عیسائیوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو زیادہ تر شام اور مصر میں بستے ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:900)

خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ وہ ان کو اپنا مذہب تسلیم کرنے پر مجبور کرنے لگا۔ ان پر ظلم وستم ڈھائے گئے حتی کہ اس کا نام قبطیوں کے لیے دہشت اور ناپسندیدگی کی علامت بن گیا۔

قبطی تاریخ لکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ قبطیوں کو دس سال کی مدت کے لیے اختیار دیا گیا کہ وہ خلقیدونی مذہب [1] قبول کر لیں یا کوڑے کھانے کو تیار رہیں یا موت ان کا مقدر ہوگی۔ بٹلر کہتا ہے: ''ہم یہاں واضح کیے دیتے ہیں کہ اس وقت قبطی کسی شمار قطار میں نہ تھے اور نہ ان میں سے کسی کو اقتدار حاصل تھا بلکہ قبطی دھتکارے ہوئے لوگ تھے جنھیں مقوقس سائرس نے ذلت ونکبت سے دوچار کر رکھا تھا۔'' قبطیوں کے ایک فرقے ''جاپانیہ'' کے ایک گروہ نے سائرس کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا لیکن اس کو اس سازش کا علم ہوگیا، چنانچہ اس نے سازشیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ادھر مقوقس سائرس کی مخالفت کرنے والے اکیلے قبطی ہی نہ تھے بلکہ ''ملکانی'' فرقے کو بھی یہ درمیانی مذہب پسند نہیں تھا، ان کی طرف سے مزاحمت کی سرپرستی القدس کا بطریق صفرونیوس کر رہا تھا۔

مقوقس کی صلح ہرقل نے مسترد کر دی

اس کے بعد مسلمان آئے اور انھوں نے پہلے فرما، پھر بلبیس کو فتح کیا، پھر عین الشمس میں رومیوں کو ایک بڑی شکست سے دوچار کیا، بعدازاں انھوں نے ''بابلیون'' کے قلعے کا، جہاں مقوقس سائرس بھی مقیم تھا، محاصرہ کر لیا لیکن وہ شوال 20ھ / اکتوبر 641ء میں بھاگ کر جزیرۃ الروضہ چلا گیا اور مذاکرات کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد بھیجا۔

پھر اس نے مسلمانوں کا ایک وفد طلب کیا جس نے جزیرۃ الروضہ جا کر اس سے ملاقات کی۔ مسلمانوں نے اسے تین چیزوں کا اختیار دیا: اسلام قبول کر لے یا جزیہ ادا کرے یا لڑائی کے لیے تیار رہے۔

مقوقس نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کی طرف میلان ظاہر کیا لیکن اس کی قوم کے بعض لوگوں نے اس کی شدید مخالفت کی، چنانچہ اس کے لشکر نے پہلے شکست کھائی اور پھر صلح کر لی۔

مقوقس الروضہ سے کشتی پر سوار ہو کر اسکندریہ روانہ ہوا اور صورتِ حال کی اطلاع دینے کے لیے بادشاہ کو خط لکھا۔ قیصر روم ہرقل اس کی شکست کا سن کر بہت دل برداشتہ ہوا اور سال 640ء کے اختتام پر اسے قسطنطنیہ بلوایا۔ ہرقل نے صلح مسترد کر دی اور مقوقس کو شہر کے حاکم کے سپرد کیا کہ اسے رسوا کرے اور اس کی تشہیر کرے، پھر شاہ روم نے اسے جلاوطن کر دیا۔ اس کے بعد ہرقل مر گیا۔ اس کی بیوی مارٹینا خاصے اثر ورسوخ کی مالک تھی اور سائرس اس کے گروہ کا آدمی تھا، چنانچہ اسے جلاوطنی سے بلا کر واپس اسکندریہ بھیجا گیا جبکہ ایک بڑا رومی لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ وہ مقدس صلیب کے دن [2] اسکندریہ پہنچا اور قبطیوں پر دوبارہ ظلم وستم ڈھانے لگا۔ پھر وہ بابلیون آ کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور جزیہ کی ادائیگی تسلیم کی اور عمرو کے ساتھ اس معاہدے پر اتفاق کیا کہ وہ گیارہ ماہ کے بعد اسکندریہ ان کے حوالے کر دے گا۔

1 خلقیدونی مذہب مسیحی کلیسا کی چوتھی عالمی کونسل (Fourth Ecumenical Council) میں اپنایا گیا تھا جو 451ء میں خلقیدون (Chalcedon) کے مقام پر منعقد ہوئی تھی۔ اس کونسل نے مسیح علیہ السلام کی بحیثیت خدا اور انسان دوہری مگر وحدانی نوعیت'' کی توثیق کر دی۔ خلقیدون کو ان دنوں ''قاضی کوئی'' کہا جاتا ہے اور یہ ایشائے کوچک (ترکی) میں آبنائے باسفورس پر واقع ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:241)

2 یوم مقدس صلیب (Holy Cross Day) صلیب کے اعزاز واکرام کا دن ہے جسے عیسائی 14 ستمبر کو مناتے ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:675)

مقوقس نے اسکندریہ والوں کے سامنے صلح کا معاملہ ظاہر نہ کیا حتی کہ مقررہ مدت پوری ہونے پر مسلمان شہر کی طرف روانہ ہوئے، تب اس نے صلح کا اعلان کیا۔ لوگوں نے مشتعل ہو کر اس کے محل کے سامنے مظاہرہ کیا لیکن اس نے عوام کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور ان سے کہا کہ اس نے ان کی بھلائی اور ان کے جان و مال کے تحفظ ہی کی خاطر صلح کی ہے اور وہ ان کو ایسی جنگ میں نہیں جھونکنا چاہتا جس میں کسی کامیابی کی توقع نہیں ہے۔ لوگوں نے یہ سنا تو سب نے ایک نظر اس کے بڑھاپے اور اس کے کمزور ہوتے ہوئے جسم کی طرف دیکھا، پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور جزیہ لا جمع کیا۔ سائرس نے جزیے کا مال اٹھوایا اور عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔

بٹلر کا خیال ہے کہ یہ صلح مقوقس کی خیانت تھی۔ لیکن یہ خیانت کہاں تھی جبکہ وہ واقعی مصر کی حفاظت سے عاجز آ چکا تھا اور مصر کے عوام نے بھی اُسے مسترد کر کے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف رومی لشکر پست ہمت تھا، شام اور مصر کے علاقوں میں مسلمانوں سے سوائے شکست کے اُسے کچھ نہیں ملا تھا۔ بٹلر بھول رہا ہے کہ حکومتی نظام کی خرابی ملکوں کو تباہ کر دیتی ہے اگر چہ ان کے کوئی بیرونی دشمن نہ ہوں۔

قسطنطنیہ سے جب مارٹینا کے زوال، اس کی اور اس کے گروہ کی رسوائی، ملکہ کی جلاوطنی اور اس کی اولاد کے قتل کی خبریں پہنچیں تو سائرس کے گرد اس کے اپنے زوال کے بعد دکھوں اور غموں کا ہجوم ہو گیا۔ بڑھاپے کے ساتھ ساتھ اُسے پیچش کے مرض نے آلیا اور وہ مر گیا۔

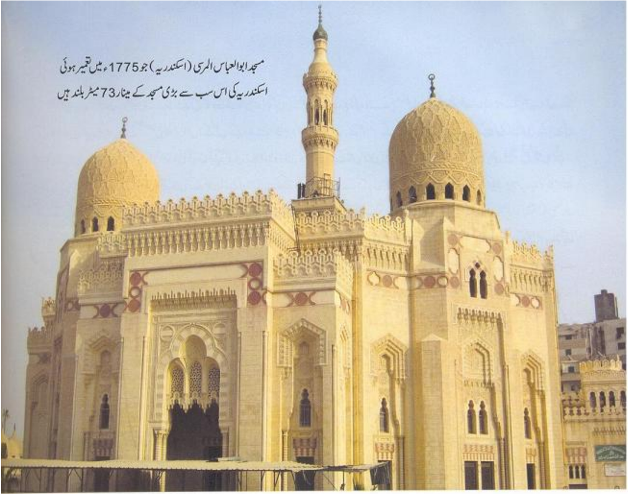
سائرس اپنی موت کے دن تک مقوقس نہیں رہا تھا، البتہ اسکندریہ کے ملکانی کلیسا کا آرچ بشپ ضرور تھا۔ اس کے بعد کلیسا کی کرسی تین ماہ خالی رہی حتی کہ انھوں نے ثماس بطرس کو آرچ بشپ کا خلعت پہنا دیا۔

آرچ بشپ بنیامین اور مسلمانوں کی رواداری

جن دنوں مقوقس سائرس مصر میں اپنا مذہب منوانے کے لیے قتل و غارت اور ظلم و ستم کے سارے حربوں کا بے دریغ استعمال کر رہا تھا، بعض پادریوں سمیت قبطیوں کی بہت بڑی تعداد کو اپنا مذہب چھوڑنا یا رُوپوش ہونا پڑا تھا۔ اسکندریہ کا آرچ بشپ بنیامین بھی روپوش ہو گیا تھا، تاہم سائرس نے اس کے بھائی مینا کو پکڑ لیا اور اس کے دونوں پہلوؤں کی جانب آگ کی مشعلیں جلائیں جس سے اس کے جسم کی ساری چربی پگھل کر زمین پر بہہ گئی اور گھونسے مار مار کر اس کی ڈاڑھیں اور دانت گرا دیے گئے۔ اس پر بھی اس نے ان کے مذہب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو انھوں نے اسے ایک تھیلے میں ڈالا اور سمندر میں غرق کر دیا۔

حالات کا رخ یہی رہا حتی کہ اسلام غالب ہوا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر فتح کرنے کے لیے آن وارد ہوئے۔ ابن عبدالحکم بیان کرتا ہے کہ بنیامین نے ان دنوں قبطیوں کو لکھا تھا کہ اب رومیوں کی سلطنت باقی نہیں رہے گی، اور ان کی بادشاہت ختم ہو جائے گی، لہٰذا وہ عمرو سے مل جائیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جو قبطی ان دنوں فرما کے علاقے میں تھے، وہ عمرو رضی اللہ عنہ کے مددگار بن گئے۔ پھر جب مصر کی فتح پایۂ تکمیل کو پہنچی تو ایک آدمی نے، جس کا نام شنودہ (سانوتیوس) تھا، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کے سابق آرچ بشپ (بطریق) کے متعلق بتایا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے مصر کے سرکاری افسران کو لکھا: ''قبطیوں کا بطریق بنیامین جہاں بھی ہو، ہم اُسے حفاظت اور امان کا یقین دلاتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ کا عہد ہے، لہٰذا آرچ بشپ بے فکر ہو کر یہاں آئے تا کہ اپنے دین کے معاملات سنبھالے اور اپنی ملت کی دیکھ بھال کرے۔''

بنیامین یہ سن کر خوشی خوشی اسکندریہ لوٹا اور عمرو رضی اللہ عنہ نے اعزاز واکرام کے ساتھ اس کے استقبال کا حکم دیا۔ یوں بنیامین نہایت عزت و احترام سے واپس آیا اور سارا مصر اس سے خوش ہوا۔ اس نے وعظ و نصیحت اور نرم خوئی سے لوگوں کو اس مسیحی مذہب کی طرف لوٹا دیا جس سے سائرس نے انھیں



مسجد ابو العباس المرسی (اسکندریہ) جو 1775ء میں تعمیر ہوئی
اسکندریہ کی اس سب سے بڑی مسجد کے مینار 73 میٹر بلند ہیں

ہٹا دیا تھا، اور جو لوگ بھاگ گئے تھے وہ بھی واپس آ گئے۔ بنیامین نے وادیٔ نطرون کی مسیحی خانقاہیں پھر سے آباد کیں جن پر قبطیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

بنیامین کہتا ہے: ''اب میں اپنے شہر اسکندریہ میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہاں خوف کے بعد امن قائم ہو چکا ہے اور آزمائشوں کے بعد لوگ مطمئن ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ظلم وستم اور ان کی سختی ہم سے دور کر دی ہے۔ اور کہنے والے نے سچ کہا کہ اگر مصر میں اسلامی فتوحات نہ ہوتیں تو قبطیوں کا دین زوال پذیر ہو جاتا۔''

اور جب قسطنطنیہ نے مصر کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کے لیے مینوئل کو اسکندریہ کی طرف بھیجا تو بنیامین اور اس کی قوم مسلمانوں کی مدد کے لیے میدان میں آ گئے اور ان سے خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اسکندریہ کی صلح میں انھوں نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی پوری پوری پاسداری کی۔

کلیسا میں بنیامین کے ساتھ ایک پادری اغاتو نامی تھا۔ سائرس کے دور میں وہ بڑھئی کا روپ دھار کر قبطیوں کے گھروں میں جاتا، انھیں تسلی دیتا اور صبر کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ پھر جب بنیامین اپنے منصب پر واپس آیا تو اس نے اغاتو کو اپنا معاون بنا لیا، چنانچہ جب 41ھ/662ء میں بنیامین انتقال کر گیا تو اسے آرچ بشپ کے منصب پر فائز کیا گیا۔

قمری برسوں کا آغاز (یکم محرم) اور اس کے مقابل شمسی تاریخ

دن	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
جمعہ	یکم محرم 1 ہجری	16 جولائی 622ء
منگل	یکم محرم 10ھ	9 اپریل 631ء
اتوار	یکم محرم 11ھ	29 مارچ 632ء
جمعرات	یکم محرم 12ھ	18 مارچ 633ء
پیر	یکم محرم 13ھ	7 مارچ 634ء
ہفتہ	یکم محرم 14ھ	25 فروری 635ء
بدھ	یکم محرم 15ھ	14 فروری 636ء
اتوار	یکم محرم 16ھ	2 فروری 637ء
جمعہ	یکم محرم 17ھ	23 جنوری 638ء
منگل	یکم محرم 18ھ	12 جنوری 639ء
جمعہ	یکم محرم 19ھ	31 دسمبر 639ء
منگل	یکم محرم 20ھ	19 دسمبر 640ء

شمسی برس کا آغاز (یکم جنوری) اور اس کے مقابل ہجری تاریخ

دن	عیسوی تاریخ	ہجری تاریخ
بدھ	یکم جنوری 632ء	2 شوال 10ھ
جمعہ	یکم جنوری 633ء	13 شوال 11ھ
ہفتہ	یکم جنوری 634ء	24 شوال 12ھ
اتوار	یکم جنوری 635ء	6 ذی قعدہ 13ھ
پیر	یکم جنوری 636ء	15 ذی قعدہ 14ھ
بدھ	یکم جنوری 637ء	28 ذی قعدہ 15ھ
جمعرات	یکم جنوری 638ء	9 ذی الحجہ 16ھ
جمعہ	یکم جنوری 639ء	19 ذی الحجہ 17ھ
ہفتہ	یکم جنوری 640ء	2 محرم 19ھ
پیر	یکم جنوری 641ء	14 محرم 20ھ

زمینی فاصلے

1 یوم = 2 برید = 8 فرسخ (فرسنگ)

1 برید = 4 فرسخ = 22.176 کلومیٹر

1 فرسخ = 3 میل = 5544 میٹر (تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر)

1 مرحلہ = 5 تا 6 فرسخ

1 میل[1] = 1848 میٹر

1 غلوہ[2] = 1/10 میل = 184.8 میٹر

1 یہاں میل سے مراد عربی میل ہے جبکہ ہمارے ہاں رائج ایک انگریزی میل 1609 میٹر کے برابر ہوتا ہے۔

2 غلوہ ایک تیر پھینکنے یا 300 تا 400 ہاتھ کے فاصلے کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید)

زمین کی پیمائشیں

1 جریب	=	3600	ذراع (مربع ضلع)
	=	1366	مربع میٹر
موجودہ مصری فدان	=	4200	مربع میٹر = 1 ایکڑ
	=	3.07	جریب

نقدی اور سکے

1 دینار	=	1 مثقال
	=	4.25 گرام خالص سونا=234/3 قیراط
1 درہم	=	10/7 مثقال=14 قیراط
	=	2.975 گرام چاندی

عہد نبوی اور دورِ فتوحات میں 1 دینار = 10 درہم

مراجع ومصادر

اسم الكتاب	المؤلف	دار النشر	سنة النشر
الأتراك العثمانيون في أفريقيا الشمالية	الدكتور عزيز سامح ترجمة: محمود عامر	دار النهضة العربية	طبع1/1409هـ = 1989م
أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم	المقدسي البشاري	دار صادر	طبع 2/ بدون تاريخ
البلدان	اليعقوبي (أحمد بن يعقوب بن جعفر)	طبعة ليدن	1891م
تاريخ الإسكندرية وحضارتها في العصر الإسلامي	السيد عبدالعزيز سالم		
تاريخ الرسل والملوك	محمد بن جرير الطبري	دار المعارف ـ مصر	1986 م
تاريخ بغداد	الخطيب البغدادي	دارالفكر	طبع1/2004 م
تاريخ الجيوش	جورج كاستلان		
تاريخ الدولة العثمانية	يلماز أوزتونا، ترجمة: عدنان محمود سليمان و د/محمود الأنصاري	منشورات مؤسسة فيصل للتمويل، تركيا، إستانبول	1988م
تاريخ الدولة العلية العثمانية	محمد فريد بك، ترجمة: د/ إحسان حقي	دار النفائس	طبع6/1408هـ = 1988م
تاريخ سلاطين آل عثمان	أحمد القرماني، تحقيق: بسام الجابي	دار البشائر	طبع3/1405هـ = 1985م
تاريخ فتوح الشام	محمد بن عبدالله الأزدي		
تاريخ مدينة دمشق	ابن عساكر	دارالفكر ـ بيروت	طبع1/2000 م
التقاويم	محمد محمد فياض		
الجغرافية التاريخية الإسلامية	محمد أحمد حسونة		
جغرافية شبه جزيرة العرب	عمر رضا كحّالة		
جغرافيا العراق الطبيعية	جاسم محمد الخلف		
الجغرافيا العسكرية	الفريق طه الهاشمي	بغداد	طبع 1/1352هـ / 1933م
الخلافة العثمانية	الدكتور عبدالمنعم الهاشمي	دار ابن حزم	طبع 1/1425هـ / 2004م
خير الدين بربروسا	بسام العسيلي	دار النفائس	طبع 3/1406هـ / 1986م
الدولة العثمانية	د/عبدالهادي أستاذ علي أحمد لبن	دار الوفاء	طبع 1/1414هـ / 1994م
	د/وفاء محمد رفعت		

اسم الكتاب	المؤلف	دار النشر	سنة النشر
الدولة العثمانية دولة مفترى عليها	د/عبدالعزيز الشناوي	مكتبة الأنجلو المصرية	1980م
الدولة العثمانية عوامل النهوض وأسباب السقوط	علي محمد الصلابي	دار التوزيع والنشر الإسلامية	2002م
الدولة العثمانية والشرق العربي	د/محمد أنيس	مكتبة الأنجلو المصرية	بدون تاريخ
خريطة العراق الأثرية	مديرية الآثار العراقية	بغداد	بدون تاريخ
سقوط المدائن ونهاية الدولة الساسانية	أحمد عادل كمال	دارالنفائس	بدون تاريخ
سير الآباء البطاركة	ساويرس بن المقفع		
الطريق إلى دمشق	أحمد عادل كمال	دار النفائس- بيروت	طبع2/1984م
الطريق إلى المدائن	أحمد عادل كمال	دار النفائس- بيروت	طبع5/1984م
العبر وديوان المبتدأ والخبر	ابن خلدون	دار ابن حزم	طبع1/2003م
العثمانيون في التاريخ والحضارة	د/ محمد حرب	دار القلم- دمشق	طبع1/1409هـ=1989م
العثمانيون والبلقان	د/ علي حسون	المكتب الإسلامي بيروت	بدون تاريخ
العثمانيون وتكوين العرب الحديث	سيار الجميل	مؤسسة الأبحاث العربية	طبع1/1989م
الفتح الإسلامي لمصر	أحمد عادل كمال	توزيع الأهرام	طبع1/2002م
فتح العرب لمصر	الفريد بتلر ترجمة: محمد فريد أبوحديد	مكتبة مدبولي	1416هـ-1996م
فتوح البلدان	أحمد بن يحيىٰ البلاذري	دارالفكر- بيروت	إعادة الطبعة الأولى 1992م
فتوح مصر وأخبارها	عبدالرحمن بن عبدالله بن عبدالحكم	ليدن (Lydon)	1925م
الفتوحات الإسلامية الكبرى	جون باجوت جلوب		
في الحرب (On War)	كارل فون كلاوزفتز (Karl Von Clausewitz)	دارالكتاب العربي للطبع والنشر	بدون تاريخ
القادسية	أحمد عادل كمال	دار النفائس بيروت	طبع9/1989م
قيام الدولة العثمانية	د/ عبداللطيف دهيش	مكتبة ومطبعة النهضة الحديثة بمكة	طبع2/1416هـ/1995م
قوات البحرية العربية في مياه البحر المتوسط	د/ إبراهيم أحمد العدوي		
المسالك والممالك	ابن خرداذبه	EG.Praile	1889م
المسالك والممالك	الإصطخري	وزارة الثقافة والإرشاد-مصر	1381هـ/1961م

اسم الكتاب	المؤلف	دار النشر	سنة النشر
معجم البلدان	ياقوت الحموي	دار الفكر- بيروت	بدون تاريخ
معجم قبائل العرب القديمة والحديثة	عمر رضا كحّالة	دار العلم للملايين- بيروت	1388هـ/1968م
مفصل جغرافية العراق	طه الهاشمي		





اٹلس فُتوحاتِ اسلامیہ

دنیائے اُردو میں اپنی نوعیت کی پہلی پیشکش

تاریخ، اقوام وملل کے روز وشب کا آئینہ ہے اور تاریخ اسلام نہ صرف ملّتِ اسلامیہ کی چودہ صدیوں کا آئینہ ہے بلکہ یہ رُوئے زمین پر بہترین انسانی تہذیب کی عکاسی بھی کرتی ہے، لہٰذا نئی نسلوں کو اُمّتِ مسلمہ کے عظیم فکری وسیاسی قائدین اور نامور شخصیات کے ساتھ ساتھ ایسے رجالِ کار اور مردانِ شجاع کے کارناموں سے آگاہ کرنا بھی اشد ضروری ہے جنھوں نے اِعلائے کلمۃ الحق کے لیے باطل قوتوں کو جنگی میدانوں میں شکستِ فاش دی اور اُن سرزمینوں میں فروغِ اسلام کی راہ ہموار کی جہاں کفر وجہالت کی گھٹاٹوپ تاریکیاں مسلط تھیں۔

''اٹلس فتوحات اسلامیہ'' اسی اعلیٰ مقصد کے پیش نظر تیار کی گئی ہے۔ اس میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر عثمانی خلیفہ مراد ثالث کے عہد تک بیشتر اسلامی فتوحات کے روز بروز، ماہ بماہ اور سال بسال پیش آمدہ واقعات چہار رنگ نقشوں اور اچھوتی تصاویر کے ساتھ اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ قاری ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، اس کے سامنے جابجا حیرتوں کے در وا ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس پر نئے نئے راز منکشف ہوتے ہیں۔

''اٹلس فتوحات اسلامیہ'' کا مطالعہ خود کیجیے اور اپنے بچوں، عزیز واقارب اور احباب کو اس کی ترغیب دیجیے۔ معنوی اور صُوری حُسن کی حامل یہ لاجواب اٹلس تاریخ وتحقیق کا ایک شاہکار ہے اور اُردو خواں شائقین کے لیے سوغات سے کم نہیں۔

www.ircpk.com

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

9 789960 998442

Book No: 76